BKID-425

کلاسیکی نثر

ایم۔اے، عربی

(سمسٹر-I)

پرچہ اول

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

© مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

سلسلہ مطبوعات نمبر-49

ISBN: 978-93-80322-54-4

Edition: June 2020

ناشر : رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اشاعت : جون 2020

تعداد : 1600

قیمت : 175 روپے (فاصلاتی طرز تعلیم کے طلبا کی داخلہ فیس میں کتاب کی قیمت شامل ہے۔)

مطبع : کرشک پرنٹ سولیوشنس پرائیویٹ لمٹیڈ، حیدرآباد

Classical Arabic Literature-I

Edited by:

Prof. Syed Alim Ashraf

Head, Department of Arabic, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Translation and Publications

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS)

E-mail: directordtp@manuu.edu.in

for

Directorate of Distance Education

E-mail: dir.dde@manuu.edu.in; Website: www.manuu.edu.in

کورس کوآرڈی نیٹر

پروفیسر سید علیم اشرف

مصنفین	اکائی نمبر
ڈاکٹر جاوید ندیم (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)	1 تا 4
ڈاکٹر محمد عمادالدین (عثمانیہ یونیورسٹی)	5,6
ڈاکٹر محمد صفی اللہ خان (عثمانیہ یونیورسٹی)	7,8,9
ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی (جامعہ ملیہ اسلامیہ)	10,11
ڈاکٹر ہیفاء شاکری (جامعہ ملیہ اسلامیہ)	12,13
ڈاکٹر فضل اللہ شریف (عثمانیہ یونیورسٹی)	14,15
ڈاکٹر عبیدالرحمان (جواہر لال نہرو یونیورسٹی)	16

مدیران

ڈاکٹر سید محمد طارق (ذاکر حسین دہلی کالج)

ڈاکٹر محمد لطیف احمد (جامعہ نظامیہ)

ڈاکٹر ثمینہ کوثر (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)

ڈاکٹر محمد عبدالعلیم (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)

ڈاکٹر سید محمد عمر فاروق (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)

ڈاکٹر محمد رحمت حسین (مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی)

ٹائٹل پیج: ڈاکٹر ظفر گلزار

فہرست

				صفحہ
	پیغام		وائس چانسلر	6
	ڈائرکٹر کا پیغام		ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم	7
	پیش لفظ		ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز	8
	کتاب کا تعارف		کوآرڈینیٹر	9
بلاک I			عصر جاہلی میں عربی نثر	
	اکائی	1	نثر: تعریف اور قسمیں	11
	اکائی	2	عصر جاہلی میں عربی نثر کا نشوونما اور اس کی خصوصیات	25
	اکائی	3	نثر جاہلی کے نمونے: خطابت	50
	اکائی	4	ضرب الامثال، حکیمانہ اقوال اور وصیتیں	64
بلاک II			عصر اسلامی و اموی میں عربی نثر	
	اکائی	5	قرآنی اقتباسات	78
	اکائی	6	حدیث کے اقتباسات	107
	اکائی	7	عصر اسلامی کا نمونۂ خطابت	138
	اکائی	8	عصر اموی کا نمونۂ خطابت	155
	اکائی	9	خطوط نگاری	181
بلاک III			عصرِ عباسی اول میں عربی نثر	
	اکائی	10	"في فضل الأقدمين" از: ابن المقفع	198
	اکائی	11	"بخيل حكيم" از: جاحظ	212

اکائی	12	"کتاب ینوب عن الکتائب" از: ابن العمید	234
اکائی	13	"البحر" از: صاحب ابن عباد	248

بلاک IV عصر عباسی دوم میں عربی نثر

اکائی	14	"المقامة المضيرية" از: بدیع الزماں ہمذاني	260
اکائی	15	"المقامة الزبيدية" از: الحريري	284
اکائی	16	اقتباس	306

(ا) "ضرب الأمثال" از: المبرد (الکامل)

(ب) "خلافة الأمين" از: ابن جریر الطبری

پیغام
وائس چانسلر

وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے جس ایکٹ کے تحت مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے اُس کی بنیادی سفارش اُردو کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کا فروغ ہے۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو ایک طرف اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد بناتا ہے تو دوسری طرف ایک امتیازی وصف ہے، ایک شرف ہے جو ملک کے کسی دوسرے اِدارے کو حاصل نہیں ہے۔ اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ بھی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود ہو گئی ہے۔ یہی کیفیت رسائل و اخبارات کی اکثریت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہماری یہ تحریریں قاری کو کبھی عشق و محبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُر سیاسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں، کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ شکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔ تاہم اُردو قاری اور اُردو سماج آج کے دور کے اہم ترین علمی موضوعات چاہے وہ خود اُس کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، وہ جن مشینوں اور آلات کے درمیان زندگی گزار رہا ہے اُن کی بابت ہوں یا اُس کے گرد و پیش اور ماحول کے مسائل ۔۔۔۔ وہ ان سے نابلد ہے۔ عوامی سطح پر ان اصناف کی عدم دستیابی نے علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے جس کا مظہر اُردو طبقے میں علمی لیاقت کی کمی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اسکولی سطح کی اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چونکہ اُردو یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم ہی اُردو ہے اور اس میں علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا ان تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ اِسی مقصد کے تحت ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں آیا ہے اور احقر کو اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اپنے قیام کے محض ایک سال کے اندر ہی یہ برگِ نو، ثمر آور ہو گیا۔ اس کے ذمہ داران کی انتھک محنت اور قلم کاروں کے بھرپور تعاون کے نتیجے میں کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ چل پڑا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کم سے کم وقت میں نصابی اور ہم نصابی کتابوں کی اشاعت کے بعد اِس کے ذمہ داران، اُردو عوام کے واسطے بھی علمی مواد، آسان زبان میں تحریر عام فہم کتابوں اور رسائل کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کریں گے تاکہ ہم اِس یونیورسٹی کے وجود اور اس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کر سکیں۔

پروفیسر ایوب خان

انچارج وائس چانسلر

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

ڈائرکٹر کا پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم سارے عالم میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور چہار سو اس طریقے سے بڑی تعداد میں لوگ تعلیم اور اسناد سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طریقے کو اختیار کیا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اِس یونیورسٹی نے روایتی طریقۂ تعلیم سے پہلے فاصلاتی طریقے سے تعلیم کو اُردو عوام تک پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے پہل یہاں کے تدریسی پروگراموں کے لیے بعض دوسری یونیورسٹیوں کے نصابی مواد سے من وعن اور بشکل ترجمہ استفادہ کیا گیا۔ اِرادہ یہ تھا کہ بہت تیزی سے اپنا نصابی مواد تیار ہو جائے گا اور بتدریج دوسری یونیورسٹیوں پر سے انحصار ختم ہو جائے گا۔ لیکن جب نصابی مواد کی تیاری کا سلسلہ شروع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ یہ اتنا آسان کام نہیں تھا۔ قدم قدم پر مسائل پیش آئے اور مختلف النوع اُلجھنوں نے رفتار کو سست کر دیا۔ مگر کوششیں جاری رہیں اور نتیجے کے طور پر اب بہت تیزی سے یونیورسٹی نے اپنے نصابی مواد کی اشاعت شروع کر دی ہے۔ اور جلد ہی انشاء اللہ ہمارے سبھی کورسز کی کتابیں ہماری خود کی ہوں گی۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم (ڈی ڈی ای)، مانو نے طلبا کی سہولت کے لیے ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے جس میں 9 علاقائی مراکز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور 5 ذیلی علاقائی مراکز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح اور امراوتی) شامل ہیں۔ ہر علاقائی/ ذیلی علاقائی مرکز (Regional Centre/Sub Regional Centre) فاصلاتی تعلیم کے طلبا کو "Learner Support Centre" کے ذریعے تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتا ہے۔ سال 18-2017 میں، نظامت فاصلاتی تعلیم میں علاقائی/ ذیلی علاقائی مراکز کے ذریعے 158 'Study Centres'' چلائے جا رہے تھے۔ اب جن کا نام 'Learner Support Centre'' ہو گیا ہے۔ اپنے آپ کو جدید تر بنانے اور فاصلاتی طلبا کی سہولت کے لیے معیار میں اضافہ کرنے کی خاطر ڈی ڈی ای نے یو جی اور نئے ایم اے پروگراموں کے لیے انتخاب پر مبنی کریڈٹ سسٹم (Choice Based Credit System-CBCS) متعارف کیا ہے۔ ڈی ڈی ای نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ اب ڈی ڈی ای کے تمام پروگراموں کے لیے داخلے صرف آن لائن طریقے سے ہی دیے جا رہے ہیں۔

کسی بھی وقت، کہیں بھی اکتسابی ماحول فراہم کرنے کے لیے یونیورسٹی کا 'انسٹرکشنل میڈیا سنٹر' ویڈیو لکچرز تیار کر رہا ہے جو یوٹیوب چینل http://youtube.com/u/imcmanuu پر دستیاب ہیں۔ مستقبل میں یونیورسٹی کی ویب سائٹ کے ذریعے طلبا کو اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں فراہم کرنے کا بھی منصوبہ ہے۔ ڈی ڈی ای اور طلبا کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے جس کے ذریعے طلبا کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات (Assignments) کونسلنگ اور امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

فی الحال نظامتِ فاصلاتی تعلیم میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورس پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلائے جا رہے ہیں۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز (Skill Based Courses) بھی شروع کیے جائیں گے۔ اپنی کاوشوں کے ذریعے ڈی ڈی ای نارساؤں تک رسائی کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ امید ہے کہ سماج کے تعلیمی، معاشی اور ثقافتی طور پر پچھڑے طبقات کو مرکزی دھارے میں لانے میں ڈی ڈی ای، مانو کا بھی نمایاں کردار رہے گا۔

پروفیسر ابوالکلام

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

پیش لفظ

ہندوستان میں اُردو ذریعہ تعلیم کی خاطر خواہ ترقی نہ ہو پانے کے اسباب میں ایک اہم سبب اُردو میں نصابی کتابوں کی کمی ہے۔اس کے متعدد دیگر عوامل بھی ہیں لیکن اُردو طلبہ کو نصابی اور معاون کتب نہ ملنے کی شکایت ہمیشہ رہی ہے۔ 1998ء میں جب مرکزی حکومت کی طرف سے مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو اعلیٰ سطح پر کتابوں کی کمی کا احساس شدید ہو گیا۔ اعلیٰ تعلیمی سطح پر صرف نصابی کتابوں کی نہیں بلکہ حوالہ جاتی اور مختلف مضامین کی بنیادی نوعیت کی کتابوں کی ضرورت بھی محسوس کی گئی۔ فاصلاتی طریقہ تعلیم کے تحت چونکہ طلبہ کو نصابی مواد کی فراہمی ضروری ہے لہٰذا اُردو یونیورسٹی نے مختلف طریقوں سے اُردو میں مواد کا نظم کیا۔ کچھ مواد یہاں بھی تیار کیا گیا مگر علمی کتابوں کی منظم اور مستقل اشاعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا جا سکا۔

سابق شیخ الجامعہ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے اپنی آمد کے ساتھ ہی اُردو کتابوں کی اشاعت کے تعلق سے انقلاب آفریں فیصلہ کرتے ہوئے ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز کا قیام عمل میں لایا۔ اس ڈائرکٹوریٹ میں بڑے پیمانے پر نصابی اور دیگر علمی کتب کی تیاری کا کام جاری ہے۔ کوشش یہ کی جارہی ہے کہ تمام کورسز کی کتابیں متعلقہ مضامین کے ماہرین سے راست طور پر اُردو میں ہی لکھوائی جائیں۔ اہم اور معروف کتابوں کے تراجم کی جانب بھی پیش قدمی کی گئی ہے۔ توقع ہے کہ مذکورہ ڈائرکٹوریٹ ملک میں اشاعتی سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز ثابت ہوگا۔ اب تک یہاں سے چار درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور توقع ہے کہ آنے والے دنوں میں بھی یہاں سے کثیر تعداد میں اُردو کتابیں شائع ہوں گی۔

زیر نظر کتاب فاصلاتی طریقہ تعلیم کے تحت پی جی سمسٹر اول کے طلبہ کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے روایتی طریقہ تعلیم کے طلبہ بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ کتاب کی تیاری میں حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ طلبہ یہاں جن موضوعات کا مطالعہ کریں ان پر انہیں بھرپور اور مکمل مواد دستیاب ہو جائے۔

یہ اعتراف ضروری ہے کہ حالیہ عرصے میں جو بھی کتابیں شائع کی جارہی ہیں ان میں شیخ الجامعہ کی راست سرپرستی اور نگرانی شامل ہے۔ اُن کی خصوصی دلچسپی کے بغیر اس کتاب کی اشاعت ممکن نہ تھی۔ نظامت فاصلاتی تعلیم اور شعبہ عربی کے اساتذہ اور عہدیداران کا بھی عملی تعاون شاملِ حال رہا ہے جس کے لیے اُن کا شکریہ بھی واجب ہے۔

اُمید ہے کہ قارئین اور ماہرین اپنے مشوروں سے نوازیں گے۔

پروفیسر محمد ظفر الدین
ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز

کتاب کا تعارف

عربی زبان دنیا کی اہم زبانوں میں سے ایک ہے۔ یہ زبانوں کے افرو-ایشیائی خاندان کے ایک بڑے لسانی گروہ سامی زبانوں کا حصہ ہے، دوسری سامی زبانوں میں عبرانی، آرامی اور امہری وغیرہ شامل ہیں۔ عربی اقوام متحدہ میں استعمال ہونے والی چھ رسمی زبانوں میں سے ایک ہے، بائیس عرب ممالک کی سرکاری زبان اور کئی ملکوں کی دوسری سرکاری زبان ہے جیسے: مالی، چاڈ، اریٹیریا اور صومالیہ وغیرہ۔ عربی زبان عہد وسطی میں علم و حکمت اور سائنس وٹکنالوجی کی زبان تھی، اس حیثیت کے سبب اس نے دنیا کی تقریبا سو زبانوں کو متاثر کیا ہے اور انھیں ہر دو علمی ولغوی اعتبار سے مالا مال کیا ہے، جن میں سر فہرست فارسی ترکی اور اردو زبانیں آتی ہیں۔ آج کے تناظر میں بھی عربی ایک اہمیت کی حامل زبان ہے۔ شرق اوسط میں تیل کی دولت سے مالا مال ملکوں کی موجودگی نے اس زبان کی اہمیت کو دوبالا کر دیا ہے اور عربی زبان اور اس کے متعلمین و مکتسبین کے لیے کئی نئے امکانات کے دروازے کھول دیے ہیں۔

زیر نظر کتاب فاصلاتی نظام تعلیم کے ایم اے عربی سمسٹر-I کے طلبہ کے لیے تیار کی گئی ہے جو روایتی طرز تعلیم کے طلبہ کے لیے بھی یکساں طور پر مفید و معاون ہے، کیونکہ یہ بیورو برائے فاصلاتی تعلیم (DEB) کی ہدایات مجریہ 18-2017 کے مطابق ہے، جس کے بموجب فاصلاتی اور روایتی دونوں طرز تعلیم کا نصاب یکساں ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہ کورس مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں جاری روایتی طرز تعلیم کے ایم اے کے نصاب کے عین مطابق ہے۔

یہ کتاب چار بلاک اور سولہ اکائیوں پر مشتمل ہے جو عربی زبان کے کلاسیکی ادبی نثر کے نمونوں سے عبارت ہے اور اس کا مقصد طلبہ میں کلاسیکی عربی نصوص کو سمجھنے کی قدرت پیدا کرنا اور ان کے اندر فصیح عربی کا صحیح ذوق پیدا کرنا ہے اور مختلف دور میں عربی نثر کی خصوصیات، اس کے اصناف اور اسالیب بیان سے واقف کرانا ہے۔ واضح رہے کہ ابتداءً یہ کتاب اکیس اکائیوں پر مشتمل تھی جن میں سے بعض کو حذف کیا گیا ہے اور بعض کو دوسری اکائیوں میں ضم کر دیا گیا ہے اور یہ تبدیلی بیورو برائے فاصلاتی تعلیم (DEB) کے اصول وضوابط کے مطابق کی گئی ہے۔ جن تین اکائیوں کو حذف کیا گیا ہے ان میں بلاک دو، تین اور چار کی تعارفی اکائیاں ہیں جن میں عصر اسلامی وعصر اموی، عصر عباسی اول اور عصر عباسی دوم کا تعارف کرایا گیا تھا اور ان کا تاریخی پس منظر بیان کیا گیا تھا۔ طلبہ ان معلومات کے لیے اسی سمسٹر کی کتاب ''تاریخ ادب عربی-I'' سے رجوع کر سکتے ہیں۔ بلاک ایک میں موجود اکائی: ''عصر جاہلی میں عربی نثر کا ارتقا اور اس کی خصوصیات'' کے عنوان سے دو اکائیوں کو ضم کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح ''الکامل'' للمبرد اور ''تاریخ الأمم والملوک'' کے دو اقتباسات جو پہلے مستقل اکائیاں تھے انھیں بھی باہم ضم کر دیا گیا ہے۔

کتاب کے پہلے بلاک میں عصر جاہلی میں عربی نثر کی تعریف، اس کی نشو ونما، اس کے اصناف کو بیان کیا گیا ہے اور جاہلی نثر کے مختلف نمونوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ دوسرے بلاک میں صدر اسلام اور اموی عصر کی عربی نثر کو موضوع بنایا گیا ہے۔ قرآن وحدیث اور عربی خطبات اور ان

کی اہم خصوصیات اور فنی امتیازات کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے بلاک میں عصر عباسی اول اور چوتھے میں عصر عباسی ثانی میں عربی نثر کا شرح وبسط کے ساتھ مطالعہ کیا گیا ہے۔ نثری نمونوں کے انتخابات میں اسلوبی اور فنی تنوع کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

چونکہ اس کتاب کو ''خود اکتسابی مواد'' (S.L.M.) کے طور پر تیار کیا گیا ہے لہٰذا ان اصولوں اور طریقوں کی پوری طور پر رعایت کی گئی ہے جن کی روشنی میں اس قسم کا تعلیمی مواد تیار کیا جاتا ہے، تاکہ فاصلاتی نظام کے طلبہ کو ان اسباق کے پڑھنے اور سمجھنے میں نہ کوئی دقت آئے نہ کسی بیرونی ذریعے یا خارجی مدد کی حاجت پیش آئے۔

پروفیسر سید علیم اشرف جائسی
کورس کوآرڈینیٹر
مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

اکائی 1: نثر : تعریف اور قسمیں

اکائی کے اجزا

1.1 مقصد

1.2 تمہید

1.3 تعریف

1.4 نثر کے لغوی اور اصطلاحی معنی

1.5 نثر کی قسمیں

1.5.1 نثر مرسل

1.5.2 نثر فنی

1.6 اکتسابی نتائج

1.7 نمونے کے امتحانی سوالات

1.8 فرہنگ

1.9 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ سے آپ میں نثر کو اس کی حقیقت و ماہیت کے ساتھ پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہوگی اور آپ کو نثر اور نظم میں علمی فرق کرنے کی قدرت حاصل ہوگی، نیز نثر کی مختلف قسموں اور ان کی افادیت سے واقفیت ملے گی، اسی طرح نثر کے مختلف نمونوں سے آشنا ہونے کا موقع ملے گا۔

1.2 تمہید

انسان کے پاس عقل وفہم کی نعمت بہت بڑا سرمایہ ہے۔ اسی نعمت کے سہارے وہ اپنے خیالات واحساسات معاشرہ کے دوسرے افراد تک پہنچاتا ہے۔ اپنی معلومات سے دوسروں کو باخبر کرتا ہے۔ عقل وفہم کی بنیاد پر جب انسان ترقی کرتا ہے تو فکر میں بالیدگی اور بلندی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے تجربہ میں نئی نئی چیزیں آتی ہیں، معلومات میں نئی نئی جہتیں پیدا ہوتی ہیں، انسان ان تجربات سے اور نئی جہتوں سے خود بھی فائدہ حاصل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے خیالات اور تصورات سے متعارف کراتا ہے، لہٰذا عقل ودانش کی یہ نعمت انسان کی فکری پرواز اور عملی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے، انسان چونکہ عقل کی بنیاد پر اپنے معاملات طے کرتا ہے لہٰذا اپنے ارادوں اور فیصلوں کا اظہار اپنی زبان سے کرتا ہے، زبان سے اس اظہار کو کلام کہتے ہیں، جسے ہم عام فہم زبان میں ''بات کرنا'' کہتے ہیں۔

کلام کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

1. کلام منثور یعنی نثری کلام جسے نثر کہا جاتا ہے۔
2. کلام منظوم یعنی منظوم کلام جسے نظم کہا جاتا ہے۔

1.3 تعریف

انسان بغیر کسی وزن یا قافیہ کا اہتمام کیے جب بات کرتا ہے تو اسے نثر کہتے ہیں، چونکہ زبان سے جو بات نکلتی ہے اسے کلام کہتے ہیں اگر اس کلام کو عام انداز میں پیش کیا جائے، جس میں وزن اور قافیہ کا خیال نہ رکھا جائے تو وہ کلام نثر کہلاتا ہے، نثر کا اسلوب رواں ہوتا ہے، کسی قید یا ضابطہ کا پابند نہیں ہوتا ہے، انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے نثر کے اسلوب میں ہی بات چیت کرتا ہے، کوئی بھی انسان جب بولنا سیکھتا ہے تو عام فہم انداز میں اپنی بات رکھتا ہے، اس میں کسی تکلف یا تصنع کا دخل نہیں ہوتا ہے، مافی الضمیر کو سادہ طریقہ سے پیش کرتا ہے، یہی نثر ہے۔

نثر میں جملہ کبھی چھوٹا ہوتا ہے، کبھی بڑا ہوتا ہے، صاحب کلام دوران گفتگو اس کا خیال نہیں کرتا ہے کہ جملے وزن کے اعتبار سے یکساں اور برابر ہوں، بلکہ موقع کی مناسبت سے اپنی رو میں جملوں کو ترتیب دیتا چلا جاتا ہے، جیسے جیسے اس کے ذہن میں خیالات اُبھرتے چلے آتے ہیں، وہ جملوں کو ادا کرتا چلا جاتا ہے، بات کرنے والے کے تصور میں یہ اہتمام نہیں ہوتا ہے کہ جملے یکساں یا مشابہ الفاظ پر مکمل ہوں، بلکہ صورتحال کے پیش نظر جو بھی الفاظ اس کے ذہن کی سطح پر نمودار ہوتے ہیں، انہیں جملوں کی ساخت میں ترتیب دیتا چلا جاتا ہے۔

1.4 نثر کے لغوی اور اصطلاحی معنی

عربی زبان کے ماہرین کا کہنا ہے کہ نثر لغت کے اعتبار سے نَثَرَ یَنثَرُ یا یَنثِرُ سے ماخوذ ہے، جس کا مصدر نَثْراً و نِثاراً ہے، اس کا معنی بکھرنا یا

پھیلانا ہے، مثلاً نَشَرَ الشيئَ یعنی کسی چیز کو بکھیر دیا یا منتشر کر دیا، نَشَرَ الماءَ من أنفِه بنفسِه یعنی خود اپنی ناک سے پانی جھاڑا، وضو کے وقت ناک میں پانی لے کر صاف کرنے کی غرض سے چھڑکنے کو استنثار کہتے ہیں۔

اسی طرح نَشَرَ الكلامَ یعنی اس نے نثر کے اسلوب میں بات کی، اس سے مراد یہ ہے کہ گفتگو شعر کے انداز میں یا منظوم شکل میں نہیں کی گئی، بلکہ نثر کے انداز میں، بغیر کسی وزن اور قافیہ کا اہتمام کیے کی گئی، خواہ وہ بات تقریری شکل میں ہو یا تحریری شکل میں، خواہ خطابت کے طرز پر ہو یا قلم کے ذریعہ لکھ کر بات کی گئی ہو۔

اسی طرح نَشَرَ السِرَّ یعنی اس نے راز فاش کر دیا، مطلب یہ کہ کوئی بات پہلے صیغۂ راز میں محفوظ تھی اب اس کو برسر عام کر دیا۔

لفظ النَثْرُ اسم ہے، معرفہ ہے، اس سے مراد تحریر و تقریر کی وہ شکل ہے جو غیر منظوم طرز پر پیش کی جائے، کیونکہ جو بات منظوم انداز میں کہی جاتی ہے اس میں وزن ہوتا ہے اور قافیہ کا اہتمام ہوتا ہے، اصطلاح میں النثر اس کلام کو کہتے ہیں جو تقریر یا تحریر کی شکل میں بغیر کسی وزن اور قافیہ کے خیال کے پیش کیا جائے۔

1.5 نثر کی قسمیں

بنیادی طور پر نثر کی دو قسمیں ہیں۔

1. نثر مرسل 2. نثر فنی

پھر نثر مرسل کی دو قسمیں ہیں:

1. نثر بسیط۔ اسے نثر عادی بھی کہتے ہیں 2. نثر علمی

اسی طرح نثر فنی کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں:

1. نثر وصفی 2. نثر انشائی

آئندہ سطور میں ان تمام قسموں کی وضاحت کی جائے گی۔

1.5.1 نثر مرسل

نثر مرسل اس کلام کو کہتے ہیں جس میں صاحب کلام بلا تکلف رواں اسلوب میں اپنی بات مخاطب تک پہنچا دے، اس میں عقل و فکر کو مخاطب کر کے بات کی جاتی ہے، استعارہ و کنایہ کا سہارا نہیں لیا جاتا ہے، نہ ہی تخیلات کی دنیا میں سیر کی جاتی ہے۔

نثر مرسل کی قسمیں:

1. نثر بسیط 2. نثر علمی

نثر بسیط: اس کو نثر عادی بھی کہتے ہیں یعنی نثر عمومی، درحقیقت یہ نثر کا ابتدائی مرحلہ ہے، کسی بھی صاحب کلام کا ایک مرحلہ ایسا ہوتا ہے جب وہ اپنی بات عام فہم انداز میں رکھتا ہے، رفتہ رفتہ اسے الفاظ اور تعبیرات کے استعمال کا شعور حاصل ہوتا ہے، بیان پر قدرت حاصل ہوتی ہے، الفاظ و معانی کے مختلف گوشوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے، موقع کے اعتبار سے اظہار خیال کرتا ہے، ایسا کبھی نہیں ہوتا ہے کہ صاحب کلام ابتدا سے ہی فنی

اسلوب میں اپنے خیالات کو ترتیب دے، چنانچہ نثر کے اس ابتدائی اسلوب کو جس میں صاحب کلام سادگی اور وضاحت کے ساتھ اپنی بات مخاطب کے سامنے پیش کرتا ہے نثر بسیط کہتے ہیں۔

اس بات کو بخوبی ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ عالمی ادب کی ہر شکل خواہ وہ عہد رفتہ کی سلوٹوں میں دفن ہوچکی ہو یا دور حاضر میں رائج اور زیر استعمال ہو، نثر بسیط کے مرحلہ سے اس کا گزر یقینی ہے، نثر بسیط کے بعد ہی زبان کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

نثر بسیط میں عام طور پر عمومی گفتگو کا انداز ہوتا ہے جس کا مقصد اظہار غرض، وعظ ونصیحت، تنبیہ ورہنمائی ہوتا ہے۔

نثر بسیط کے نمونے:

عن عبد الله بن عمرو، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أنه قال "هلْ تدرُون مَن أولُ مَن يَدخُل الجنةَ مِن خَلْق الله؟"، قالوا: الله ورسوله أعلمُ، قال: "أولُ مَن يدخلُ الجنة، من خلق الله الفُقَراء المُهاجِرون الذين يُسَدُّ بِهِمُ الثُغورُ، وتُتَّقَى بِهِمُ المَكارِهُ، ويَموتُ أحدُهم، وحاجتُه في صدره لا يستطيعُ لها قَضاءً، فيقول الله لمنْ يشاءُ مِن ملائكتِه: ائتُوهم فحَيُّوهم، فيقول الملائكة: ربَّنا نحن سُكَّانُ سماواتِک، وخِيَرتُک مِن خَلْقک، أفتأمرُنا أن نأتيَ هؤلاء فنُسَلِّمَ عليهم؟ قال: إنهم كانوا عبادا يعبدونَني لا يُشركون بي شيئًا، وتسَد بهم الثغور، وتتقى بهم المكاره، ويموت أحدهم، وحاجته في صدره لا يستطيع لها قضاء، قال: فتأتيهمُ الملائكة عند ذلک، فيدخلون عليهم من كل باب: سلامٌ عليكم بما صبرتم فنِعْمَ عُقبَى الدار". (رواه ابن حبان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضي اللہ عنہما نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ اللہ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جنت میں کون داخل ہوگا؟ صحابہؓ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کی مخلوق میں سب سے پہلے جو جنت میں داخل ہوگا وہ تنگ حال مہاجرین ہوں گے جن کے ذریعہ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے، ناگوار صورتحال میں ان کو آگے رکھ کر بچاؤ کا انتظام کیا جاتا ہے اور ان میں سے کسی کو جب موت آتی ہے تو اس کی ضرورت اس کے سینہ میں ہی رہ جاتی ہے، اس کو وہ پورا بھی نہیں کر پاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں سے جس کو چاہے گا کہے گا: تم لوگ ان لوگوں کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو، فرشتے کہیں گے: ہمارے پروردگار! ہم آپ کے آسمانوں کے باشندے ہیں، آپ کی بہترین مخلوق ہیں، پھر بھی آپ ہمیں حکم دے رہے ہیں کہ ہم ان کے پاس جائیں اور انہیں سلام کریں! تو اللہ تعالیٰ کہے گا: یہ لوگ میرے ایسے بندے ہیں جو میری عبادت کیا کرتے تھے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا کرتے تھے، ان کے ذریعہ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی، ناگوار حالات میں انہیں آگے رکھ کر بچاؤ کا انتظام کیا جاتا تھا اور ان میں سے کسی کو جب موت آجاتی تو اس کی ضرورت اس کے سینہ میں ہی رہ جاتی تھی وہ اس کو پورا بھی نہیں کر پاتا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: چنانچہ فرشتے اس وقت ان کے پاس جائیں گے اور ہر دروازہ سے ان کے پاس پہنچیں گے (اور کہیں گے): آپ لوگوں پر سلامتی ہو آپ کے صبر کرنے کی وجہ سے، کیا ہی خوب انجام کار ہے۔ (ابن حبان)

اسی طرح نثر بسیط کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجیے۔

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "- إنَّ لِلهِ مَلائِكَةً يَطوفُونَ في الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أهْلَ الذِّكْرِ، فإذا وجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنادَوْا: هَلُمُّوا إلى حاجَتِكُمْ قالَ: فَيَحُفُّونَهُمْ بأَجْنِحَتِهِمْ إلى السَّماءِ الدُّنْيا قالَ: فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ، وهو أعْلَمُ

منهمْ، ما يقولُ عِبادِي؟ قالوا: يقولونَ: يُسَبِّحُونَکَ ویُکَبِّرُونَکَ ویَحْمَدُونَکَ ویُمَجِّدُونَکَ قالَ: فيَقولُ: هلْ رَأَوْنِي؟ قالَ: فيَقولونَ: لا و الله ما رَأَوْکَ؟ قالَ: فيَقولُ: و كيفَ لو رَأَوْنِي؟ قالَ: يقولونَ: لو رَأَوْکَ كانُوا أشَدَّ لکَ عِبادَةً، وأَشَدَّ لکَ تَمْجِيدًا وتَحْمِيدًا، وأَكْثَرَ لکَ تَسْبِيحًا قالَ: يقولُ: فَما يَسْأَلُونِي؟ قالَ: يَسْأَلُونَکَ الجَنَّةَ قالَ: يقولُ: وهلْ رَأَوْها؟ قالَ: يقولونَ: لا و الله يا رَبِّ ما رَأَوْها قالَ: يقولُ: فَكيفَ لو أنَّهُمْ رَأَوْها؟ قالَ: يقولونَ: لو أنَّهُمْ رَأَوْها كانُوا أشَدَّ عليها حِرْصًا، وأَشَدَّ لها طَلَبًا، وأَعْظَمَ فيها رَغْبَةً، قالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ؟ قالَ: يقولونَ: مِنَ النَّارِ قالَ: يقولُ: وهلْ رَأَوْها؟ قالَ: يقولونَ: لا و الله يا رَبِّ ما رَأَوْها قالَ: يقولُ: فَكيفَ لو رَأَوْها؟ قالَ: يقولونَ: لو رَأَوْها كانُوا أشَدَّ مِنْها فِرارًا، وأَشَدَّ لها مَخافَةً قالَ: فيَقولُ: فَأُشْهِدُكُمْ أنِّي قدْ غَفَرْتُ لهمْ قالَ: يقولُ مَلَکٌ مِنَ المَلائِكَةِ: فيهم فُلانٌ ليسَ منهمْ، إنَّما جاءَ لِحاجَةٍ. قالَ: هُمُ الجُلَساءُ لا يَشْقَى بهِمْ جَلِيسُهُمْ". (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو اللہ کا ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے ہوئے راستوں میں پھرتے رہتے ہیں، چنانچہ جب وہ ایسے لوگوں کو پاتے ہیں جو اللہ کا ذکر کررہے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دے کر بلاتے ہیں، آجاؤ اپنے مقصود کے پاس، چنانچہ وہ فرشتے انہیں اپنے پَروں سے ڈھانپ لیتے ہیں، فرشتوں کا یہ سلسلہ آسمانِ دنیا تک چلا جاتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا پروردگار ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان کے احوال سے بخوبی واقف ہے: میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں: وہ آپ کی تسبیح بیان کررہے ہیں، آپ کی بڑائی بیان کررہے ہیں، آپ کی تعریف کررہے ہیں اور آپ کی عظمت کا ذکر کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم انھوں نے آپ کو نہیں دیکھا ہے، تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: اگر وہ لوگ مجھے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ لوگ آپ کو دیکھ لیتے تو آپ کی اور بھی زیادہ عبادت کرتے اور بھی زیادہ آپ کی عظمت بیان کرتے اور مزید آپ کی تسبیح بیان کرتے، اللہ پوچھتا ہے: وہ مجھ سے کیا طلب کررہے ہیں؟ فرشتوں نے کہا: وہ آپ سے جنت طلب کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: کیا انھوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم اے میرے پروردگار انھوں نے اسے نہیں دیکھا ہے، اللہ پوچھتا ہے: اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو اس کے اور بھی زیادہ خواہش مند ہوتے اور بھی زیادہ شدت سے طلب کرتے اور اس میں ان کی دلچسپی اور بھی زیادہ ہوتی، اللہ پوچھتا ہے: کس چیز سے وہ پناہ مانگ رہے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں: دوزخ سے، اللہ پوچھتا ہے: کیا ان لوگوں نے دوزخ دیکھا ہے؟ تو فرشتے جواب دیتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم اے میرے پروردگار انھوں نے اسے نہیں دیکھا ہے، اللہ پوچھتا ہے: اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیتے تو اس سے اور بھی زیادہ بھاگتے اور بھی زیادہ خوف کھاتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کی مغفرت کردی ان فرشتوں میں سے ایک کہتا ہے: ان لوگوں میں ایک فلاں شخص ایسا بھی ہے جو ان لوگوں سے الگ ہے، وہ ایک ضرورت سے آیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ لوگ ایسے ہم نشیں ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا ہے۔ (بخاری)

نثر علمی: نثر مرسل کی دوسری قسم نثر علمی ہے، اس نثر کے ذریعہ کسی علمی موضوع پر اظہار خیال کیا جاتا ہے جس میں انسانی ذہن وعقل کو مخاطب کیا جاتا ہے، اس میں افسانوی خیالات اور جذباتی طرز بیان کا دخل نہیں ہوتا ہے، بلکہ کائنات کے حقائق پر روشنی ڈالی جاتی ہے، انسانی زندگی میں

پیش آنے والے واقعات کا جائزہ لیا جاتا ہے، منطقی بنیادوں پر ان کا تجزیہ کیا جاتا ہے، احوال وواقعات کے اثرات کی طرف نشاندہی کی جاتی ہے، امکانی نتائج سے باخبر کیا جاتا ہے، مذاکرہ کا انداز حقائق ودلائل پر مبنی ہوتا ہے۔

اس نثر کے ذریعہ صاحب کلام علمی اور معلوماتی فوائد پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے واضح اور سلیس زبان اختیار کی جاتی ہے، تحریر میں سنجیدگی ہوتی ہے، بات کو ذمہ دارانہ الفاظ وتراکیب میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب کسی پیچیدگی کا شکار نہ ہو بلکہ مقصود کلام کو بعینہ سمجھ سکے اور مطلوبہ نتیجہ تک پہنچ جائے، نثر کا یہ اسلوب تحقیقی وعلمی تصانیف میں استعمال کیا جاتا ہے مثلاً فن طب میں، عقائد کی بحث میں، تاریخی احوال کے تذکرہ میں، سائنس اور فلسفہ کی شرح وتوضیح میں، اس اسلوب میں پیچیدہ سے پیچیدہ موضوعات کو بھی بہت سہل اور قابل فہم انداز میں پیش کیا جاتا ہے، تاکہ آسانی کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت ہوجائے، مخاطب کے ذہن کی گرہیں کھل جائیں، اس سلسلہ میں صاحب کلام نہایت خوش اسلوبی سے اپنی بات پیش کرتا ہے، کسی تکلف یا تصنع کا سہارا نہیں لیتا ہے، اس طرز بیان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب شکوک وشبہات سے محفوظ رہے، ذہن کسی الجھاؤ میں نہ پڑے اور بحسن وخوبی غرض کلام کا ادراک کرسکے۔

نثر علمی کے نمونے:

اعلَمْ أنّ العُدوانَ على الناس في أموالِهم ذاهِبٌ بآمالِهم في تحصيلِها واكتِسابِها لِمَا يَرَونه حينئذٍ مِن أنَّ غايتَها ومَصيرَها انتِهابُها مِن أيديْهِم وإذا ذهبتْ آمالُهم في اكتسابها وتحصيلها انقبَضتْ أيديْهم عن السَعي في ذلك، وعلى قَدْر الاعتداء ونِسبتِه يكونُ انقِباض الرَّعايا عن السعي في الاكتساب، فإذا كان الاعتداء كثيرا عاما في جميع أبواب المَعاش كان القُعُودُ عن الكَسْب كذلك، لذهابه بالآمال جُملَةً بدخوله من جميع أبوابها، وإنْ كان الاعتداء يسيرا كان الانقباضُ عن الكَسْب على نِسبتِه، والعُمرانُ ووُفورُه ونَفَاقُ أسواقه إنما هو بالأعمالِ وسَعْي الناس في المصالح والمكاسِب، ذاهِبين وجائِين، فإذا قعد الناسُ عن المعاش وانقبضت أيديهم في المكاسب كسدتْ أسواق العمران وانتفضت الأحوال، وابذعَرَ الناسُ في الآفاق من غير تلك الإ يالة في طلب الرزق، فيما خرج عن نطاقها، فخَفَّ ساكن القُطر وخَلتْ دياره وخربَتْ أمصارُه واختلَّ باختلاله حالُ الدولة والسلطان، لِما أنَّها صورة للعُمران تفسُد بفساد مادتِها ضرورةً .(الظلم مؤذن بخَراب العمران لابن خلدون، مختارات من أدب العرب ج1)

ترجمہ: جان لو، کہ لوگوں کے مالوں میں جبر ودست درازی، مال کے حصول اور اس کے کمانے میں لوگوں کی امیدوں کو فنا کردینے والا عمل ہے، کیونکہ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ اس صورتحال میں ان کے مال کا انجام یہ ہوگا کہ وہ ان کے ہاتھ سے چھین لیا جائے گا، چنانچہ جب لوگوں کی امیدیں مال کے کمانے میں اور اسے حاصل کرنے میں ختم ہوجائیں گی تو حصول مال کی کوشش میں ان کے ہاتھ ڈھیلے پڑ جائیں گے، جس قدر ظلم ہوگا اور ناروا سلوک کی جو سطح ہوگی، کسب معاش میں رعایا کی کوشش اسی قدر کمزور وسست ہوگی، اگر دست درازی معیشت کے تمام شعبوں میں بڑے پیمانہ پر عام ہوگی تو کسب معاش سے اسی قدر بے رغبتی ہوگی، کیونکہ ظلم معیشت کے تمام راستوں سے داخل ہوکر لوگوں کی امیدوں کو مکمل طور پر فنا کرچکا ہوگا، اگر ظلم چھوٹے پیمانہ پر ہوگا تو کسب معاش میں بے توجہی کی سطح بھی وہی ہوگی، معاشرہ، اس کا فروغ اور وہاں کے بازاروں کی ترقی درحقیقت لوگوں کے کام کاج، کسب معاش اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے صبح وشام کی تگ ودو سے وابستہ ہے، چنانچہ اگر لوگ معیشت کی تگ ودو سے بے رغبت

ہوکر بیٹھ گئے اور کاروباری ذرائع میں ان کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے تو معاشرہ کے بازار سرد پڑ جائیں گے، حالات بحران کا شکار ہوجائیں گے، لوگ ملک کو چھوڑ کر طلب رزق کے لیے دوسری سمتوں میں منتشر ہوجائیں گے، جو اس ملک کے دائرۂ حدود سے باہر ہوں گے، ملک کی آبادی کم ہوجائے گی، گھر خالی ہوجائیں گے، شہر ویران ہوجائیں گے، اس اضطراب سے ملک کی حالت ابتر ہوجائے گی، سلطنت کمزور پڑ جائے گی، کیونکہ حالات کی وجہ سے معاشرہ کی ایسی تصویر رونما ہوگی جو عناصر میں بگاڑ کے سبب لازمی طور پر بگڑتی ہی چلی جائے گی۔ (ابن خلدون)

نثر علمی کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجیے:

هل تَعرِفُ الفَرقَ بين الحَرير الطبيعي والحرير الصِناعي؟ وهل تعرف الفرق بين الأسَد وصُورةِ الأسد؟ وهل تعرف الفرق بين الدنيا في الخارِج والدنيا على الخَريطة؟ وهل تعرف الفرق بين عَمَلِك في اليَقْظَةِ وعملك في المَنام؟ وهل تعرف الفرق بين إنسان يَسْعَى في الحياة وبين إنسان من جِبْسٍ وُضِعَ في مَتْجَر لِتُعْرَض عليه المَلابِسُ؟ وهل تعرف الفرق بين النائِحَةِ الثَّكْلَى والنائحة المُستأجَرة، وبين التكَحُّل في العَينَينِ والكَحَل؟ وهل تعرف الفرق بين السيف يُمْسِكُه الجُنْدي المُحارِبُ وبين السيف الخَشَبيي يُمسكه الخَطيبُ يومَ الجُمُعَة؟ وهل تعرف الفرق بين الناس في الحياة والناس على الشَّاشَة البَيْضاء؟ وهل تعرف الفرق بين الصَوتِ والصَّدَى؟ إنْ عرَفتَ ذلك فهو بعَينِه الفرقُ بين الدينِ الحَقِ والدين الصناعي۔

يكَدُّ الباحثون أذهانَهم، ويَجْهَد المؤرخون أنفُسَهم في تقليبِ صُحُفِهم ووثائِقِهم عن تعرُّفِ السبَبِ في أنّ المسلمينَ أوَّلَ أمْرِهم أتَوابالعجائبِ فغَزَوا وفَتحُوا وسادوا، والمسلمين في آخِرِ أمرِهم أتَوا بالعجائب أيضا فضَعُفُوا وذُلّوا واستكانوا، والقرآنُ هو القرآنُ، وتعاليمُ الإسلامِ هي تعاليم الإسلام، ولا إله إلا الله هيَ لا إله إلا الله، وكلُ شيئ هو كل شيئ، ويَذهبون في تعليل ذلك مَذاهبَ شَتَّى، ويَسلُكون مَسالكَ مُتعدِّدةً، ولَا أرَى لذلك إلا سببًا واحدا وهو الفرقُ بين الدينِ الحقِ والدينِ الصِناعِي۔

الدين الصناعي حرَكاتٌ وسَكناتٌ وألفاظٌ، ولاشيْءَ وراءَ ذلك، والدين الحق دينُ روحٍ وقلبٍ وحرارةٍ۔ (الدين الصناعي للدكتور أحمد أمين، مختارات من أدب العرب ج١: أبو الحسن علي الندوي)

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم ہے قدرتی ریشم اور مصنوعی ریشم میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے شیر میں شیر کی تصویر میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ دنیا جو آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی ہے اور وہ دنیا جو نقشہ میں ہے دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ حالت بیداری میں آپ کوئی کام کریں اور خواب میں کوئی کام کریں دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ انسان جو زندگی کی حرارت کے ساتھ نقل وحرکت کرتا ہے اور وہ انسان جو مٹی اور گارے سے تیار شدہ کسی دکان میں نصب کیا ہوا ہوتا ہے جس پر پوشاک کی نمائش کی جاتی ہے، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ رونے والی عورت جس کا بیٹا وفات پاچکا ہو اور وہ عورت جو اجرت لے کر روتی ہے، دونوں میں کیا فرق ہے؟ اور ان آنکھوں میں جو سرمہ لگا کر سیاہ کی گئی ہوں اور وہ آنکھیں جو قدرتی طور پر سیاہ ہوں، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ تلوار جو میدان جنگ میں فوجی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ چوبی تلوار جو جمعہ کے دن خطیب کے ہاتھ میں ہوتی ہے، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ لوگ جو زندگی کی سرگرمیوں میں نظر آتے ہیں اور وہ لوگ جو پردۂ سیمیں پر نظر آتے ہیں، دونوں میں کیا فرق ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آواز اور صدائے بازگشت میں کیا فرق ہے؟ اگر آپ کو یہ معلوم ہے تو بعینہ یہی فرق دین حقیقی اور مصنوعی دین میں ہے۔

محققین ذہنی کاوشیں صرف کرتے ہیں۔ تاریخ داں اپنی کتابوں اور دستاویزات کی الٹ پلٹ میں اپنی توانائی خرچ کرتے ہیں تا کہ اس سبب کو دریافت کریں جس کی وجہ سے مسلمان اپنے دور آغاز میں حیرت انگیز جوہر دکھا گئے، انھوں نے جنگیں لڑیں، فتح حاصل کی اور قیادت سنبھالی، جب کہ مسلمانوں نے اپنے آخری زمانہ میں بھی عجیب وغریب کردار کا مظاہرہ کیا، کہ وہ کمزور و پسپا ہو گئے، ذلت ورسوائی کا سامنا کیا اور گھٹنے ٹیک دیے، حالانکہ قرآن وہی قرآن ہے، اسلام کی وہی تعلیمات موجود ہیں، کلمہ لاالہ إلا اللہ بھی وہی لاالہ إلا اللہ ہے، ہر ایک چیز بعینہ وہی ہے، اس کی توجیہ بیان کرنے میں لوگ اب مختلف زاویہ نظر اختیار کرتے ہیں اور مختلف پہلوؤں سے اس کا تجزیہ کرتے ہیں، جب کہ میں اس پس منظر میں صرف ایک ہی وجہ پاتا ہوں اور وہ ہے دین حقیقی اور مصنوعی دین کا فرق۔

مصنوعی دین محض حرکات وسکنات اور الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے، ان کے علاوہ اور کچھ نہیں، جب کہ دین حقیقی روحانیت کا دین ہے، قلبی تعلق کا دین ہے اور ایمانی حرارت کا دین ہے۔(ڈاکٹر احمد امین)

1.5.2 نثر فنی

نثر فنی کا دوسرا نام نثر ادبی ہے۔

نثر کی اس قسم میں صاحب کلام اپنے تجربات واحساسات کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ مخاطب کا دل ودماغ اس سے براہ راست اثر قبول کر کرے، اسی لیے اس کو فنی طریقہ کہتے ہیں کہ انداز بیان میں قوت اور تاثیر ہوتی ہے، صاحب کلام کو اپنے طرز بیان سے متاثر کرنے کا فن حاصل ہوتا ہے، بیان میں لطافت اور بلاغت ہوتی ہے، زبان میں کشش ہوتی ہے، اسلوب میں تنوع ہوتا ہے، معنی میں نیا پن اور انفرادیت ہوتی ہے، ذہن میں اس کے نقوش ثبت ہوجاتے ہیں، نثر کا یہ اسلوب صاحب کلام کی داخلی استعداد اور ذوق لطیف پر مبنی ہوتا ہے، نثر فنی کے ماہر اور مصور کے درمیان فرق یہ ہوتا ہے کہ مقدم الذکر اپنے حسن اسلوب اور خوبصورت الفاظ کے ذریعہ معانی میں قوت اور جاذبیت پیدا کرتا ہے، تعبیر میں اثر انگیزی او رسحر آفرینی ہوتی ہے، مخاطب سن کر لذت وفرحت کی بہار محسوس کرتا ہے، جب کہ مؤخر الذکر اپنے آلات اور رنگ وروغن کے ذریعہ یا قلم کی لکیروں سے تصویر میں کشش پیدا کرتا ہے، رنگوں کے انتخاب وتناسب سے اسے رونق بخشتا ہے، اس کے حسین امتزاج سے نگاہوں کو خیرہ کردیتا ہے۔

نثر فنی کا ماہر الفاظ ومعانی کی طاقت وتاثیر سے بخوبی واقف ہوتا ہے، موقعہ کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے، ان میں روح پھونک دیتا ہے، شعور ووجدان کی تہوں میں ہلچل بپا کردیتا ہے، الفاظ میں کبھی موسیقیت ہوتی ہے، تو کبھی نغمہ سرائی کا احساس ہوتا ہے، کبھی معانی میں مقناطیسی لہر اور جذبات میں حرارت پائی جاتی ہے، اس نوع کی نثر خطابت میں، وصف میں، خطوط میں، ناول اور قصوں میں نظر آتی ہے، ماضی میں اس طرز کی نثر خطوط، خطابت، ضرب الامثال اور اقوال زریں (حکمت کی باتیں) تک محدود تھی، بعد میں زمانہ کی رفتار کے ساتھ اس کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا، لہٰذا مقامات، سفرنامے، قصے اور ناول بھی اس اسلوب کا مظہر قرار پائے۔

نثر فنی کی بھی دو قسمیں ہیں:

1. نثر وصفی 2. نثر انشائی

نثر وصفی:

اس نثر کو کہتے ہیں جس میں صاحب کلام کسی ہیئت یا کسی واقعہ کی منظر کشی کرتا ہے، اس کے خط وخال یا تفصیلات کو الفاظ کے حسن سے آراستہ

کرتا ہے، اس کی خصوصیات کو امتیازی شان کے ساتھ اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ ذہن ان الفاظ کے دوش پر سفر کرتا ہوا موضوع کلام تک پہنچ جائے، چنانچہ مخاطب کی آنکھوں کے سامنے بعینہ وہی تصویر ابھر آتی ہے جو صاحب کلام پیش کرنا چاہتا ہے، اس طرح مخاطب خود کو اس منظر یا موقعہ کا ایک حصہ تصور کرنے لگتا ہے، الفاظ ومعانی کا حسن انسجام طبیعت میں حرکت پیدا کردیتا ہے، تمثیل وتشبیہ کے ذریعہ عبارت کو زینت عطا کی جاتی ہے اور مخاطب یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ صورتحال کا بذات خود مشاہدہ کرکے براہ راست اثر قبول کررہا ہے۔

نثر وصفی کا نمونہ:

عن أبي مالكٍ الأشعَرِي رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يأيُّها الناسُ اسمَعُوا واعلَموا، أنّ للهِ عزّ و جلّ عبادا ليسُوا بأنبياء، ولا شهداء، يَغبِطُهم الأنبياء والشهداء على مجالِسِهم وقُربِهم من الله، فَجاء رجلٌ من الأعراب من قاصِيةِ الناس وألوَىٰ بيَدِه إلى نبيِّ الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا نبيَّ الله ! ناسٌ من الناس ليسُوا بأنبياء ولا شهداء، يغبطُهم الأنبياء والشهداء على مجالسهم وقربهم من الله، انعَتْهم لنا يعني صِفهم لنا، فسُرَّ وجهُ رسولِ الله صلى الله عليه وسلم لسُؤالِ الأعرابي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: هُم ناس مِن أفناء الناسِ، ونَوازِعِ القبائلِ، لم تَصِلُ بينَهُم أرحامٌ مُتقاربةٌ، تَحابُّوا في الله وتَصافُوا، يضعُ الله لهم يومَ القِيمة مَنابِرَ من نور فيُجْلِسهُم عليها، فيَجعلُ وجوهَهم نورًا، وثيابَهم نورًا، يفزَعُ الناسُ يوم القيمة ولا يفزَعون، وهم أولياء الله الذين لا خوفٌ عليهم ولا هم يحزنون۔(رواه أحمد)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! سنو اور سمجھ لو اور جان لو کہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو نہ ہی انبیا ہیں اور نہ شہدا ہیں، اللہ سے ان کی قربت پر اور اللہ کے یہاں ان کے مرتبہ پر خود انبیا اور شہدا رشک کریں گے، تو گاؤں کے باشندوں میں سے ایک صاحب مجمع کے آخری حصہ سے کھڑے ہوئے اور اللہ کے نبی کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا! اے اللہ کے نبی! لوگوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ انبیا ہوں گے اور نہ ہی شہدا، اللہ سے ان کی قربت پر اور اللہ کے یہاں ان کے مرتبہ پر خود انبیا اور شہدا رشک کریں گے، ہمیں ان کی پہچان بتا دیجیے، گاؤں کے صحابی کے اس سوال پر آپؐ کے چہرہ سے مسرت ظاہر ہونے لگی، پھر آپؐ نے فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو گمنام ہوں گے (یعنی لوگوں میں معروف نہیں ہوں گے) مختلف قبائل سے آئے ہوئے ہوں گے، ان کے بیچ کسی قسم کی قریبی رشتہ داری کا ناطہ نہیں ہوگا، وہ لوگ آپس میں اللہ کے لیے محبت کریں گے، وہ باہم محبت میں مخلص ہوں گے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے لیے نور کے تخت رکھے گا پس ان پر انھیں بٹھائے گا، پھر ان کے چہروں کو پرنور بنا دے گا، ان کے لباس کو نور سے منور کردے گا، قیامت کے روز جب لوگ گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے، ان لوگوں میں گھبراہٹ نہیں ہوگی، یہ اللہ کے دوست ہوں گے جنھیں نہ ہی کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمزدہ ہوں گے۔

نثر انشائی:

نثر فنی کی دوسری قسم نثر انشائی ہے۔

جس نثر میں صاحب کلام زندگی کے تجربات سے براہ راست متاثر ہوکر اپنے تاثرات یا خیالات کو پیش کرتا ہے اس کو نثر انشائی کہتے ہیں، صاحب کلام اس میں اپنے تصورات اور زاویہ فکر کا اظہار کرتا ہے، کسی واقعہ یا کسی منظر سے متاثر ہوکر اپنے احساسات قلم بند کرتا ہے۔

نثر انشائی میں صاحب کلام تخیلات کی دنیا میں پرواز کرتا ہے، جذبات کی رو میں الفاظ کو استعمال کرتا ہے، کوئی ضروری نہیں کہ اس کی باتیں اوراس کے خیالات حقائق پر مبنی ہوں، کبھی افسانوی انداز میں اپنے خیالات پیش کرتا ہے تو کبھی طرز گفتگو شاعری سے مشابہ ہوتا ہے، لیکن وہ شاعری نہیں ہوتی ہے، کیونکہ اس میں وزن اور قافیہ کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے۔

نثر کے اس فنی اسلوب میں قوت بیان اور جاذبیت ہوتی ہے، الفاظ پرکشش ہوتے ہیں جو دل پر اثر انداز ہوتے ہیں، معانی میں لطافت و حرارت ہوتی ہے جنہیں پڑھ کر رگوں میں احساس کی لہر دوڑ پڑتی ہے، معانی کا پرتو مخاطب کے خدوخال پر عیاں ہونے لگتا ہے، دل کی چاہت بڑھتی جاتی ہے، رغبت میں اضافہ ہونے لگتا ہے، مخاطب اس اسلوب سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اطراف واکناف سے بالکل بے خبر اور بے نیاز ہوجاتا ہے، اس نوع کی نثر کے ذریعہ فکر کی بلندی، خیال کی رعنائی، تخیل کا انوکھا پن، شعور میں جدت وانفرادیت کا پتہ چلتا ہے، مخاطب معنی ومفہوم کی وسعتوں میں گم ہوجاتا ہے، تعبیرات کا یہ سلسلہ رگ وپے میں لطف کی بہار پیدا کردیتا ہے، روح کو تازگی میسر ہوتی ہے اور طبیعت میں بشاشت کی کلیاں کھلنے لگتی ہیں۔

نثر انشائی کا نمونہ:

في تِلکَ الدَقيقةِ ظهَرَتْ مِن وَراءِ أشجارِ الصَفْصَافِ صَبيّةٌ تَجرُّ أذيالَها على الأعشابِ ، ووَقَفَتْ بجانب الفَتى ووَضَعَتْ يدَها الحَريريةَ على رأسِهِ ، فنظَر إليها نظرةَ نائمٍ أيْقظه شعاعُ الشمسِ، فرأ ابنةَ الأميرِ واقفةً حذاءَه فجثا على رُكبَتَيهِ مِثلَما فعَل مُوسى عندما رأى العَلِيقةَ مُشتعِلةً أمامَه ، ولمّا أراد الكلامَ أرتَجَ عليه فنابَتْ عَيناه الطافِحتان بالدَمْعِ عن لِسانِه.

ثُمّ عانَقَتْه الصبيةُ وقبّلتْ شفَتَيه ، وقبّلت عينَيه راشِقةَ المَدامِعِ السَّخينةِ ، وقالت بصوتٍ ألطَفَ مِن نغْمةِ النَايِ : "قدرأيتُک يا حبيبي في أحلامي ، ونظرتُ وجْهَکَ في وحدتي وانقِطاعي، فأنت رفيقُ نفسي الذي فقَدْتُه ، ونِصفِي الجميلُ الذي انفصَلْتُ عنه عندما حُكِم عليّ بالمَجِيئِ إلى هذاالعالمِ. قد جِئتُ سرّاً يا حبيبي لألتقِيَ بکَ ، وها أنت الآن بين ذِراعِي فلاتَجزَعْ! قدتركتُ مَجْدَ والدي لأتبعَکَ إلى أقاصِي الأرضِ وأشرَبَ معکَ كأسَ الحياةِ والمَوتِ. قُمْ يا حبيبي فنذهَبْ إلى البرّيّةِ البعيدةِ عن الإنسان."

ومشَى الحبيبانِ بين الأشجارِ تُخْفِيهما سَتائرُ الليلِ ولايُخِيفُهما بَطْشُ الأميرِ ولاأشباحُ الظُلمة. هناکَ في أطرافِ البِلاد عَثَرَ رُوّادُ الأمير على هَيْكَلَينِ بَشَرِيّينِ في عُنُقِ أحدِهما قِلادةٌ ذهَبيةٌ ، وبقُرْبِهما حَجَرٌ كُتِبتْ عليه هذه الكلماتُ: قد جمَعَنا الحُبُّ فمَن يُفرّقُنا ، وأخَذَنا الموتُ فمَن يَرجِعُنا؟. (دمعة وابتسامة ، حكاية ، جبران خليل جبران)

ترجمہ: اسی لمحہ درختوں کے پیچھے سے ایک بچی سبزہ زار پر اپنے دامن سمیٹتی ہوئی نمودار ہوئی اور نوجوان کے پاس آکر کھڑی ہوگئی، اس نے اپنے ریشمی ہاتھوں کو اس کے سر پر رکھا، نوجوان نے اس کی طرف اس شخص کی طرح نگاہ اٹھائی جس کو سورج کی شعاعوں نے ابھی بیدار کیا ہو، اس نے دیکھا کہ سردار کی بیٹی اس کے پاس کھڑی ہے تو گھٹنوں کے بل اچھل پڑا، جس طرح موسیٰ اچھل پڑے تھے، جب انھوں نے اپنے سامنے جھاڑیوں میں آگ روشن دیکھی، اس نوجوان نے جب بات کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر لرزش طاری ہوگئی، تبھی پرنم آنکھوں نے خاموش زبان کی نمائندگی کی۔

پھر اس بچی نے اسے گلے لگایا، اس کے ہونٹوں کو بوسہ دیا، اس کی آنکھوں کو بوسہ دیا جن سے گرم گرم آنسو جھڑ رہے تھے، پھر دور سے آنے والے بانسری کے نغمہ سے بھی زیادہ نرم آواز میں اس نے کہا:

''میرے محبوب میں نے تمہیں خوابوں میں دیکھا ہے، اپنی تنہائی میں اور اکیلے پن میں میں نے تمہارے چہرہ کا مشاہدہ کیا ہے، تم ہی میری

زندگی کے ساتھی ہو، جسے میں کھو بیٹھی تھی، تم ہی میرے ادھورے پن کی تکمیل ہو جس سے میں اس وقت سے دور ہوں جب اس دنیا میں میرے آنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، میرے محبوب میں چھپ کر تم سے ملنے چلی آئی ہوں اور اب تم میری باہوں میں ہو، پریشان مت ہونا، میں نے اپنے والد کی شان وشوکت کو چھوڑ دیا تا کہ تمہارے ساتھ روئے زمین کے دوسرے کنارے چلی جاؤں اور تمہارے ساتھ ہی جیوں اور مروں، میرے محبوب! اٹھو، چلو چلیں ایسی سرزمین کی طرف جو انسانوں سے دور ہو"۔

دونوں محبوب درختوں سے گزرتے ہوئے چل پڑے، رات نے ان کو اپنے اندر سمو لیا تھا، انہیں نہ ہی سردار کے دبدبہ کا خوف تھا اور نہ ہی اندھیروں کے سائے کا۔

ملک کے اطراف میں سردار کے آدمیوں کو دو انسانی ڈھانچوں کا سراغ ملا، ان میں سے ایک کے گلے میں سونے کا ہار تھا اور قریب ہی ایک پتھر پر یہ الفاظ لکھے تھے۔

"محبت نے ہمیں ایک ساتھ کر دیا ہے، اب ہمیں کون جدا کر سکتا ہے، موت نے ہمیں اپنی پناہ میں لے لیا ہے، اب ہمیں کون واپس لا سکتا ہے؟"۔

معلومات کی جانچ

1. کلام کسے کہتے ہیں؟
2. کلام کی کتنی قسمیں ہیں؟
3. نثری کلام سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
4. نثر کا اسلوب کیسا ہوتا ہے؟
5. انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے کس اسلوب میں بات کرتا ہے؟
6. نثر میں جملے کس طرز پر مرتب ہوتے ہیں؟

1.6 اکتسابی نتائج

انسان کی زبان سے جو بات نکلتی ہے اس کو "کلام" کہتے ہیں، کلام کی دو قسمیں ہوتی ہیں: نثر اور نظم، جس کلام میں وزن اور قافیہ کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے اس کو "نثر" کہتے ہیں، انسان جب بولنا سیکھتا ہے تو نثر کے اسلوب میں ہی بات چیت کرتا ہے، چنانچہ نثر زبان وادب کا سب سے ابتدائی مرحلہ ہوتا ہے، جوں جوں انسانی معاشرہ میں معلومات اور تجربات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے، نثر کے انداز میں اور معیار میں عمدگی آجاتی ہے، انسان کو اپنی بات رکھنے کا منطقی اسلوب حاصل ہوتا ہے، انسانی تہذیب وتمدن میں جیسے جیسے ترقی ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے کلام کے ذوق میں نکھار پیدا ہوتا جاتا ہے، خیالات کے اظہار کے لیے فنی طریقہ کا شعور پروان چڑھنے لگتا ہے، ذہن میں موجود خاکہ کو نہایت خوبصورتی اور جاذبیت کے ساتھ پیش کرنے کا سلیقہ میسر آتا ہے، الفاظ کا انتخاب ایسی خوبی اور مہارت کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ مخاطب کے سامنے مقصود کلام کما حقہ واضح ہو جاتا ہے۔

نثر کی مرحلہ وار ترقی کی بنیاد پر اس کی تقسیم عمل میں آتی ہے، بنیادی طور پر نثر کی دو قسمیں ہوتی ہیں: نثر مرسل اور نثر فنی، نثر مرسل زبان کے فروغ میں سب سے پہلا مرحلہ قرار پاتا ہے، نثر کی یہ قسم رواں اور بے تکلف انداز کلام پر مشتمل ہوتی ہے، جملے عام فہم ہوتے ہیں، نثر مرسل کی ضمنی طور

پر دو قسمیں ہوتی ہیں: نثر بسیط اور نثر علمی، نثر بسیط اس نثر کو کہتے ہیں جس میں عمومی طرز پر اظہار خیال کیا جاتا ہے، سادہ گفتگو اور روزمرہ کے تبادلۂ خیال کو اس قسم میں شامل کیا جاتا ہے، دوسری قسم نثر علمی ہے، اس قسم کی نثر میں علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی ہے، جذبات کے بجائے عقل وفکر کو مخاطب کیا جاتا ہے، کسی مسئلہ کا تجزیہ کیا جاتا ہے یا کسی نقطہ کی تشریح کی جاتی ہے، نیز کسی بحث میں اپنے موقف کی وضاحت کی جاتی ہے، نثر کی اس قسم میں صاحب کلام حقائق و دلائل کی روشنی میں بات کرتا ہے، مذاکرہ کو منظم طریقہ سے ترتیب دیتا ہے، منطقی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے سلسلۂ کلام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتا ہے۔

نثر کی دوسری قسم نثر فنی ہے، اس نوع میں صاحب کلام انداز بیان کا فنی طریقہ اختیار کرتا ہے تا کہ مخاطب کلام کی جاذبیت اور سحر آفرینی میں گم ہوجائے، موضوع کلام کی تصویر بعینہ مخاطب کی نگاہوں میں گردش کرنے لگے، اور مخاطب غرض کلام کی رو میں بہہ جائے، نثر فنی کی بھی ضمنی طور پر دو قسمیں ہوتی ہیں: نثر وصفی اور نثر انشائی، نثر وصفی میں کسی چیز کی یا ہیئت کی یا احوال کی منظر کشی کی جاتی ہے، صورتحال کی صحیح نمائندگی کے لیے الفاظ کے انتخاب کا فن دکھایا جاتا ہے، یہاں تک کہ مخاطب خود کو اس منظر کا ایک حصہ تصور کرنے لگتا ہے، نثر فنی کی دوسری قسم نثر انشائی ہے، اس میں صاحب کلام اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کا اظہار کرتا ہے، خیال میں رعنائی پائی جاتی ہے، تعبیر میں کشش ہوتی ہے، اس اسلوب سے مخاطب کے جذبات میں ہلچل بپا ہوجاتی ہے، اس قسم کی نثر میں شعور و وجدان کو خطاب کیا جاتا ہے، جذبات و نفسیات کے تاروں کو حرکت دی جاتی ہے اور مخاطب کو اپنے زاویۂ فکر کا ہم نوا و ہم خیال بنالیا جاتا ہے۔

1.7 نمونے کے امتحانی سوالات

1. نثر کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر مفصل روشنی ڈالیے۔
2. نثر کی قسمیں بیان کیجیے۔
3. نثر بسیط کسے کہتے ہیں واضح کیجیے۔
4. نثر علمی پر تشفی بخش انداز میں بحث کیجیے۔
5. نثر فنی کی خصوصیات کیا ہیں؟ ایک جائزہ پیش کیجیے۔
6. نثر وصفی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ متعارف کیجیے۔
7. نثر انشائی سے متعلق اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

1.8 فرہنگ

دَرَی	يَدرِی	دِرایة	جاننا، واقف ہونا، معلومات رکھنا
سَدَّ	يسُدُّ	سُدوداً	بند کرنا، حفاظت کرنا
ثَغْر	ج	ثُغُور	سرحد
اتَّقی	يتَّقِی	اتقاءً	بچنا، الگ رہنا

مَكرَه	ج	مكارِهُ	ناپسندیدہ احوال، ناخوشگوار حالات
قضىٰ	يقضِي	قضاءً	پورا کرنا
أتىٰ	يأتي	اتياناً	آنا
حيَّ	يُحَيِّ	تحيّةً	سلام کرنا
نِعْمَ			کیا ہی خوب
عُقبَى			انجام
طاف	يطُوف	طَوافا	پھرنا، چکر لگانا
التمس	يلتمس	التماسا	تلاش کرنا، ڈھونڈنا
تنادَى	يتنادَى	تنادِيا	باہم ایک دوسرے کو آواز دینا، بلانا
هلُمّوا			ادھر آؤ (جمع کے لیے)
حفَّ	يحُفّ	حُفوفا	ڈھانپ لینا
جَناح	ج	أجنِحة	پر، پنکھ
مجّد	يمجِّد	تمجيدا	عظمت بیان کرنا
تعوَّذ	يتعوّذ	تعوُّذا	پناہ لینا
فرَّ	يفِرّ	فِرارا	بھاگنا
جليسٌ	ج	جُلَساء	ہم نشین
شقِي	يشْقىٰ	شقيا	نامراد ہونا، محروم ہونا
انتهب	ينتهب	انتهابا	لٹ جانا، ظلم کا شکار ہو جانا
أمَلٌ	ج	آمال	امیدیں
اعتدى	يعتدى	اعتداء	ظلم کرنا، سرکشی کرنا، حد سے تجاوز کرنا
انقبض	ينقبض	انقباضا	محدود رہنا، حرکت نہ کرنا، آگے نہ بڑھنا
قعَد	يقعُد	قعُودا (عن)	کام چھوڑ کر بیٹھے رہنا
ابذعرَّ	يبذعِرُّ	ابذعرارا	منتشر ہو جانا، پھیل جانا
الإيالة			وادی، صوبہ، سلطنت کا کوئی حصہ
اختلّ	يختلّ	اختلالا	خلل واقع ہونا، استحکام کھو دینا
العُمران			آبادی

نفَق السوقُ			بازار شباب پہ ہونا
کسَدَ السوق			بازار کا ماند پڑ جانا
انتفَض	ینتفِض	انتِفاضا	بحران کھڑا ہونا، نظام ابتر ہونا
ذراع	ج	أذرع	بازو، ہاتھ
جزِع	یجزَع	جزَعا	گھبرانا
البرِّیّة			صحرا، وادی

1.9 مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ — از پروفیسر عبد الحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ — از احمد حسن زیات/ ترجمہ طفیل احمد مدنی
3. **الأدب العربي بين عرض ونقد** از محمد رابع الحسنی الندوی
4. عربی ادب کی تاریخ — از محمد کاظم

اکائی 2: عصر جاہلی میں عربی نثر

اکائی کے اجزا

2.1 مقصد

2.2 تمہید

2.3 عصر جاہلی

2.4 عربوں کے تجربات

2.5 عربوں میں تحریر کے آثار

2.6 جاہلی دور میں لکھنے کا رواج

2.7 صحیفوں کا وجود

2.8 طرفہ بن عبد کی موت میں خط کا کردار

2.9 نثر جاہلی میں قصوں اور کہانیوں کا تذکرہ

2.9.1 عصر جاہلی میں قصوں کی نوعیت

2.9.2 نضر بن الحارث کا واقعہ

2.9.3 **المرقش الأکبر** کا قصہ

2.9.4 نثر جاہلی میں قصہ کی اہمیت

2.10 نثر جاہلی کی خصوصیات

2.10.1 سہل الفاظ

2.10.2 مختصر جملے

2.10.3 طرز کلام میں تنوع

2.10.4 اطناب

2.10.5 جاذبیت اور کشش

2.10.6 الفاظ میں یکسانیت اور موسیقیت

2.10.7 حکمت

2.10.8 تشبیہ

2.10.9 فکر کی سلامتی

2.10.10 نصیحت اور بصیرت

2.10.11 ایجاز

2.10.12 جذبات کی صداقت

2.10.13 حسن ترکیب

2.10.14 ماحول اور معاشرہ کی منظرکشی

2.11 نثر جاہلی کے فنون

2.11.1 قصہ

2.11.2 کلہاڑی اور سانپ کا قصہ

2.12 **سجع الکھان**

2.13 اکتسابی نتائج

2.14 نمونے کے امتحانی سوالات

2.15 فرہنگ

2.16 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

2.1 مقصد

اس اکائی کے ذریعہ سے آپ کو:

☆ عربوں کے یہاں تحریر کی موجودگی سے متعلق واقفیت حاصل ہوگی۔

☆ دور جاہلی میں عربوں کے لکھنے پڑھنے کے احوال کا پتہ چلے گا۔

☆ یہ معلوم ہوگا کہ عربوں نے کس طرح اپنی زبان کی حفاظت کی۔

☆ عربی نثر کی خوبیوں اور امتیازی اسالیب سے شناسائی حاصل ہوگی۔

☆ نثر جاہلی کی خصوصیات کو سمجھنے کا موقعہ ملے گا۔

☆ نثر جاہلی کی خصوصیات سمجھنے کے لیے کچھ نمونے بھی پیش کیے جائیں گے۔

☆ نثر جاہلی کی خصوصیات سے واقفیت کے لیے ادبی فنون کی طرف رہنمائی کی جائے گی۔

2.2 تمہید

عربی زبان ایک تاریخی اور قدیم زبان ہے، مؤرخین کا اعتراف ہے کہ اس زبان کی جڑیں تاریخ کی گہرائیوں میں اتنی دور تک پیوست ہیں کہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اس کا نقطۂ آغاز کہاں ہے؟ زبان کے ماہرین کا کہنا ہے کہ عربی زبان کا جو قدیم ترین سرمایہ دستیاب ہوسکا ہے وہ بعثت نبوی سے ڈیڑھ سو سال قبل تک کا ہے، اس کے آگے کے متعلق ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ہے، تاریخ کے حوالے سے عربی زبان کا جو بھی سرمایہ موجود ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ زبان فکر وادب کے اعتبار سے معیاری سطح پر پہنچی ہوئی تھی، انداز بیان میں پختگی اور فصاحت پائی جاتی ہے، چنانچہ مؤرخین کے حلقے میں یہ سوال مستقل اہمیت کا حامل ہے کہ عربی زبان کی ابتدا کب اور کہاں ہوئی؟ قرائن کی بنیاد پر ماہرین زبان تسلیم کرتے ہیں کہ یہ زبان جزیرہ نمائے عرب میں پروان چڑھی اور مکہ کی سرزمین میں قبیلہ قریش کی سرپرستی میں اس کو امتیازی اور معیاری مقام حاصل ہوا، اسلام سے قبل کا زمانہ ''عصر جاہلی'' کہلاتا ہے، اس دور کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبان رواں دواں اور سرسبز وشاداب تھی، اہل زبان اپنے خیالات کا بحسن وخوبی اور واضح طور پر اظہار کرتے تھے، زبان کے فہم وادراک کا معیار بھی کافی بلند تھا، زبان پر قدرت اور بیان میں وسعت نے ان کے اندر اس قدر اعتماد پیدا کر دیا تھا کہ وہ خود کو عرب کہتے تھے، جس کے معنی ہیں ''صاحب بیان''، یعنی ہر موضوع پر اظہار خیال کے لیے انہیں قدرت حاصل ہے اور جس علاقہ میں یہ زبان نہیں بولی جاتی تھی اس کو عجم کہتے تھے، جس کے معنی ہیں ''گونگوں کا علاقہ''، لفظ عجمی اسی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ''گونگا''، یعنی غیر عرب کو اظہار خیال پر قدرت حاصل نہیں ہے، اہل عرب کو اس بات پر فخر تھا کہ قوت بیان کے ماہر وہی ہیں، ان کے پاس بات کو جس انداز سے چاہیں پیش کرنے کی صلاحیت موجود ہے، تاریخی طور پر اگر جائزہ لیا جائے تو اس میں حقیقت کے آثار بھی نظر آتے ہیں، زبان نہایت شگفتہ اور دل آویز ہے، اس زمانہ کے نصوص بدرجۂ اتم اس امتیازی شان کی نمائندگی کرتے ہیں۔

تاریخی حوالوں سے یہ مسلم ہے کہ عصر جاہلی کے عرب زبان پر قدرت رکھتے تھے، ان کی زبان عربی تھی، نہایت فصیح زبان بولتے تھے، جاہلی دور سے منسوب واقعات اور قصے اس کی شہادت دیتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قصے اور واقعات جاہلی دور میں تحریری شکل اختیار نہیں کر سکے

،ان کی ترتیب اور کتابی شکل میں ان کی تدوین عصر عباسی میں عمل میں آئی، تاہم یہ کہانیاں سلسلہ وار نقل کی جاتی رہیں، لہٰذا جاہلی دور کی زبان اور اس سے وابستہ خصوصی اسالیب بدستور باقی رہے، کہا جاتا ہے کہ اس عرصہ میں ان واقعات کو نقل کرنے والے راویوں نے اپنے انداز اور اسلوب کا سہارا لیا، لہٰذا اندیشہ ہے کہ زبان میں تبدیلی واقع ہوئی ہو، لیکن زبان کے ماہرین اور میدان ادب کے ناقدین نے تسلیم کیا ہے کہ راویوں کے بدلنے سے واقعات کی زبان وحقیقت میں کوئی بڑی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے، بلکہ پرانی زبان واسلوب کو لوگ شوق سے نقل کرتے تھے، کیونکہ اس زبان میں کشش تھی، قوت تھی، فصاحت تھی روانی تھی، جملوں میں متانت پائی جاتی تھی، عرب قوم زبان کی شائستگی کے اعتبار باذوق طبیعت کی حامل تھی، عمدہ بیانات اور اچھی تعبیرات کو از بر کر لیتی تھی اور چونکہ ان کے یہاں قلم کے مقابلہ میں زبان اور قوت یادداشت کا استعمال زیادہ ہوتا تھا، اس لیے وہ پرانی تعبیرات محفوظ تھیں، راوی جب ان قصوں کو نقل کرتا تھا تو واقعات کی اصل کو برقرار رکھتا تھا، عرب الفاظ ومحاورات کے استعمال میں اور ان کی حفاظت میں احتیاط سے کام لیتے تھے، لہٰذا اس سلسلہ میں مؤرخین نے جاہلی نثر کی روایات کو قابل اعتماد قرار دیا ہے، نیز اس دور کی فنی خوبیوں اور خصوصیات کا اعتراف کیا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یقیناً نثر جاہلی میں زبان وبیان کے اعتبار سے جاذبیت تھی اور اسی وجہ سے یہ واقعات عرب قوم کے نزدیک توجہ کا ذریعہ بنے اور رغبت ودلچسپی کے ساتھ انھوں نے ان واقعات کو نقل کیا۔

2.3 عصر جاہلی

بعثت نبویؐ سے پہلے کے زمانے کو عصر جاہلی کہا جاتا ہے، اللہ کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت غار حرا میں پہلی وحی مبارک سے ہوئی، اس وحی میں لفظ ''اقرأ'' کے ذریعہ علم ومعرفت کا نور پھیلا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ عصر جاہلی میں لفظ ''جاہلی'' اس جہالت کے معنی میں نہیں ہے جس کے معنی غیر دانشمند یا نااہل ہیں، بلکہ غصہ، بے وقوفی اور طیش کے معنی میں ہے، جو کہ لفظ ''اسلام'' کی ضد ہے، کیونکہ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے سامنے خود سپردگی، اس کی اطاعت وفرمانبرداری، سلوک میں نرمی اور اخلاق کریمہ سے متصف ہونا۔

لفظ ''جہل'' اور ''جاہلیۃ'' کا استعمال قرآن، حدیث اور عربی شاعری میں بھی ہوا ہے جس کے معنی لاعلمی اور نااہلی کے بجائے جوش، غصہ، طیش اور مزاج کی سختی لیے گئے ہیں، کیونکہ اس دور کے لوگوں میں طبیعت کی سختی پائی جاتی تھی، مزاج میں شدت غالب رہتی تھی، قرآن کی آیتوں میں یہ معنی بخوبی سمجھ میں آتا ہے، ''**خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلين**''۔ (سورۃ الاعراف: آیت:199)

ترجمہ: ''آپ عفو ودرگزر کیجیے، اچھی باتوں کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے اعراض کیجیے''۔

اس آیت میں جاہلوں کا استعمال عفو ودرگزر اور اچھی باتوں کے بالمقابل ہوا ہے، آپ کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ جو لوگ آپ کے ساتھ سخت رویے سے پیش آتے ہیں اور غیر اخلاقی سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں آپ ان سے اعراض کیجیے، ایک دوسری آیت میں ارشاد خداوندی ہے ''**وعباد الرحمن الذين يمشون على الأرض هونا وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما**'' (سورۃ الفرقان، آیت: 63) ترجمہ: اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر سنجیدگی اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں (ان کے اندر نرمی اور بردباری ہوتی ہے) اور جب جاہل لوگ انہیں مخاطب کرتے ہیں تو وہ ان سے سلامتی کی بات کرتے ہیں، یہاں بھی لفظ ''جاهلون'' کا استعمال سنجیدگی اور وقار والے لوگوں کے بالمقابل ہوا ہے، چنانچہ معلوم ہوا کہ

جاہلوں سے اَن پڑھ یالاعلم لوگ مرادنہیں ہیں۔

حدیث نبویؐ میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے کسی شخص کواس کی ماں کے واسطہ سے عار دلائی تو آپؐ نے حضرت ابوذرؓ سے کہا: ’’إنک امرؤ فیک جاهلية‘‘(رواه البخاري ومسلم) ترجمہ: ’’تم ایسے آدمی ہوجس میں جاہلیت پائی جاتی ہے‘‘، عمرو بن کلثوم جاہلی دور کا شاعر ہے، اپنے معلقہ میں جہل سے متعلق ایک شعر کہتا ہے۔

أَلا لا يَجهلَنَّ أحدٌ علينا فنَجهلَ فوقَ جهلِ الجاهلينا

خبر دار! ہمارے خلاف کوئی طیش کا مظاہرہ نہ کرے، ورنہ ایسے احمقوں کے بالمقابل ہم بھی طیش میں آگے نکل جائیں گے۔

مذکورہ بالانصوص میں لفظ جہل کا استعمال بے وقوفی، احمقانہ حرکت، غصہ اور طیش کے معنی میں ہوا ہے، اس لفظ کے معنی میں بت پرستی اور ایسے اخلاق بھی شامل ہیں جن میں بے جا جوش، غضب، انتقام کا مزاج اور اسلام کے حرام کردہ طریقہ کار کا ارتکاب جیسے عناصر ہوں۔

2.4 عربوں کے تجربات

عرب کی سرزمین میں گرچہ لکھنے پڑھنے کا ماحول عمومی طور پرنہیں پایا جاتا تھا، تاہم زندگی کے تجربات کے اعتبار سے وہ لوگ پیچھے نہیں تھے، ریگستان کے باشندے ہونے کی وجہ سے ضروریات زندگی کے لیے انہیں سفر کرنا پڑتا تھا، جولوگ بدوی زندگی گزارتے تھے وہ کسی ایک جگہ مستقل قیام نہیں کرتے تھے بلکہ موسم کے اعتبار سے جہاں کہیں چراگاہ وسبزہ نیز پانی کا انتظام دیکھا، قیام کر لیتے تھے، جب سبزہ ختم ہوجاتا تو دوسری جگہ کی تلاش میں نکل جاتے تھے اور جہاں کہیں سبزہ نظر آتا وہاں پڑاؤ ڈال دیتے تھے، اس طرح ان کی زندگی مستقل نقل وحرکت میں رہتی تھی، اس نقل و حرکت کی وجہ سے انہیں موسم کی تبدیلیوں کا خاصا علم حاصل تھا، ہواؤں کے جھونکوں سے موسم کی تبدیلی کا اندازہ لگا لیتے تھے، چنانچہ بارش کے آثار، چراگاہوں کے امکانات کا انہیں بخوبی اندازہ رہتا تھا، رات ہوتی تو آسمان کے نقشہ اور ستاروں کی حرکت سے احوال کی خبر حاصل کرتے تھے، رات میں سفر کرتے وقت منزل کی راہ کے لیے ستاروں سے رہنمائی حاصل کرنے کا فن انہیں معلوم تھا، دوران سفر حالات کے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے ان کی زندگی میں تجربات کی کثرت تھی، باتوں میں حکمت اور دانشمندی جھلکتی تھی دوست اور دشمن کے احوال بھانپ کر متنبہ ہوجاتے تھے، غرض یہ کہ جاہلی دور کے عرب عمومی طور پر ناخواندہ ہونے کے باوجود بہت ساری خوبیوں اور خصوصیات کے مالک تھے، ان خصائص کا پتہ ہمیں ان کے نصوص سے ملتا ہے، جو کبھی اشعار کی شکل میں ملتے ہیں، تو کبھی ضرب الامثال کی شکل میں، کبھی پند ونصائح کی شکل میں تو کبھی تقریروں اور خطابت کی شکل میں۔

2.5 عربوں میں تحریر کے آثار

حقیقت یہ ہے کہ مؤرخین کے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ عصر جاہلی میں تاریخی یا ادبی تصنیفات موجود تھیں، تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس زمانہ میں عربی تحریریں موجود نہیں تھیں، شوقی ضیف نے تبصرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ حالیہ اکتشافات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ حجاز کے علاقہ میں عربی تحریروں کا وجود تھا، یہ اکتشافات چھٹی صدی عیسوی کے احوال کا پتہ دیتے ہیں، حجاز کے علاقہ سے آگے بڑھ کر لکھنے کا یہ عمل عرب کے دیگر صحرائی علاقوں میں پہنچا، جس وقت اسلام کا نور پھیلا اس وقت مکہ مکرمہ میں سترہ (۱۷) کاتب موجود تھے اور مدینہ منورہ میں گیارہ، بدوی لوگوں میں جو لکھنا جانتے تھے ان میں اکثم بن صیفی کا نام آتا ہے، جو قبیلۂ تمیم کا خطیب تھا اور بڑی حکمت والا تھا، اکثم کے بھتیجہ کا نام

حنظلہ بن ربیع تھا، آپؓ کا شمار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبوں میں ہوتا ہے، بدوی شعرا میں جو فن تحریر یا لکھنے کے عمل سے واقف قرار دیے جاتے ہیں ان میں مرقّش اکبر کا نام آتا ہے جو قبیلۂ بکر سے تھا، اسی طرح لبید بن ربیعہ بھی لکھنا جانتے تھے جو مخضرمی شاعر کی حیثیت سے معروف ہوئے، آپؓ کا تعلق بنی عامر بن صعصعہ سے تھا۔

ان کے علاوہ کچھ احوال جاہلی دور کے شعرا سے بھی معلوم ہوتے ہیں کہ اس زمانہ میں لکھنے کا عمل معروف تھا، کیونکہ وہ اپنے اشعار میں ایک منظر خاص کو ''تحریر'' سے تشبیہ دیتے ہیں، مثال کے طور پر مرقش کا شعر جو اپنے ایک قصیدہ کے مطلع میں بیان کرتے ہوئے ریت کے ٹیلوں کی منظر کشی کرتا ہے۔

الدار قفْر والرُسومُ كما

رقّش في ظَهر الأديم قلمُ

ترجمہ: ''گھر تو ویران ہو گیا تاہم اس کے آثار کچھ اس طرح رہ گئے ہیں گویا قلم نے چمڑے پر نقش قائم کیے ہوں''۔

اس زمانہ میں کاغذ کا وجود نہیں تھا تو لوگ چمڑے پر لکھا کرتے تھے، اس شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت قلم کے ذریعہ لکھنے کا عمل موجود تھا، کیونکہ قلم کے ساتھ چمڑے کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، لبید بن ربیعہ کا شعر ہے جو معلقہ کے شروع میں آتا ہے، یہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، کہتے ہیں:

عفت الديارُ محلُّها فمقا مُها

بمنىً تأبدّ غولُها ورِجامُها

فمدافعُ الرّيان عرّى رسمُه

خَلقاً كما ضمِن الوُحِىَّ سِلامُها

ترجمہ: بستی ویران ہو گئی، اس کے مہمان خانے اور قیام گاہیں بھی تباہ ہو گئیں جو منی میں تھیں، اس کے ٹیلے اور قبروں پر نصب کیے پتھر بھی نابود ہو گئے، پھر پانی کے چشموں کے آثار ایسے ہلکے پڑ گئے جس طرح پتھر نے تحریر کے نقوش کو خستہ کر دیا۔

شاعر اس موقعہ پر اپنے دیار کے آثار مٹ جانے کا منظر پیش کر رہا ہے، بتا رہا ہے کہ زمانہ کی صبح وشام نے اس آبادی کو ایسا خستہ اور کمزور کر دیا ہے کہ اس کے کچھ ہی نشانات زمین پر باقی رہ گئے ہیں جس طرح سفید پتھر پر تحریر کے بعد کچھ نقوش اور لکیروں کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہتا ہے، الوُحِیّ کا معنی تحریر، نقش اور السِلام کا معنی سفید پتھر یا ہڈی جس پر لکھنے کا عمل ہوتا تھا، عرب میں چمڑوں پر، پتھروں پر لکھنے کا عمل عام تھا، ان کے علاوہ ہڈیوں پر اور کھجور کی چھال پر بھی لکھا کرتے تھے۔

لبید اپنے معلقہ میں آگے مزید قلم کی تحریر سے تشبیہ دیتے ہیں

وجلا السيولُ عن الطلولِ كأنها

زُبُر تُجدُّ متونَها أقلامُها

ترجمہ: ٹیلوں کے اوپر سے پانی کے بہاؤ نے ایسا خط تیار کر دیا ہے گویا وہ قلموں سے لکھی گئی صحیفوں کی عمدہ تحریر ہو۔

اخنس بن شہاب تغلبی کا شعر بھی اس پس منظر میں قابل ذکر ہے۔

لابنة حِطّانَ بن عوفٍ منازل

كما رقّش العنوانَ فی الرَقِ کاتبُ

ترجمہ: حِطان بن عوف کی بیٹی کے گھروں کی شکل ایسی معلوم ہوتی ہے گویا کسی کاتب نے باریک چمڑے پر عنوان قائم کردیا ہو۔

بدوی شعرامیں اس طرح کی تعبیرات اوراشعار واضح طور پر ملتے ہیں جو رہنمائی کرتے ہیں کہ اس دور میں لکھنے کے عمل سے واقفیت پائی جاتی تھی۔

2.6 جاہلی دور میں لکھنے کا رواج

اہل علم اس بات پر مکمل اتفاق رکھتے ہیں کہ جاہلی دور میں لکھنے کا رواج موجود تھا، بہر حال لکھنے کا رواج ہونا الگ بات ہے اور کتابی شکل میں معلومات محفوظ کرنا ایک الگ بات ہے، عرب لکھنا تو جانتے تھے لیکن لکھنے کا یہ عمل بہت محدود تھا، عمومی طور پر اس کا ماحول نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ اس دور کی کوئی کتاب نہیں پائی جاتی ہے، نہ ہی تحریری شکل میں کسی نثر فنی کا ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی کسی ادبی خط کا حوالہ ملتا ہے، ہاں ! چند خطوط کا تذکرہ آتا ہے جو تجارتی اور سیاسی مقاصد کے لیے لکھے جاتے تھے، مکہ مکرمہ چونکہ تجارتی طور پر مرکز کا درجہ رکھتا تھا لہٰذا اگر آثار وقرائن کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں لکھنے کا رواج پایا جاتا تھا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، عربی زبان کے مشہور ومعروف ادیب جاحظ نے اپنی کتاب ''الحیوان'' میں تذکرہ کیا ہے کہ اس زمانہ میں عرب سیاسی اغراض کے لیے معاہدے تحریر کرتے تھے، عہدنامے کی اس تحریری شکل کو ''مہارق'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، مہارق کا تذکرہ حارث بن حلزۃ کی شاعری میں بھی آیا ہے۔ اپنے معلقہ میں بکر وتغلب کے درمیان معاہدہ کے حوالہ سے کہتا ہے۔

واذكرواحِلفَ ذي المجاز وما قُ
دِّم فيه العُهودُ والكُفلاءُ

حذرَ الجور والتعدّي وهلىَ
قُضُ مافي المَهارق الأهواءُ

ترجمہ: اور یاد کرو بازار ذوالمجاز میں معاہدہ کو اور جو بھی عہد وپیمان ہوئے اور گواہوں کو، ظلم وستم کے خوف سے یہ معاہدہ ہوا (کہ کہیں عہد شکنی نہ کر بیٹھیں) اور کیا معاہدہ کے دستاویزات کو نفس پرستی ختم کرسکتی ہے۔

عرب دراصل تجارت پیشہ قوم کی حیثیت سے معروف رہے ہیں، ریگستان کی سرزمین میں زراعت کے لیے حالات موافق نہیں رہتے تھے لہٰذا ان کا دارومدار تجارت پر رہا کرتا تھا، تجارتی میدان میں عرب حضرات کو گرانقدر مہارت حاصل رہی ہے اس لیے تجارتی غرض سے لکھنے کے عمل کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا تاکہ کاروباری معاملات اہمیت کے پیش نظر ضبط تحریر میں آجائیں۔

ادبی غرض کے لیے لکھنے کے عمل کو رواج دینا عربوں کے یہاں کوئی ضرورت کی چیز نہیں سمجھی گئی، کیونکہ ان کے یہاں تحریر کے مقابلہ میں حافظہ کو زیادہ اہمیت حاصل تھی، عربوں کو اپنی زبان اور قوت یادداشت پر ناز تھا، چنانچہ وہ اپنا حسب ونسب زبانی یاد رکھتے تھے، اپنے خاندان وقبیلہ کی شان وشوکت بیان کرنے کے لیے اشعار وقصائد ازبر رکھتے تھے، یہاں تک کہ گھوڑوں کا سلسلۂ نسب بھی اپنے حافظہ میں محفوظ رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کی کوئی تحریر کردہ کتاب دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی فنی طور پر تیار کردہ کسی ادبی مجموعہ یا ادبی دستاویز کا ثبوت موجود ہے۔

عربوں کے یہاں تکلف یا تصنع کا مزاج نہیں پایا جاتا تھا، شاعری وہ اپنی طبیعت کے تقاضہ سے کرتے تھے، نہ کہ اپنے اوپر جبر وتکلف کے

ذریعہ،فصاحت وبلاغت ان کی زبان میں عام طور سے رائج تھی، زبان کے معیار اور فنی خصوصیات سے ہر طبقہ کے لوگ محظوظ ہوتے تھے، زبان کی فنی خصوصیات عام ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ ادبی شہہ پارے یا خوبصورت عبارتیں لکھ کر محفوظ کر لی جائیں۔

2.7 صحیفوں کا وجود

یوں تو کسی ادبی تصنیف یا مجموعہ کی شکل نہیں ملتی ہے تاہم صحیفوں کے متعلق روایات میں تذکرہ آتا ہے، تاریخی طور پر اس کا ثبوت ملتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں سُوید بن صامت نام کا ایک شخص حج یا عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ حاضر ہوا، اللہ کے رسول ﷺ کو اس کی آمد کی خبر ملی تو آپؐ اس کے پاس گئے اور اسے اسلام کی دعوت دی، سُوید نے آپؐ سے کہا کہ جو چیز آپ کے پاس ہے میرے پاس بھی ویسی چیز موجود ہے ،آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا ''مجلۂ لقمان''، آپؐ نے کہا اسے میرے سامنے پیش کرو، سوید نے اس کلام کو آپؐ کے سامنے پیش کیا، آپؐ نے فرمایا یقینا یہ ایک اچھا کلام ہے، لیکن جو میرے پاس ہے وہ اس سے بھی بہتر کلام ہے، وہ قرآن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے، یہ سراسر ہدایت ہے اور سراپا نور ہے، پھر آپؐ نے قرآن کی آیتیں پڑھ کر اسے سنائیں، اس کے بعد آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی، لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا، بہرحال اس نے اتنا کہا کہ یہ ایک اچھا کلام ہے۔

اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں صحیفہ کا وجود تھا جس میں حکمت ونصیحت کی باتیں پائی جاتی تھیں، لیکن اس طرح کے صحیفوں کی بنیاد پر یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب لکھنے کے فن کو اپنے جذبات واحساسات کی نمائندگی کے لیے استعمال کرتے تھے، محض گمان کی بنیاد پر ہم اس میں قیاس آرائی نہیں کر سکتے ہیں، ان تمام حقائق کے باوجود کہ نثر فنی کی کوئی مادی شکل ہمارے سامنے موجود نہیں اور ادبی خطوط یا رسائل کا کوئی ثبوت دستیاب نہیں، یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ عربوں کے درمیان سیاسی وتجارتی اغراض کے لیے خطوط نویسی کا عمل رائج تھا۔

2.8 طرفہ بن عبد کی موت میں خط کا کردار

طرفہ بن عبد جاہلی دور کا ایک شاعر ہے، 539ء میں اس کی پیدائش ہوئی اور 564ء میں اس کا قتل ہوا، موت کا یہ واقعہ آپ ﷺ کی ہجرت سے ساٹھ سال قبل پیش آیا، ہجوگوئی میں مشہور تھا، تاہم اس کے اشعار میں فحش کلامی نہیں ہوتی تھی، بلکہ شعر کی شکل میں حکمت کی باتیں اس کی زبان سے نکلتی تھیں، زبان کا بڑا تیز طرار تھا، ایک موقعہ پر عمرو بن ہند کی مجلس میں بیٹھا تھا، مسیّب بن علس نامی ایک شاعر بھی وہاں موجود تھا، اس نے ایک قصیدہ پڑھا، طرفہ بن عبد نے اس کے شعر میں نقص نکالا جس کی وجہ سے مسیّب کو غصہ آگیا، اس نے کہا اس لڑکے کو اس کی زبان مار ڈالے گی، یہ پیشنگوئی صحیح ثابت ہوئی، وہ اپنی زبان کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔

اس کے قتل میں خط کا استعمال کیا گیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ ایک موقعہ پر طرفہ نے عمرو بن ہند اور اس کے بھائی قابوس کی شعر کے ذریعہ برائی بیان کی، عمرو بن ہند اس وقت وہاں موجود نہیں تھا، عمرو چونکہ بادشاہ تھا، طاقت اور زور بازو میں شہرت یافتہ تھا، لہٰذا کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ اس کے سامنے قصیدہ کا تذکرہ کرے، اتفاق کچھ ایسا ہوا کہ عمرو بن ہند ایک مرتبہ شکار کھیلنے کے لیے نکلا تو بہت دور چلا گیا، چنانچہ اس دور افتادہ علاقہ میں آگ جلائی گئی، گوشت بھون کر کھانے کا دور چل رہا تھا، اس وقت طرفہ بن العبد کا ایک رشتہ دار موجود تھا جو عمرو بن مرثد کا غلام تھا، غلام کی قمیص میں کچھ نقص تھا جس کی وجہ سے اس کا کولہا جھلک گیا، غلام بہت خوبصورت تھا، اس غلام اور طرفہ کے درمیان کسی معاملہ میں ناچاقی چل رہی تھی تو طرفہ نے اس پر

معیوب شعر کہہ دیا، عمرو بن ہند نے غلام سے کہا کہ غلام! طرفہ نے تمہارا کولہا دیکھ لیا ہے اور اس نے اس طرح کا نازیبا شعر کہا ہے، غلام کو غصہ آیا اور اس نے راز فاش کرتے ہوئے عمرو بن ہند سے کہا کہ بادشاہ سلامت کی شان میں اس نے تو اس سے بھی بری بات کہی ہے، عمرو بن ہند نے پوچھا کہ کیا کہا ہے؟ غلام شرمندہ ہو رہا تھا اور ناپسند کر رہا تھا کہ بادشاہ کو وہ بری بات بتائے، عمرو بن ہند نے کہا کہ مجھے بتادو میں طرفہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچاؤں گا، تو غلام نے قصیدہ پڑھ کر سنا دیا، اس پر عمرو بن ہند کے دل کو جو ٹھیس پہنچی اس کا اظہار اس نے نہیں کیا، نیز معاشرہ میں اپنے مقام اور رتبہ کا خیال کرتے ہوئے کسی فوری اقدام کو نامناسب سمجھا، اس سکوت اور برداشت میں ایک مدت گزر گئی، طرفہ نے محسوس کیا کہ بادشاہ کی ناراضگی دور ہوگئی ہے۔

جریر بن عبدالمسیح نام سے ایک اور شاعر تھا وہ المتلمّس کے لقب سے مشہور تھا، اس نے بھی عمرو بن ہند کے متعلق نازیبا شاعری کی تھی، عمرو بن ہند نے طرفہ اور المتلمّس دونوں سے محبت اور دلجوئی کا سلوک کیا تاکہ دونوں مانوس ہوجائیں، ایک عرصہ تک دونوں کو اپنے ساتھ رکھا، پھر ایک دن عمرو بن ہند نے ان دونوں سے کہا کہ مدت ہوگئی اب تم دونوں شاید اپنے گھر والوں سے ملنے کی خواہش کر رہے ہوگے، دونوں نے کہا ''ہاں'' عمرو بن ہند نے بحرین وہجر (موجودہ الاحساء کے علاقہ) میں اپنے گورنر کے پاس جس کا نام ربیعہ بن الحارث العبدی تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام المکعبر تھا، ان دونوں کو روانہ کیا، ساتھ ہی ایک خط لکھ کر ان دونوں کے حوالہ کردیا، جب حیرہ سے قریب کسی جگہ یہ لوگ پہنچے تو دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص ہے اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا ہے، وہ کھا رہا ہے اور ساتھ ہی کچھ ایسا عمل کر رہا ہے جس سے طبیعت مکدر ہوجائے، متلمس نے اس سے کہا کہ خدا کی قسم تم سے بڑا احمق اور کم عقل میں نے نہیں دیکھا، تم کس قدر نازیبا عمل کر رہے ہو، اس پر اس شخص نے جواب دیا کہ مجھ سے بڑا احمق وہ شخص ہے جو اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کا سامان تیار کر رہا ہے اور اسے اس کی خبر بھی نہیں، متلمس چوکنا ہوگیا، حیرہ کے باشندوں میں سے ایک لڑکا اسے ملا، متلمس نے اس سے پوچھا ''تم پڑھنا جانتے ہو؟'' لڑکے نے کہا ''ہاں''، متلمس نے فوراً خط کھولا اور اس کے حوالہ کردیا، اس لڑکے نے اس خط پر نظر دوڑائی اور کہا ''متلمس کی موت پر اس کی ماں ماتم کرے گی''، پھر خط پڑھ کر اس نے اس کو سنایا کہ ''جب تمہارے پاس متلمس پہنچے تو اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ دینا، نیز اسے زندہ دفن کردینا''، متلمس نے اس خط کو ایک دریا میں پھینک دیا جس کا نام کافر تھا۔

پھر وہ طرفہ کی تلاش میں نکلا تاکہ اس کو بھی واپس جانے کے لیے کہے لیکن اس سے ملاقات نہیں ہوئی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ طرفہ سے ملاقات ہوئی، طرفہ سے اس نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے خط میں کیا پیغام ہے؟ ہوسکتا ہے اس میں بھی وہی لکھا ہو جو میرے خط میں لکھا ہوا تھا، طرفہ نے کہا ممکن ہے تمہارے خلاف اس نے ایسی جرأت کی ہو، لیکن میرے خلاف وہ ایسی جرأت نہیں کرسکتا ہے، بہرحال متلمس شام کی طرف بھاگ نکلا اور طرفہ مذکور گورنر کی طرف چل پڑا، یہاں تک کہ بحرین وہجر کے علاقہ میں پہنچ گیا، طرفہ نے عمرو بن ہند کا خط گورنر کے حوالہ کردیا، گورنر نے خط پڑھ کر پوچھا ''تمہیں معلوم ہے کہ اس خط میں مجھے کیا حکم دیا گیا ہے؟'' طرفہ نے جواب دیا ''ہاں! یہ کہ تم مجھے انعام واکرام سے نوازو اور میرے ساتھ اچھا سلوک کرو''، گورنر نے کہا ''میرے اور تمہارے بیچ ماموں کا (یعنی نانیہالی) رشتہ ہے، میں اس کا لحاظ کر رہا ہوں، آج ہی رات تم یہاں سے بھاگ جاؤ، کیونکہ مجھے تمہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا قبل اس کے کہ لوگوں کو پتہ چلے تم صبح ہونے سے پہلے ہی یہاں سے روانہ ہوجاؤ''، طرفہ نے جواب دیا ''تم پر مجھے انعام واکرام سے نوازنا گراں گزر رہا ہے، اس لیے تم مجھے یہاں سے نکل جانے کو پسند کر رہے ہو، نیز یہ کہ عمرو بن ہند کو من مانی کرنے کا موقع مل جائے، ایسا معلوم ہو رہا ہے گویا میں نے کوئی گناہ کیا ہو، خدا کی قسم میں تمہاری بات ہرگز نہیں مانوں گا''۔

جب صبح ہوئی تو اس نے طرفہ کو گرفتار کرنے کا حکم صادر کر دیا، قبیلہٗ بکر بن وائل کے لوگ آئے، انھوں نے پوچھا ''کیا طرفہ آیا ہے؟'' بحرین کے گورنر نے طرفہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا، سب کے سامنے بادشاہ عمرو بن ہند کا خط پڑھ کر سنایا گیا، پھر گورنر نے طرفہ کو آزاد کر دیا اور اس کے قتل کو نظر انداز کر دیا، ساتھ ہی عمرو بن ہند کو گورنر نے خط لکھ کر بھیجا کہ ''میں اس کو قتل نہیں کروں گا''، اس کے بعد عمرو بن ہند نے بنی تغلب کے ایک شخص کو جس کا نام عبد ہند بتایا جاتا ہے خط دے کر روانہ کیا اور اس کو بحرین کا گورنر بھی مقرر کر دیا، یہ بہت ہی بہادر اور دلیر شخص تھا، اسے طرفہ کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا، ساتھ ہی ساتھ ربیعہ بن الحارث العبدی کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا، عبد ہند بحرین پہنچا، بحرین کے باشندوں کے سامنے حکم نامہ پڑھ کر سنایا، اس طرح ربیعہ بن الحارث العبدی کی جگہ عبد ہند بحرین کا گورنر بن گیا، عبد ہند نے طرفہ کے قتل کی تدبیر شروع کر دی، قبیلہ عبد قیس کے ایک شخص کو جس کا نام ابوریشہ بتایا جاتا ہے قتل کی ذمہ داری سونپی، ابوریشہ نے طرفہ کو قتل کر ڈالا، اس کی قبر ہجر میں مشہور ہے، جو قبیلہٗ قیس بن ثعلبہ کی سرزمین میں ہے۔

اس واقعہ میں کئی جگہ خطوط کا استعمال ہوا ہے، لہٰذا واضح اشارہ ملتا ہے کہ اس زمانہ میں خطوط نویسی رائج تھی۔

2.9 نثر جاہلی میں قصوں اور کہانیوں کا تذکرہ

اہل زبان کے نزدیک یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ عصر جاہلی کے عرب قصے اور کہانیوں میں گہری دلچسپی رکھتے تھے، صحرائی زندگی میں خالی اوقات کو اس طرح کی سرگرمیوں میں استعمال کرنے کی رغبت ان کے اندر پائی جاتی تھی، جب شام ہو جاتی تو قصوں کی مجلسوں میں شرکت کی غرض سے لوگ پہنچتے تھے، صحرائی خیموں میں سے کسی خیمہ میں جہاں کسی نے یہ کہنا شروع کیا کہ واقعہ کچھ اس طرح پیش آیا، فوراً لوگوں کے کان اس طرف متوجہ ہو جاتے تھے، قصہ گوئی کے دوران کبھی اہل مجلس میں سے بھی کوئی تبصرہ کرتا تھا، اس طرح کے مواقع میں قبیلہ کے بوڑھے اور نوجوان کافی جوش وجذبہ کے ساتھ شریک ہوتے تھے، خواتین و دوشیزائیں بھی پردہ کے پیچھے اپنے خیموں میں کافی شوق سے جمع ہوتی تھیں اور داستانیں سنا کرتی تھیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قصہ گو اس طرح کی حکایتوں کے تذکرہ میں اپنی طرف سے اپنے خیال اور کبھی فن قصہ گوئی کی بنیاد پر واقعہ میں اضافہ یا تبدیلی بھی کرتے ہوں۔ تاکہ سامعین کی توجہ پوری طرح برقرار رہ سکے، کہانی کے پیچ وخم سے ان کے قلوب بھی متاثر ہو سکیں، ان کے اندر کیفیت میں اتار چڑھاؤ بھی آئے، کبھی خوف کا منظر سامنے آئے، کبھی انتقام کی رغبت بیدار ہو، کبھی سنجیدگی کا سماں چھا جائے، کبھی قہقہہ کی گونج سنائی دے، کیونکہ کہانی بیان کرنے والا سامعین کی آنکھوں کی چمک سے شوق وولولہ کا اندازہ لگاتا ہے، واقعہ کے نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے سامعین ہر لمحہ اگلے موڑ کے تجسس میں ڈوب جاتے ہیں، ان امکانات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر شوقی ضیف نے تبصرہ کیا ہے کہ بہر حال ان قصوں کی اصل کے متعلق بحث کرنا دشوار ہے، عباسی دور کے راویوں اور زبان کے ماہرین تک کچھ کہانیوں کے متعلق معلومات پہنچی تو انھوں نے انہیں یکجا کر دیا، اس احتمال کی نفی نہیں کی جا سکتی ہے کہ عصر جاہلی سے لے کر دوسری صدی ہجری تک ان قصوں کے پہنچنے میں تحریف وتغیر واقع ہوئے ہوں گے، کیونکہ اس دوران ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے، ان تمام امکانات کے باوجود ماہرین زبان کا اعتراف ہے کہ ان قصوں میں پرانی روایات وخصوصیات کے عناصر بہت حد تک محفوظ رہے ہیں اور قدیم روح وقوت بھی باقی رہی ہے۔

عباسی دور کے روایوں نے جن قصوں کو قلم بند کیا ہے اور جن کہانیوں کو تدوین کر کے آئندہ کی صدیوں تک پہنچایا ہے ان کے ذریعہ ہم ان

قصوں کے تنوع اور احوال کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

2.9.1 عصر جاہلی میں قصوں کی نوعیت

جاہلی دور کی نثر جو کہانیوں کی شکل میں عصر عباسی تک پہنچی اس کی بنیاد عصر جاہلی کی جنگیں اور آپسی قتل و غارت ہیں، وہ کہانیاں ان جنگوں کی نمایاں شخصیات کے گرد گھومتی ہیں، جنہیں ہم آج کی زبان میں جنگ کے ہیرو سے تعبیر کرتے ہیں، جنگ میں ان شخصیات کے کرادر، ان کی فتح و کامیابی کے نمونے، ان کی وجہ سے مخالف جماعت میں خوف و دہشت کا ماحول، دشمن کی شکست اور ذلت و رسوائی کے حالات ان کہانیوں میں خصوصی کشش کا مرکز ہوا کرتے تھے، عرب چونکہ جنگ وجدال کے احوال سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اس لیے اس طرح کے قصے ان کے یہاں نہایت ہی معروف ومقبول تھے، عرب اپنی قبائلی زندگی میں جنگ وجدال کی صورتحال کا واضح تجربہ رکھتے تھے لہٰذا ان کہانیوں میں ان کی رغبت بے مثال ہوا کرتی تھی، ان کہانیوں کا جاہلی دور سے لے کر عصر عباسی تک کا سفر طے کرنا جو تقریباً دو سو سال کے عرصہ پر محیط ہے، کوئی معمولی بات نہیں، یقیناً اس میں عربوں کی دلچسپی کا دخل ہے، جنگی امور کا سلیقہ اس میں بنیادی عنصر کے طور پر کردار ادا کرتا رہا ہے، یہ قصے بہت ہی منظم طریقہ سے روایت کیے جاتے رہے ہیں، ان کی تدوین قصہ بیانی کی بہترین مثال ہے۔

عرب اپنے بادشاہوں سے متعلق بھی قصے بیان کیا کرتے تھے، مناذرہ اور غساسنہ کے قصے خاص طور سے تذکرہ میں آتے ہیں، مناذرہ سے مراد قبیلہ منذر کی شاخوں سے ہے اور غساسنہ سے مراد قبیلہ غسان کی شاخوں سے ہے، جوں جوں ان قبائل کی آبادی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا ان کی شاخیں وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی تھیں، ان قبائل میں سردار ہوا کرتے تھے، ان سرداروں سے متعلق یا ان میں جو بادشاہ ہوا کرتے تھے ان بادشاہوں سے متعلق کہانیاں روایت کی جاتی تھیں، ان کہانیوں کو عرب آپس میں سنایا کرتے تھے، ان میں جاذبیت بھی ہوتی تھی، نصیحتیں بھی ہوتی تھیں، تاکہ قبیلہ کے لوگ خصوصاً نوجوان خوبیوں کو اختیار کریں اور خامیوں سے گریز کریں، تاریخ کے احوال سامنے ہوتے ہیں تو عبرت حاصل کرنا آسان ہوجاتا ہے، عربوں کی خصوصیت تھی کہ واقعات کے ذریعہ اپنی نسلوں کی تربیت کیا کرتے تھے، یہ واقعات کبھی گزشتہ اور کبھی پیوستہ بادشاہوں سے متعلق ہوتے تھے، ان کے احوال اور کارناموں کا تذکرہ ہوتا تھا، کبھی معاصر بادشاہوں سے متعلق تذکرے آتے تھے، مثلاً سلطنت حمیر کے بادشاہوں کے متعلق یا اسی طرح زباء کے متعلق جسے زنوبیا اور زینب کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، جو ملکۂ تدمر تھی، جیسا کہ تاریخ طبری میں اس کا تذکرہ آتا ہے، ابن ہشام نے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

2.9.2 نضر بن الحارث کا واقعہ

عرب جس طرح اپنے بادشاہوں کے واقعات بیان کیا کرتے تھے، اپنے قبیلہ کی ممتاز شخصیتوں کی خوبیاں بھی بیان کرتے تھے، اسی طرح اپنے اطراف کے قبائل اور قوموں کے واقعات بھی سنایا کرتے تھے، وہاں کے بہادروں اور جسارت پسند لوگوں کے احوال بیان کیا کرتے تھے، السیرۃ النبویۃ میں درج ہے کہ نضر بن الحارث کا شمار قریش کے شر پسندوں میں ہوتا تھا، اللہ کے رسول ﷺ کو بہت تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا، آپؐ کے خلاف دشمنی کا ماحول تیار کرتا تھا، اس نے ایک مرتبہ حیرہ کا سفر کیا، وہاں اس نے ملک فارس کے بادشاہوں کے متعلق باتیں معلوم کیں، اسی طرح رستم اور اسفندیار کے واقعات بھی سنے اور انہیں یاد کرلیا، جب وہ مکہ واپس آیا اور دیکھا کہ اللہ کے رسولؐ اپنی مجلس میں اللہ کی باتیں بتا رہے ہیں، گزشتہ

قوموں پر اللہ کے عذاب کا تذکرہ کررہے ہیں، نیز غضب الٰہی سے بچنے کی تلقین کررہے ہیں، تو آپ ؐ کی مجلس کے بعد وہ اپنی مجلس لگاتا تھا اور کہتا تھا ''اے قریش کے لوگو! اللہ کی قسم میں ان سے بہتر واقعات سناؤں گا، تم لوگ میرے پاس آؤ، میری بات ان کی بات سے زیادہ اچھی ہوگی''، اس اعلان کے ساتھ مجمع اکٹھا کرکے کبھی فارس کے بادشاہوں کی کہانیاں سنایا کرتا اور کبھی رستم اور اسفندیار کے تذکرے چھیڑتا تھا۔

2.9.3 المرقش الأکبر کا قصہ

عربوں میں کہانیاں اس قدر رائج تھیں کہ تاریخ کی کتابوں میں ان کا ذکر بکثرت آتا ہے، شعرانے بھی ان پر شاعری کی ہے، ادیبوں نے ان موضوعات پر ادبی تحریریں ترتیب دی ہیں، اس پس منظر میں الاغانی کے صفحات پر نظر دوڑائی جائے تو ایسی کہانیاں بکثرت ملتی ہیں، ان کہانیوں کی فہرست میں جذباتی لگاؤ اور عشق ومحبت کی داستانیں بھی بڑی تعداد میں سامنے آتی ہیں، مثال کے طور پر مرقش اکبر کا قصہ، اس کی معشوقہ اسماء بنت عوف کے نام سے معروف تھی، مرقش اکبر اس سے بہت محبت کرتا تھا، حالانکہ اس وقت وہ محض نوعمری کے مرحلہ میں تھا، اس نے اپنے باپ کے ذریعہ اسماء کو شادی کا پیغام دینے کی کوشش کی، لیکن باپ نے یہ عذر کرکے ٹال دیا کہ ابھی تم بچہ ہو، ابھی تمہاری شادی کی عمر نہیں ہوئی ہے، مرقش اپنی شجاعت اور بہادری میں اس وقت تک کوئی شہرت بھی حاصل نہیں کرسکا تھا، پھر کچھ ایسی صورتحال پیش آئی کہ مرقش کو کسی بادشاہ کے یہاں جانا ہوا، وہاں اس نے بادشاہ کی تعریف کی، چنانچہ بادشاہ نے اسے اپنے پاس ٹھہرالیا، ایک زمانہ گزر گیا، اسی اثنا میں اسماء کے باپ عوف پر تنگدستی کے حالات آگئے، پریشانی ومجبوری کے اس عالم میں اس کے پاس ایک شخص آیا، مال کا لالچ دیا، تو باپ نے اپنی بیٹی اسماء کی سو اونٹ کے عوض اس سے شادی کردی، وہ اسماء کو اپنے گھر لے گیا، مرقش کو اس کی کوئی خبر نہیں ہوئی، مرقش کے بھائیوں نے طے کیا کہ جب مرقش لوٹ کر وطن واپس آئے گا تو اسے اس واقعہ کی خبر نہ دی جائے، کیونکہ اسے بہت تکلیف ہوگی، بلکہ یہ کہہ دیا جائے کہ وہ مرگئی، چنانچہ ان بھائیوں نے ایک مینڈھا ذبح کیا، اس کا گوشت کھاگئے اور ہڈیاں دفن کردیں، جب مرقش واپس آیا تو بھائیوں نے کہا کہ وہ تو مرگئی، بہرحال ایک مدت تک مرقش محبوبہ کی قبر کی زیارت کرتارہا، یہاں تک کہ حقیقت حال سے واقفیت ہوگئی کہ یہ محبوبہ کی نہیں بلکہ کسی مینڈھے کی قبر ہے، پھر مرقش اپنی محبوبہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، ایک عرصہ تک جدوجہد کرتا رہا، اسے ایک چرواہے کی خبر ملی کہ وہ اسماء بنت عوف کے شوہر کی بکریاں چراتا ہے، مرقش نے اس سے درخواست کی کہ اسماء کے متعلق کچھ پتہ بتادے، اس نے معذرت کردی اور کہا کہ میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اس کے قریب تک پہنچوں، لیکن ایک بات بتاتا ہوں، اس کی ایک باندی ہے، وہ ہر رات میرے پاس آتی ہے، تو میں بکری کا دودھ دوہ کر اس کو دیتا ہوں، وہ لے جاتی ہے، وہ دودھ اس کو وہ پیش کرتی ہے، اس پر مرقش نے اس چرواہے سے کہا میری یہ انگوٹھی لو، جب تم دودھ دوہنا تو اس کو اس دودھ میں ڈال دینا، اسماء اس انگوٹھی کو پہچان لے گی، اس عمل کے بدلہ تمہیں اتنی نعمت حاصل ہوگی کہ اتنی نعمت کبھی کسی چرواہے کو حاصل نہیں ہوئی ہوگی، چرواہے نے اس یقین دہانی پر اس کی انگوٹھی لے لی، شام میں جب اس کی باندی پیالہ لے کر آئی تو چرواہے نے اس کے لیے دودھ دوہا اور وہ انگوٹھی اس میں ڈال دی، باندی وہ دودھ کا پیالہ لے کر گئی اور اسماء کے سامنے اس نے رکھ دیا، جب دودھ کا جھاگ بیٹھ گیا تو اسماء نے دودھ پیا، یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا، دودھ پینے کے دوران انگوٹھی اس کے دانت سے ٹکرائی تو اس نے فوراً اس کو اپنے ہاتھ میں لیا، روشنی جلائی تو دیکھا کہ وہ ایک انگوٹھی تھی، انگوٹھی کو اس نے پہچان لیا، باندی کو بلایا، اس سے پوچھا کہ یہ انگوٹھی کیسی ہے؟ کہاں سے آئی؟ باندی نے کہا مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں، اسماء نے فوراً باندی کو اس کے آقا کے پاس بھیجا، اس وقت وہ نجران میں تھا، وہ گھبرایا ہوا آیا، احوال دریافت کرتے ہوئے پوچھا مجھے تم نے کس لیے بلایا ہے؟ اسماء نے کہا تم اپنے غلام چرواہے کو بلاؤ، اس نے اس چرواہے کو بلایا، جب وہ

آ گیا تو اسماء نے اپنے شوہر سے کہا کہ اس چرواہے سے پوچھو کہ یہ انگوٹھی اسے کہاں ملی؟ چرواہے نے کہا ''میری ملاقات جُنان نامی گفا میں ایک شخص سے ہوئی تھی، اس نے مجھ سے کہا کہ یہ انگوٹھی دودھ کے اس پیالہ میں ڈال دینا جس کو اسماء استعمال کرتی ہے، تمہیں اس کے بدلہ نعمت حاصل ہوگی، لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ ہے کون؟ بہر حال میں نے مجبور ہو کر وہ انگوٹھی اس پیالہ میں ڈال دی''، شوہر نے اسماء سے پوچھا'' آخر اس انگوٹھی کی حقیقت ہے کیا؟''، اسماء نے جواب دیا ''یہ انگوٹھی مرقش کی ہے''، چلو جلدی کرو اس کو تلاش کرتے ہیں، شوہر فوراً ایک گھوڑی پر سوار ہوا اور دوسری پر اسماء سوار ہوئی دونوں مرقش کی تلاش میں نکل پڑے، تلاش کرتے ہوئے رات ہوگئی، رات کے کسی حصہ میں مرقش انہیں ملا، وہ دونوں اسے اپنے گھر لے آئے بتایا جاتا ہے کہ جب وہ گھر پہنچا تو اسماء کے پاس ہی اس کی موت ہوئی، مرنے سے پہلے اس نے چند اشعار بھی کہے جن میں اسماء سے دوری پر اپنے غم واندوہ کی شکایت کی، اسماء پر اس نے عہد شکنی کا الزام بھی لگایا اور اپنی بے چارگی وکس مپرسی پر ماتم کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

2.9.4 نثر جاہلی میں قصہ کی اہمیت

اس کہانی کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے سامنے یہ واضح ہوجائے کہ عصر جاہلی میں اس انداز کے قصے رائج تھے، یقینا یہ کہانیاں نثر کے اسلوب میں سنائی جاتی تھیں، ان قصوں سے ہمیں عندیہ ملتا ہے کہ جاہلی دور میں نثر کی یہ شکل پائی جاتی تھی، لیکن ان قصوں کو فن کی حیثیت سے تحریری شکل میں محفوظ کرنے کا مزاج نہیں تھا، کیونکہ عربوں کو اپنے بیان اور حافظہ پر زیادہ اعتماد تھا، لہٰذا ان واقعات کو ضبط تحریر کرنے کی طرف انھوں نے توجہ نہیں دی، دشواری یہ تھی کہ اگر لکھ بھی دیں تو اس زمانہ میں پڑھنے والے لوگ تھے ہی کتنے؟

واقعہ یہ ہے کہ کہانیاں اس زمانہ میں نسل درنسل سلسلہ وار جاری رہیں، قصہ گو موقعہ کے اعتبار سے یا کبھی ذاتی اسلوب وانداز کے اعتبار سے الفاظ وتعبیر میں ردوبدل کرتے رہتے تھے، تاکہ سامعین کی دلچسپی باقی رہے، رغبت وشوق کا ماحول قائم رہے، کبھی ان کہانیوں کے بیچ ضرب الامثال کا بھی استعمال کرتے تھے، لیکن کہانی کی اصل اور اس کی روح باقی رہتی تھی۔

بروکلمان کا بیان ہے کہ غیر عرب قوموں میں بھی عاشقوں کے باہم ایک دوسرے کو انگوٹھی کے ذریعہ پہچاننے کے قصے بکثرت رائج تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی دور کے قصوں میں غیر عرب قوموں میں معروف عشق ومحبت کی داستانوں کے عناصر شامل تھے، ان کے علاوہ دیگر نوعیت کی داستانیں بھی عرب قوم تک پہنچ چکی تھیں جن کا تعلق جانوروں کے واقعات سے تھا، مثلاً سانپ اور کلہاڑی کی داستان جیسا کہ مفضل الضبی نے روایت کی ہے۔

معلومات کی جانچ

1. کس زمانہ کو عصر جاہلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے؟
2. کیا عرب بالکل ہی نا اہل تھے یا ان کے پاس تجربات تھے؟
3. عصر جاہلی میں تحریر کی کوئی شکل پائی جاتی تھی یا نہیں؟
4. کیا جاہلی دور میں خطوط لکھے جاتے تھے؟

5. نثر جاہلی اور کہانیوں کے بیچ کیا ربط ہے؟

2.10 نثر جاہلی کی خصوصیات

ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر نثر جاہلی میں ایسی کون سی خوبی تھی اور کیا خصوصیات تھیں کہ اس کو زبان وادب کے حلقہ میں اس قدر اہمیت حاصل ہوئی اور عرب قوم نے اس سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔

اس سوال کے جواب میں زبان وادب کے شہسوار نے فراخدلی سے تسلیم کیا ہے کہ زبان میں اس قدر لطافت اور رعنائی پائی جاتی ہے کہ مخاطب اس سے لذت حاصل کرتا ہے، دل میں ایک طرح کی رغبت محسوس کرتا ہے اور کلام کے اسلوب وتعبیر سے محظوظ ہوتا ہے، اس کے پیچھے جو خصوصیات اور وجوہات رہیں ان کا تذکرہ آنے والی سطور میں درج کیا جاتا ہے۔

2.10.1 سہل الفاظ

عصر جاہلی کے عرب اپنی زبان میں سہل اور مانوس الفاظ استعمال کرتے تھے، نادر اور غیر معروف الفاظ استعمال کرنے سے گریز کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ جاہلی ادبا کسی موضوع پر اظہار خیال میں تکلف یا تصنع اختیار نہیں کرتے تھے، بلکہ سادگی کے ساتھ اپنی بات مخاطب تک پہنچاتے تھے تاکہ مخاطب آسانی سے اس کو سمجھ لے اور مقصود کلام تک پہنچ جائے، چونکہ تحریر کا رواج نہیں تھا اس لیے ایسی تعبیرات کا استعمال نہیں ہوتا تھا جن میں زیادہ غور وخوض کرنا پڑے یا معنی تک رسائی کے لیے زیادہ کوشش کرنی پڑے، آسان اور معروف الفاظ کے استعمال کو عبارتوں کے یاد کرنے اور نقل کرنے میں بھی مدد کرتا تھا، کیونکہ ان واقعات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے زبان اور قوت یادداشت کا ہی استعمال ہوتا تھا، چنانچہ سہل الفاظ آسانی سے ذہن میں نقش ہوجاتے تھے اور دوران بیان مخاطب کی توجہ اور ادراک میں معاون ہوتے تھے، جاہلی دور میں صاحب کلام کی یہ بھی کوشش ہوتی تھی کہ مفہوم کلام مخاطب کے سامنے واضح ہوجائے، لہٰذا مفہوم کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لیے مناسب الفاظ کا استعمال عربوں کی خصوصیت تھی، اس طرح سہل الفاظ کے ذریعہ معنی کی صحیح توضیح کی جاتی تھی، ان کی زبان اس قدر واضح اور مربوط ہوتی تھی کہ ایک مرتبہ کوئی جملہ ادا کردیا گیا تو مخاطب براہ راست معنی تک پہنچ جاتا تھا۔

2.10.2 مختصر جملے

جاہلی نثر میں یہ خصوصیت نظر آتی ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملے استعمال کیے جاتے تھے، لمبے جملوں سے احتراز کیا جاتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ کلام کا سارا دارومدار گفتگو پر تھا یا یہ کہ کوئی تقریر کی شکل ہو، لمبے جملے حصول مقصد میں رکاوٹ کا سبب بنتے ہیں، مختصر جملوں سے مخاطب مقصود کلام سے براہ راست واقف ہوجاتا ہے، عرب اس سلسلہ میں کافی اہتمام کرتے تھے، اپنی زبان اور اسلوب بیان میں بہت حساس طبع تھے، مختصر جملوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غرض کلام کا نقشہ ان کے ذہن میں بالکل واضح رہتا تھا، کیونکہ انسان کے ذہن میں جب کوئی خاکہ واضح ہوتا ہے تو نہایت سکون سے قابل فہم انداز میں بات کرتا ہے، مختصر جملوں میں اطمینان کے ساتھ مخاطب سے ہم کلام ہوتا ہے۔

2.10.3 طرز کلام میں تنوع

جاہلی دور کے طرز کلام میں دیکھا جاتا ہے کہ صاحب کلام گفتگو میں تنوع اختیار کرتا ہے، کبھی جملۂ خبریہ استعمال کرتا ہے تو کبھی جملۂ انشائیہ،

جملۂ خبریہ اس جملہ کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی اطلاع دی جاتی ہو اور اس اطلاع کی تصدیق یا تکذیب دونوں کی گنجائش ہو، یعنی اس اطلاع میں یا اس خبر میں سچ یا جھوٹ دونوں کا امکان پایا جاتا ہو، مثلاً کوئی کہے موسم بہت حسین ہے، جہاں ایک طرف موسم کی خوبصورتی کی اطلاع دی گئی وہیں کوئی دوسرا یہ کہہ سکتا ہے کہ موسم حسین نہیں ہے یا یہ کہہ سکتا ہے کہ موسم خراب ہے، ایک موسم کے متعلق دونوں اطلاعات ملی ہیں، ایک مثبت دوسری منفی، جس جملہ میں مثبت یا منفی دونوں کی گنجائش ہو یا بہ الفاظ دیگر، تصدیق یا تکذیب دونوں کا امکان ہو اس کو جملۂ خبریہ کہتے ہیں، اس نوع کے جملوں میں کسی موضوع کے متعلق اطلاع دی جاتی ہے یا کسی مضمون کی وضاحت کی جاتی ہے یا کسی مضمون کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے، یہ اطلاع مثبت یا منفی دونوں شکلوں میں ممکن ہے۔

جملۂ انشائیہ اس جملہ کو کہتے ہیں جس میں کلام کو سچا یا جھوٹا ثابت کرنے کا امکان موجود نہیں ہو، یعنی اس کی تصدیق یا تکذیب نہیں کی جا سکتی ہو، مثلاً کسی کو کہا جائے کہ کھانا کھالو، یہ حکم ہے، اس کی تکذیب ممکن نہیں، بہت زیادہ ہوگا تو یہ کہا جائے گا کہ کھانا مت کھاؤ، یہ ممانعت ہے، جو سابقہ حکم کے مقابلہ میں ہے، اگر حکم دیا جائے تو اس کو امر کہتے ہیں اور اگر منع کیا جائے تو اس کو نہی کہتے ہیں، امر اور نہی یہ دونوں جملۂ انشائیہ کا حصہ ہیں، اس طرح کے جملوں میں تصدیق یا تکذیب کی گنجائش نہیں ہوتی ہے، کیونکہ حکم دینا کوئی خبر نہیں ہے، بلکہ ایک طرح کا مطالبہ ہے، تصدیق یا تکذیب صرف وہاں ممکن ہے جہاں خبر دی جا رہی ہو۔

جملۂ انشائیہ ان جملوں کو کہتے ہیں جن میں امر یا نہی پائے جاتے ہوں یا حرف ندا کا استعمال ہوا ہو یعنی کسی کو بلانے کے لیے کوئی لفظ استعمال کیا گیا ہو یا حرف استفہام کا استعمال ہوا ہو یعنی کوئی بات پوچھی جا رہی ہو یا کچھ معلوم کیا جا رہا ہو یا کسی طرح کی تمنا کا اظہار کیا جا رہا ہو یا کوئی امید کی جا رہی ہو، جملۂ انشائیہ دو طرح کے ہوتے ہیں، انشائیہ طلبی اور انشائیہ غیر طلبی، اس کی تفصیل کے لیے قواعد کی کتابوں سے رجوع کریں۔

کلام میں اس طرح کا تنوع گفتگو کو جاذب بنانے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، نیز اس کے ذریعہ مخاطب کے اندر رغبت اور تجسس پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

2.10.4 اطناب

اس اسلوب کو کہتے ہیں جس میں کسی مفہوم کو واضح کرنے کے لیے ایک سے زیادہ الفاظ یا جملوں کا سہارا لیا جاتا ہو، الفاظ یا جملوں کا یہ اضافہ معنویت رکھتا ہو، مخاطب کو اس اضافہ سے فائدہ نظر آتا ہو، اس انداز گفتگو سے مخاطب کو موضوع سے دلچسپی یا غرض کلام کی وضاحت کا فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ اطناب کے تئیں کبھی کسی واقعہ کی وجوہات بھی بیان کی جاتی ہیں، اسباب و علل پر روشنی ڈالی جاتی ہے، صورتحال کے پس منظر کو واضح کیا جاتا ہے، اس کو تعلیل کہتے ہیں، بہرحال اطناب کے ضمن میں جو تفصیل بیان کی جاتی ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو فائدہ حاصل ہو، تبھی اطناب کہلائے گا، اگر مخاطب کو اس تفصیل سے یا جملوں کی کثرت سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہو تو اس کو تطویل کہتے ہیں، اس کا دوسرا نام حشو ہے، تطویل یا حشو کا یہ عمل علمی اور ادبی حلقوں میں مقبول نہیں ہے، بلکہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔

اطناب کے ضمن میں ایک اور طرزِ بیان آتا ہے، اس کو اقناع کہتے ہیں، یعنی کسی مسئلہ کو دلائل و شواہد کے ذریعہ ثابت کرنا تاکہ مخاطب مطمئن ہو جائے یا کسی دعوی کو دلیل کے ذریعہ وقیع بنانا، بسا اوقات صاحب کلام کو اپنی بات کی تائید میں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، چنانچہ اس اسلوب کا اختیار کرنا موقعہ کے اعتبار سے ضروری ہو جاتا ہے، جاہلی دور کے عرب اپنے کلام کو قابل اعتماد ثابت کرنے کے لیے اس طرز کو اختیار کرتے تھے۔

2.10.5 جاذبیت اور کشش

جاہلی دور کے عرب گرچہ سادگی پسند تھے لیکن زورِ بیان اور طرز کلام میں انہیں ملکہ حاصل تھا، جب کسی موضوع پر گفتگو کرتے تھے تو الفاظ کا انتخاب اس اہتمام سے کرتے تھے کہ مفہوم کی صحیح تصویر ذہن میں نمایاں ہوجاتی تھی، قصوں میں کہانیوں میں، واقعات کی منظر کشی میں مناسب الفاظ کے انتخاب پر انہیں زبردست قدرت حاصل تھی، ان کی تقریروں میں الفاظ کی قوت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، ایک ایک لفظ اپنا وزن ثابت کرتا ہے، اسی طرح واقعہ بیانی کا فن امتیازی شان رکھتا تھا، الفاظ میں کشش اور تعبیر میں سحر آفرینی پائی جاتی تھی۔

2.10.6 الفاظ میں یکسانیت اور موسیقیت

جملے چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے اور یکساں شکل کے یا مشابہ الفاظ پر ختم ہوتے تھے جس کی وجہ سے ادائیگی میں موسیقیت کی کیفیت پیدا ہوجاتی تھی، اس طرح کا اسلوب خاص طور پر سجع میں دیکھنے کو ملتا ہے، سجع کہتے ہیں کبوتر کی آواز کو جب وہ یکساں طرز پر اپنی آواز کو بار بار دہراتا ہے، عرب میں جاہلی دور کے لوگ غیب کی باتوں کو معلوم کرنے کے لیے یا کسی سفر پر نکلنے سے پہلے حالات کا اندازہ لگانے کے لیے کاہنوں کے پاس جاتے تھے، کاہن ان لوگوں کو کہتے ہیں جو پیشن گوئی کیا کرتے تھے، جب کوئی شخص حالات یا خطرات کی خبر لینے کے لیے ان کاہنوں کے پاس جاتا تھا تو وہ کاہن چھوٹے چھوٹے جملوں کا استعمال کر کے اپنے جواب کو سجع اور موسیقیت سے آراستہ کرتے تھے، جملے یکساں شکل کے الفاظ پر ختم ہوتے تھے، اس طرح عبارت میں نغمہ کی کیفیت پیدا ہوجاتی تھی۔

2.10.7 حکمت

عربوں کی زندگی صحرائی احوال سے دوچار تھی، صحرا میں حالات ایک جیسے نہیں رہتے ہیں، اس وجہ سے انہیں حالات کے پیش نظر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑتا تھا، چنانچہ ان کی زندگی میں سفر کی کثرت تھی، سفر کی زیادتی نے انہیں تجربات کا ذخیرہ عطا کر رکھا تھا، ان تجربات کی کثرت سے انہیں حکمت کا سرمایہ میسر تھا، عرب اپنی گفتگو میں حکمت کے اس سرمایہ کا بکثرت استعمال کرتے تھے، حکمت کی ان باتوں سے نوجوانوں کو اور قبیلہ کے دوسرے لوگوں کو بھی باخبر کرتے تھے اور چونکہ عرب اپنی تاریخ، آباؤ اجداد کے واقعات اور قبائل کے احوال اپنے ذہن و دماغ میں محفوظ رکھتے تھے اس لیے جب بھی بات کرتے تھے تو ماضی کے ان واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے مخاطب کے سامنے حکمت کی باتیں رکھتے تھے، عرب ان باتوں کی کافی قدر کرتے تھے اور انہیں امانت کے ساتھ آئندہ نسلوں کو منتقل کرتے تھے۔

2.10.8 تشبیہ

کلام عرب میں تشبیہات کی کثرت نظر آتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بات کو صحیح شکل میں پیش کرنے کے لیے کسی مانوس شے سے تشبیہ دے کر اس کی حقیقت بتائی جاتی تھی، عرب بات چیت کے دوران کسی منظر کی صحیح تصویر پیش کرنے کی کوشش کرتے تھے اس لیے تشبیہ دے کر مضمون کو کما حقہ واضح کرتے تھے، اس طرز تخاطب سے جہاں ایک طرف زبان پر قدرت نظر آتی ہے وہیں زبان کے استعمال میں ذوق لطیف کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے یہاں تجربات کی کسی قدر وسعت تھی کہ چیزوں کو ان کی حقیقت کے ساتھ پہچانتے تھے، ان کی باریکیوں سے متعارف تھے چنانچہ موقعہ کی مناسبت سے ان کا بخوبی استعمال کرتے تھے، یہی وجہ رہی کہ ان کی زبان میں کشش اور چاشنی پائی جاتی

تھی، مخاطب کو مفہوم کلام کے ادراک میں مدد ملتی تھی نیز کلام کی معنویت، حسن وخوبی ابھر کر سامنے آتی تھی۔

2.10.9 فکر کی سلامتی

فکر کی سلامتی کا مطلب یہ ہے کہ صاحب کلام کے ذہن میں کلام کا خاکہ واضح رہتا ہے، چنانچہ عرب جب بات کرتے تھے تو جس موضوع پر انہیں اظہار خیال کرنا ہوتا تھا اس کا خاکہ ذہن میں ثبت رہتا تھا، لہٰذا دوران گفتگو انہیں الفاظ کے استعمال میں دشواری نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی کلام میں پیچیدگی واقع ہوتی تھی، بات کرتے ہوئے بغیر کسی ابہام یا پیچیدگی غرض کلام کو مخاطب کے سامنے پیش کر دیتے تھے، فکر کی سلامتی کی وجہ سے جملے بھی کسی نوعیت کے الجھاؤ سے محفوظ رہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ کلام عرب میں روانی اور مفہوم کلام کی وضاحت پائی جاتی تھی۔

2.10.10 نصیحت اور بصیرت

حکمت کے ساتھ نصیحت اور خیر خواہی کے عناصر بھی نثر جاہلی میں نظر آتے ہیں، عرب چونکہ قدرتی احوال کا بہت قریب سے مشاہدہ کرتے تھے لہٰذا ان احوال سے عبرت بھی حاصل کرتے تھے، حالات سے سبق سیکھتے تھے، آمد ورفت کی وجہ سے مختلف طبیعت کے لوگوں سے ان کا سابقہ پڑتا تھا، لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے معلومات میں اضافہ ہوتا تھا، اس وجہ سے زندگی کے پیچ وخم میں انہیں غایت درجہ کی بصیرت حاصل تھی، چنانچہ ان کے کلام میں نصیحت وبصیرت کی باتیں ابھر کر سامنے آتی تھیں۔

2.10.11 ایجاز

ایجاز کا مطلب جامعیت ہے یعنی مختصر الفاظ میں معنی کی بھرپور نمائندگی الفاظ اس قدر بامعنی ہوتے تھے کہ ہر ایک لفظ وقیع ہوتا تھا، مختصر الفاظ میں معنی مکمل طور پر واضح ہوجاتا تھا، غیر ضروری الفاظ کے ذریعہ جملے کو وہ بے مزہ نہیں کرتے تھے، کیونکہ عربوں کا ذوق بہت ہی معیاری تھا، غیر ضروری تعبیر ان کے لیے عدم توجہ کا سبب بن جاتی تھی اور کلام میں اگر غیر ضروری الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو صاحب کلام معتوب قرار پاتا تھا، گویا اس کو زبان پر قدرت حاصل نہیں ہے، چنانچہ جب وہ بات کرتے تو الفاظ کا استعمال نہایت اہتمام سے کرتے تھے کہ ہر لفظ اپنی جگہ مستقل وزن رکھتا ہو اور اس کی معنویت سے انکار محال ہو۔

2.10.12 جذبات کی صداقت

جو بھی بات کی جاتی اس میں سچائی اور صداقت کے ساتھ اپنے احساسات کا اظہار کرتے تھے، اسی وجہ سے گفتگو مضبوط اور جملے مربوط ہوتے تھے، الفاظ دل کی گہرائی سے بغیر کسی تکلف اور تصنع کے نکلتے تھے، دل کے اندر جو کیفیت پائی جاتی تھی الفاظ اس کی بہترین نمائندگی کرتے تھے، اس طرح مخاطب ان کے جذبات کی حقیقت پہچاننے پر قادر ہوجاتا تھا۔

2.10.13 حسن ترکیب

جملہ میں الفاظ کا استعمال اس قدر خوبی کے ساتھ کیا جاتا تھا کہ معنی میں اشتباہ یا التباس پیدا نہیں ہوتا تھا، بلکہ مخاطب معنی کو بعینہ غرض کلام کے مطابق سمجھتا تھا، الفاظ جملہ میں مربوط ہوتے تھے کہیں بھی ڈھیلا پن نہیں جھلکتا تھا، اس سے بخوبی اندازہ ہوتا تھا کہ کلام کس قدر فصیح ہے اور عبارت میں کس قدر قوت اور جاذبیت ہے،

2.10.14 ماحول اور معاشرہ کی منظر کشی

نثر جاہلی کا مطالعہ کرنے سے اس دور کی صحیح تصویر آنکھوں کے سامنے نمایاں ہوجاتی ہے، اس دور کی تہذیب ،فکروزبان کی قوت، خیال کی رعنائی، تجربات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، ضرب الامثال اور حکمت کی باتوں کا جائزہ لیا جائے تو ان کے معاشرہ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، وہاں کی رسم وروایت کا اندازہ ہوتا ہے ان کے معاشرہ کی ترجیحات اور رغبات سے واقفیت ہوتی ہے، کیونکہ یہ امثال وحکم ان کی روزمرہ کی زندگی سے ماخوذ تھے اور ان کی عمومی سرگرمیوں سے وابستہ تھے۔

2.11 نثر جاہلی کے فنون

نثر جاہلی کی خصوصیات سمجھنے کے لیے نثر جاہلی کے فنون کا مطالعہ ضروری ہے، یہ فنونِ نثر قصہ، خطابت، وصایا، امثال، حکم اور سجع پر مشتمل ہیں، بعض ناقدین قصہ کو فنون نثر جاہلی میں شمار کرنے سے انکار کرتے ہیں، اس کے پیچھے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلی دور میں قصہ کا وجود تحریری شکل میں نہیں تھا اور جن لوگوں نے ان قصوں کو زبانی یا محض حافظہ کی بنیاد پر نقل کیا ہے وہ اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتے ہیں کہ انھوں نے بعینہ وہی الفاظ اور تعبیرات کا استعمال کیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے، قصوں کی زبان اور تعبیرات میں عدم اعتماد کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ قصے خلافت عباسیہ کے زمانہ میں مرتب کیے گئے، جاہلی دور سے لے کر عباسی سلطنت تک کا جو زمانی فاصلہ ہے وہ غیر معمولی ہے، اس دوران یقیناً زبان وتعبیر میں تبدیلیاں آئی ہوں گی اور چونکہ ان تبدیلیوں کا امکان پایا جاتا ہے لہٰذا قصوں کی زبان کو دور جاہلیت کی زبان قرار دینا قابل اطمینان معلوم نہیں ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا شکوک وشبہات کے باوجود یہاں پر صرف اتنا کہنا مناسب ہے کہ عربی ادب کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے نامور مصنف شوقی ضیف نے اعتراف کیا ہے کہ قصوں کا وجود تھا اور زبان قابل اعتماد ہے، انھوں نے کہا ہے کہ باوجود یہ کہ بعینہ اسی زمانہ کی زبان کی ضمانت نہیں دی جاسکتی ہے، یہ حقیقت اپنی جگہ ثبت ہے کہ عربوں نے زبان وقصوں کی بنیاد کو بہت حد تک محفوظ رکھا ہے، عرب زبان کی چاشنی اور اس کی حلاوت سے واقف تھے، زبان کا ذوق بھی رکھتے تھے اور جاہلی دور کی زبان سے ان کا شغف یقیناً ناقابل فراموش ہے، کیونکہ وہ خود اس دور کی زبان کو اہمیت دیتے تھے، لہٰذا اس کی قدر بھی کرتے تھے۔

2.11.1 قصہ

جاہلی دور سے وابستہ جو قصے تدوین کیے گئے ہیں ان میں محبت کے واقعات ہیں، جنگ وجدال اور آپسی قتل وغارت کی داستانیں ہیں، یہ داستانیں ان جنگوں کی نمایاں شخصیات کے گرد گھومتی ہیں، یہ داستانیں عربوں کی ذہنی تربیت اور جذبہ وفکر میں قوت پیدا کرنے کا زبردست وسیلہ تھیں، ان کارناموں کے ذریعہ وہ اپنے اسلاف کی عظمت رفتہ کو یاد رکھتے تھے اور اپنے قبیلہ کے لیے قابل فخر سرمایہ تصور کرتے تھے، یہ کہانیاں بہت سارے پہلوؤں سے ان کے لیے سودمند اور مفید ہوتی تھیں، ان میں حکمت کی باتیں ملتی تھیں، عبرت ونصیحت کے عناصر پائے جاتے تھے، کسی مسئلہ میں صحیح طریقۂ کار اختیار کرنے کا سلیقہ حاصل ہوتا تھا، کسی معاملہ کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کی ترکیب سمجھ میں آتی تھی، ان قصوں کی روشنی میں قوت ادراک کو فروغ حاصل ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ، ان منافع کے علاوہ زبان کے اعتبار سے بھی انہیں نفع حاصل ہوتا تھا، قصہ گو رواں اور مؤثر زبان استعمال کرتا تھا تاکہ مخاطب کے اندر شوق ورغبت برقرار رہے، عرب کو زبان کی حلاوت سے دلچسپی تھی، اچھی تعبیرات کو پسند کرتے تھے، حسن بیان کو قیمتی

سرمایہ مانتے تھے،فصاحت وبلاغت کے ذریعہ اپنی شناخت قائم کرتے تھے،ان وجوہات کی بناپر انہیں قصہ سے اورفن قصہ گوئی سے محبت تھی،ان قصوں سے انہیں یہ بھی نفع حاصل ہوتا تھا کہ فارغ اوقات میں لوگوں کو یکجا کر کے ایک مجلس قائم کرلیں،ان مجالس کے ذریعہ لوگوں کے بیچ فکر وتجربہ کی باتیں آجائیں،ان مجلسوں میں بڑے بوڑھے،نوجوان سبھی شامل ہوتے تھے،خواتین ودوشیزائیں بھی پردہ کے پیچھے بیٹھ کران واقعات کے سننے میں دلچسپی لیتی تھیں۔

ان قصوں کی وجہ سے نثرعربی کوفروغ حاصل ہوا،نقل وروایت کا سلسلہ جاری رہا،عصرعباسی میں ماہرین زبان نے ان قصوں کونہایت اہمیت کے ساتھ یکجا کیا اورانہیں بہت منظم طریقہ سے ترتیب دی ہے،ان کی منظم تدوین کی بہترین مثال وہ ہے جوابوعبیدہ کے حوالہ سے مشہور ہے جس میں انھوں نے جریروفرزدق کے نقائض سے متعلق پس منظر کی تشریح کی ہے۔

کاہنوں کے متعلق بھی عرب داستانیں بیان کیا کرتے تھے،اپنے شعرا اور سرداروں سے وابستہ روداد بھی سنایا کرتے تھے،اس طرح کی داستان گوئی کا باقاعدہ رواج تھا،اس پس منظر میں الاغانی کے صفحات پرنظردوڑائی جائے توایسی کہانیوں کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے،ان کہانیوں میں جذباتی لگاؤاورعشق ومحبت کی داستانیں بھی بڑی تعداد میں ملتی ہیں،بطورمثال یہاں ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے جوکلہاڑی اورسانپ سے متعلق ہے۔

2.11.2 کلہاڑی اورسانپ کا قصہ

الضبی بیان کرتا ہے ''لوگوں کا خیال ہے کہ گزشتہ زمانہ میں دو بھائی تھے،ان کے پاس ایک اونٹ تھا،حالات ایسے آئے کہ ان کے وطن میں قحط پڑ گیا،ان کے گھر سے قریب ایک وادی تھی جس میں ایک سانپ رہتا تھا،اس سانپ کی وجہ سے وہ وادی کسی کے قبضہ میں نہیں آسکی،ان بھائیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا'' کاش میں اس سرسبز وادی میں جاکر اپنے اونٹ چراتا اورانہیں صحت مند بناتا''، بھائی نے جواب دیا ''تمہارے معاملہ میں مجھے اس سانپ کا خدشہ معلوم ہوتا ہے،کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جوبھی کوئی اس وادی میں پہنچتا ہے توسانپ اس کوہلاک کردیتا ہے''،اس نے پرزورطریقہ سے کہا کہ'' میں اس وادی میں ضرور جاؤں گا''، یہ کہہ کروہ اس وادی میں چلا گیا،ایک زمانہ تک وہاں اونٹ چرانے کا سلسلہ جاری رہا،یہاں تک کہ ایک دن اس سانپ نے اسے ڈس لیا اوروہ ہلاک ہوگیا،بھائی کواس کا صدمہ ہوا اوراس نے کہا کہ'' میرے بھائی کی موت کے بعد اب میرے لیے اس زندگی میں کوئی بہتری نظرنہیں آتی ہے،میرے لیے زیبا یہی ہے کہ جاکر میں اس سانپ کوتلاش کروں اوراسے مارڈالوں یا میں خودبھی اپنے بھائی کے نقش قدم پراس دنیا سے رخصت ہوجاؤں یہ کہہ کر بھائی اس وادی میں پہنچا،سانپ سے ملاقات ہوئی توسانپ نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے تمہارے بھائی کوقتل کردیا ہے،ہاں اگرتم مصالحت کاارادہ رکھتے ہوتومیں تمہیں اس وادی میں رہنے دوں گا، تم یہاں رہواورجب تک تم یہاں رہوگے ہرروز میں تمہیں ایک دینارعطا کروں گا،''اس نے پوچھا'' کیا واقعی تم ایسا کروگے؟ سانپ نے کہا ''ہاں''،اس پراس نے کہا'' تومیں بھی مصالحت کے ساتھ رہوں گا''،اس نے قسم کھا کر سانپ کویقین دلایا اورعہدوپیمان باندھا کہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا،سانپ نے اسے ہرروزایک دیناردینا شروع کردیا،اس طرح دولت کی فراوانی ہوگئی،اونٹوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگیا،یہاں تک کہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوشحال شمار کیا جانے لگا،پھرایک دن بھائی کی یاد آگئی توخیال آیا کہ ایسی زندگی کا کیا فائدہ کہ میں اپنے بھائی کے قاتل کو روز دیکھتا ہوں؟ یہ سوچ کراس نے کلہاڑی اٹھائی اسے تیز دھار کیا اورسانپ کی گھات میں بیٹھ گیا،سانپ کااس کے پاس سے گزرہوا،اس شخص نے سانپ کا پیچھا کیا اوراس پرحملہ کیا،حملہ چوک گیا،سانپ بل میں گھس گیا،اس نے کلہاڑی پہاڑ پرپھینک دی،تووہ کلہاڑی اس بل کے اوپر جاپڑی،

کلہاڑی کے اثر سے اس سانپ کا بل تباہ ہوگیا، سانپ نے دیکھا کہ اس شخص نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا تو اس نے دینار دینے کا عمل بند کر دیا، اس شخص نے جب یہ حالت دیکھی تو اسے اس سانپ سے خطرہ کا احساس ہوا اور اپنے اس عمل پر شرمندہ ہوا، اس نے سانپ سے کہا کہ کیا ممکن ہے کہ ہم دوبارہ باہم اتفاق کر لیں اور معاہدہ کی تجدید کر لیں تاکہ ہم دوبارہ اس طرح رہنے لگیں جس طرح پہلے رہ رہے تھے، سانپ نے جواب دیا اب کیسے معاہدہ پر بھروسہ کیا جائے؟ یہ دیکھو، تمہاری کلہاڑی کی وجہ سے تباہی سامنے ہے اور تم خطا کار ہو، تم تو عہد و پیمان کا پاس ولحاظ بھی نہیں رکھتے ہو!۔

عرب قوم میں سانپ اور کلہاڑی کی یہ کہانی بہت مشہور تھی، النابغۃ الذبیانی نے اس قصہ پر شاعری بھی کی ہے، الضبی نے قصیدہ کا وہ حصہ نقل کیا ہے جس میں چرواہے کی سانپ کے ساتھ خیانت اور عہد شکنی کا تذکرہ ہے، اس طرح کے قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے نزدیک داستان گوئی میں نصیحت و عبرت تھی، آپس میں وہ واقعات سنایا کرتے تھے، اس طرح کی داستانیں ہندوستان میں رائج کہانیوں سے ملتی جلتی ہیں، ہندوستان میں جانوروں سے متعلق کہانیاں مشہور تھیں، نیز ہندوستانی تہذیب میں سانپ کو اہمیت بھی دی جاتی ہے، اس کا امکان ہے کہ سانپ او رکلہاڑی کی کہانی ہندوستانی داستانوں سے متاثر ہوکر تیار کی گئی ہو، جس طرح یونانی داستانوں کے اثرات عرب کے قصوں پر مرتب ہوئے تھے، ان داستانوں میں کاشتکار اور سانپ کی داستان عرب میں بہت مشہور ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ عرب اور یونان میں اس طرح کی داستانیں ہندوستان سے پہنچی ہوں۔

جاہلی دور کے عرب میں جن، دیو اور شیطان سے متعلق کہانیاں مشہور تھیں، خیال کیا جاتا تھا کہ یہ لوگ جو بھی شکل چاہیں اختیار کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، سوائے چڑیل کے، چڑیل ہمیشہ عورت کی ہی شکل میں نمودار ہوتی تھی، لیکن اس کے پیر عورت کے پیر کی طرح نہیں ہوتے تھے بلکہ گدھے کے پیر کے مشابہ ہوتے تھے، جنوں کے متعلق آتا ہے کہ وہ اکثر بیل، کتے، شترمرغ اور گدھ کی شکل میں سامنے آتے تھے، عرب یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ جنوں کی اصل قیام گاہ ویران علاقہ میں ہوتی ہے، صحرا اور ریگستان میں ہوتی ہے، ان سے متعلق بے شمار قصے کہانیاں داستانوں کی کتابوں میں اور عجیب وغریب واقعات کے مجموعوں میں شامل ہوگئیں، جنہیں عباسی دور میں مرتب کیا گیا، ان واقعات کا تذکرہ اس لیے نہیں کیا گیا ہے کہ یہ جاہلی دور کی بہترین کہانیاں ہیں اور مطالعہ کے اعتبار سے قابلِ اعتماد نمونہ ہیں، بلکہ اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس طرح کی کہانیاں اس زمانے میں رائج تھیں لیکن ان کی کوئی مدوّن شکل موجود نہیں تھی، بلکہ صرف داستان گوئی کے طرز پر رائج تھیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نثر تو موجود تھی لیکن کتابی شکل میں نہیں تھی۔

2.12 سجع الکہان

قصہ کے علاوہ نثر جاہلی کی خصوصیات سے واقفیت کے لیے **سجع الکہان** کا بھی تذکرہ آتا ہے، سجع الکہان سے مراد کاہنوں کی مسجع عبارت ہے، کاہن اس کو کہتے جو آنے والے احوال کی پیش قیاسی کرتا ہے، مستقبل کے حالات کے متعلق خبر دیتا ہے، جو لوگ عقیدہ کے اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں وہ مستقبل کے امکانات اور خطرات سے خوف زدہ ہوکر ان کاہنوں کے پاس جاتے ہیں، ان کے سامنے احوال رکھ کر اپنی حفاظت کے راستے دریافت کرتے ہیں۔

اسلام سے قبل جاہلی دور میں شرک و بت پرستی کا ماحول تھا، چنانچہ لوگوں میں ایک ایسا طبقہ پایا جاتا تھا جو یہ یقین رکھتا تھا کہ کاہنوں کو غیب کی باتوں سے واقفیت رہتی ہے، ان معلومات کو حاصل کرنے کے لیے جنوں کا استعمال ہوتا تھا جو غیب کی باتیں لے کر آتے تھے، یہ جن فرمانبردار ہوتے

تھے اور اپنے مالک کا حکم مانتے تھے، مالکین کے اس طبقہ کو کھَنَة یا کہان کہا جاتا تھا، اس کا واحد کاہن ہے، ان کاہنوں کی اکثریت کسی بت خانہ میں یا کسی ایسے گھر میں رہتی تھی جو عمومی گھروں سے علیحدہ ہوا کرتا تھا، چنانچہ کاہنوں کا طبقہ عوام کی نگاہ میں تقدس اور احترام کا رتبہ رکھتا تھا، ان کی رہائش کا انداز عام لوگوں سے جدا تھا، لوگ بسا اوقات اپنے اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کے مسائل حل کرانے کے لیے بھی ان کاہنوں کے پاس پہنچتے تھے، اپنے معاملوں میں انہیں حکم قرار دے کر ان سے فیصلے کراتے تھے، جیسا کہ ہاشم بن عبد مناف اور امیہ بن عبد شمس کے باہم اختلاف کے موقعہ پر الخزاعی نامی کاہن کو حکم بنایا گیا تھا، اس کے علاوہ ذاتی مسائل میں بھی لوگ کاہنوں سے مشورہ لیا کرتے تھے مثلاً شوہر بیوی کے درمیان اختلاف کا مسئلہ، کسی کے قتل کا مسئلہ، کسی کا اونٹ دوسرے نے مار ڈالا یا ذبح کر دیا یا آپسی اتحاد میں پھوٹ کا مسئلہ، جس کی وجہ سے کوئی قبیلہ باہم عہد و پیمان کو نظر انداز کر کے جنگ میں کسی دوسرے قبیلہ کے خلاف ساتھ دینے سے پیچھے ہٹ گیا ہو یا کسی کے خلاف جنگ چھیڑنے کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ۔

بنو اسد کی روایتوں میں آتا ہے کہ امرؤ القیس کے باپ حُجر کی بنو اسد کے خلاف کچھ ناچاقی ہوگئی تو اپنے لوگوں کو بنو اسد کے خلاف روانہ کیا۔ بنو اسد نے بھی مقابلہ کے لیے پیش قدمی کی، یہاں تک کہ تہامہ سے صرف ایک دن کی مسافت کے مقام پر جب یہ پہنچے تو ایک کاہن سے ملاقات ہوئی، اس کا نام عوف بن ربیعہ تھا، اس نے اپنے طور پر پیش قیاسی کی، چنانچہ بنو اسد سے اس نے کہا:

''اے میرے بندو!'' بنو اسد نے جواب دیا! ''لبیک اے ہمارے آقا''، تو عوف نے کہا: ''یہ کون بادشاہ ہے جو سرخ و سفید روشن چہرہ والا ہے، زور آور ہے، غالب رہتا ہے، اس پر کوئی غالب نہیں ہوسکتا ہے، ایسے اونٹوں کے ساتھ رہتا ہے جو ہرن کے ریوڑ کے مثل معلوم ہوتے ہیں، شور ہنگامہ سے وہ پریشان نہیں ہوتا ہے، یہ اس کا خون ہے جو بہہ رہا ہے، کل صبح یہ پہلا شخص ہوگا جس کی روح نکال لی جائے گی''، بنو اسد کے لوگوں نے پوچھا میرے آقا! وہ کون شخص ہے؟ عوف نے کہا: اگر کوئی جوش میں نہ آئے تو میں بتاؤں کہ وہ حُجر ہے جو اپنے علاقہ کے اطراف میں ہوگا''۔

یہ سن کر بنو اسد کے لوگوں نے موقعہ کو غنیمت سمجھا، راتوں رات تمام دشواریوں اور مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے اپنا سفر طے کیا، یہاں تک کہ جوں ہی صبح ہوئی یہ لوگ حجر کے لشکر کے پاس پہنچ گئے اور حجر کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔

اس زمانہ کے کاہن اکثر و بیشتر قبائل کو ایسی جنگوں کے متعلق باخبر کیا کرتے تھے کہ ان کی توقع بھی نہیں کی جاتی تھی، مزید یہ کہ لوگوں کے ذہن میں آنے والے خیالات کی تفسیر بتاتے تھے یا کسی نے خواب دیکھا تو اس کی تعبیر بھی بیان کرتے تھے، ادب اور تاریخ کی کتابوں میں ان کاہنوں کے نام ملتے ہیں، مثلاً شق بن الصعب، اس کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ جزوی طور پر انسان کی شکل رکھتا تھا، اس کی صرف ایک آنکھ تھی، ہاتھ بھی ایک ہی تھا، پیر بھی صرف ایک ہی تھا، اسی طرح سطیح بن ربیعہ الذئبی کے متعلق آتا ہے کہ اس کے جسم میں ہڈی نام کی کوئی چیز نہیں تھی، سوائے کھوپڑی کے، اس کا چہرہ اس کے سینہ میں تھا، اس کی گردن تھی ہی نہیں۔

مرد کاہنوں کے علاوہ خواتین کاہن بھی ہوا کرتی تھیں، انہیں کاہنات کہا جاتا تھا، انھوں نے خود کو معبودوں کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا، بت کدوں میں ان کی رہائش ہوا کرتی تھی، ان کاہنات میں سب سے مشہور الشعثاء تھی اور ذولخلصہ کی کاہنہ بھی شہرت رکھتی تھی، ان کے علاوہ کاہنہ السعدیہ اور الزرقاء بنت زہیر بھی معروف تھیں، اسی طرح غیطلہ قرشیہ اور بنو ریام کی کاہنہ زَبراء کے نام بھی ملتے ہیں۔

معلومات کی جانچ

1. نثر جاہلی کی خوبیوں کا جائزہ لیجیے۔

2. زبان وادب کے حلقہ میں نثر جاہلی کو اہمیت کیوں حاصل ہے؟

3. کن وجوہات کے تحت جاہلی دور کے عرب اپنی نثر میں سہل اور مانوس الفاظ کا استعمال کرتے تھے؟

4. نثر جاہلی میں مختصر جملوں کی کیا اہمیت ہے؟

5. ایجاز اور اطناب کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

6. حکمت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

2.13 اکتسابی نتائج

یہ تو حقیقت ہے کہ عصر جاہلی میں نثر کا وجود تھا، لیکن اس کی ابتدا کب ہوئی اس کے متعلق کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے، کیونکہ عربوں کے پاس زبان وادب کے جو نمونے موجود ہیں ان کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب زبان اپنی پختہ اور ترقی یافتہ شکل میں پائی جاتی تھی، لہٰذا تاریخی وسائل سے یہ معلوم کرنا کہ اس زبان کا نقطۂ آغاز کب تھا اور کہاں تھا بہت ہی دشوار عمل ہے، مورخین اور ماہرین زبان بھی کوئی قطعی بات کہنے سے قاصر ہیں، بہر حال اتنا تو یقینی ہے کہ زبان کا ایک دور رہا ہوگا، اس میں اسے ترقی حاصل ہوئی ہوگی۔

جاہلی زمانہ میں نثر کی جو شکل پائی گئی اس کا تعلق خطوط، معاہدات اور صحیفوں سے تھا، ان کے علاوہ عرب کے قبائل میں قصہ گو اور داستان گو ہوا کرتے تھے، جو فارغ اوقات میں لوگوں کے مجمع کے سامنے حالات اور واقعات کی خبر دیا کرتے تھے، یہ واقعات کبھی تاریخ سے وابستہ ہوتے تھے، تو کبھی اطراف کے علاقوں اور بادشاہوں سے متعلق ہوتے تھے، عرب ایک تجارت پیشہ قوم تھی، صحرائی علاقہ کے باشندے ہونے کی وجہ سے ان کے یہاں زراعت کے وسائل بہت محدود تھے، چنانچہ تجارت کی غرض سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے، اسی طرح زندگی کے وسائل ایک جگہ ہمیشہ دستیاب نہیں رہتے تھے، صحرائی زمین میں چارہ اور پانی کی قلت رہتی تھی، اس لیے اگر یہ وسائل ایک جگہ ختم ہو جاتے تو وہ دوسری جگہ کا رخ کرتے تھے، اس نقل وحرکت کی وجہ سے عربوں کے یہاں تجربات اور حقیقت حال سے واقفیت کا اچھا خاصا سرمایہ موجود تھا، ان تجربات کو واقعہ بیانی کے ذریعہ لوگوں تک پہنچاتے تھے، اس میں کوئی شک نہیں کہ نقل وروایت کا یہ سلسلہ نثر میں ہی ہوتا تھا، نسل درنسل تواصل کے ساتھ یہ واقعات نقل کیے جاتے تھے، گرچہ ان کی تحریری شکل عصر عباسی میں وجود میں آئی، کیونکہ عرب ان کہانیوں اور واقعات کو لکھنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے، بلکہ سینہ بہ سینہ ایک دوسرے تک منتقل کرتے تھے، اس لیے واقعات کی روح اور حقیقت پوری طرح نثر کی شکل میں محفوظ رہی، اس طرح عربی نثر کی نشوونما مستقل جاری رہی، زبان مستقل تجربات اور تعبیرات کے ذریعہ پروان چڑھتی گئی۔

نزول قرآن سے قبل جاہلی دور میں پرانے صحیفے پائے جاتے تھے، صحیفوں کے علاوہ وہ لوگ خطوط کا استعمال کرتے تھے، بادشاہوں کی قراردادیں یا اہم فیصلے خطوط کے ذریعہ دوسروں تک ارسال کیے جاتے تھے، ان کے علاوہ قبائل آپس میں تحریری معاہدات کرتے تھے تاکہ ان کے بیچ امن قائم ہو اور باہم تعاون کی شکل بنی رہے، ساتھ ہی ساتھ عربوں کی زبان میں ضرب الامثال کا استعمال بھی بکثرت ہوتا تھا، امثال وحکم کے ذریعہ اپنی بات کو تقویت پہنچاتے تھے اور کلام کی زینت میں اضافہ کرتے تھے، آئندہ اسباق میں اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

نثر جاہلی کی خصوصیات یہ ہیں کہ زبان صاف اور رواں ہوتی تھی، کلام میں رونق اور رعنائی پائی جاتی تھی، انداز گفتگو میں کشش اور حلاوت پائی

جاتی تھی، عرب اپنے کلام کو آسان اور مختصر تعبیرات سے آراستہ کرتے تھے، پیچیدہ تعبیر استعمال کرنا ان کے یہاں ناپسندیدہ عمل تھا، چھوٹے چھوٹے جملوں کا استعمال کر کے اپنی غرض واضح کیا کرتے تھے، اس طرح مخاطب کو کلام کا مقصود سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی، مختصر جملوں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عرب اپنی گفتگو کے وقت مفہوم کے اعتبار سے اور مقصودِ کلام کے اعتبار سے بالکل واضح نقشہ اپنے ذہن میں رکھتے تھے، جس کی وجہ سے بات کرتے وقت چھوٹے چھوٹے جملوں میں صراحت کے ساتھ مطلوب کلام مخاطب کے سامنے رکھ دیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ نہایت سکون واطمینان سے قابل فہم انداز میں اپنا مدعا بیان کر دیتے تھے، اسلوب کلام میں کشش پیدا کرنے کے لیے وہ اندازِ بیان میں تنوع اختیار کیا کرتے تھے، کبھی جملہ خبریہ کا استعمال کرتے تھے تو کبھی جملہ انشائیہ کا، غرض یہ ہوتی تھی کہ مخاطب کی توجہ کلام کی طرف برقرار رہے اور چونکہ عرب کے پاس حسن تعبیر کا ذوق تھا اس لیے اس طریقۂ کار کے ذریعہ اپنی زبان کو جاذبیت عطا کرتے تھے اور مخاطب کے ذہن میں تجسس کی کیفیت بھی پیدا کرنا مقصود ہوتا تھا، زبان پر قدرت حاصل ہونے کی وجہ سے عرب اپنے انداز بیان میں اطناب کا طرز بھی اختیار کرتے تھے، تا کہ موضوعِ کلام کا پس منظر واضح ہو جائے اور غرضِ کلام کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جا سکے، اطناب کے ذریعہ مخاطب کے ذہن میں مضمون بحسن وخوبی ثبت ہو جاتا ہے، جاہلی دور کی زبان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ زبان مکمل طور پر پختہ اور ترقی یافتہ تھی، الفاظ وتعبیرات کے لیے صاحب کلام کو کسی طرح کی تنگی یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا، بلکہ ایک ایک معنی کے لیے متعدد الفاظ مل جاتے تھے، چنانچہ جب وہ بات کرتے تھے تو بسا اوقات ان کے کلام میں موسیقیت کا اثر محسوس ہوتا تھا، ہم وزن الفاظ کے استعمال اور یکساں جملوں کی ترکیب سے مخاطب کے دل ودماغ پر سرور کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور وہ گفتگو سے محظوظ ہوتے تھے، اس طرح کے جملے خاص طور پر خطبوں میں، تقریروں میں، نیز کاہنوں کے کلام میں سننے کو ملتے تھے، ان کے علاوہ امثال اور حکم میں بھی ہم وزن الفاظ کا استعمال نظر آتا ہے، زبان کی حلاوت کے علاوہ نثر جاہلی میں حکمت کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں، اپنی بات کو باوزن بنانے کے لیے عرب اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر قیمتی تبصرے بھی کرتے تھے جن کی تہہ میں پند ونصائح اور تربیت وذہن سازی کے لیے گراں قدر رہنمائی کے اشارے ہوتے تھے، چونکہ عرب اپنی تاریخ، آباؤ اجداد کے احوال، قبائل کے واقعات اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے، اس لیے دوران بیان ان واقعات سے عبرت اخذ کرتے ہوئے مخاطب کو حقیقت حال سے روشناس کراتے تھے، اپنے مشاہدات کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لیے عرب اپنے کلام میں تشبیہات کا بھی استعمال کرتے تھے، اس سے ان کی باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کو اس کی حقیقت کے ساتھ پہچانتے تھے اور ذوق لطیف کی بنیاد پر تشبیہ اختیار کرتے تھے، جس کی وجہ سے کلام میں حسن پیدا ہو جاتا تھا اور مخاطب موضوع کی حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتا تھا، اسی طرح انہیں فکر کی سلامتی بھی میسر تھی کہ جب بات کرتے تھے تو ذہن کسی قسم کے الجھاؤ کا شکار نہیں رہتا تھا بلکہ کلام کا مضمون ذہن میں واضح رہتا تھا، لہٰذا جب وہ بات کرتے تو بالکل یکسوئی کے ساتھ مافی ضمیر ادا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں روانی اور خوبصورتی پائی جاتی ہے، فکر کی سلامتی کی وجہ سے بلا تردد اپنے خیالات کا اظہار کرتے چلے جاتے تھے، کلام عرب میں نصیحت او ربصیرت کے عناصر بھی نظر آتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس تجربات کا وسیع ذخیرہ تھا، زندگی کے پیچ وخم سے وہ خوب واقف تھے، چنانچہ جب بات کرتے تھے تو اس میں نصیحت اور بصیرت کا پہلو بھی شامل ہوا کرتا تھا، ان تمام خصوصیات کے باوجود ان کا ایک ایک لفظ معنویت سے لبریز رہتا تھا، سطحی الفاظ کا استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ پر مغز اور پر معنی الفاظ کا استعمال کرتے تھے جس کی وجہ سے مختصر الفاظ کے ذریعہ معنی واضح ہو جاتا تھا، غیر ضروری الفاظ بھر کر جملہ کو دراز نہیں کرتے تھے، بلکہ ایجاز کے ساتھ اپنی بات پیش کرتے تھے، ان کی باتوں میں جذبات کی صداقت ہوتی تھی، دل

میں جیسا احساس ہوتا تھا اسی احساس کی نمائندگی کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب کرتے تھے، خواہ وہ جذبات میں بات کر رہے ہوں ان کے جملے بہت ہی اچھے انداز میں مربوط ہوتے تھے تاکہ مخاطب کسی طرح مفہوم کے ادراک میں شش و پنج کا شکار نہ ہو، نثر جاہلی سے ہمیں اس دور کی تہذیب وثقافت، نیز سماجی احوال کا بھی خوب اندازہ ہوتا ہے۔

2.14 نمونے کے امتحانی سوالات

1. عصر جاہلی کو لفظ ''جاہلی'' سے متصف کرنے کی وجوہات بتائیے۔
2. کیا عربوں میں لکھنے کا رواج پایا جاتا تھا؟ تبصرہ کیجیے۔
3. جاہلی دور میں خطوط کے کردار پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔
4. نثر عربی کے فروغ میں عربوں کے تجربات اور حکمت کا کیا دخل ہے؟
5. نثر جاہلی میں قصوں کی نوعیت پر اظہار خیال کیجیے۔
6. نثر جاہلی سے وابستہ کہانیوں میں غیر عرب داستانوں کے اثرات پر روشنی ڈالیے۔

1. نثر جاہلی میں کلام کے تنوع سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. جاہلی نثر میں جملۂ انشائیہ کی اہمیت پر اظہار خیال کیجیے۔
3. نثر جاہلی میں الفاظ کی جاذبیت اور موسیقیت پر تبصرہ کیجیے۔
4. کلام عرب میں تشبیہ کی اہمیت اجاگر کیجیے۔
5. نثر جاہلی کی خصوصیات جاننے کے لیے ادب کے کن فنون سے استفادہ ضروری ہے؟
6. نثر جاہلی میں قصہ کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
7. سجع الکہان سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
8. کلہاڑی اور سانپ کا قصہ بیان کیجیے۔
9. کاہنات کون ہیں؟ ان کے نام بتائیے۔

2.15 فرہنگ

قضَّ	يقُضّ	قضَضا	دھول مٹی بیٹھ جانا، ویران ہونا، تباہ کر دینا
رقَّش	يرقِّش	ترقيشا	نقش قائم کرنا
ظهْرٌ	ج	ظُهور	پیٹھ/ پشت
أديم			چمڑا
عفا	يعفُو	عفوا	مٹ جانا

تأبّد	يتأبّد	تأبُدا	نابود ہوجانا
غَولٌ			ٹیلہ
رِجام			قبر کے پتھر
مَدافِع الرَّيّان			پانی کے چشمے
عرَى	يعرَى	عُريانا	آثار مٹ جانا
سَيْل	ج	سُيول	سیلاب
زَبور	ج	زُبُر	کتاب
مَتْن	ج	مُتُون	عبارت
رِقٌّ	ج	رِقاق	باریک چمڑا
عَهْد	ج	عُهُود	معاہدہ
كفِيل	ج	كُفَلاء	نمائندہ، ذمہ دار
نقَض	ينقُض	نَقضا	عہد شکنی
مَهرَق	ج	مَهارِق	عہد نامہ، معاہدہ
خلِق	يخلَق	خَلَقا	پرانا ہونا
الوُحِي			تحریر
سِلامٌ			سفید ہڈی یا پتھر

2.16 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ : پروفیسر عبد الحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ : احمد حسن زیات/ترجمہ طفیل احمد مدنی
3. جزیرۃ العرب : محمد رابع الحسنی الندوی
4. تاریخ (العصر الجاهلی) : ڈاکٹر شوقی ضیف
5. عربی ادب کی تاریخ : محمد کاظم

اکائی 3: نثر جاہلی کے نمونے: خطابت

1. خطبۂ قس بن ساعدہ

2. خطبۂ عبدالمطلب

اکائی کے اجزا

3.1 مقصد

3.2 تمہید

3.3 خطابت

3.4 جاحظ کا موقف

3.5 خطابت کے مقاصد

3.6 شادیوں کے موقع پر خطابت

3.7 مکہ کے خطبا

3.8 قبائل عرب کے خطبا

3.9 خطابت میں جادوئی اثر

3.10 قس بن ساعدہ

3.11 خطبۂ قس بن ساعدہ

3.12 خطبۂ عبدالمطلب بن ہاشم

3.13 خطابت دور جاہلی کی ضرورت

3.14 شعرا پر خطبا کی فوقیت کا سبب

3.15 خطبا کا انداز واسلوب

3.16 خطیب کے اوصاف

3.17 خطابت کی زبان مرسل تھی یا مسجع

3.18 اکتسابی نتائج

3.19 نمونے کے امتحانی سوالات

3.20 فرہنگ

3.21 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

3.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ کو:

☆ عصر جاہلی کی خطابت سے واقفیت حاصل ہوگی۔

☆ عربی زبان میں خطابت کی اہمیت کا اندازہ ہوگا۔

☆ عرب کے نامور خطبا کو جاننے کا موقعہ ملے گا۔

☆ عربی زبان کی خطابت میں قوت واسلوب کا پتہ چلے گا۔

☆ دور جاہلی کی حکمت وموعظت کی باتوں کا ادراک ہوگا۔

3.2 تمہید

نثر جاہلی کے نمونوں سے متعلق کچھ باتیں گزشتہ سبق میں درج ہیں، زیر نظر اکائی میں خطابت سے متعلق گفتگو کی جائے گی، آپ نے پڑھا ہے کہ عرب عام طور پر زبان اور حافظہ پر اعتماد کرتے تھے، حافظہ مضبوط ہوتا تھا، اس لیے ادبی سرمایہ کو زبان وبیان کے ذریعہ منتقل کرتے تھے، گزشتہ سبق میں قصہ کے متعلق بیان گزرا کہ داستان گوئی کے ذریعہ ادبی سرمایہ بعد کی نسلوں تک پہنچا، اس کے علاوہ سجع الکہان بھی ایک فن ادب تھا، جس کے ضمن میں کاہنوں کی زبان اور اسلوب بیان کا ہمیں اندازہ ہوا، اسی طرح فنِ خطابت بھی ایک اہم فن تھا، عرب خطابت کو کافی اہمیت دیتے تھے، بیان وتعبیر پر قدرت رکھنے کی وجہ سے انہیں فن خطابت میں امتیاز حاصل تھا، قوت بیان کے ذریعہ مخاطب پر جادوئی اثر چھوڑتے تھے، عقل وذہن کو مسحور کردیتے تھے، جاہلی دور کے عرب جذباتی صفت کے حامل تھے اس لیے زبان وبیان کا اثر بہت تیزی سے قبول کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ خطابت کا فن ان کے معاشرہ میں بہت مقبول رہا، فصاحت وبلاغت میں اپنا معیار رکھنے کی وجہ سے خطبوں اور تقریروں کو بعد کی نسلوں کے لیے مثالی بنا گئے۔

3.3 خطابت

لفظ خطابت دراصل خَطَبَ یخطُبُ خطابةً و خُطْبةً وخِطْبةً سے ماخوذ ہے، جس کے معنی کسی کے سامنے اپنی بات رکھنا یا کسی کو متوجہ کر کے اپنی بات پیش کرنا ہے۔

جاہلی دور میں عربوں کو اپنی بات رکھنے کا سلیقہ حاصل تھا، موقع محل کے اعتبار سے مؤثر انداز میں اپنی غرض رکھتے تھے، ادب کے میدان میں ترقی اور فن بلاغت میں مہارت اور فروغ کے لیے تمام مطلوبہ وسائل ان کے یہاں موجود تھے، وہاں نہ کسی قسم کی آزادی کی کمی تھی اور نہ ہی اپنے جذبات کے اظہار میں کسی قسم کی پابندی کا سامنا تھا، اس وقت باہمی رسا کشی اور عداوتیں کثرت سے پائی جاتی تھیں جس کی وجہ سے جنگ وجدال کی صورت حال پیدا ہوجاتی تھی، پھر امن وسلامتی کا ماحول قائم کرنے کی کوشش ہوتی تھی، اس غرض سے لوگ جمع ہوتے تھے، یہ نشستیں کسی ایسے باڑہ میں قائم کی جاتی تھیں جہاں خیمے لگائے جاتے تھے یا کبھی بازاروں میں اور کبھی امرا کے احاطوں میں، یہ وہ مواقع ہوتے تھے جہاں اہل فن وبلاغت کو اپنی مہارت اور معیار ثابت کرنے کا بہترین موقع دستیاب ہوتا تھا، کلام کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور پرکشش بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے، ذاتی صلاحیت، زبان میں مہارت، بیان میں فصاحت وروانی، حاضر دماغی اور فی الفور خیالات کو ترتیب دینے کا ملکہ وہ عناصر تھے جو

فن کے فروغ میں ان کا تعاون کرتے تھے، عربی ادب کے ممتاز دبانے عربوں کے امتیاز کا اعتراف کیا ہے،

3.4 جاحظ کا موقف

جاہلی دور کے عرب کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے جاحظ کا بیان ہے کہ عربوں سے متعلق ساری ہی چیزیں فی البدیہ اور فی الفور تھیں، ان میں کوئی تیاری یا پیشگی تدبر اور غور وخوض کا عمل نہیں ہوتا تھا، بلکہ ایک طرح سے الہامی کیفیت ہوا کرتی تھی، اس میں انہیں کوئی دشواری یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا، نہ ہی اپنی فکر کو ترتیب دینے میں انہیں کوئی تاخیر ہوتی تھی، حسن بیان کے لیے وہ کسی کی مدد کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے، بلکہ جو بھی خیال ذہن میں ابھرتا الفاظ کی شکل میں زبان پر رواں ہوجاتا تھا، خواہ وہ شمشیر زنی کا موقعہ ہو یا پر امن مجلس میں باہم احوال بیان کرنے کا، خواہ دو افراد کے بیچ جھگڑے کا معاملہ ہو یا جنگ وقتال کا، وہ اپنی فکر کو اپنے موقف کے اعتبار سے جملوں میں ڈھال لیتے تھے اور جو مراد ہوتی تھی اسی طرز پر اظہار خیال کردیتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معانی کا سلسلہ بندھ گیا ہو اور الفاظ ان کی نمائندگی کے لیے ابل رہے ہوں، گفتگو کا بہترین انداز ان کے یہاں عیاں اور نمایاں رہتا تھا، بیان کی خوش اسلوبی میں ان کے یہاں کسی قسم کی تنگی یا کمی کا احساس نہیں ہوتا تھا، بلکہ انہیں اس پر دوسری قوموں کے مقابلہ میں زیادہ قدرت حاصل تھی، انہیں زبان پر غلبہ حاصل تھا، ان میں ہر فرد مافی الضمیر کی ادائےگی میں خوش بیان تھا، بیان وتعبیر میں بلند مقام رکھتا تھا، ان کے مقررین اپنی تقریروں میں اور بھی ممتاز نظر آتے تھے، خطابت وتقریر ان کے لیے نہایت آسان عمل تھا، اس میں خود کو مطمئن محسوس کرتے تھے، انہیں نہ ہی کوئی دشواری ہوتی تھی اور نہ ہی کسی تیاری کی ضرورت پڑتی تھی، نہ ہی کوئی رکاوٹ پیش آتی تھی اور نہ ہی کسی طرح کی کم مائیگی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

3.5 خطابت کے مقاصد

جاہلی دور میں ہر شعبہ خطابت کو فروغ دینے میں متحرک وفعال تھا، زندگی کے مختلف مقاصد میں اس کا استعمال کیا جاتا تھا، آپسی اختلافات کا موقعہ ہو یا حسب ونسب پر تفاخر کا، خوبیوں کے تذکرہ کی مجلس ہو یا شان وشوکت کے اظہار کی، خطابت بہرحال قابل قدر بلکہ گرانقدر وسیلہ اظہار تصور کی جاتی تھی، تاریخ کی کتابوں میں نامور خطیبوں کے نام ملتے ہیں، مثال کے طور پر علقمہ بن عُلاثہ اور عامر بن طفیل کے اختلافات کا مقدمہ ہرم بن قُطبہ الفزَاریّ کے پاس گیا، اسی طرح القعقاع بن معبد التمیمی اور خالد بن مالک النہشلی کے اختلاف کا مقدمہ ربیعہ بن حُذار الاسدی کے پاس گیا، فریقین کے بیچ تقریروں کے ذریعہ صلح ومفاہمت کی کوشش کی جاتی تھی، جاہلی دور میں مقررین جس طرح جنگ کے مواقع پر جوش دلاکر جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کرتے تھے اور افراد قبیلہ کو جنگ کی آگ میں گھس جانے پر آمادہ کرتے تھے اسی طرح لوگوں کے بیچ مصالحت کا عمل بھی کرتے تھے، تاکہ دشمنی دور کی جائے، جنگ کا ماحول ختم کرکے آپس میں امن وسلامتی قائم کی جائے۔

ان کے علاوہ قوم کے سرداروں اور قبیلوں کے ذمہ داروں کے پاس وفود جایا کرتے تھے، ان وفود میں مقررین بھی ہوا کرتے تھے، عام طور پر وفد کا قائد شعلہ بیان مقرر ہوا کرتا تھا، وہ آگے بڑھ کر قبیلہ کے سردار کے سامنے کھڑا ہوتا اور اپنی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے تقریر کرتا تھا، قبیلہ غسان اور قبیلہ منذر کے بادشاہوں کے سامنے تقریروں کی روایت تاریخ میں ملتی ہے، خطیب وفد ان کے سامنے کھڑا ہوتا، انہیں سلام پیش کرتا، سلام پیش کرنے کا انداز بہت ہی جاذب اور طبیعت کو موہ لینے والا ہوتا تھا، پھر اپنی قوم کی نیابت کرتا ہوا اپنی غرض وغایت پیش کرتا تھا۔

خود اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بھی عربوں نے اپنے مقررین بھیجے تھے، وہ مقررین اپنے زور خطابت کے ذریعہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اپنا مدعا رکھتے تھے، پھر نبی ﷺ کی طرف سے بھی کوئی خطیب ہوتا تھا جو ان کے اشکالات وسوالات کے جوابات دیتا تھا، اس سلسلہ میں قبیلہ تمیم کے وفد کا تذکرہ آتا ہے، نبی ﷺ کے سامنے عُطارد بن حاجب بن زرارہ کا خطبہ مشہور ہے، بہر حال خطبوں اور تقریروں کا ماحول جاہلی دور میں رائج تھا، بادشاہوں، امرا، قوم کے قائدین اور سرداروں کے سامنے مقررین اپنی تقریروں کے ذریعہ غرض وغایت پیش کیا کرتے تھے، ان کے علاوہ بڑے بازاروں میں اور میلوں میں بھی خطبا کھڑے ہوجاتے تھے، اپنی تقریروں کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت آمیز باتیں بتاتے تھے، قُس بن ساعدہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بازار عکاظ میں کھڑے ہو کر لوگوں کو خطاب کرتے تھے، بازار عکاظ دراصل عرب کے مشہور میلوں میں سے ایک ہے، اسی طرح مقررین کبھی اپنی قوم کے لوگوں کو اور کبھی اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی مخاطب کر کے وعظ ونصیحت کرتے تھے، جیسا کہ عامر بن الظَّرب اور اُکثم بن صیفی کے متعلق روایتوں میں ذکر ہے۔

3.6 شادیوں کے موقع پر خطابت

شادیوں کے موقع پر بھی تقریروں کا رواج تھا، خاص طور پر شرفا اور باعظمت خاندان کے لوگوں کے یہاں نکاح کے موقع پر یہ تقریریں کی جاتی تھیں، شادی کی پیش کش کرنے والے خاندان کی طرف سے اس گھرانہ کا کوئی صدر یا سرپرست آگے بڑھتا اور ہونے والی دلہن کے سامنے یا اس کے گھرانہ کی شخصیات کے سامنے نوشہ کی خوبیاں اور خصائص بیان کرتا تھا، ساتھ ہی ساتھ نوشہ کے گھرانہ کی تعریف کرتا تھا۔

جاہلی دور میں عورتوں کے سامنے شادی کی پیش کش کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ان الفاظ کے ذریعہ انہیں مخاطب کیا جاتا تھا: **باسمک اللّٰھم ذُکِرتْ فلانۃ، وفلانٌ بھا مشغُوف، باسمک اللّٰھم، لکِ ماسألتِ ولنا ما أعطیتِ**، (ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع کرتے ہوئے بیان کرتا ہوں کہ فلاں خاتون کا تذکرہ آیا، فلاں صاحب اس خاتون سے شادی کے خواہاں ہیں، اللہ کے نام سے بیان کرتا ہوں کہ جو کچھ تم نے مطالبہ کیا وہ تمہارے لیے ہے اور جو کچھ تم نے نوازا وہ ہمارے لیے ہے)۔

شادیوں کے موقعہ پر خطبہ کی نوعیت یہ ہوتی تھی کہ نوشہ کی طرف سے پیش کش کرنے والا بیان کو دراز کرتا تھا اور دلہن کی طرف سے جواب دینے والے اختصار سے کام لیتے تھے، خطبوں کی نوعیت کے متعلق روشنی ڈالتے ہوئے جاحظ کا کہنا ہے کہ آبادی میں رہنے والوں اور وادیوں اور صحراؤں میں رہنے والوں کے خطبے دو طرح کے ہوتے تھے، ایک تو لمبا ہوتا تھا جب کہ دوسرا مختصر، ان دونوں خطبوں کے لیے الگ الگ مواقع ہوتے تھے اور جدا جدا مقامات بھی ہوا کرتے تھے، لمبے خطبے اپنی اہمیت اور اپنی شان رکھتے تھے، ان میں بہترین جملے اور عمدہ تعبیرات ہوتی تھیں، جہاں تک مختصر خطبوں کا تعلق ہے تو ان کی تعداد زیادہ تھی، روایت کرنے والوں نے انہیں محفوظ رکھا ہے، کیونکہ ان کا یاد رکھنا آسان تھا، خطبوں کی شان اور معیار کی وجہ سے عرب خطبوں کی کافی قدر کرتے تھے، کوئی بھی قبیلہ یا خاندان ایسا نہیں تھا جہاں کوئی خطیب نہ پایا جاتا ہو، جاحظ نے اپنی کتاب ''البیان والتبیین'' میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے، اور جا بجا ایسے جملے، فقرے اور ادبی شہ پارے نقل کیے ہیں جو اس زمانہ میں خطیبوں کے یہاں استعمال میں آتے تھے، خطبا کے ناموں کا جائزہ لینے کے لیے جب ہم تاریخ کی کتابوں کی طرف توجہ کرتے ہیں تو البیان والتبیین سب سے ممتاز نظر آتی ہے، اس میں خطبا کے ناموں کی کثرت ملتی ہے، مثلاً یثرب کے علاقہ میں قیس بن شمّاس اور اس کے بیٹے ثابت کے نام ملتے ہیں،

آگے چل کر ثابت کا شمار اللہ کے رسول ﷺ کے خطیبوں میں شمار ہونے لگا۔

3.7 مکہ کے خطبا

مکہ میں بھی خطبا موجود تھے، مکہ کے پرانے دور کے خطبا کے نام ملتے ہیں مثلاً ہاشم، امیہ، نُفیل بن عبدالعزیٰ جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دادا تھے، ان ہی کے پاس عبدالمطلب بن ہاشم اور حرب بن امیہ اپنے اختلافات کا مقدمہ لے کر گئے تھے، اس وقت وہاں خطبا کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی، ان کی کثرت کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے، مکہ میں دارالندوۃ پایا جاتا تھا، یہ گویا سربراہان قوم کا ایک مرکز تھا، جسے آج کی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی پارلیمنٹ تھی، قوم کے سربراہان اور قبائل کے ذمہ داران وہاں جمع ہوتے تھے، باہم تبادلۂ خیال کرتے تھے، بات چیت ہوتی تھی، ضرورت کے وقت تقریریں بھی ہوا کرتی تھیں، مکہ چونکہ عرب کا ثقافتی اور تجارتی مرکز تھا، اس لیے وفود آیا کرتے تھے، اس موقعہ پر نامور خطبا اپنا زورِ خطابت دکھاتے تھے، ان خطبا میں کچھ معروف ومشہور نام ملتے ہیں، مثلاً عتبہ بن ربیعہ، سہیل بن عمرو، اسی سہیل بن عمرو کے متعلق حضرت عمرؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول! اس کے سامنے کے دو دانت نکال دیجیے تاکہ بات کرتے وقت اس کی زبان منھ سے باہر نکل جائے اور وہ صاف بات نہ کر پائے، پھر اس کے بعد آپ کے خلاف کوئی بھی خطیب کبھی کھڑا نہیں ہوگا، اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا: ''لا أُمَثِّلُ فیمثّل اللہ بی، وإن کنتُ نبیاً، دعْہ' یا عمر، فعسی أن یقوم مقاما تحمدہ''(ترجمہ: میں کسی کا مُثلہ نہیں کرتا ہوں، ورنہ اللہ میرے جسم کا مُثلہ کردے گا، خواہ میں نبی ہی کیوں نہ ہوں، عمر اسے اپنی حالت پر چھوڑ دو، ہوسکتا ہے وہ کوئی ایسا مقام حاصل کرلے کہ تم اس کی تعریف کروگے)۔ مُثلہ کہتے ہیں کہ جسم کے اعضا میں کسی قسم کی تبدیلی کی جائے، خواہ کسی عضو کو کاٹ کر ہو یا اس کی ہیئت تبدیل کرکے۔

3.8 قبائل عرب کے خطبا

عرب کے دیگر قبائل میں جو لوگ خطابت کے فن میں شہرت یافتہ تھے ان میں عامر بن الظَّرب کا نام آتا ہے، یہ قبیلۂ عَدوان سے تعلق رکھتا تھا، ربیعہ بن حُذار کا نام ملتا ہے جو قبیلہ اسد سے تھا، حنظلہ بن ضرار جس کا تعلق قبیلہ ضبّہ سے تھا، عمرو بن کلثوم کا تعلق قبیلہ تغلب سے تھا، ہانیٔ بن قبیصہ جن کا تعلق قبیلۂ شیبان سے تھا، یہ معرکہ ذی قار کے موقعہ پر خطیب تھے، ابن عمار جن کا تعلق قبیلۂ طے سے تھا، یہ پورے قبیلۂ مذحج کے خطیب تھے، اس قبیلہ کے خطبا میں لبید بن ربیعہ العامری کا نام بھی آتا ہے، ہیذان بن شیخ جس کے متعلق اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بسا اوقات قبیلۂ عبس میں خطیب ہوتے ہیں، قبیلۂ غطفان سے خُویلد بن عمرو اور عُشراء بن جابر کے نام ملتے ہیں، اسی طرح قیس بن خارجہ بن سنان کا بھی نام آتا ہے جس نے جنگ داحس اور غبراء کے موقعہ پر صبح سے شام تک تقریر کی۔

قبیلہ تمیم کے شعلہ بیان مقررین میں سے اُکثم بن صیفی کا نام آتا ہے، اسی طرح ضمرہ بن ضمرہ کا نام بھی ملتا ہے، عُطارد بن حاجب بن زُرارۃ اس قبیلہ کے وفد کا خطیب ہوا کرتا تھا، عمرو بن الاہتم المنقریؓ بھی اسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، اس کے متعلق مشہور تھا کہ صحرائے عرب میں اس سے بہتر خطیب اس کے معاصرین میں کوئی اور نہیں۔

3.9 خطابت میں جادوئی اثر

عربوں کے بیان وخطابت میں جادوئی اثر تھا، خود آپؐ کے ذریعہ بھی اس کی تائید حاصل ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''اِنّ من البیان

لسحراً'' دراصل اس کے پیچھے جو واقعہ ہے وہ یہ کہ روایتوں میں مذکور ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے **عمر و بن الأهتم المنقریؔ** سے **الزِبرقان بن بدر** کے متعلق پوچھا، تو عمرو نے جواب میں ''**مانع لحوزته، مطاع في أدنيه**'' (ترجمہ: اپنی چیز کسی کو دیتا نہیں ہے، کم حیثیت لوگوں کا پیشوا ہے)، یعنی بخیل طبیعت کا ہے اور کم حیثیت لوگوں کا سردار ہے، زبرقان کو یہ بات پہنچ گئی تو اس نے جواب میں کہا: جو کچھ اس نے کہا ہے اس سے زیادہ کی اسے معلومات بھی نہیں، بہر حال وہ میرے وقار سے بغض رکھتا ہے، عمرو نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر اس نے ایسا کہا ہے تو اللہ کی قسم حقیقت یہ ہے کہ میں نے اسے تنگ دل ہی پایا ہے، بے مرّوت ہے، یعنی انسانیت نام کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہے، کم حیثیت ہے، فقیر خاندان کا ہے، دولت تو اسے بس حال میں ہی نصیب ہوئی ہے، جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی بعد کی رائے پہلی رائے سے ٹکرا رہی ہے اور محسوس کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھوں میں عدم موافقت کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں تو کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جب میں اس سے خوش تھا تو میری معلومات میں اس کے متعلق جو سب سے اچھی چیز تھی وہ میں نے آپ کو بتائی، میں نے اپنے پہلے بیان میں کوئی جھوٹ بات نہیں کہی اور بعد کے بیان میں بھی میں نے سچائی ہی بتائی ہے، اس پر آپؐ نے فرمایا: ''**إن من البيان لسحراً**''، یعنی یقیناً کچھ بیان جادوئی اثر رکھتے ہیں۔

3.10 قُسّ بن ساعدہ

قس بن ساعدہ جاہلی دور کے مشہور و معروف خطیب تھے، آپ کا تعلق قبیلہ ایاد سے تھا، اسی لیے ان کے نام کے ساتھ **الإیادی** کا اضافہ کیا جاتا ہے جو قبیلہ کی طرف نسبت کا پتہ دیتا ہے، تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا بیان سنا تھا، یہ بازار عکاظ میں سرخ اونٹنی پر سوار ہو کر بیان کر رہے تھے۔ جاحظ کا کہنا ہے کہ قبیلہ ایاد کی کچھ ایسی خصوصیات تھیں کہ عرب میں کسی اور کے پاس نہیں تھیں۔ خود نبی اکرم ﷺ نے قس بن ساعدہ کی تعریف کی ہے۔ نبیؐ کے ذریعہ ہی ان کا کلام قریش تک اور قوم عرب تک پہنچا ہے۔ اللہ کے نبیؐ کے ذریعہ ہی لوگ قس بن ساعدہ کی خوبیوں سے متاثر ہوئے۔ ان کے صحیح موقف سے لوگوں کو واقفیت ہوئی۔ یہ ایسی سند ہے کہ لوگوں نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ گرچہ ابن حجر نے اس روایت کی سند پر کلام کیا ہے۔ تاہم ڈاکٹر شوقی ضیف کا موقف یہ ہے کہ اس روایت کی سند صحیح ہے اور راویوں کی تعداد بھی بکثرت موجود ہے۔

خطبہ میں لفظ ''**أما بعد**'' کا استعمال سب سے پہلے قس بن ساعدہ نے ہی کیا تھا۔ ان سے قبل کسی اور خطیب کے خطبہ میں یہ لفظ نہیں ملتا ہے۔ عرب کے دانشوروں اور صاحب حکمت لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی وفات حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے 600ء میں ہوئی۔ الملل والنحل کے مؤلف محمد بن عبد الکریم الشہرستانی نے انہیں اسلام سے قبل عقیدۂ توحید رکھنے والوں میں شمار کیا ہے۔ نیز یہ کہ روزِ جزا و سزا پر ان کا ایمان تھا۔ یہ زہد و تقوی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عرب کے مشہور بازار عکاظ میں تشریف آوری ہوتی تھی۔ یہ لوگوں کے ساتھ شانہ بہ شانہ چلتے تھے اور انہیں نصیحت آمیز باتیں بتاتے تھے۔

فن خطابت میں مہارت رکھنے کی وجہ سے قس بن ساعدہ کی شخصیت مثالی تھی حکمت و موعظت میں آپ کا بلند مقام تھا۔ خطابت میں عبور حاصل ہونے کی وجہ سے انہیں پورے عرب کا خطیب مانا جاتا تھا۔ قوت بیان اور تعبیر کی بلاغت میں آپ ممتاز تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے پہلے خطیب تھے جنھوں نے چھڑی کا سہارا لے کر خطبہ دیا۔ اسی طرح یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کہا: ''**البيّنة على من ادّعى واليمين على من أنكر**'' (ترجمہ: جس نے دعوی کیا اس پر دلیل پیش کرنے کی ذمہ داری ہے اور جس نے انکار کیا اس پر قسم کھانا لازم ہے) ان کے متعلق یہ بھی آتا

ہے کہ یہ ناشائستہ اعمال و اطوار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ غفلت کی زندگی کو بھی جو موت، موت کے بعد کے مرحلہ اور جزا و سزا سے بے توجہ کردے ناپسند کرتے تھے۔ آپؐ کے متعلق منقول ہے کہ فرمایا: یرحم اللہ قُسّا، إني لأرجو یوم القیمة أن یُبعث أمة وحده'۔ (ترجمہ: اللہ قس پر رحم فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قیامت کے دن وہ ایک امت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے)۔ بازار عکاظ میں اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا ایک خطبہ سنا تھا اور وہ ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

3.11 خطبۂ قس بن ساعدہ

"أیُّها الناسُ! اسمَعُوا وَعُوا، مَن عاش مات، ومَن مات فات، وکلُّ ماهو آتٍ آتٍ،۔۔۔ مطرٌ ونباتٌ وأرزاقٌ وأقواتٌ وآباء وأمّهات وأحیاء وأمواتٌ جمعٌ وأشتاتٌ، لیلٌ داجٍ ونهارٌ ساجٍ، وسماءٌ ذاتُ أبراجٍ، وأرضٌ ذاتُ فِجاجٍ، وبحارٌ ذاتُ أمواجٍ، ومهادٌ موضوعٌ، وسَقْفٌ مَرفوعٌ، ونُجومٌ تَمُورُ، وبِحارٌ لاتَغور، ونجومٌ تَزهَرُ، وبحارٌ تَزخَرُ،۔۔۔إنّ في السماء لخبَرا، وإنّ في الأرض لعِبَرا، مابالُ الناس یذهبون ولایَرجعون؟! أرضُوا فأقاموا، أم تُرِکوا فناموا؟! تبّا لأرباب الغفلة من الأمَم الخالیة والقرون الماضیة یا معشر إیاد۔۔۔یامعشر إیاد: أین الآباء والأجدادُ؟ وأین الفَراعِنة الشِداد؟ ألم یکونوا أکثرَ منکم مالا وأطولَ آجالا؟ طحَنهم الدَهْرُ بِکلْکَله، ومزّقَهم بتطاوُلِه۔۔۔یُقْسِم (قُسّ) باللہ قَسَما لا إثم فیه، إنّ لِلّٰه دِیناً هو أرضَی لکم وأفضلُ من دینکم الذی أنتم علیه، إنکم لتأتون من الأمر مُنکرا"۔

ترجمہ: اے لوگو! سنو اور یاد رکھو۔ جو زندہ ہے اسے موت آئے گی اور جسے موت آئے گی وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ جو چیز ہونی ہے وہ ہو کر ہی رہے گی۔ (یعنی جو مقدر ہے وہ ہو کر ہی رہے گا)۔ بارش، پیڑ، پودے، رزق، غذا، آباواجداد، مائیں، زندہ مردہ سبھی آئے اور رخصت ہوگئے۔ سیاہ رات، پرسکون دن، سیاروں والا آسمان، شاہراہوں والی زمین، ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر، ہموار زمین، بلند آسمان، امنڈتے ستارے، سمندر جن کا پانی کم نہیں ہوتا، روشن ستارے اور پر جوش سمندر...... بے شک آسمان میں سبھی خبریں موجود ہیں اور زمین میں یہ سبھی عبرت کے سامان ہیں۔ کیا بات ہے لوگ اس دنیا سے جاتے ہیں اور واپس نہیں آتے؟! کیا وہاں کی جگہ انہیں راس آگئی کہ وہیں رہ گئے یا یہ کہ انہیں نظر انداز کردیا گیا تو ویسے ہی پڑے سو رہے ہیں؟! پچھلی قوموں کے اور گزشتہ صدیوں کے غفلت میں پڑے لوگوں کے لیے ہلاکت ہو۔ اے قبیلہ ایاد کے لوگو! اے ایاد کے لوگو! آباواجداد کہاں گئے؟ وہ تند خو فرعونی خاندان کہا گیا؟ کیا وہ تم سے مال و دولت میں اور عمروں میں زیادہ نہیں تھے؟ زمانہ نے انہیں اپنی طاقت سے تباہ کردیا اور اپنی درازیٔ مدت کے ذریعہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔ قسم ہے اللہ کی اور اس میں کوئی غلطی نہیں، کہ اللہ کے نزدیک ایک طرز زندگی ہے۔ وہ تمہارے لیے زیادہ لائق و سود مند ہے۔ وہ تمہارے اس دین سے بہتر ہے جس پر تم ابھی ہو۔ بے شک تم لوگ ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔

3.12 خطبۂ عبدالمطلب بن ہاشم

جاہلی دور کے خطبات میں عبدالمطلب بن ہاشم کا بھی خطبہ مشہور ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ان سے متعلق ایک خطبہ ملتا ہے یہاں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ دراصل بادشاہ سیف بن یزن نے حبشہ کی حکومت بازیاب کرنے میں جب کامیابی حاصل کرلی تو عرب کے وفود ان سے ملاقات کے

لیے گئے۔ان میں سرداران اورشعرا بھی تھے۔ان وفود نے بادشاہ کومبارکباد دی۔اس کی تعریف کی۔ان ہی وفود میں ایک قریش کا وفد بھی تھا۔جس میں عبدالمطلب بن ہاشم موجود تھے۔عبدالمطلب نے بادشاہ سے اظہار خیال کی اجازت چاہی۔پس انہیں اجازت مل گئی۔اس موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

فقال: إنَّ اللّٰہ تعالی أیُّها الملکُ أحلَّک محَلاّ رفیعا، صَعْبا مَنیعا، باذِخا شامِخا، وأنْبَتک مَنبَتا طابتْ أرُومتُه، وعزّتْ جُرثومتُه، وثبتَ أصلُه، وبسَق فرعُه، فی أکرَمِ مَعدِن، وأطیَبِ مَوطِن، فأنت أبیتَ اللعنَ رأسُ العرَب، وربیعُها الذی به تَخصَبُ، ومَلِکُها الذی به تنقادُ، وعَمودُها الذی علیه العِماد، ومَعقِلُها الذی إلیه یلجأ العِبادُ، سلَفُک خیرُ سلَفٍ، وأنت لنا بعدَهم خیرُ خلَفٍ، ولنْ یهلِک مَن أنتَ خلفُه، ولنْ یخمُل مَن أنت سلفُه۔

نحنُ أیُّها المَلِکُ أهلُ حرَمِ اللّٰہ وذمَّتِه، وسَدَنةُ بیتِه، أشْخصَنا إلیک الذی أبْهَجک بکَشفِ الکَرْب الذی فدَحَنا، فنحن وفْدُ التَهنِئة لا وفدُ المَرزِئة۔

ترجمہ: اے بادشاہ! اللہ نے آپ کو بہت اونچے مقام پر فائز کیا ہے۔جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا۔یہ اتنا اونچا مرتبہ ہے کہ ہر طرح سے محفوظ ہے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، بہت ہی عالی شان اور بلند و بالا رتبہ ہے، اس ذات پاک نے آپ کو ایسے خاندان میں پیدا کیا ہے اور پروان چڑھایا ہے جس کی نسل باوقار ہے، وہ خاندان عزت وعظمت سے سرفراز ہے، اس خاندان کی جڑیں ثابت و پائیدار ہیں، اس کی شاخیں اعلی وارفع ہیں، ان کا تعلق فضل وکمال والے سرچشمہ سے ہے اور خوشگوار سرزمین سے ہے، آپ سلامت رہیں! آپ تو عرب کے سردار ہیں، اس کی ایسی بہار ہیں جس کے سبب عرب سرسبز وشاداب ہیں، آپ ان کے بادشاہ ہیں جن کی وہ اطاعت کرتے ہیں، ان کے سردار ہیں جن پر ان کا اعتماد اور بھروسہ ہے، ان کا ٹھکانہ ہیں جس کی طرف وہ لوگ پناہ لیتے ہیں، آپ کے آباواجداد بہترین پیش رو ہیں اور آپ ان کے بعد کی بہترین نسل ہیں۔آپ کی پشت پناہی جس کو حاصل ہے وہ کبھی تباہ نہیں ہوگا اور آپ جس کے پیش رو ہیں وہ کبھی گمنام نہیں ہوگا۔

ہم لوگ اے بادشاہ! اللہ کی مقدس زمین کے لوگ ہیں۔اس کی نگرانی وحفاظت میں رہنے والے ہیں۔اس کے گھر کے پاسبان ہیں۔ہمیں آپ کے پاس اسی ذات نے بھیجا ہے جس نے اس مصیبت کو دور کرکے جو ہم پر گراں گزر رہی تھی آپ کو خوشی عطا کی ہے۔ہم وفد برائے مبارکباد ہیں نہ کہ وفد برائے مصیبت۔

3.13 خطابت دور جاہلی کی ضرورت

جاہلی دور میں خطیبوں کی کثرت تھی۔جسے نظرانداز کرنا مشکل ہے۔یہ تقریریں مہارت اور تجربات پر مبنی ہوتی تھیں۔زبان میں فصاحت او رروانی ہوتی تھی ،فکر میں گہرائی ،اسلوب وانداز میں کشش وجاذبیت ہوتی تھی۔ان خطبا کو اس معیار پر لانے کا سبب اور ان کے اندر خصائص پیدا کرنے کے پیچھے ان کی سماجی زندگی کے احوال ہیں۔انہیں مختلف موقعوں پر لوگوں کو خطاب کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔اس طرح کے تقاضے انہیں اکثر وبیشتر پیش آتے تھے۔جو بھی کوئی سردار کی حیثیت سے ابھرتا یا اس کی شہرت لوگوں میں پھیلتی تو اس کے پس پردہ خطابت کا بہت اہم کردار ہوتا تھا۔قوت بیان اور لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا کردینے والے اسلوب کی وجہ سے اس سردار کا ستارہ عروج حاصل کرتا تھا۔یہی وجہ تھی

کہ اس زمانہ میں یہ خیال غالب رہتا تھا کہ قوم کی قیادت کے لیے یا قبیلہ کی سرداری کے لیے قائد کا فن خطابت پر قدرت رکھنا ضروری ہے۔ تا کہ لوگوں کے دل اس قائد سے وابستہ رہیں۔ لوگ اس کی سحر بیانی اور پر اثر انداز سے سرشار رہتے تھے۔ اس کی عظمت کا اعتراف کرتے تھے۔ اس پر فخر کرتے تھے۔ جاہلی دور کے فن خطابت پر تبصرہ کرتے ہوئے ادبا نے یہاں تک کہا ہے کہ اس زمانہ میں عرب کے نزدیک خطبا کا مقام شعرا کے مقابلہ میں زیادہ بلند اور قابل تعظیم تھا۔ گرچہ اس رائے میں اختلاف ہے۔ لیکن اتنا یقینی ہے کہ قوم کی قیادت اور سرداری کے لیے فن خطابت میں عبور لازم تھا۔

3.14 شعرا پر خطبا کی فوقیت کا سبب

یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ شاعر کی فن شاعری پر قدرت اور بلاغت کی وجہ سے دوسری قوموں اور قبیلوں پر اس کا رعب واثر رہتا تھا۔ لوگ شعرا کی بہت قدر کرتے تھے۔ لیکن جب شعر وشاعری کا ماحول عام ہو گیا۔ شعراء کی کثرت ہو گئی۔ شعر کو بادشاہوں اور سرداروں کی خوشنودی کے لیے تیار کیا جانے لگا۔ ان بادشاہوں کی طرف سے داد و دہش کی امیدیں بیدار ہونے لگیں اور یہی شاعری کا مقصد بن کر رہ گئیں۔ نیز حصول منفعت کے لیے شعر کو زیادہ سے زیادہ پر کشش بنانے کی کوشش شروع ہو گئی۔ اشعار کے ذریعہ دوسروں کی بے آبروئی اور ہتک عزت کا ماحول قائم کیا جانے لگا تو شعرا اپنا مقام کھو چکے اور خطیبوں کو فوقیت حاصل ہو گئی۔ اس پس منظر میں جاحظ نے اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ شاعر کو خطیب کے مقابلہ میں بلند درجہ حاصل تھا۔ عرب کو شاعر کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی تھی تا کہ قبائل کی خوبیوں اور محاسن کے تذکرہ کا ذریعہ بن سکے۔ ماضی کے واقعات، جنگ کے حالات اور بہادری و دلیری کی داستانیں اشعار کے ذریعہ بار بار سنائی جا سکیں۔ لیکن جب شعر اور شعرا کی کثرت ہو گئی تو شاعر کے مقابلہ میں خطیب کا درجہ بلند ہو گیا۔ ڈاکٹر شوقی ضیف نے خطیب کی فوقیت کے پیچھے جو سبب بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ زہیر کے علاوہ عرب کے دیگر شعراء میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جنگ کے لیے جذبات کو برانگیختہ کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ جب کہ خطیب اکثر امن اور سلامتی کا پیغام دیتے تھے۔ متحارب قبائل کو باہم قریب کر کے جنگ بندی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر ان کی پہچان قوم کے ناصح، خیر خواہ اور امین کی حیثیت سے ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ صحیح راستہ بتاتے تھے۔ حفاظت و عافیت کی راہ دکھاتے تھے۔ اس کے برعکس شعرا کے یہاں عیب جوئی، ہجو اور تذلیل کا پہلو غالب رہتا تھا۔ لوگوں پر طرح طرح کے القاب باندھتے تھے۔ حسب ونسب کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کے تاریخی واقعات پر طعن وتشنیع کرتے تھے۔ نیز کمزوریوں اور برائیوں کا اشتہار کرتے تھے۔

3.15 خطبا کا انداز و اسلوب

جاہلی دور میں خطبا مخصوص انداز و اسلوب کے حامل ہوا کرتے تھے۔ جب وہ تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو بڑے بڑے بازاروں میں یا مجمع میں اپنی سواری کے اوپر نمودار ہوتے تھے۔ اپنے سر پر عمامہ لپٹ کر رکھتے تھے۔ خطابت کے دوران ہاتھ میں سہارے کے لیے کوئی چھڑی رکھتے تھے یا کوئی اور ایسی چیز جو سہارا دینے کے قابل ہو سکے۔ مثلاً بانسیا نیزہ یا کوئی کمان وغیرہ۔ خطبہ کے لیے اگر خطیب کسی سواری پر کھڑا نہ ہوا تو کسی دوسری اونچی جگہ کا انتخاب کرتا جس پر کھڑا ہو کر قوم کو خطاب کرتا تھا۔ ہاتھ میں چھڑی کا لینا یا کسی اور چیز کا سہارا لے کر خطابت کے لیے منظر عام پر آنا اس بات کی دلیل ہوا کرتا تھا کہ خطیب کسی لمبی تقریر کے ارادہ سے آیا ہے۔ خطیب کی ظاہری ہیئت اس کے ارادہ کا پتہ دیتی تھی۔ یہ

صفت صرف عرب کے خطبا کے ساتھ ہی مخصوص تھی۔عرب کے علاوہ دوسری قوموں میں خطیب کی یہ صفات نظر نہیں آتی ہیں۔عرب اپنے اس اسلوب اور انداز سے مشہور و معروف بھی تھے۔ یہ ہیئت رفتہ رفتہ ان کی شناخت بن چکی تھی۔ چنانچہ جب کبھی وہ اپنی ضرورت سے بھی کہیں جاتے تو ان کے ہاتھ میں کوئی چھڑی یا سہارے کی کوئی چیز ساتھ ہوا کرتی تھی۔

3.16 خطیب کے اوصاف

خطیب کی شخصیت کے لیے عرب کچھ صفات کو ترجیح دیتے تھے۔منجملہ یہ کہ جب خطابت کے لیے کھڑا ہو تو مضبوطی کے ساتھ کھڑا رہے۔ ڈھیلے یا ٹیڑھے انداز میں کھڑا نہ ہو۔ برجستہ خطاب کرنے والا ہو۔ دوران خطابت توجہ ادھر ادھر نہ بہکے۔آواز بلند اور پروقار ہو۔اگر خطیب اپنی تقریر کے دوران گلا صاف کرنے کے لیے کھنکھارتا ہے تو یہ معیوب عمل شمار کیا جاتا ہے۔خطیب اس بات کا خیال رکھے کہ دوران خطابت بدن میں لرزش یا کپکپی طاری نہ ہو۔ بات کرنے میں انقباض یا رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔اپنے خیال کے اظہار میں سوچ سوچ کر الفاظ ادا کرنے کی صورت پیدا نہ ہو۔زبان میں لکنت یا الفاظ کا واضح شکل میں ادا نہ ہونا ناپسندیدہ قرار دیا جاتا تھا۔خطابت کے دوران خطیب کے لیے عیب مانا جاتا تھا کہ وہ ٹھڈی پر ہاتھ لگائے۔مونچھوں پر ہاتھ پھیرے یا داڑھی سنوارے۔ان حرکتوں کو ناشائستہ عمل تصور کیا جاتا تھا۔عرب تقریروں میں رعب دار اور پراثر آواز پسند کرتے تھے۔اسی وجہ سے خطبا اپنی تقریروں میں منھ پھیلا کر زوردار آواز کے ساتھ بیان کرتے تھے۔اپنی تقریروں میں یا بات چیت کرتے وقت نچلے ہونٹ کو ڈھیلا کر کے نیچے لٹکانا اور اپنا بیان جاری رکھنا قابل تعریف خیال کیا جاتا تھا۔یہ اس بات کی دلیل ہوتی تھی کہ اس کو فن خطابت کا ملکہ حاصل ہے۔ بہر حال یہ سبھی ترجیحات دور جاہلیت کی خطابت سے وابستہ تھیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے منھ پھیلا کر بات کرنا پسند نہیں فرمایا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو چرب زبان ہو اور منھ پھیلا کر بات کرتا ہو''۔یعنی خوب زبان چلاتا ہو۔کسی بھی بات کو پھیلا کر پیش کرتا ہو اور بات کرتے وقت منھ پھیلانا کمال کی صفت خیال کرتا ہو۔

3.17 خطابت کی زبان نثر مرسل تھی یا مسجع

یہ سوال ابھرتا ہے کہ جاہلی دور کے خطبات کی زبان نثر مرسل ہوتی تھی یا مسجع؟اس سلسلہ میں اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مواقع ایسے ہوتے تھے کہ نثر مرسل کی زبان ہوتی تھی جب کہ دیگر مواقع میں مسجع اسلوب کو ترجیح دی جاتی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عبدالمطلب بن ہاشم اور حرب بن امیہ کے اختلاف کے موقعہ پر نفیل بن عبدالعزیٰ کے سامنے معاملہ پیش کیا گیا تو اس موقعہ کی خطابت مسجع اسلوب میں تھی۔ جیسا کہ تاریخ طبری میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ جریر بن عبداللہ البجلی اور خالد بن ارطاۃ الکلبی کے مابین اختلافات کے موقعہ پر اقرع بن حابس کی تقریر کے متعلق جو ثبوت ملتا ہے اس کی عبارت مسجع ہے۔ابوعبیدہ نے جریر وفرزدق کے بیچ نقائض کی شرح میں اقرع بن حابس کی خطابت کا ذکر کیا ہے۔ان کے علاوہ علقمہ بن عُلاثہ اور عامر بن طفیل کے اختلافات کا تذکرہ الاغانی میں آیا ہے۔اس مناسبت سے بھی خطابت کا جو نمونہ ملتا ہے وہ مسجع زبان میں ہے۔خطابت کے ان نمونوں کے پیش نظر جاحظ نے یہ طے کر لیا کہ ان مواقع پر خطابت کا اسلوب عمومی طور پر مسجع ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ جاحظ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ضمرۃ بن ضمرۃ، ہرم بن قطبہ، اقرع بن حابس اور نُفیل بن عبدالعزیٰ حکم کے فرائض انجام دیتے تھے۔ان کا خطاب اس موقعہ پر مسجع زبان میں ہوا کرتا تھا۔ ربیعہ بن حُذار کا بھی یہی طرز تھا۔ جاحظ ایک اور موقع پر خطابت کے اسلوب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ

باہمی اختلافات یا تفاخر کے موقعہ پر یہ لوگ خطابت کے لیے مسجع زبان استعمال کرتے تھے۔ جب کہ حکم کے فریضہ کے علاوہ دوسرے ترغیبی مواقع پر یا صلح کی غرض سے دیے جانے والے خطبوں میں مرسل اسلوب اختیار کرتے تھے۔ اسی طرح آپسی معاہدہ کے موقعہ پر یا کوئی معاملہ طے کی جاتی تو مرسل اسلوب کو ترجیح دیتے تھے۔ مرسل اسلوب اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ خطابت بالکل سادہ یا بیزار کن ہوتی تھی۔ یا خشک وغیر دلچسپ ہوا کرتی تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مرسل خطابت میں بھی ایسے جملے ہوا کرتے تھے جو سامعین کے جذبات کو برانگیختہ کرتے تھے۔ بلاغت کی تعبیریں مخاطب پر اپنا اثر ڈالتی تھیں کہ خطاب کرنے والے لوگوں کے دلوں کو اپنے مقصود کی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ عربی ادب کی تاریخ میں خطبات کے جو شہہ پارے ملتے ہیں یا چھوٹے چھوٹے جملے اور مختصر گفتگو کے ادبی جواہر نظر آتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب اس زمانہ میں اپنی تعبیرات اور بیانات کو زیادہ سے زیادہ عمدہ اور پرکشش بنانے کی خواہش رکھتے تھے۔ چنانچہ عبارت کبھی مسجع ہوتی تھی کبھی استعارہ کا سہارا لیتے تھے اور کبھی تخیل کی بلندیوں میں پرواز کرتے تھے۔

یوں تو خطابت میں عام طور پر مؤثر اور پرشکوہ الفاظ کا استعمال ہوتا تھا۔ جن میں وزن اور قوت محسوس کی جاتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ معانی کے اعتبار سے الفاظ مضبوط اور پرزور ہوا کرتے تھے۔ خطبا اپنی بات کا وزن ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کرتے تھے۔ اپنے جذبات اور احساسات کی نمائندگی کے لیے بہترین اور جاذب الفاظ کا انتخاب کرتے تھے۔ جیسا کہ لبید نے ہرم بن قُطبہ کی تعریف میں کیا۔ جب کہ اس نے عامر بن طفیل اور علقمہ بن علاثہ کے مسئلہ میں حکم کے فریضہ کی ادائیگی کے وقت تقریر کی تھی۔ اس موقعہ پر ہرم بن قطبہ نے جو انداز گفتگو اختیار کیا اس کے متعلق لبید کہتا ہے کہ بے شک آپ کو فریضہ حکم کی خصوصیات سے اس طرح نوازا گیا ہے کہ آپ بالکل واضح اور فیصلہ کن بات کرتے ہیں۔ آپ کو صحیح اور غلط کے درمیان فرق کرنے پر زبردست قدرت حاصل ہے۔ صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنے کا انداز آپ کا ایسا صاف اور شفاف ہوتا ہے جس طرح ایک ماہر قصاب ہڈیوں کو ان کے جوڑ سے جدا کر دیتا ہے۔ عرب دوٹوک بیان کو یا خطابت کو اس تیر سے بھی تشبیہ دیتے تھے جو ٹھیک نشانہ پر لگے۔ اس کو ''السهام المُصمَية'' کہتے تھے۔ اس زمانہ میں خطبا کو ''مَصاقع''اور''لُسنٌ'' کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ ''خطیب مِصْقَع''اس مقرر کو کہتے تھے جو صاحب بلاغت ہو۔ پراثر بات کرتا ہوں۔ اسی طرح انہیں ''لُسن'' بھی کہا جاتا تھا۔ یعنی وہ قوم کی زبان تھے۔

عرب میں مشہور تھا کہ زبان کی تکلیف نیزہ کی تکلیف سے کم نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ زبان کے وار سے بچنے کی وہ ہدایت بھی کرتے تھے۔ کیونکہ زبان کو تلوار کے مشابہ قرار دے کر اس کے حملہ کو المناک خیال کرتے تھے۔ خطبا کے اچھے بیانات کو خوبصورت پوشاک سے تشبیہ دی جاتی تھی۔ جس میں جواہرات جڑے ہوں۔ ریشم اور دیباج سے انہیں آراستہ کیا گیا ہو۔

معلومات کی جانچ

1. خطابت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. عربوں کو کن وجوہات سے خطابت میں مہارت حاصل تھی؟
3. جاہلی دور میں خطبۂ نکاح کی کیا شکل تھی؟
4. مکہ میں دارالندوۃ کی کیا اہمیت تھی؟
5. خطبا کو شعرا پر فوقیت کیوں دی جانے لگی تھی؟

6. السهام المصمية کا کیا مطلب ہے؟

3.18 اکتسابی نتائج

خطابت کے موضوع پر تاریخ عرب کا جائزہ لینے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جاہلی دور میں خطابت کا معیار کافی بلند تھا۔ عرب زبان وادب کے شہسوار ہونے کی وجہ سے اس کو کافی اہمیت دیتے تھے۔ جاہلی دور میں عرب کے قبائل آپس میں متحد نہیں تھے۔ ان کے یہاں بکثرت اختلافات رہا کرتے تھے۔ لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ جنگ وقتال کی صورتحال اکثر پیش آجاتی تھی۔ دور جاہلی کی شاعری میں اس کے تذکرے بے شمار ملتے ہیں۔ چنانچہ ان جنگوں کے بعد مفاہمت کی کوشش بھی ہوا کرتی تھی۔ مسائل کو حل کرنے کے لیے نشستیں قائم کی جاتی تھیں۔ ان مواقع پر خطبا کا کردار نمایاں ہوا کرتا تھا۔ ان ہی اسباب سے خطابت کا فن اس دور میں خوب پروان چڑھا۔ کبھی تو جنگ پر ابھارنے کے لیے زور خطابت کا استعمال ہوتا تھا اور کبھی حالات کو پرامن بنانے کے لیے ماہرینِ خطابت اپنا جلوہ دکھاتے تھے۔ عرب چونکہ سفر کثرت سے کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ان کو زندگی کے پیچ وخم کا خوب اندازہ تھا۔ حالات کے نشیب وفراز سے واقفیت بھی کافی تھی۔ تلخ وشیریں احوال کے حقائق کو گہرائی سے سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کے پاس پند ونصائح کا وافر ذخیرہ موجود تھا۔ اپنے وسیع تجربات اور نصائح کی بنیاد پر خطابت میں روح پھونک دیتے تھے۔ سامعین ان کی خطابت کی جامعیت اور قوت بیان سے مسحور ہوجاتے تھے۔ ان کی تقریروں میں فصاحت وبلاغت کی چاشنی ہوتی تھی۔ مخاطب کے قلب وذہن پر بے پناہ اثر مرتب ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ قوم ان خطیبوں کے موقف کی تائید پر آمادہ ہوجاتی تھی۔ خطابت کے ذریعہ صلح وصفائی اور دلوں میں جوڑ پیدا کرنے کا عمل بھی کیا جاتا تھا۔ شادی بیاہ کے موقع پر بھی خطبہ دیا جاتا تھا۔ غرض یہ کہ خطابت اور خطبا کی عرب معاشرہ میں کافی قدر تھی۔ خطبا اپنی ہیئت اور مخصوص انداز سے معاشرہ میں ایک شناخت رکھتے تھے۔

3.19 نمونے کے امتحانی سوالات

1. عربوں کی خطابت گویا الہامی کیفیت ہوا کرتی تھی، تبصرہ کیجیے۔
2. جاہلی دور کی خطابت کے مقاصد پر روشنی ڈالیے۔
3. شادیوں کے موقعہ پر خطابت کے طرز پر اظہار خیال کیجیے۔
4. کس وجہ سے کہا گیا کہ خطابت میں جادوئی اثر ہوتا ہے؟
5. قُس بن ساعدہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔
6. قُس بن ساعدہ کی تقریر پر ایک مضمون لکھیے۔
7. خطبۂ عبد المطلب کی خصوصیت پر اپنے خیالات پیش کیجیے۔

3.20 فرہنگ

وعَی	یعی	وعْیا	یادرکھنا، محفوظ رکھنا
فات	یفوت	فَواتا	وفات پانا

أتى	يأتي	إتينا	آنا
آتٍ			آنے والا
رِزْق	ج	أرزاق	رزق
قُوْت	ج	أقْوات	کھانا، غذا
شتّ	يشِتُّ	شَتاتا	بکھرنا
الشَتُّ	ج	أشْتاتٌ	بکھرے ہوئے
دجا	يدجو	دَجْوا الليلُ	بہت اندھیرا ہونا
سجا	يسجو	سَجْوا الليلُ	پرسکون ہونا
بُرج	ج	أبراج	سیارہ
فَجٌ	ج	فِجاج	راستہ
مَهْد	ج	مِهاد	زمین، گود
سَقْف	ج	سُقوف	چھت، آسمان
مار	يمور	مَورا	امنڈنا
غار	يغور	غَورا	پانی کا زمین کے اندر اتر جانا
زهَر	يزهَر	زَهْراوزُهُورا	خوبصورت ہونا، خوشنما ہونا
زخَر	يزخَر	زَخْراوزُخورا	موج کا اٹھنا
عِبْرة	ج	عِبَر	عبرت کا سامان، نصیحت
رضِي	يرضَى	رِضيً ورضوانا	خوش ہونا
ربٌ	ج	أرباب	والا
أرباب الغفلة			غفلت والے
شديد	ج	شِداد	سخت، تندخو، سخت مزاج
طحَن	يطحَن	طَحْنا	پیس دینا
كَلْكَل			سینہ، زور، طاقت
مزّق	يمَزّق	تمزيقا	پھاڑ دینا
تطاول			درازی، لمبا ہونا
مُنكَر			ناپسندیدہ عمل
ظفَر	يظفُر	ظَفْرا	کامیابی حاصل کرنا، فتح حاصل کرنا
هنّأ	يهنّأ	تهنِئة	مبارکباد

استأذن	يستأذِن	استئذانا	اجازت چاہنا
أحلّ	يُحِلّ	إحلالا	فائز کرنا
محل			جگہ
صَعْبا			غیر آسان، ہرایک کے بس میں نہیں
مَنيعا			محفوظ
باذِخ			بلند
شامخ			اونچا
مَنبَت			پیدا ہونے کی جگہ
طاب	يطيب	طيبا	اچھا ہونا
طابت أرومته			شریف خاندان کا ہونا
عزّ	يعِزّ	إعزازا	باعزت ہونا
ثبت	يثبُت	ثَباتا وثُبوتا	پائیدار ہونا
بسَق	يبسُق	بُسوقا	نامور ہونا
مَعدِن	ج	مَعادِن	سونے چاندی کی کان
أبَتَ اللّعْن			آپ سلامت رہیں
خصِب	يخصَب	خِصبا	سرسبز وشاداب ہونا
انقاد	ينقاد	انقيادا	اطاعت کرنا
عَمُود			سردار
خمَل	يخمُل	خُمولا	گمنام ہونا
التَهنِئة			مبارکباد
المَرزِئة			مصیبت

3.21 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ — از ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ — محمد کاظم
3. تاریخ ادب عربی — احمد حسن زیات، (ترجمہ: طفیل احمد مدنی)
4. ادب عربی کی مختصر تاریخ — ڈاکٹر ابوحاتم خاں
5. تاريخ الأدب العربي (العصر الجاهلی) — ڈاکٹر شوقی ضیف

اکائی 4: ضرب الامثال، حکیمانہ اقوال اور وصیتیں

اکائی کے اجزا

4.1 مقصد

4.2 تمہید

4.3 ضرب الامثال کی تدوین

4.4 جاہلی دور کی امثال

4.5 جاہلی دور کی امثال کے نمونے

4.6 احکام (حکمت کی باتیں)

4.7 صاحب حکمت خواتین

4.8 حکم (حکمت کی باتیں) کے چند نمونے

4.9 ضرب الامثال اور حکم کے درمیان فرق

4.10 ضرب الامثال کی ابتدا

4.11 مقولہ میں تبدیلی نہیں کی جاتی ہے

4.12 امثال فصاحت و بلاغت کا نمونہ

4.13 امثال وحکم کی عبارتوں میں موسیقیت

4.14 وصایا

4.15 وصیت کا نمونہ

4.16 اکتسابی نتائج

4.17 نمونے کے امتحانی سوالات

4.18 فرہنگ

4.19 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

4.1 مقصد

☆ اس اکائی کے ذریعہ عربی نثر کے نمونوں سے واقفیت ہوگی۔

☆ عربی زبان میں مستعمل ضرب الامثال اور اقوال زریں کا تعارف ہوگا۔

☆ جاہلی دور کی نثر کی خصوصیات معلوم ہوں گی۔

☆ عرب کے معاشرہ میں حکمت و دانائی کا معیار سمجھ میں آئے گا۔

☆ عربوں کے یہاں امثال وحکم کی اہمیت سے واقفیت ہوگی۔

☆ وصیت کی ضرورت اور فوائد سے آگہی ہوگی۔

4.2 تمہید

جاہلی دور سے لے کر عصر عباسی تک جب نثری نمونوں کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی تب عربی زبان میں کچھ تبدیلیاں آچکی تھیں۔کہا جاتا ہے کہ عربی زبان وادب میں نمایاں فرق اس وقت آیا جب جزیرہ نمائے عرب کے لوگوں نے بیرونی تہذیبوں سے روابط شروع کیے۔اس سلسلہ میں ایرانی تہذیب کا زیادہ اثر بتایا جاتا ہے کیونکہ خلافت عباسیہ کے قیام میں ایرانیوں نے گہری دلچسپی لی تھی اور بھرپور تعاون پیش کیا تھا۔ان کی وجہ سے جب خلافت وجود میں آگئی تو ایرانی تہذیب کا اثر غالب ہوگیا اور زبان وادب میں بھی اس کے اثرات منتقل ہوئے۔اس حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود ادبا یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ضرب الامثال جو زمانۂ جاہلیت سے منسوب ہیں وہ اپنی اصلی حالت میں موجود رہیں۔ان پر کوئی اثر نہیں آیا۔وہ امثال اپنے حقیقی الفاظ ومعانی کے ساتھ رائج ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عربوں نے اپنی زبان میں اور روزمرہ کے استعمال میں ان امثال کو بعینہ باقی رکھا تھا۔واضح رہے کہ ضرب الامثال میں تبدیلی نہیں کی جاتی ہے، کیونکہ یہ تبدیلی معاشرہ میں مقبول نہیں ہوتی ہے اور خطرہ ہے کہ اس مثل کی جامعیت ومعنویت متاثر ہوجائے۔عرب زبان وبیان کا ذوق رکھتے تھے لہٰذا اس سلسلہ میں کافی احتیاط برتتے تھے۔ان کے لیے ضرب الامثال کا یاد رکھنا بھی آسان تھا۔کیونکہ اکثر امور تحریری شکل کے بجائے زبانی ہی طے پاتے تھے۔لکھنے کا ماحول بہت کم تھا۔چنانچہ زبانی استعمال کی وجہ سے یہ امثال ان کی گفتگو میں اور مذاکرات میں رواں تھیں۔مختصر الفاظ پر مبنی ہونے کی وجہ سے ان کو یاد رکھنا کوئی مشکل عمل نہیں تھا۔نیز یہ کہ ضرب الامثال آسان فہم ہوتی ہیں۔ان کے استعمال سے بیان میں جان پڑ جاتی ہے اور مخاطب بھی محظوظ ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عرب معاشرہ میں دوران کلام ضرب الامثال کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

4.3 ضرب الامثال کی تدوین

ضرب الامثال کی تدوین میں عربوں نے پیش قدمی کی ہے۔پہلی صدی ہجری کے درمیانی مرحلہ میں انھوں نے اس کی تدوین شروع کردی تھی۔صُحار العبدی نام کا ایک ماہر انساب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں موجود تھا۔یہ زمانہ 41ء سے 40ء کی مدت پر مشتمل ہے۔اس دوران صُحار العبدی نے ایک کتاب کی تدوین کی۔اس کے بعد ایک دوسرے معاصر نے جس کا نام عُبید بن شرِیّہ تھا ایک دوسری کتاب کی تدوین کی۔ ڈاکٹر شوقی ضیف نے کتاب الفہرست کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ عبید بن شریّہ کی کتاب تقریباً پچاس اوراق پر مشتمل تھی۔دوسری صدی ہجری میں

ضرب الامثال کی تدوین میں کثرت نظر آتی ہے۔ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مؤلفین نے ان ہی الفاظ وتعبیرات کو جمع کیا ہے جو ضرب المثل کے طور پر رائج تھے۔مزید یہ خوبی پیدا کردی کہ ان ضرب الامثال کے پیچھے جو واقعات رونما ہوئے ،یعنی جس واقعہ کی بنیاد پر جو مثل وجود میں آئی ،اس واقعہ کا بھی ساتھ ساتھ ذکر کر دیا۔کتابوں کے مطالعہ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہانیوں اور داستانوں کا سلسلہ بندھ گیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان امثال کی حقیقت ومعنویت اجاگر کرنے کے لیے پس منظر کا تذکرہ ضرورت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔اس سے امثال کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور ان کے استعمال کا صحیح موقعہ سمجھ میں آتا ہے۔ یہ کتابیں گرچہ دوسری صدی ہجری میں لکھی گئیں تاہم عربی زبان وادب کے ماہرین اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ ان امثال کا تعلق جاہلی دور سے ہے اور ان کے الفاظ بھی بعینہ وہی ہیں جو عصر جاہلی میں رائج تھے۔ بالخصوص عُبید بن شریّہ کی کتاب مستند ہے جو اس موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل ہے۔اس کے بعد جو تالیفات وجود میں آئیں ان میں مؤلفین نے جاہلی دور کی امثال اور اسلامی دور کی امثال کے بیچ کوئی تفریق نہیں کی۔ بلکہ سب کو یکجا کر دیا اور حروف تہجی کی ترتیب پر تدوین کر دی۔ چنانچہ بعد کی کتابوں میں جاہلی دور کی امثال کی شناخت مشکل ہوگئی۔ کیونکہ جاہلی دور کی امثال اور اسلامی دور کی امثال کے درمیان تمیز کے لیے کوئی واضح مقیاس مذکور نہیں ہے۔ ہاں اس بنیاد پر کچھ سراغ مل جاتا ہے کہ جب اس دور کا واقعہ پس منظر کے طور پر بیان کیا جارہا ہو۔مثلاً کبھی ایسی صورت پیش آجاتی ہے کہ صاحب کتاب جاہلی دور کی مثل کا تذکرہ کررہا ہو اور ساتھ میں اس زمانہ کی داستان یا پس منظر بھی بیان کررہا ہو تو سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ جاہلی دور کی مثل ہے۔اس طرح کی امثال ہمیں ملکۂ زباء سے وابستہ کہانیوں میں ملتی ہیں۔

4.4 جاہلی دور کی امثال

دور جاہلیت سے وابستہ مختلف واقعات وداستانوں کے پس منظر میں ضرب الامثال ملتی ہیں۔مثلاً ''جزاء سِنِمّار''۔یہ ایک ضرب المثل ہے۔خیال کیا جاتا ہے کہ جاہلی دور میں النعمان بن امرؤالقیس اللخمی نے اپنے لیے ایک محل بنوایا جس کا نام ''الخَورْنق'' رکھا۔اس محل کا بنانے والا ایک رومی معمار تھا۔اس کا نام سِنمّار تھا۔جب محل تیار ہوگیا تو سنمّار نے نعمان سے کہا: میں اس محل میں اس ایک مخصوص اینٹ کو جانتا ہوں کہ وہ اگر اپنی جگہ سے گرگئی یا نکال دی گئی تو سارا محل ڈھہ جائے گا۔نعمان نے اس سے پوچھا: تمہارے علاوہ کوئی اور بھی اس راز سے واقف ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔نعمان نے کہا: اب مجھ پر لازم ہوگیا کہ اس اینٹ کو اس حال میں رہنے دوں کہ اس کا جاننے والا کوئی موجود نہ ہو۔ پھر اس نے اس معمار کے خلاف حکم صادر کر دیا تو اسے محل کے اوپر سے نیچے پھینک دیا گیا۔ چنانچہ وہ ٹکڑے ٹکرے ہوگیا۔جاہلی دور میں اس کی مثال دی جاتی تھی یہ کہتے ہوئے کہ ''جزاءسِنِمّار''یعنی سزائے سنمار۔

جاہلی دور میں رائج امثال وحکم کی بڑی تعداد آج موجود ہے۔

4.5 جاہلی دور کی امثال کے نمونے

1. إن كنتَ رِيحاً فقد لاقَيتَ أعصارًا

اگر تم ہوا ہو تو تمہارا سابقہ آندھی سے پڑ گیا۔

یہ اس موقعہ پر کہا جاتا ہے جب کوئی شخص خود پسندی کا مزاج رکھتا ہو۔اپنی شان خود اپنی زبان سے بیان کرتا ہو اور اس وقت اس کا سابقہ کسی

ایسے شخص سے پڑ جائے جو اس کی قدر نہیں کرے بلکہ اس کی کمزوریوں کو اجاگر کر کے اس کی توہین کرے۔

2. **قبل الرمي يُراشُ السَهْمُ**

تیر چلانے سے پہلے اس میں پر لگا لیے جاتے ہیں۔

یعنی کسی مہم سے پہلے اس کے لیے مطلوبہ تیاری کر لی جاتی ہے۔ یہ مثل نصیحت کے موقعہ پر کام آتی ہے کہ کسی کو متنبہ کیا جائے کہ اپنے کام کو صحیح طریقہ پر انجام دینے کے لیے ضروری تیاری پہلے سے کر لی جائے۔

3. **تسمع عن المعيدي خير من أن تراه**

معیدی کے متعلق سننا اس کو دیکھنے سے بہتر ہے۔

دراصل المعیدی نام کا ایک شخص تاریخ عرب میں اپنی جود وسخا، حکمت اور فراخدلی میں کافی مشہور تھا۔ لوگ اس سے محبت کرتے تھے۔ اس کی شہرت کافی پھیل گئی۔ بادشاہ وقت تک اس کی خبر پہنچی۔ بادشاہ کی خواہش ہوئی کہ اس سے ملاقات کرے تا کہ اس کی حکمت اور سخاوت کا صحیح اندازہ لگا سکے۔ اس نے المعیدی کو اپنے حاشیہ نشیں کے ذریعہ بلوایا۔ اپنے دیوان میں آنے کی دعوت دی۔ جوں ہی المعیدی دربار میں داخل ہوا بادشاہ حیرت میں پڑ گیا۔ کیونکہ شکل کے اعتبار سے المعیدی بالکل بدصورت تھا اور لباس بھی اس کا ایک عام آدمی جیسا تھا۔ حالانکہ وہ مال دار اور دولت مند تھا۔ بادشاہ اس کو دیکھ کر ہنس پڑا اور اس وقت اس نے کہا ''تسمع عن المعيدي خير من أن تراه''، یعنی لوگوں کے بیچ اس کو سیرت اور صفات کے اعتبار سے جاننا بہتر ہے بہ نسبت دیکھنے کے۔

4. **إنک لا تَجني من الشوکِ العنبَ**

کانٹے دار درخت سے تم انگور حاصل نہیں کر سکتے ہو۔

کہا جاتا ہے کہ اس مثل کے پس منظر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک بچہ نے اپنے والد کو باغ میں ایک درخت لگاتے ہوئے دیکھا۔ چند مہینوں میں اس میں میٹھے انگور پیدا ہونے لگے۔ بچہ نے خیال کیا کہ کوئی بھی درخت لگایا جائے تو اس پر انگور پھلنے لگیں گے۔ اسے بھی شوق ہوا۔ ایک دن اسے ایک پودا ملا جو کانٹے دار تھا۔ اس نے اس پودے کو زمین میں لگایا اور پھل کا انتظار کرنے لگا۔ ایک مدت تک انتظار کے باوجود اس میں کوئی انگور پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ کانٹے ہی کانٹے نکلتے آئے۔ اس وقت بچہ کے والد نے اس سے کہا **إنک لا تجني من الشوک العِنَبَ**۔

5. **أنتَ تَئِقٌ و أنا مَئِقٌ فکيف نتفق**

تم فوراً غصہ ہو جاتے ہو اور میں فوراً رو پڑتا ہوں تو ہم دونوں میں کیسے نباہ ہو سکتا ہے۔

یہ مثل اس موقعہ پر دی جاتی ہے جب دو افراد کے بیچ جوڑ ممکن نہ ہو کیونکہ دونوں کے مزاج میں اختلاف ہے۔ دونوں کی طبیعت جدا جدا ہے۔

6. **مواعيد عُرقُوب**

عرقوب کے وعدے۔

اس مثل کا استعمال ٹال مٹول، وعدہ خلافی، جھوٹ بول کر کسی کو امید دلانے کے پس منظر میں ہوتا ہے۔

اس کے پیچھے واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ عرب میں قوم عمالقہ میں ایک شخص تھا۔ اس کا نام عرقوب تھا۔ اس کا بھائی ایک مرتبہ اس کے پاس کچھ

ضرورت سے گیا۔عرقوب نے اس سے کہا کہ اس کھجور کے درخت میں جب پھل آنے لگیں تو وہ پھل تمہیں دوں گا۔ جب پھل نمودار ہوئے تو بھائی حسب وعدہ پھل لینے کے لیے آیا۔عرقوب نے کہا کہ ابھی ٹھہرو۔انہیں ذرا ادھ گدرے ہوجانے دو۔یعنی انہیں آدھا پک جانے دو۔ بھائی چلا گیا۔ جب پھل ادھ گدرے ہوگئے تو مانگنے کے لیے پھر آیا۔عرقوب نے کہا ابھی کچھ اور ٹھہرو۔ ذرا ان میں نکھار آجانے دو۔ بھائی چلا گیا۔ جب کھجوروں میں نکھار آگیا تو وہ پھر آیا۔عرقوب نے کہا ذرا ان میں رس آجانے دو تب لینا۔ جب رس آنے لگا تب بھائی نے مطالبہ کیا۔عرقوب نے کہا ابھی ٹھہر جاؤ انہیں مکمل کھجور کی حالت میں آجانے دو۔ جب کھجور پوری طرح پک کر تیار ہوگئی تو عرقوب نے ایک رات ساری کی ساری کھجوریں خود توڑ کر رکھ لیں۔ اپنے بھائی کو کچھ بھی نہیں دیا۔اسی وجہ سے وعدہ خلافی میں کہا جاتا ہے ’’مَواعیدُ عُرقوب‘‘۔

7. سکتَ ألفاً و نطق خَلْفاً

ہزار دن چپ رہا اور جب بولا بھی تو غلط۔

اس مثل کا استعمال اس موقعہ پر ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص طویل مدت تک چپ چاپ رہا ہو اور جب اس نے زبان کھولی تو وہ بھی بے کار بات کے ساتھ۔خَلْفاً کے معنی بے کار، بے سود بات ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ احنف بن قیس کا ایک ہم نشیں تھا۔ ہمیشہ خاموش رہتا تھا۔احنف نے اس سے ایک دن کہا کہ تم بھی تو کچھ بولو۔تو اس نے اس کے جواب میں کہا: اے ابو بدر! کیا آپ مسجد کی اس بالکونی پر چل سکتے ہیں؟ اس پر احنف نے کہا ’’سکت ألفا و نطق خلفا‘‘۔ کیونکہ اس نے ایسی بات کہی جس کا کوئی حاصل نہیں تھا۔

8. ضرب أخماسا لأسداس

کہتا پانچ ہے جب کہ نیت چھ کی ہے۔

یہ مثل اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کوئی زبان سے کہتا کچھ ہو اور دل میں کچھ اور غرض پوشیدہ رکھتا ہو۔

اس مثل کے پس منظر میں واقعہ یہ ہے کہ ایک بدو شخص تھا جو صحرا میں رہتا تھا۔اس کے بچے تھے جو اپنے اہل خانہ سے دور کہیں اونٹ چراتے تھے۔کافی زمانہ ہوگیا اپنے بچوں سے دور رہتے ہوئے تو انہیں ان سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔تاکہ وہاں کچھ دن ساتھ رہیں۔عربوں کے یہاں معمول تھا کہ سفر سے قبل اپنے اونٹوں کو مشقت برداشت کرنے کی عادت ڈالنے کے لیے پیاسے رکھتے تھے۔ان میں کوئی چار دن تک پیاسا رکھتا تھا تو اسے وہ ربع کہتے تھے۔اگر پانچ دن پیاسا رکھے تو اسے خمس کہا جاتا تھا۔اسی طرح اگر کوئی چھ دن پیاسا رکھے تو اسے سدس کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ایک دن والد نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ اونٹوں کو چار دن اس طرح چراؤ کہ وہ پانی نہ پئیں۔ بچوں نے وہ اونٹ چار دن والد کے بتائے ہوئے طریقہ پر چرائے لیکن وہ اونٹ کو اس سمت لے کر گئے تھے جو ان کے اہل خانہ کے راستہ کی طرف تھی۔ جب اونٹ چرا کر وہ واپس آگئے تو والد سے انھوں نے پانچ دن اسی طریقہ پر اونٹ چرانے کی اجازت چاہی۔ والد نے اجازت دے دی۔ان کی غرض یہ تھی کہ پھر اونٹوں کو اسی راستہ کی طرف لے کر جائیں گے جو ان کے اہل خانہ کی سمت ہے۔تاکہ وہاں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کچھ مزید مدت رہنے کا موقعہ مل جائے۔ پانچ دن مکمل ہونے پر وہ اونٹ لے کر واپس ہوئے۔ پھر لڑکوں نے والد سے اجازت چاہی کہ کیا چھ دن کے لیے اونٹوں کو چرانے لے جائیں؟ والد نے لڑکوں کی غرض بھانپ لی اور سمجھ گیا کہ یہ دراصل چاہتے کیا ہیں۔ چنانچہ اس نے کہا ’’ماأنتم إلا ضرْبُ أخماسٍ لأسداس، ماهمتكم رعيُها إنما همُّكم

أهلكم ''۔تمہارا پانچ دنوں کا اونٹ چرانا چھ دنوں تک مزید چرانے کی غرض سے تھا۔تمہارا مقصود اونٹ چرانا نہیں بلکہ بیوی بچوں سے ملنا ہے۔

4.6 حِکَم (حکمت کی باتیں)

اس کا مطلب ہے حکمت کی باتیں۔ان باتوں میں نصیحت پنہاں ہوتی ہے۔موقعہ کے اعتبار سے بہترین تدبیر کی رہنمائی کی جاتی ہے۔چونکہ یہ باتیں تجربہ اور دانائی پر مبنی ہوتی ہیں اس لیے انہیں حکم کہتے ہیں۔

جاہلی دور کی نثر میں جس طرح امثال کی کثرت پائی جاتی ہے اسی طرح حکم بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ان میں سے بعض تو جاہلی زمانہ سے وابستہ ہیں اور بعض تاریخی روایات سے وابستہ ہیں۔مثلاً لقمان عاد۔ان کا تعلق یمنی قبیلہ سے تھا جو احقاف میں آباد تھا۔یہ قبیلہ تباہ ہو گیا۔اسلام سے قبل اس کے آثار بھی مٹ چکے تھے۔لیکن لقمان کا نام جاہلی دور میں معلومات رکھنے والوں کے بیچ گرداں تھا۔شعرا بھی اپنے قصائد میں ان کو یاد رکھتے تھے۔اس سلسلہ میں جاحظ کا بیان ہے کہ پرانے لوگوں میں جن کو جاہ ومرتبہ سرداری،حسن بیان،زور خطابت،حکمت وفطانت اور سیاسی سوجھ بوجھ کے موضوع پر یاد کیا جاتا تھا ان میں سے ایک نام لقمان عاد کا بھی ہے۔روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لقمان قرآن کریم میں بیان کیے گئے لقمان حکیم کے علاوہ ہیں۔جیسا کہ الثعلبی کی کتاب قصص الانبیاء میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔لقمان عاد کا زمانہ تاریخی طور پر نہایت قدیم ہونے کی وجہ سے ان کی شخصیت سے وابستہ اور ان کی زندگی سے متعلق داستانیں کافی مشہور ومعروف تھیں۔ان داستانوں میں ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں لوگوں کے ساتھ ان کے روابط کا پتہ چلتا ہے۔علمائے تاریخ کا کہنا ہے کہ لقمان عاد کی ایک بلند قامت شخصیت تھی،سر بھی بڑا تھا،وہ طاقتور بھی تھے۔عجیب وغریب صلاحیتوں کے مالک تھے۔بڑی حکمت والے تھے۔واقعہ نگاروں کا کہنا ہے کہ انھوں نے سات گدھوں کی عمر پائی تھی۔جب کہ ایک گدھ کی عمر عربوں کے عقیدہ کے مطابق اسّی (۸۰) برس کی ہوتی ہے۔ان سات گدھوں میں سب سے آخری گدھ کو لُبَد کہتے ہیں۔اس پر ضرب المثل بھی قائم ہو گئی۔جس چیز کی مدت دراز ہوتی تھی اس کے بارہ میں کہا جاتا تھا ''طال الأبد علی لُبَد''یعنی اس پر ایک لمبا زمانہ گزر چکا ہے۔عصر جاہلی کے آخری زمانہ میں لقمان عاد سے متعلق کئی قصے مشہور ہوئے۔ان تمام قصوں اور داستانوں کے بیان کی غرض یہی تھی کہ ان سے نصیحت حاصل کی جائے۔کیونکہ ان قصوں میں عبرت آموز پہلو موجود تھے۔ان میں سے جو امثال اہل عرب کے بیچ معروف ہوئیں انہیں امثال لقمان کہا جاتا ہے۔

تاریخی حوالوں کا تجزیہ کرتے ہوئے محققین نے یہ موقف واضح کیا ہے کہ لقمان عاد اور لقمان حکیم دو مختلف شخصیتیں ہیں۔لقمان حکیم کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔لقمان حکیم سے متعلق نصیحتیں اور وصیتیں مشہور ہیں۔فقہ اور تفسیر کی کتابوں میں ان کا تذکرہ آتا ہے۔مثال کے طور پر مؤطا امام مالک اور تفسیر ابی حیان میں لقمان حکیم سے متعلق بیان ملتا ہے۔جاحظ نے بھی ان کی تعلیمات کا جائزہ لیا ہے۔یہ تعلیمات دینی بنیادوں پر قائم ہیں۔ان کی نصیحتیں مذہبی نوعیت کی ہیں۔جب کہ لقمان عاد کے متعلق جو باتیں وارد ہوئی ہیں وہ مذہبی نوعیت کی نہیں ہیں۔جاحظ نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ امثال وحکم سے متعلق جو شخصیات مشہور تھیں ان میں مقررین کی خاصی تعداد نظر آتی ہے۔فصاحت وبلاغت پر قدرت رکھنے والے ماہرین بھی ملتے ہیں۔اصحاب اقتدار حضرات بھی تھے اور قوم کے سردار پیشوا بھی۔ان میں چند مشہور نام جو کتابوں میں ملتے ہیں وہ یہ ہیں أکثم بن صیفی، ربیعه بن حُذار، هرِم بن قُطبه، عامر بن الظَرِب اور لبید بن ربیعه۔ان میں سب سے نمایاں اور ممتاز حیثیت أکثم بن صیفی التَمیمی اور عامر بن الظَرِب العَدوانی کی تھی۔أکثم بن صیفی کا شمار طویل العمر لوگوں میں ہوتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اسلام کا زمانہ بھی پایا۔اپنے اسلام کے

اعلان کا ارادہ بھی کیا۔ اس مقصد سے اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات کے لیے سفر بھی شروع کر دیا تھا۔ لیکن راستہ میں ہی ان کی موت واقع ہوگئی۔ ان کی باتوں میں اکثر ضرب الامثال اور حکمت کے شہ پارے ملتے تھے۔

4.7 صاحب حکمت خواتین

بتایا جاتا ہے کہ جاہلی معاشرہ میں عربوں کے بیچ مرد حضرات کے علاوہ ایسی خواتین بھی موجود تھیں جو حکمت و دانائی کے میدان میں امتیازی مقام رکھتی تھیں۔ ان میں کئی نام ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر صُحر بنت لقمان، ہند بنت الخس، جمعہ بنت حابس اور بنت عامر بن الظرِب العدوانی۔ عامر بن الظرِب کی بیٹی ان تمام خواتین میں زیادہ ہوش مند اور دانش مند تھی۔ تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ جب عامر بن الظرب کی عمر زیادہ ہوگئی اور اس پر نسیان کا غلبہ ہونے لگا تو اس نے اپنی بیٹی کو ہدایت کی کہ جب ایسا معلوم ہو کہ اس سے کسی معاملہ میں چوک ہو رہی ہے یا کوئی غیر مقصود عمل کے سرزد ہونے کا امکان نظر آئے تو لاٹھی یا چھڑی کے ذریعہ آواز پیدا کر کے اسے متنبہ کیا جائے۔ چنانچہ اس پر مثل قائم ہوگئی۔

''**إن العصا قُرِعت لذي الحِلم**'' یعنی عقل مند کے لیے چھڑی سے آواز کی جاتی ہے۔ ابو الفضل المیدانی نے اپنی کتاب مجمع الامثال میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

4.8 احکام (حکمت کی باتیں) کے چند نمونے

1. **من سلک الجَدد أمِنَ العِثارَ**

جو ہموار زمین پر چلتا ہے لغزش سے محفوظ رہتا ہے۔

یعنی معاملات میں عافیت کا راستہ اختیار کرنے والا نقصان اٹھانے سے محفوظ رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اکثم بن صیفی کا قول ہے۔ جیسا کہ ابو ہلال العسکری نے جمہرۃ الامثال میں بیان کیا ہے۔

2. **عَيّ صامتٌ خیر من عَيٍّ ناطق**

خاموش رہ کر اپنی عدم استطاعت کا اظہار کرنا بہتر ہے بہ نسبت زبان کھول کر اپنی جہالت ظاہر کرنے سے۔

3. **یدک منک و إن کانت شلاّء**

ہاتھ تو اپنا ہی ہے خواہ وہ بے حرکت ہو۔

یعنی ہاتھ چاہے مفلوج ہو لیکن انسان اس کو خود سے الگ نہیں ہونے دیتا ہے۔ کوئی انسان یہ نہیں چاہے گا کہ فالج زدہ ہاتھ کو کٹوا کر الگ کر دے۔ اسے بہر حال اپنے جسم کا حصہ بنائے رکھتا ہے۔

4. **من ضاق صدرہ اتسع لسانہ**

جس کا دل غم و اندوہ سے بھر جاتا ہے اس کی زبان چلنے لگتی ہے۔

یعنی جو حالتِ پریشانی میں اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ دل بوجھل ہو جاتا ہے تو اس کی زبان حرکت میں آجاتی ہے۔

5. **کَلْمُ اللسان أنکی من کَلْمِ السنان**

زبان کا زخم نیزہ کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

6. رُبَّ عَجَلة تَهَبُ رَيثا

بسا اوقات جلدی کرنے کے نتیجہ میں اور بھی دیر ہوجاتی ہے۔

7. رُبَّ قول أنفذُ من صَوْل

بسا اوقات جسمانی طاقت کے بجائے زبان کا صرف ایک بول زیادہ اثر دکھاتا ہے۔

8. من مأمنه يؤتى الحذر

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محفوظ جگہ پر ہی خطرہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔

یعنی انسان جہاں امن وعافیت محسوس کرتا ہے بسا اوقات وہیں اس پر خطرہ منڈلا رہا ہوتا ہے۔

9. مَصارعِ الرجال تحت بُروق الطمع

لوگوں کی تباہی امیدوں کے آشیانہ میں ہوتی ہے۔

یعنی بسا اوقات انسان لالچ کے زیر اثر اپنی تباہی کو گلے لگالیتا ہے۔

10. أنجزَ حُرٌ ما وعَدَ

شریف آدمی جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔

4.9 ضرب الامثال اور حکم کے درمیان فرق

عام طور پر ضرب الامثال اور حکم کے درمیان فرق کم ہی نظر آتا ہے۔ ضرب الامثال پر مشتمل عربوں کی جو کتابیں ہمارے سامنے آتی ہیں ان میں حکم اور امثال دونوں ایک ہی فہرست میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر شوقی ضیف نے بھی نثر عربی کے ضمن میں جہاں امثال کا ذکر کیا ہے وہیں امثال کے عنوان کے تحت حکم کا بھی تذکرہ کردیا ہے۔ حکم کے لیے انھوں نے کوئی مستقل عنوان قائم نہیں کیا ہے۔ لیکن امثال وحکم کی نوعیت پر اگر غور کیا جائے تو فرق سمجھ میں آتا ہے۔ ہندوستان کے ادبا میں استاد محمد واضح رشید ندوی کی کتاب تاریخ الأدب العربي (العصر الجاہلی) میں امثال وحکم کے فرق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انھوں نے دونوں کے لیے علیحدہ فہرست بھی قائم کی ہے۔ امثال کے متعلق واضح رشید ندوی کا کہنا ہے کہ شکل کے اعتبار سے تو امثال حکم کی طرح چھوٹے چھوٹے فقروں پر مشتمل ہوتی ہیں جو اختصار کے ساتھ اپنا مفہوم بیان کرتی ہیں۔ لیکن وہ اتنی مختصر ہوتی ہیں کہ اگر پس منظر کا واقعہ ذہن میں موجود نہ ہو تو ان کے مطلب اور معنویت کا اندازہ نہیں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جزائے سنمار۔ اگر اس مثل کو بیان کیا جائے اور مخاطب اس کے واقعہ سے یا پس منظر سے ناواقف ہو تو اس کو اس مثل کی معنویت اور اہمیت کا اندازہ نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ امثال کا تعلق کسی واقعہ سے یا کسی حادثہ سے ہوتا ہے۔ ان کا استعمال دوران گفتگو ایسی جگہوں پر کیا جاتا ہے جہاں واقعہ کی نوعیت میں مماثلت پائی جاتی ہو۔ مزید یہ کہ امثال کا تعلق عوامی زندگی سے بھی ہوتا ہے۔ یعنی کوئی واقعہ کسی عام آدمی کے تجربہ میں آیا ہو اور وہاں سے یہ مثل چل پڑی ہو یا یہ کہ عام لوگ اپنے معاشرہ میں بول چال کے دوران اس مثل کا یا ان امثال کا استعمال کرتے ہوں۔ عرب میں عوامی بول چال میں امثال کا استعمال بخوبی ہوتا تھا۔ جب

کہ حکم کا تعلق حکمت سے ہے۔ یہ انسان کی عقل مندی اور دانائی کی بنیاد پر موقوف ہیں۔عرب زندگی کے تجربات سے بہت کچھ سیکھتے تھے اور عقل وفراست کی بنیاد پر ان سے سبق حاصل کرتے تھے۔اس سبق کو دوسروں تک نصیحت وخیر خواہی کے تقاضہ سے پہنچاتے تھے۔اس سبق کو مختصر فقرہ میں بہت ہی پر مغز انداز میں پیش کرتے تھے کہ مخاطب اس کو سن لے، سمجھ لے اور یاد بھی کر لے۔حکم کا تعلق خاص طور پر اس طبقہ سے ہوتا ہے جو عقل مند اور باہوش ہو۔ جسے ہم معاشرہ کے خصوصی طبقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔امثال کا تعلق عوام سے یا عوامی زندگی سے ہوتا ہے جب کہ حکم کا تعلق خواص سے یا دانشمند طبقہ سے ہوتا ہے۔

4.10 ضرب الامثال کی ابتدا

عربی زبان میں امثال وحکم بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔تاہم بیشتر ضرب الامثال اور حکیمانہ اقوال کے سلسلہ میں اصل قائل کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔ کیونکہ عام طور پر قبیلہ کے عام طبقہ کے لوگ ان اقوال کے وجود میں آنے کا سبب بنتے تھے۔ چونکہ معاشرہ میں وہ زیادہ معروف یا شہرت کے درجہ میں نہیں ہوتے تھے اس لیے ان کی طرف توجہ بھی کم دی جاتی تھی۔یعنی قول تو رائج ہو جاتا تھا لیکن قائل کی طرف نسبت کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔عربوں کی زبان سے محبت اور قدر بھی یہاں سمجھ میں آتی ہے کہ خواہ مثل کہاں سے چلی یہ معلوم ہو یا نہ ہو، مثل کو بذات خود اہمیت دیتے تھے اور اسے زبان کے لیے قیمتی سرمایہ کے طور پر نقل کرتے تھے۔چنانچہ حکمت کی بات کہنے والا یا ضرب المثل وضع کرنے والا تاریخ کی سلوٹوں میں گم ہو جاتا تھا۔

ان امثال میں کچھ ایسی نوعیت کے مقولے بھی ہوتے ہیں جن کے اصل مقصود یا مراد تک رسائی بظاہر ممکن نہیں۔اس لیے ان کے صحیح مفہوم یا معنی تک پہنچنے کے لیے ضرب الامثال کی کتابوں سے مدد حاصل کرنا لازمی ہوجاتا ہے ۔ مثال کے طور پر عربوں کا مقولہ ہے ’’بعینٍ ماأرینّک‘‘۔اس کا معنی ہے ’’أسرِعْ‘‘ یعنی جلدی کرو۔جب کہ ظاہری طور پر الفاظ اس معنی کی طرف رہنمائی نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی سننے والے کا ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے۔اس موضوع پر ابو الہلال العسکری نے اپنا تبصرہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا مقولہ ہے جس کا معنی سماعی طور پر سمجھا جاتا ہے۔یعنی لوگ اس مقولہ کو جس معنی میں استعمال کرتے ہیں اس کا ہی اعتبار کیا جائے گا خواہ الفاظ اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوں یا نہیں۔ کیونکہ عرب اس کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں اور ہمیں اس کو تسلیم کرنا ہوگا۔ہم اس میں تبدیلی بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ضرب المثل میں الفاظ کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔معنی کی وضاحت کے لیے اپنی طرف سے الفاظ میں اضافہ یا تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

4.11 مقولہ میں تبدیلی نہیں کی جاتی ہے

اسی طرح کا ایک اور مقولہ ہے ’’الصیف ضیَّعَتِ اللبن‘‘۔یہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی چیز کو اس کے موقعہ پر حاصل کرنے میں کوتاہی کرے اور جب موقعہ ہاتھ سے نکل جائے تو طلب کی کوشش کرے۔اس مقولہ میں حرف تآء پر کسرہ ہے۔ یہ مثل بہرحال اسی طرح نقل کی جائے گی۔خواہ مخاطب یا مقصود واحد مذکر ہو یا واحد مؤنث، تثنیہ مذکر ہو یا تثنیہ مؤنث یا پوری جماعت ہو۔ ہر موقعہ پر ان ہی الفاظ کے ساتھ استعمال کی جائے گی۔تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

امثال میں قواعد کا اہتمام بھی ناگزیر نہیں ہوتا ہے۔عرب نحوی اور صرفی قواعد کی مخالفت والی امثال بھی استعمال کیا کرتے تھے۔حالانکہ زبان

اس زمانہ میں بھی اپنا معیار اور وقار رکھتی تھی۔ تاہم یہ مثل استعمال میں رہی ''أعط القوس باریها''۔ اس کے معنی ہیں کہ کسی معاملہ میں ذمہ داری اسی کو دی جائے جو مہارت رکھتا ہو۔ یہاں باریہا میں حرف یآء ساکن مستعمل ہے۔ جب کہ نحوی قاعدہ کی بنیاد پر ضابطہ یہ تقاضہ کرتا ہے کہ یاء پر فتحہ ہونا چاہیے۔ اسی نوعیت کا ایک اور مقولہ ہے ''أجناؤ ها أبناؤ ها'' اس کے معنی ہیں کہ جن لوگوں نے گھر کو تباہ کیا ان ہی لوگوں نے اس کی تعمیر کی تھی۔ أجناؤ ھا اور أبناؤ ھا دراصل جان یعنی جرم کرنے والا اور بان یعنی تعمیر کرنے والا کی جمع ہے۔ جب کہ صرفی قواعد کی بنیاد پر ضابطہ تقاضہ کرتا ہے کہ جمع کے لیے جُناتُها بُناتُها استعمال ہونا چاہیے۔ کیونکہ فاعل کی جمع افعال کے وزن پر نہیں آتی ہے۔ لیکن یہ مثل رائج ہے۔ ہم اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے ہیں۔

گرچہ کچھ امثال ایسی رہی ہیں جو صرفی اور نحوی قواعد سے ہٹ کر رائج تھیں، یہ مقبول بھی ہوئیں۔ لیکن معاملہ ایسا نہیں ہے کہ سبھی اسی نوعیت کی رہی ہوں، بلکہ اکثریت کی حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان کے قواعد اور اصول وضوابط سے ہم آہنگ رہی ہیں۔

4.12 امثال فصاحت و بلاغت کا نمونہ

امثال جاہلی دور کی فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔ اس طرح کے حکیمانہ اقوال یا ضرب الامثال دراصل عرب کے صاحب فن یا فصاحت و بلاغت ماہرین کی زبان سے ہی نکلتے تھے۔ جن میں اکثم بن صیفی اور عامر بن الظرب جیسے لوگوں کا شمار ہوتا ہے۔ اس قسم کی ضرب الامثال عربوں کے رواں زبان اور شعلہ بیان خطیبوں کی تقریروں میں بہت ملتی ہیں۔ وہ اپنے خطبوں اور تقریروں کو دلچسپ و اثر انگیز بنانے کے لیے موقعہ و مناسبت کے اعتبار سے ان کا بھر پور استعمال کرتے تھے۔ جاحظ اس سلسلہ میں تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اہل عرب میں سے کوئی صاحب بیان کھڑا ہو جاتا اور معاشرہ میں رائج ضرب الامثال سلسلہ وار نقل کرنا شروع کر دیتا۔ لوگ ان ضرب الامثال میں سے صرف ان ہی کو منتخب کرتے تھے جن میں کوئی کام کی بات نظر آتی تھی۔ یا کسی موقعہ سے وہ مقولے کار آمد نظر آتے تھے۔ شعرا نے بھی خطیبوں کے طرز پر اپنے اشعار میں ان امثال کا استعمال شروع کر دیا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان امثال میں بڑی تعداد ایسی ہے کہ جن میں موسیقیت پائی جاتی ہے۔ لحن اور وزن کی نوعیت نظر آتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ضرب المثل شعر کا ایک مصرعہ بن جاتا تھا یا کبھی مکمل شعر بن جاتا تھا۔

اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ امثال کی عبارتیں متوازن الفاظ سے مرکب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان میں ایسا توازن قائم ہو جاتا ہے کہ وہ مسجع عبارتوں سے مشابہ ہو جاتی ہیں۔ نیز ان امثال میں منظر کشی کا اہتمام ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے النظّام کا کہنا ہے کہ یہ امثال بلاغت کے منتہی کا بہترین نمونہ ہیں۔ کیونکہ ان میں بہترین تشبیہ ہوتی ہے اور اعلیٰ درجہ کا کنایہ پایا جاتا ہے۔

4.13 امثال وحکم کی عبارتوں میں موسیقیت

امثال وحکم کی عبارتیں جب نظر سے گزرتی ہیں یا سننے میں آتی ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں بہت خوش اسلوبی سے ترتیب دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وضع کرنے والوں نے ان میں نغمہ کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ الفاظ کو موسیقی کی لہروں کے مطابق ڈھالا گیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر یہ مقولے مسجع شکل میں سامنے آگئے۔ کبھی ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ انہیں کسی شعر کے مصرعہ کے طور پر سجایا گیا ہے اور کبھی یہ احساس گزرتا ہے کہ ان الفاظ کے ذریعہ کوئی خیال پیش کیا جا رہا ہے یا کوئی تصور قائم کیا جا رہا ہے۔ الفاظ میں ہم آہنگی پیدا کر کے مقولہ کو معنی خیز اور مؤثر بنایا جاتا ہے۔ اس

طرح مقولہ میں زور اور وزن پیدا ہو جاتے ہیں۔

عرب دور جاہلیت میں اپنی تقریروں اور خطبات کو نیز اپنی گفتگو کے سلسلہ کو جمالیاتی شعور کی بنا پر زیادہ سے زیادہ پرکشش اور باوقعت بناتے تھے۔اس میں وہ دلچسپی بھی رکھتے تھے۔ یہ خصوصیت ان کے اندر اس وجہ سے پائی جاتی تھی کہ فطری طور پر وہ بیان وتعبیر میں فصاحت وبلاغت کے دلدادہ تھے۔ اس امر کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں کے متعلق فرمان الٰہی نازل ہوا ''ولتعرِ فنهم في لحن القول'' اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے ''ومن الناس من يُعجبک قولُه في الحياة الدنيا''۔ یہ اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ ان کی قوت بیانی بلا کی ہے کہ سننے والا اس سے متاثر ہو جائے دراصل یہ عربوں کی خصوصیات میں سے ہے۔اس پرکشش قوت بیانی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو نبوت کی تائید میں بلاغت کا اعلیٰ نمونہ عطا کیا اور وہ قرآن کریم ہے۔ یہ کتاب عظیم، بہترین اسلوب اور بیان پر مبنی ہے۔جس کا آج تک کوئی مدمقابل کھڑا نہیں ہوسکا۔ فرمان الٰہی ہے ''وإنه لکتاب عزيز لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حکيم حميد''۔ اس عظیم کتاب کو، اس کے پیغام کو عرب سمجھتے تھے کیونکہ زبان و بیان میں انہیں قدرت حاصل تھی۔ تعبیر کی بلاغت اور نزاکتوں کا انہیں خوب اندازہ تھا۔

4.14 وصایا

عربوں کی نثر کے نمونوں میں وصایا بھی ہیں۔ یہ دراصل وصیتیں ہوتی تھیں۔ خاندان کا کوئی بااثر آدمی یا قبیلہ کا سردار جب اس دار فانی سے کوچ کر رہا ہوتا تھا تو اہل وعیال اور خاندان کے افراد کو جمع کر کے یا قبیلہ کے سربر آوردہ لوگوں کو مخاطب کر کے اپنی وصیتیں سناتا تھا۔ یہ وصیتیں مرنے والے کے تجربات کا نچوڑ ہوتی تھیں۔ یا کبھی اس کے نامکمل عزائم وارادہ سے متعلق ہوتی تھیں۔ مثلاً عربوں میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی قبیلہ کسی قبیلہ سے جنگ یا غارت گری کا انتقام نہیں لے سکا، اسی دوران قبیلہ کے سردار کی موت کا وقت آ گیا تو اپنے بعد والوں کو وصیت کر جاتا تھا کہ فلاں قبیلہ سے انتقام لینا ہے۔ یہ وصیتیں مختصر ہوتی تھیں۔ نثر کا بہترین نمونہ ہوتی تھیں۔ مختصر الفاظ میں بڑے مقاصد پنہاں ہوتے تھے۔ مقصود یہ ہوتا تھا کہ یہ پیغام مخاطب کے ذہن میں نقش ہو جائے۔ عرب چونکہ اپنے تجربات ومعلومات سینہ بہ سینہ منتقل کرتے تھے، اس لیے ان کے یہاں ان وصایا کی کافی اہمیت تھی۔ اس زمانہ میں کتب ودفاتر کا اہتمام نہیں ہوتا تھا کہ بعد کی نسل کے لیے کوئی تحریری پیغام چھوڑا جائے۔ بلکہ رخصت ہونے والا اپنی زبان سے ہی اہل کنبہ وقبیلہ کو ہدایات دیتا تھا۔ لوگ ان ہدایات کو وصیت کے طور پر نقل کرتے تھے۔ معاشرہ میں پیش رو کی اہمیت ومقام کے اعتبار سے وصیت کی بھی اہمیت ہوا کرتی تھی۔ اسے زندگی کا سرمایہ قرار دیا جاتا تھا۔ ان وصایا میں حکمت کی باتیں بھی ملتی ہیں۔

4.15 وصیت کا نمونہ

احتُضِر ذوُ الإصبع العَدواني، فدعا ابنَه أُسَيدا ليُوصيَه، فقال: "يا بنيّ إنّ أباک قد فنَي، وهو حَيّ، وعاش حتى سئِم العيشَ، وإنّي مُوصِيک بما إنْ حفِظتَه بلغتَ في قومِک ما بلغتُه، فاحفَظ عنّي، ألِنْ جانبَک لِقومک يُحِبُّوک، وتواضَعْ لهم يَرفَعوک، وابسُط لهم وجْهک يُطيعوک، ولاتستأثر عليهم بشيءٍ يُسَوِّدوک"۔

ترجمہ: ذوالاصبع العدوانی کی موت کا وقت جب قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے اُسید کو بلایا تاکہ اسے کچھ وصیت کرے۔ وصیت کرتے

ہوئے اس نے کہا: اے میرے بیٹے! تمہارا باپ مردہ ہو چکا ہے۔ حالانکہ وہ ابھی باحیات ہے۔ وہ ابھی اس طرح زندہ ہے کہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہے۔ میں تمہیں کچھ وصیت کرتا ہوں کہ اگر تم اس کا خیال رکھو گے تو اپنی قوم میں اس درجہ تک پہنچ جاؤ گے جہاں تک میں پہنچا تھا۔ میری باتوں کو یاد رکھو۔ تم اپنی قوم کے لیے نرم رویہ رکھو وہ تم سے محبت کرے گی۔ تم ان کے ساتھ عاجزی وانکساری کے ساتھ پیش آ ؤ وہ تمہیں بلند کر دیں گے۔ ان کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملو وہ تمہاری بات مانیں گے اور انہیں کسی معاملہ میں حقیر وکم حیثیت مت سمجھو وہ تمہیں اپنا سردار بنا لیں گے۔

معلومات کی جانچ

1. امثال کی تدوین میں کن لوگوں نے پیش قدمی کی؟
2. امثال کی تدوین کب سے شروع ہوئی؟
3. امثال کے ساتھ پس منظر بیان کرنے کی کیا وجہ رہی؟
4. عصر جاہلی میں امثال وحکم کو کیوں اہمیت دی جاتی تھی؟
5. امثال کی تعریف کیجیے۔
6. حکم کی تعریف کیجیے۔
7. وصایا کی تعریف کیجیے۔

4.16 اکتسابی نتائج

عربی نثر میں ضرب الامثال اور حکیمانہ اقوال کی کثرت نظر آتی ہے۔ امثال وحکم کے ذریعہ بات میں قوت اور اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ عرب اس غرض سے ان کا اکثر استعمال کرتے تھے۔ روزمرہ کی گفتگو میں اور اپنی تقریروں میں امثال وحکم کے ذریعہ جان پیدا کر دیتے تھے۔ یہ دراصل انسانی زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ امثال وحکم میں فرق یہ ہے کہ امثال کا تعلق عوامی زندگی کے کسی واقعہ سے ہوتا ہے کہ کہیں کوئی واقعہ پیش آیا تو وہاں سے مثل چل پڑی۔ پھر اس واقعہ سے مشابہ کوئی صورتحال پیش آئی تو وہ مثل پیش کر دی گئی۔ جب کہ حکم دراصل حکیمانہ اقوال ہیں۔ ان کا تعلق معاشرہ کے خواص سے ہوتا ہے۔ یعنی عقل ودانش کی بنیاد پر حکما زندگی کے تجربات سے عبرت حاصل کرتے تھے۔ پھر اسے ازراہ نصیحت دوسروں تک منتقل کرتے تھے۔ عربوں کی گفتگو میں حکیمانہ اقوال کی کثرت نظر آتی ہے۔ امثال وحکم چھوٹے چھوٹے فقروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ موقعہ کے اعتبار سے جب ان کو نقل کیا جاتا ہے تو بعینہ انہی الفاظ کا اہتمام کیا جاتا ہے جو امثال وحکم میں منقول ہیں۔ اپنی طرف سے کسی لفظ کے داخل کرنے یا تبدیل کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ امثال وحکم کے ذریعہ زبان وادب کا معیار سمجھ میں آتا ہے۔ قوم وقبیلہ کے احساس کی گہرائی اور تجربات کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ فصاحت وبلاغت کے بہترین نمونے تصور کیے جاتے ہیں۔ امثال وحکیمانہ اقوال میں خواتین عرب کا بھی کردار رہا ہے۔ تاریخ ادب عربی میں ایسی خواتین کے نام ملتے ہیں جنھوں نے اس میدان میں مقام حاصل کیا تھا۔

امثال وحکم کے علاوہ عربوں میں وصایا کا بھی اہتمام تھا۔ خاندان یا قبیلہ کا بزرگ شخص جب خود کو موت سے قریب محسوس کرتا تھا تو اپنے اہل خانہ یا قبیلہ کے لوگوں کو وصیت کرتا تھا۔ چونکہ اس زمانہ میں تحریر کا رواج نہیں تھا لہٰذا یہ وصیتیں زبانی طور پر ہی ادا کی جاتی تھیں۔ ان وصیتوں میں

زندگی کے تجربات نظر آتے ہیں۔ یہ وصیتیں کبھی نصیحت کے طور پر کی جاتی تھیں تو کبھی عزائم اور ارادوں کو مکمل کرنے کی ہدایت کے طور پر۔ یہ وصیتیں مختصر الفاظ میں ہوتی تھیں۔ لیکن کافی مؤثر اور دل پذیر ہوتی تھیں۔ ادب عربی میں ان وصیتوں کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ انہیں اس زمانہ کے ادبی نمونہ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

4.17 نمونے کے امتحانی سوالات

1. امثال کی تدوین کس طرح شروع ہوئی، تبصرہ کیجیے۔
2. امثال وحکم کو زبان کی فصاحت و بلاغت میں کیا درجہ حاصل ہے؟
3. امثال کی اصل کا پتہ چلانا کیوں مشکل ہوتا ہے؟
4. تین امثال لکھ کران کا پس منظر بتائیے۔
5. پانچ حکیمانہ اقوال لکھ کران کے معانی بتائیے۔
6. خواتین حکما کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟
7. عربوں کے یہاں وصیت کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
8. امثال وحکم کی عبارت میں موسیقیت پر اظہار خیال کیجیے۔

4.18 فرہنگ

رمَی	یرمِي	رِماية	تیر چلانا
السَهُم	(ج)	أسهامٌ	تیر
راش	يَريش	رَيْشا	پر لگانا
جنَی	يجنِي	جنًی، جَنْيا	پھل توڑنا
شَوْک	(ج)	أشواک	کانٹا
عِنَب	(ج)	أعناب	انگور
همّ	يهُمّ	هَمّا	ارادہ کرنا
رعَی	يرعَی	رَعْيا الماشية	جانور چرانا
قرَع	يقرَع	قَرْعا	آواز پیدا کرنا، کھڑکھڑانا، کھٹکھٹانا
شلّ	يشَلّ	شَلَلا	بے حرکت ہونا، مفلوج ہونا
ضاق	يضيق	ضَيْقا	تنگ ہونا
كَلْم	(ج)	كُلوم و كِلام	زخم

أنكى			پرزور، زیادہ تکلیف دہ
السِنان	(ج)	أسِنّة	نیزہ
وهَب	يهَب	وهبا	عطا کرنا، دینا
صال	يصول	صَوْلا	زور دکھانا، طاقت استعمال کرنا
أمِن	يأمَن	أمنا	محفوظ رہنا
مأمَن			محفوظ ٹھکانا
حذِر	يحذر	حَذرا	متنبہ ہونا
صرَع	يصرَع	صَرعا	پچھاڑنا
بَرَق	(ج)	بُروق	روشنی، چمک
طمَع	يطمَع	طَمعا	لالچ، حرص کرنا
أنجز	يُنجِز	إنجازا	وعدہ پورا کرنا
حرّ	(ج)	أحرار	آزاد انسان، شریف آدمی
جنَى	يجني	جِناية	جرم کرنا

4.19 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1. عربی ادب کی تاریخ — ڈاکٹر عبد الحلیم ندوی
2. عربی ادب کی تاریخ — محمد کاظم
3. تاریخ ادب عربی — احمد حسن زیات، (ترجمہ: طفیل احمد ندوی)
4. ادب عربی کی مختصر تاریخ — ڈاکٹر ابو حاتم خاں
5. تاريخ الأدب العربي (العصر الجاهلى) — ڈاکٹر شوقی ضیف

اکائی 5: قرآنی اقتباسات

اکائی کے اجزا

5.1 مقصد

5.2 تمہید

5.3 متن سبق

5.4 متن کا ترجمہ

5.5 لغوی تحقیق

5.6 ادبی صنف کا تعارف

5.6.1 صنف کی ہیئت وصورت

5.7 متن سبق کا موضوع

5.8 متن سبق کی توضیح وتشریح

5.8.1 شانِ نزول

5.8.2 صحابہ میں کوئی فاسق نہیں

5.8.3 معاشرے کو امن کا گہوارہ بنانا

5.8.4 شانِ نزول

5.8.5 معاشرے سے ظلم کا خاتمہ ہو

5.8.6 شانِ نزول

5.8.7 مذاق اڑانے کی شرعی ممانعت

5.8.8 طعنہ دینے کی مذمت

5.8.9 بدگمانی کا شرعی حکم

5.8.10 عیب تلاش کرنے کی ممانعت

5.8.11 عیب چھپانے کی فضیلت

5.8.12 انسان کی عزت وحرمت کی حفاظت میں تعلیمات قرآن کا کردار

5.8.13 نسب کے ذریعے فخر وتکبر کرنے کی مذمت

5.8.14 عزت وشرف کا معیار پرہیزگاری ہے

5.9 متن کی خصوصیات

5.10 اسلوبی خصوصیات

5.11 اکتسابی نتائج

5.12 نمونے کے امتحانی سوالات

5.13 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

5.1 مقصد

اس اکائی میں آپ:

☆ قرآن مجید کی سورۃ الحجرات کے نص کو پڑھیں گے۔

☆ سورہ حجرات میں بیان کردہ ان تعلیمات کو جانیں گے جو معاشرے کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے مدد ومعاون ثابت ہوتی ہیں۔

5.2 تمہید

قرآنِ کریم اس ربِ عظیم عزوجل کا بے مثل کلام ہے، اس نے اپنا یہ کلام سید المرسلین، تاجدارِ کائنات، حبیب رب العالمین ﷺ پر نازل فرمایا تاکہ اس کے ذریعے آپ ﷺ انسانوں کو گناہوں کے تاریک راستوں سے نکال کر صحیح اور مستقیم راستے کی طرف ہدایت دیں اور ان کے لیے دنیا وآخرت میں فلاح وکامرانی کی راہیں آسان فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں قرآن مجید ہر نافع علم پر مشتمل ہے یعنی اس میں گزشتہ واقعات کی خبریں اور آئندہ ہونے والے واقعات کا علم موجود ہے، ہر حلال وحرام کا حکم اس میں مذکور ہے اور اس میں ان تمام چیزوں کا علم ہے جن کی لوگوں کو اپنے دنیوی، دینی، معاشی اور اخروی معاملات میں ضرورت ہے۔ نزولِ قرآنِ مجید کی ابتدا رمضان کے بابرکت مہینے میں ہوئی اور روح الامین حضرت جبرئیل علیہ السلام کو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں اسے لانے کا شرف حاصل ہوا اور شبِ معراج کچھ آیات بلاواسطہ بھی عطا ہوئیں۔ قرآنِ مجید کو دنیا کی فصیح ترین زبان یعنی عربی زبان میں نازل کیا گیا تاکہ لوگ اسے سمجھ سکیں اور عرب کے رہنے والوں اور کفارِ قریش کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم اس کلام کو سن کر کیا کریں گے جسے ہم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ قرآن مجید کو حالات و واقعات کے حساب سے تھوڑا تھوڑا کر کے تقریبا 23 سال کے عرصے میں نازل کیا گیا تاکہ اس کے احکام پر عمل کرنا مسلمانوں پر بھاری نہ پڑے اور نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر کو مضبوطی حاصل ہو اور یہ اللہ تعالی کا اپنے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی امت پر بہت بڑا احسان ہے۔

قرآنِ مجید کی وہ اصطلاحات جن کے معنی ومفہوم کو قرآن اور صاحبِ قرآن کی وضاحت کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے جیسے ایمان، اسلام، نفاق، شرک، کفر، روح، نفس، بعث، صلوۃ، زکوۃ، حج، صوم، ربا، صدقہ اور انفاق وغیرہ، ان سب کا معنی نہ تو عربی لغت سے متعین کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی سمجھا جا سکتا ہے بلکہ ان کے معنی ومفہوم کے تعین کے لیے حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی طرف رجوع کرنا بہر صورت لازمی ہے اور ان کا جو معنی ومفہوم آپ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اسے بلا تردد تسلیم کرنا ضروری ہے اور جو لوگ قرآنِ مجید کی ان اصطلاحات کے معاملے میں صراطِ مستقیم سے بہک گئے ان کے بہکنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے وحیِ ربانی کے بجائے لغتِ عرب کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کی۔

5.3 متن سبق

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (1) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (2) إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ
رَسُولِ اللهِ أُوْلَئِکَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ (3) إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُونَکَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا
يَعْقِلُونَ (4) وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (5) يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِن جَاءكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن

تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (6)وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَكِنَّ اللهَ
حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُوْلَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (7)فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَنِعْمَةً وَاللهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ (8)وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ
إِلَى أَمْرِ اللهِ فَإِن فَاءتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (9)إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (10)يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَى أَن يَكُنَّ
خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيْمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (11)يَا
أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ
مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (12)يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ
أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (13)۔

5.4 متن کا ترجمہ

اے ایمان والو! (کسی بھی معاملہ میں) اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو، ڈرتے رہو بے شک اللہ سنتا اور جانتا ہے۔ ۱۔ اے اہلِ
ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے چلا کر بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو چلا کر نہ بولا
کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے (نیک) اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ ۲۔ جو لوگ پیغمبرِ الٰہی کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں یہی وہ لوگ
ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے چن لیا ہے ان کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔ ۳۔ جو لوگ تم کو حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں
ان میں اکثر بے عقل ہیں۔ ۴۔ اور اگر وہ صبر کیے رہتے یہاں تک کہ تم خود نکل کر ان کے پاس جاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان
ہے۔ ۵۔ مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو پھر تم کو
اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔ ۶۔ اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر ہیں اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن
اللہ نے تم کو ایمان کی محبت عطا کی اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔ ۷۔
(یہ سب) اللہ کے فضل اور احسان سے ہے اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ ۸۔ اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو
ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پس
جب وہ رجوع کرے تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ۹۔ مومن تو
آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ ۱۰۔ اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم
سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن
بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو ایمان لانے کے بعد بُرا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ ۱۱۔ اے اہلِ
ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں

سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ ۱۲۔ لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

5.5 لغوی تحقیق

اٰمَنوا	ایمان سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب	وہ ایمان لائے
لَاتُقَدِّمُوا	تقدیم سے جس کے معنی آگے بڑھنے کے ہیں فعل نہی کا صیغہ جمع مذکر حاضر	آگے مت بڑھو
لَاتَرْفَعُوْا	رفع سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر	آوازوں کو بلند مت کرو
اَصْوَاتَکُمْ	صوت کی جمع جس کے معنی آواز کے ہیں، أصوات مضاف کم ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ	تمہاری آواز
لَاتَجْهَرُوْا	جَهْرٌ سے فعل نہی کا صیغہ جمع مذکر حاضر جَهْر کا استعمال کبھی کھلم کھلا دیکھنے کے لیے ہوتا اور کبھی بلند آواز سے بولنے کے لیے	چلا کر مت بولو
أَنْ تَحْبَطَ	(سمع) حَبْطٌ جس کے معنی مٹنے اور اکارت ہو جانے کے ہیں	کہ ضائع ہو جائے
لَاتَشْعُرُوْنَ	شعور سے جس کے معنی بذریعہ حس جاننے کے ہیں، فعل مضارع منفی کا صیغہ جمع مذکر حاضر	تمہیں خبر نہ ہو
یَغُضُّونَ	غض مصدر (نصر) سے جس کے معنی جھکانے اور نیچا کرنے کے ہیں فعل مضارع کا صیغہ جمع مذکر غائب	نیچی آواز سے بولتے ہیں
یُنَادُونَکَ	مناداۃ مصدر (مفاعلۃ) سے مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب، ک ضمیر واحد مذکر حاضر	تم کو آواز دیتے ہیں
الْحُجُرَاتِ	حجرۃ (گھروں کی چاردیواری) کی جمع	کمرے
تَخْرُجَ	خروج (نکلنا) سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر	تم خود نکلتے
فَاسِقٌ	اسم فاعل واحد مذکر فِسقٌ اور فُسُوْقٌ مصدر، فسوق کے لغوی معنی کھجور کا اپنے چھلکے کے اندر سے باہر نکل آنا اصطلاح شریعت میں حدود شریعت سے نکل جانا، اللہ کی اطاعت سے خارج ہونے والا	نافرمان/ بدکار
فَتَبَيَّنُوا	تبیّنٌ جس کے معنی ظاہر ہونے اور واضح ہو جانے کے ہیں سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر	تم تحقیق کرلو، تم کھول لو
تُصِيْبُوا	اِصابَۃٌ سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر	تم جا پڑو/ تم پہنچاؤ
فَتُصْبِحُوا	اصباح سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر، عامل کے آنے سے نون اعرابی حذف ہو گیا	پس تم ہو جائے
نَادِمِیْنَ	واحد نادمٌ پشیمان، اسم فاعل جمع مذکر منصوب نکرہ	پشیمان/ شرمندہ ہونے والے

يُطِيْعُكُمْ	طوع (مادہ) اطاعة (مصدر) سے جس کے معنی حکم ماننے کے ہیں مضارع واحد مذکر غائب کم وہ تمہاری اطاعت کرے ضمیر مفعول	
طَائِفَتَانِ	طائفة کا تثنیہ بحالت رفع	دوگروہ، دو جماعتیں
فَأَصْلِحُوا	اصلاح سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر	تم صلح کرادو/تم ملاپ کرادو
لَايَسْخَرْ	سَخَرٌ مصدر (سمع) سے نہی کا صیغہ واحد مذکر غائب	مذاق نہ بنائے
امتحن	امتحانٌ جس کے معنی آزمانے اور جانچنے کے ہیں سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب	آزمایا
ولا تلمزوا	(ضرب) لمزٌ جس کے معنی عیب چینی کرنے اور عیب لگانے کے ہیں سے فعل نہی کا صیغہ جمع مذکر حاضر	اور نہ عیب لگاؤ
ولا تنابزوا	تنابُزٌ (آپس میں برا نام نکالنا اور ایک دوسرے کو چڑانا) یہاں چونکہ لا نہی ہے اس لیے فعل نہی ہے	اور نہ باہم چڑاؤ
بالألقاب	لقب کی جمع: لقب کی دو قسمیں ہے ایک وہ جو عزت وشرف کے اعتبار سے ہو، دوسرے وہ جو برے القاب سے چڑانے کے لیے رکھدیا جائے یہاں دوسری قسم مراد ہے	
ولا تجسسوا	تجسّس (جاسوسی کرنا، کھوج لگانا) سے فعل نہی جمع مذکر حاضر	اور نہ ایک دوسرے کی ٹٹول میں رہو
ولا يغتب	اغتیاب (مصدر) باب افتعال سے واحد مذکر غائب نہی	پس پشت برا نہ کہے
شعوبا	شعبٌ کی جمع (شعب وہ ایک برادری ہے جو شاخ در شاخ پھیل گئی ہو، عرب میں قبیلہ کی تدریجی ذاتیں/شاخیں تقسیم کثرت سے قلت کی طرف حسب ترتیب ہے: پہلے شَعْبٌ پھر قَبِيْلَةٌ پھر عَمَارَةٌ پھر بَطْنٌ پھر فَخِذٌ پھر فَصِيْلَةٌ)	
قبائل	جمع قبيلة (اس گروہ کو کہتے ہیں جو ایک ہی باپ کی نسل ہو)	قبیلے

5.6 ادبی صنف کا تعارف

قرآن کریم جہاں رعنائی خیال اور بلندی مضامین ومقاصد پر مشتمل ہے، اسی طرح دلکش اور موٴثر اسلوب اور حسین وجمیل طرز بیان بھی قرآن کا خصوصی وصف ہے، بلکہ بسا اوقات بلند اور نادر مضامین بھی بھونڈے اور فرسودہ پیرایہ بیان کی وجہ سے اپنی تاثیر کھودیتے ہیں اس کے برعکس بعض پامال اور معمولی باتیں بھی اپنی جادو بیانی اور جدتِ ادا کی وجہ سے معجزنما بن جاتی ہیں۔قرآنِ پاک جو عربی ادب کا بے بدل اور لازوال نمونہ ہے اس کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ بلند معانی اور الہامی تعلیمات کے ساتھ اس نے وہ اسلوب بیان اختیار کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے اہل عرب عاجز رہ گئے۔قرآن سے پہلے عربوں کے یہاں یا تو شعر تھا یا پھر نثر میں کاہنوں کے اقوال تھے جن میں لفظی صناعی نمایاں ہوتی تھی۔اثر یا تو شعر کا مسلم تھا یا جادو کا۔معانی کے لحاظ سے کاہنوں کے اقوال بالکل ہی کھوکھلے اور اشعار تعقل وتدبر سے عاری ہوتے تھے۔جب قرآن سامنے آیا تو سب حیران رہ گئے کہ اس کو کس صنف میں داخل کیا جائے۔ناقابل انکار تاثیر کا خیال کرتے تو اس کو شعر یا سحر کے خانے میں رکھ دیتے حالانکہ قرآن کا شعر یا سحر نہ

ہونا ایک بدیہی بات تھی۔ نثر کی ظاہری شکل پر نظر جاتی تو قولِ کاہن کے علاوہ اور کوئی دوسری صنف ہی نہ تھی۔ دراصل قرآن نے اپنی بات کو پیش کرنے کے لیے جو وسیلہ اختیار کیا اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں نہ تو بحر ہے نہ وزن ہے اور نہ قافیہ کا التزام۔ وہ سجع کے اس بوجھ سے بھی آزاد ہے جو کاہنوں کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے سادہ اسلوب میں دل میں اتر جانے والی تاثیر رکھتا ہے۔ قرآن کا قالب نثری ہے جو چھوٹے چھوٹے گٹھے ہوئے جملوں پر مشتمل ہے۔ ایسے جملے کہ ان کو ملا کر پڑھتے وقت وہ نغمہ اور صوت کے لحاظ سے ایک دوسرے کی نظیر معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے نظم و ترتیب اور اجمال و تفصیل کا وہ بہترین نمونہ پیش کیا کہ اہلِ عرب دنگ رہ گئے، ہر شاعر اور ادیب کی فصاحت و بلاغت کا ایک مخصوص میدان ہوتا ہے۔ اس میدان کا مرد دوسرے میدان میں بالکل ناکام ثابت ہوتا ہے مثلاً عربی میں امرؤالقیس رزم و بزم اور غزل کا امام ہے۔ اس سے خوف و ہیبت کا مضمون ادا نہیں ہوسکتا، یہ تو نابغہ ذبیانی کا کام ہے۔ لیکن نابغہ سے حسن طلب نہیں ہوسکتا یہ تو اعشٰی کا کام ہے۔ زہیر رغبت و امید میں بے نظیر ہے۔ لیکن قربان جایئے قرآن کے اسلوب پر ہر مضمون کو بلیغانہ و فصیحانہ اسلوب میں بیان کرتا ہے خواہ وہ ترغیب و ترہیب ہو یا رزم و بزم، جنت و جہنم کا بیان ہو یا پھر دنیا کی مذمت کا ذکر، انبیا و صالحین کے کردار کا تذکرہ ہو یا پھر گزرے ہوئے سرکشوں اور باغیوں کی عبرت آموز داستانِ حیات، ہر ایک کو اسی مضمون کے مناسب جوش و خروش اور پرشوکت و پرعظمت لفظ و نظم میں بیان کرتا ہے۔ پھر مخاطب بھی ہر قسم کے ہیں۔ اعلی درجے کے ماہرین فنون بھی، تو متوسط طبقہ کے فصیح و بلیغ نیز الھڑ قسم کے انسان بھی، قرآن کریم باوجود کہ بیان کی جملہ اقسام پر مشتمل ہے لیکن اس کے تینوں قسموں کے مخاطب بیک وقت متاثر ہوتے ہیں اور ہر کوئی سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ قرآن کا اصل خطاب اسی سے ہے۔

5.6.1 صنف کی ہیئت وصورت

قرآن کریم نہایت معجز کلام ہے، اس کا اعجاز اس کے ہر ہر لفظ میں نظر آتا ہے، اعجاز کے جتنے پہلو ہیں، بلاغت، فصاحت، حذف، واختصار، معانی و مطالب کی اثر انگیزی اور ترکیب اور بناوٹ کا حسن، صوتی ہم آہنگی یہ سارے اوصاف قرآن کریم کے تمام ہی سورتوں میں علی وجہ الا کمل پائے جاتے ہیں، اختصار اور ایجاز قرآن کریم کے اسلوب کا امتیازی وصف ہے اور اس وصف میں اس کا اعجاز نہایت نمایاں ہے، قرآن کریم چونکہ قیامت تک کے ہر زمانے کی رہنمائی کے لیے آیا ہے، اس لیے اس نے مختصر جملوں میں وہ وسیع مضامین سمیٹ دیے ہیں کہ ہر دور اور ہر زمانے میں اس سے ہدایت حاصل کی جاسکتی ہیں۔ چودہ سو سال گزر جانے پر بھی اس کے مضامین پرانے نہیں ہوئے، اس عرصے میں انسانی زندگی نے کتنے پلٹے کھائے، کیسے کیسے عظیم انقلابات رونما ہوئے، لیکن قرآن کریم سدا بہار رہا اور رہے گا۔ وہ تاریخ کی کتاب نہیں، مگر تاریخ کا مستند ترین ماٰخذ ہے، وہ سیاست و قانون کی کتاب نہیں، لیکن اس نے چند مختصر جملوں میں سیاست اور جہاں بانی کے وہ اصول بیان فرمادیے ہیں، جو رہتی دنیا تک انسانیت کی رہنمائی کریں گے۔ وہ فلسفہ اور سائنس کی کتاب نہیں، لیکن اس نے فلسفہ اور سائنس کے بہت سے عقدے کھول دیے ہیں۔ وہ معاشیات اور عمرانیات کی کتاب نہیں، لیکن دونوں موضوعات پر اس نے اختصار کے ساتھ ایسی جامع ہدایات دے دی ہیں کہ دنیا کے علوم و فنون سینکڑوں ٹھوکریں کھانے کے بعد آج ان کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ قرآن کے خوبصورت نغموں کی آواز ایسی نغمگی ایجاد کرتی ہے کہ جو کانوں کو بھلی لگتی ہے، بہت سے عیسائی عربوں نے قرآن کے انداز کی تعریفیں کی ہیں اور مستشرقین میں سے بھی جو عربی سے آشنا تھے انھوں نے قرآن کی فصاحت و لطافت اور ظرافت کو بہت سراہا ہے، جب قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو اس کی خاص جاذبیت سننے والے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، یہ قرآن کی مٹھاس اور دلنشین آواز ہی تو تھی جس نے سرزنش کرنے والی آوازوں کو خاموش کرادیا اور شریعت رسول ؐ کے جسم میں روح پھونک دی اور اسے ناقابلِ تقلید بنا

دیا، وسیع عربی نظم ونثر اور عرب ادبیات کے دامن میں فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے قرآن سے بلند پایہ اور پر مایہ کتاب موجود نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا عظیم اثر موجود ہے کہ جس کا موازنہ قرآن سے کیا جا سکے، قرآن کے عرب وغیر عرب پر اس حد تک گہرے اثرات ہیں کہ وہ اس کے سامنے بے اختیار نظر آتے ہیں۔

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، اس کا لفظ لفظ اعجاز سے بھرا ہوا ہے، دنیا میں بسنے والے ہر ہر انسان کو اس میں خطاب کیا گیا ہے اور ہر ایک کی ذہنی سطح کا اس میں خیال رکھا گیا ہے، اس کی مختلف آیتوں اور مختلف سورتوں میں انسان کی رہنمائی کا پورا سامان موجود ہے، اس کے کسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا، کوئی بھی اگر کھلے دل سے اس کا مطالعہ کرتا ہے تو خواہ وہ ہدایت سے کتنا ہی دور ہو، حقائق اس کے سامنے کھلنے لگتے ہیں اور آہستہ آہستہ وہ اپنے پیدا کرنے والے سے قریب ہوتا جاتا ہے، اس کی تلاوت قربِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اس میں زندگی کا جو دستور دیا گیا ہے وہ پوری دنیا کے لیے سلامتی اور ترقی کا ضامن ہے، سماجی واخلاقی نظام جو اس میں بنایا گیا ہے وہ کسی بھی سماج کے لیے منارہ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

سورہ حجرات جو صرف اٹھارہ آیتوں پر مشتمل ہے، سماج کے لیے ایک عظیم رہبر سورہ ہے، جس میں عقیدہ واخلاق کی تعلیمات کے ساتھ انسانی حقائق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عقل پر سے پردے ہٹتے چلتے جاتے اور ایسے بلند آفاق سامنے آتے ہیں جن کی طرف انسانی عقل کی رسائی بغیر رہبری کے ممکن نہیں تھی، اس میں دل کی غذا اور روح کی شفا کا ایسا سامان موجود ہے کہ اگر اس کو اختیار کر لیا جائے تو سکون واطمینان کی حقیقی دولت انسان کو نصیب ہوتی ہے۔

اس میں دنیا کے قیام وبقا اور صلاح کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں اور پھر اس کو باقی رکھنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے اور ایسے صاف ستھرے سماج کی تشکیل کی گئی ہے جو اشرف المخلوقات کے لیے ضروری ہے اور اس پر اس کی کامیابی کا انحصار ہے۔

5.7 متن سبق کا موضوع

اس سورت کا موضوع مسلمانوں کو ان آداب کی تعلیم دینا ہے جو اہل ایمان کے شایان شان ہیں۔ ابتدائی پانچ آیتوں میں ان کو وہ ادب سکھایا گیا ہے جو انہیں اللہ اور اس کے رسول کے معاملے میں ملحوظ رکھنا چاہیے۔ پھر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ہر خبر پر یقین کر لینا اور اس پر کوئی کارروائی کر گزرنا مناسب نہیں ہے۔ اگر کسی شخص یا گروہ یا قوم کے خلاف کوئی اطلاع ملے تو غور سے دیکھنا چاہیے کہ خبر ملنے کا ذریعہ قابل اعتماد ہے یا نہیں۔ قابل اعتماد نہ ہو تو اس پر کارروائی کرنے سے پہلے تحقیق کر لینا چاہیے کہ خبر صحیح ہے یا نہیں۔ اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اس صورت میں دوسرے مسلمانوں کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ پھر مسلمانوں کو ان برائیوں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے جو اجتماعی زندگی میں فساد برپا کرتی ہیں اور جن کی وجہ سے آپس کے تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، ایک دوسرے پر طعن کرنا، ایک دوسرے کے برے برے نام رکھنا، بدگمانیاں کرنا، دوسرے کے حالات کی کھوج کرید کرنا، لوگوں کو پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرنا، یہ وہ افعال ہیں جو بجائے خود بھی گناہ ہیں اور معاشرے میں بگاڑ بھی پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالی نے نام بنام ان کا ذکر فرما کر انہیں حرام قرار دے دیا ہے۔ اس کے بعد قومی اور نسلی امتیازات پر ضرب لگائی گئی ہے جو دنیا میں عالمگیر فسادات کے موجب ہوتے ہیں۔ قوموں اور قبیلوں اور خاندانوں کا اپنے شرف پر فخر وغرور اور دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھنا اور اپنی بڑائی قائم کرنے کے لیے دوسروں کو گرانا، ان اہم اسباب میں سے ہے جن کی بدولت

دنیا ظلم سے بھر گئی ہے۔ اللہ تعالی نے ایک مختصر سی آیت نازل فرما کر اس برائی کی جڑ کاٹ دی ہے کہ تمام انسان ایک ہی اصل سے پیدا ہوئے ہیں اور قوموں اور قبیلوں میں ان کا تقسیم ہونا تعارف کے لیے ہے نہ کہ تفاخر کے لیے اور ایک انسان پر دوسرے انسان کی فوقیت کے لیے اخلاقی فضیلت کے سوا اور کوئی جائز بنیاد نہیں ہے۔

5.8 متن سبق کی توضیح وتشریح

یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا۔۔۔: اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے ایمان والوں کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کا ادب واحترام ملحوظ رکھنے کی تعلیم دی ہے اور آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی اجازت کے بغیر کسی قول اور فعل میں اصلاً ان سے آگے نہ بڑھنا تم پر لازم ہے کیونکہ یہ آگے بڑھنا رسولِ کریم ﷺ کے ادب واحترام کے خلاف ہے جب کہ بارگاہِ رسالت میں نیازمندی اور آداب کا لحاظ رکھنا لازم ہے اور تم اپنے تمام اقوال وافعال میں اللہ تعالی سے ڈرو کیونکہ اگر تم اللہ تعالی سے ڈرو گے تو یہ ڈرنا تمہیں آگے بڑھنے سے روکے گا اور ویسے بھی اللہ تعالی کی شان یہ ہے کہ وہ تمہارے تمام اقوال کو سنتا اور تمام افعال کو جانتا ہے اور جس کی ایسی شان ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔

اس آیت کے شانِ نزول سے متعلق مختلف روایات ہیں، ان میں سے دو روایات درج ذیل ہیں:

(1) چند لوگوں نے عید الاضحیٰ کے دِن سرکارِ دو عالم ﷺ سے پہلے قربانی کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ دوبارہ قربانی کریں۔

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ بعض لوگ رمضان سے ایک دن پہلے ہی روزہ رکھنا شروع کر دیتے تھے، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ روزہ رکھنے میں اپنے نبی ﷺ سے آگے نہ بڑھو۔ (مدارک، حجرات: ۱، ص: ۱۱۵۰-۱۱۴۹)

آیت: **لَا تُقَدِّمُوا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ** سے متعلق چند باتیں ملاحظہ ہوں:

(1) اللہ تعالی کی بارگاہ میں سید المرسلین ﷺ کی شان اتنی بلند ہے کہ ان کی بارگاہ کے آداب اللہ تعالی نے ارشاد فرمائے ہیں۔

(2) اس آیت میں اللہ تعالی اور رسولِ کریم ﷺ دونوں سے آگے نہ بڑھنے کا حکم فرمایا گیا حالانکہ اللہ تعالی سے آگے ہونا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ وہ نہ زمانہ میں ہے نہ کسی مکان میں اور آگے ہونا یا زمانے میں ہوتا ہے یا جگہ میں، معلوم ہوا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ سے آگے نہ بڑھو، ان کی بے ادبی در اصل اللہ تعالی کی بے ادبی ہے۔

(3) حضور پرنور ﷺ کے خادم کی حیثیت سے یا کسی ضرورت کی بنا پر آپ سے اجازت لے کر آگے بڑھنا اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، لہٰذا احادیث میں جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے آگے آگے چلنا مذکور ہے وہ اس آیت میں داخل نہیں کیونکہ ان کا چلنا خادم کی حیثیت سے تھا، یونہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا امامت کروانا بھی اس میں داخل نہیں کیونکہ آپ کا یہ عمل حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کی اجازت سے تھا۔

(4) علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: علمائے کرام چونکہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے وارث ہیں اس لیے ان سے آگے بڑھنا بھی اس ممانعت میں داخل ہے اور اس کی دلیل حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی وہ روایت ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: حضورِ

اقدس صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے آگے چلتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا اے ابو درداء! کیا تم اس کے آگے چلتے ہو جو تم سے بلکہ ساری دنیا سے افضل ہے۔(روح البیان ۱،۹/۲۶)

یاد رہے کہ یہ ادب ان علمائے کرام کے لیے ہے جو اہلِ حق اور باعمل ہیں کیونکہ یہی علما درحقیقت انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے وارث ہیں جب کہ بدمذہبوں کے علما اور بے عمل عالم اس ادب کے مستحق نہیں ہیں۔

مفسرین نے اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں مختلف روایات ذکر کی ہیں، ان میں سے چند روایات درج ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: دو بہترین حضرات ہلاک ہونے کے قریب جا پہنچے تھے، ہوا یوں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہما نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں اس وقت اپنی آوازیں اونچی کر دی تھیں جب بنو تمیم کے سوار بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تھے، ان میں سے ایک صاحب نے بنی مجاشع کے بھائی اقرع بن حابس کی طرف اشارہ کیا کہ انہیں ان کی قوم کا حاکم بنا دیا جائے اور دوسرے نے ایک اور شخص کی جانب اشارہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: آپ یہ کہہ کر میری مخالفت کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: میں تو آپ کی مخالفت کرنا نہیں چاہتا۔ یہ گفتگو کرتے ہوئے ان دونوں حضرات کی آوازیں بلند ہوگئیں، اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ (بخاري، کتاب التفسیر: ۳/۳۳۱، حدیث: ۴۸۴۵)

صحیح بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہما سے یہی واقعہ مروی ہے، البتہ اس کے آخر میں یہ ہے کہ اس گفتگو کے دوران ان کی آوازیں بلند ہوگئیں تو اس معاملے میں یہ آیت نازل ہوئی يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا یہاں تک کہ آیت وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ تک پوری ہوگئی۔ (بخاری، کتاب التفسیر ۳/ ۳۳۲، حدیث: ۴۸۴۷) اس صورت میں اس شانِ نزول کا تعلق آیت نمبر 1 اور 2 دونوں سے ہے۔

(2) دوسرا شانِ نزول یہ بیان ہوا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ والِہ وسلم کی بارگاہ میں منافقین اپنی آوازیں بلند کیا کرتے تھے تاکہ کمزور مسلمان اس معاملے میں ان کی پیروی کریں، اس پر مسلمانوں کو بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالی علیہ والِہ وسلم میں آواز بلند کرنے سے منع کر دیا گیا تاکہ منافق اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں (قرطبی: ۲، ۸/ ۲۲۰، الجزالسادس عشر)

نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے کوئی بے ادبی سرزد ہوئی ہو جس پر انہیں تنبیہ کی گئی ہو، عین ممکن ہے کہ پیش بندی کے طور پر انہیں یہ آداب تعلیم فرمائے گئے ہوں اور بے ادبی کی سزا سے آگاہ کیا گیا ہو۔

آیت: لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا حال:

جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم بہت محتاط ہو گئے اور تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالی علیہ والِہ وسلم سے گفتگو کے دوران بہت سی احتیاطوں کو اپنے اوپر لازم کر لیا تاکہ آواز زیادہ بلند نہ ہونے پائے، نیز اپنے علاوہ دوسروں کو بھی اس ادب کی سختی سے تلقین کرتے تھے، اسی طرح آپ کے وصالِ ظاہری کے بعد آپ کے روضہ انور کے پاس خود بھی آواز بلند نہ کرتے اور دوسروں کو بھی آواز اونچی کرنے سے منع کرتے تھے، یہاں اسی سے متعلق چند واقعات ملاحظہ ہوں:

(1) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ نازل ہوئی تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالی کی قسم! آئندہ میں آپ سے سرگوشی کے انداز میں بات کیا کروں گا۔ (کنز العمال، کتاب الاذکار ا/ ۲۱۴، الجزء الثانی، الحدیث: ۴۶۰۴)

(2) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: یہ آیت نازل ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کا حال یہ تھا کہ آپ رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کی بارگاہ میں بہت آہستہ آواز سے بات کرتے حتی کہ بعض اوقات حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کو بات سمجھنے کے لیے دوبارہ پوچھنا پڑتا کہ کیا کہتے ہو۔ (ترمذی، کتاب التفسیر ۵/ ۱۷۷، حدیث: ۳۲۷۷)

(3) حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالی عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور (اللہ تعالی کے خوف کی وجہ سے) کہنے لگے: میں اہلِ نار سے ہوں۔ (جب یہ کچھ عرصہ بارگاہِ رسالت میں حاضر نہ ہوئے تو) حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ سے ان کا حال دریافت فرمایا، انھوں نے عرض کی: وہ میرے پڑوسی ہیں اور میری معلومات کے مطابق انہیں کوئی بیماری بھی نہیں ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ تعالی عنہ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے کہا: یہ آیت نازل ہوئی ہے اور تم لوگ جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں (اور جب ایسا ہے) تو میں جہنمی ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ صورتِ حال حضور پرنور صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: (وہ جہنمی نہیں) بلکہ وہ جنت والوں میں سے ہیں۔ (مسلم، کتاب الایمان: ۱۸۷)

إِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللہِ۔۔۔: بے شک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں۔

شانِ نزول: جب یہ آیت یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَکُمْ نازل ہوئی تو اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور کچھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے بہت احتیاط لازم کر لی اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بہت ہی پست آواز سے عرض معروض کرتے (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے)، ان حضرات کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے عمل کو سراہتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا بے شک جو لوگ ادب اور تعظیم کے طور پر اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کی بارگاہ میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالی نے پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا (اور ان میں موجود پرہیزگاری کو ظاہر فرما دیا) ہے، ان کے لیے آخرت میں بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (جلالین مع صاوی، حجرات: ۳، ۵/ ۱۹۸۸، ۱۹۸۷)

آیت إِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَھُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(1) تمام عبادات بدن کا تقوی ہیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کا ادب دل کا تقوی ہے۔

(2) اللہ تعالی نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے دل تقوی کے لیے پرکھ لیے ہیں تو جو انہیں معاذ اللہ فاسق مانے وہ اس آیت کا منکر ہے۔

(3) صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم انتہائی پرہیزگار اور اللہ تعالی سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے کیونکہ جس نے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کو اللہ تعالی کا رسول مان لیا اور آپ کی اس قدر تعظیم کی کہ آپ کے سامنے اس ڈر سے اپنی آواز تک بلند نہ کی کہ کہیں بلند آواز سے بولنے کی بنا پر اس کے اعمال ضائع نہ ہو جائیں تو اس کے دل میں اللہ تعالی کی تعظیم اور اس کا خوف کتنا زیادہ ہو گا۔

(4) حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہما کی بخشش یقینی ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ان کی بخشش کا اعلان فرما دیا ہے۔

(5) ان دونوں بزرگوں کا اجر وثواب ہمارے وہم وخیال سے بالا ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اسے عظیم فرمایا ہے۔

حضرت ثابت رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی معذوری کے باوجود اپنے اوپر یہ لازم کر لیا تھا کہ وہ کبھی نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند نہیں کریں گے، ان کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ہم اہلِ جنت میں سے ایک شخص کو اپنے سامنے چلتا ہوا دیکھتے تھے اور جب یمامہ کے مقام پر مسیلمہ سے جنگ ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالی عنہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ شکست کھا گیا ہے، یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: ان لوگوں پر افسوس ہے، پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالی کے دشمنوں سے اس طرح جنگ نہیں کیا کرتے تھے۔ پھر یہ دونوں ڈٹ گئے اور لڑائی کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد ایک صحابی رضی اللہ تعالی عنہ نے انہیں خواب میں دیکھا، انھوں نے فرمایا: فلاں شخص میری ذرع اتار کر لے گیا ہے اور وہ لشکر کے کونے میں گھوڑے کے پاس پتھر کی ہنڈیا کے نیچے رکھی ہوئی ہے، لہٰذا آپ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس جائیں اور انہیں اس کی خبر دیں تاکہ وہ میری ذرع واپس لے سکیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس جائیں اور ان سے عرض کریں: مجھ پر قرض ہے، تاکہ وہ میرا قرض ادا کر دیں اور میرا فلاں غلام آزاد ہے۔ چنانچہ ان صحابی رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کو اس کی خبر دی تو انھوں نے ذرع اور گھوڑے کو اسی طرح پایا جیسے حضرت ثابت رضی اللہ تعالی عنہ نے بیان فرمایا تھا، انھوں نے ذرع لے لی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو اس خواب کی خبر دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کی وصیت کو نافذ کر دیا۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: مجھے اس وصیت کے علاوہ کوئی ایسی وصیت معلوم نہیں جو کسی کی وفات کے بعد نافذ کی گئی ہو۔ (صاوی: ۳، ۵/ ۱۹۸۸)۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ۔۔۔۔: بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔

5.8.1 شانِ نزول

بنو تمیم کے چند لوگ دوپہر کے وقت رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، اس وقت حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم آرام فرما رہے تھے، ان لوگوں نے حجروں کے باہر سے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کو پکارنا شروع کر دیا اور حضور پرنور صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم باہر تشریف لے آئے، ان لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی جلالتِ شان کو بیان فرمایا گیا کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں اس طرح پکارنا جہالت اور بے عقلی ہے۔ (مدارک، الحجرات: ۴، ص ۱۱۵۱)

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا۔۔۔۔: اور اگر وہ صبر کرتے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو ادب کی تلقین کی گئی کہ انہیں رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کو پکارنے کی بجائے صبر اور انتظار کرنا چاہئے تھا یہاں تک کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم خود ہی مقدس حجرے سے باہر نکل کر ان کے پاس تشریف لے آتے اور اس کے بعد یہ لوگ اپنی عرض پیش کرتے۔ اگر وہ اپنے اوپر لازم اس ادب کو بجا لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور جن سے یہ بے ادبی سرزد ہوئی ہے اگر وہ توبہ کریں تو اللہ تعالی انہیں بخشنے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ (روح البیان، حجرات: ۵، ۹/ ۶۸)

اس آیت سے مزید دو باتیں معلوم ہوئیں:

(1) اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کے دربار شریف کے آداب اللہ تعالی نے بنائے اور اسی نے سکھائے ہیں یاد رہے کہ یہ آداب صرف انسانوں پر ہی جاری نہیں بلکہ جنوں، انسانوں اور فرشتوں سب پر جاری ہیں اور یہ آداب کسی خاص وقت تک کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ہیں۔

(2) اکابرین کی بارگاہ کا ادب کرنا بندے کو بلند درجات تک پہنچاتا ہے اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے نوازتا ہے۔

یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوا۔۔۔: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو۔

ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے جس میں کسی کی شکایت ہو تو صرف اس کی بات پر اعتماد نہ کرو بلکہ تحقیق کرلو کہ وہ صحیح ہے یا نہیں کیونکہ جو فسق سے نہیں بچا وہ جھوٹ سے بھی نہ بچے گا تا کہ کہیں کسی قوم کو انجانے میں تکلیف نہ دے بیٹھو پھر ان کی برأت ظاہر ہونے کی صورت میں تمہیں اپنے کیے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم نے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالی عنہ کو بنی مصطلق سے صدقات وصول کرنے بھیجا، زمانہ جاہلیت میں اِن کے اور ان کے درمیان دشمنی تھی، جب حضرت ولید رضی اللہ تعالی عنہ ان کے علاقے کے قریب پہنچے اور ان لوگوں کو خبر ہوئی تو اس خیال سے کہ حضرت ولید رضی اللہ تعالی عنہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں، بہت سے لوگ ان کی تعظیم کے لیے ان کا استقبال کرنے آئے، لیکن حضرت ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے گمان کیا کہ یہ پرانی دشمنی کی وجہ سے مجھے قتل کرنے آرہے ہیں، یہ خیال کر کے حضرت ولید رضی اللہ تعالی عنہ واپس ہو گئے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم سے (اپنے گمان کے مطابق) عرض کر دیا کہ حضور! صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم ان لوگوں نے صدقہ دینے سے منع کر دیا اور مجھے قتل کرنے کے درپے ہو گئے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کو حالات کی تحقیق کے لیے بھیجا، حضرت خالد رضی اللہ تعالی عنہ نے دیکھا کہ وہ لوگ اذانیں کہتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور ان لوگوں نے صدقات پیش کر دیے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالی عنہ یہ صدقات لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا، اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (مدارک، حجرات ۶: ص: ۱۱۵۲، روح البیان: ۶،۹/۱۷، ۷۰)

5.8.2 صحابہ میں کوئی فاسق نہیں

یاد رہے کہ اس آیت میں بطورِ خاص حضرت ولید رضی اللہ تعالی عنہ کو فاسق نہیں کہا گیا بلکہ ایک اسلامی قانون بیان کیا گیا ہے لہٰذا اس آیت کی بنا پر انہیں فاسق نہیں کہہ سکتے، جیسا کہ علامہ احمد صاوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: اس آیت کے نزول کا سبب اگرچہ حضرت ولید رضی اللہ تعالی عنہ کا واقعہ ہے لیکن فاسق سے مراد بطورِ خاص حضرت ولید رضی اللہ تعالی عنہ نہیں ہیں کیونکہ آپ فاسق نہیں بلکہ عظیم صحابی ہیں۔ (صاوی، حجرات ۶،۵/۱۹۹۱، ۱۹۹۰)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِس آیت کے پیشِ نظر کسی شخص کا حضرت ولید رضی اللہ تعالی عنہ پر فاسق کا اطلاق کرنا بڑی خطا ہے کیونکہ انھوں نے وہم اور گمان کیا جس میں خطا کر گئے اور خطا کرنے والے کو فاسق نہیں کہا جاتا۔ (تفسیر کبیر، حجرات: ۶، ۱۰/ ۹۸)

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب اگرچہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالی عنہ کا واقعہ ہی ہو، لیکن یہ نہیں ہے کہ آیت میں بطورِ

خاص آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو ہی فاسق کہا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس واقعے میں یا اس سے پہلے ان سے کوئی ایسا کام سرزد نہیں ہوا جس کی بنا پر انہیں فاسق کہا جا سکے اور اس واقعے میں بھی انھوں نے بنو مصطلق کی طرف جو بات منسوب کی تھی وہ اپنے گمان کے مطابق صحیح سمجھ کر کی تھی اگرچہ حقیقت میں وہ غلط تھی اور یہ ایسی چیز نہیں جس کی بنا پر کسی کو فاسق قرار دیا جا سکے۔

5.8.3 معاشرے کو امن کا گہوارہ بنانا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دینِ اسلام ان کاموں سے روکتا ہے جو معاشرتی امن کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اور وہ کام کرنے کا حکم دیتا ہے جن سے معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بنتا ہے، جیسے مذکورہ بالا آیت میں بیان کیے گئے اصول کو اگر ہم آج کل کے دور میں پیشِ نظر رکھیں تو ہمارا معاشرہ امن کا گہوارہ بن سکتا ہے کیونکہ ہمارے ہاں لڑائی جھگڑے اور فسادات ہوتے ہی اسی وجہ سے ہیں کہ جب کسی کو کوئی اطلاع دی جاتی ہے تو وہ اس کی تصدیق نہیں کرتا بلکہ فوراً غصہ میں آجاتا ہے اور وہ کام کر بیٹھتا ہے جس کے بعد ساری زندگی پریشان رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں خاندانی طور پر جو جھگڑے ہوتے ہیں وہ اسی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ چاہے وہ ساس بہو کا معاملہ ہو یا شوہر و بیوی کا کہ تصدیق نہیں کی جاتی اور لڑائیاں شروع کر دی جاتی ہیں۔

آیت: إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ:

(1) ایک شخص اگر عادل ہو تو اس کی خبر معتبر ہے۔

(2) حاکم یک طرفہ بیان پر فیصلہ نہ کرے بلکہ فریقین کا بیان سن کر ہی کوئی فیصلہ کرے۔

(3) غیبت کرنے والے اور چغل خور کی بات ہرگز قبول نہ کی جائے۔

(4) کسی کام میں جلدی نہ کی جائے ورنہ بعد میں پچھتانا پڑ سکتا ہے۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللهِ۔۔۔: اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول تشریف فرما ہیں۔

اس آیت اور اس کے بعد والی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ تعالی کے رسول تشریف فرما ہیں، اگر تم میں سے کوئی ان سے جھوٹ بولے گا تو اللہ تعالی انہیں خبردار کر دے گا اور وہ (اس کے حکم سے) تمہارا حال ظاہر کر کے تمہیں رسوا کر دیں گے، لہٰذا تم ان سے کوئی باطل بات نہ کہو اور یاد رکھو کہ اگر تمہارے بتائے ہوئے بہت سے معاملات میں وہ تمہاری بات ہی مانیں اور تمہاری رائے کے مطابق حکم دیدیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ضرور مشقت میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ تعالی نے تم پر رحم کرتے ہوئے انہیں اس سے بچا لیا اور تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے جس کی برکت سے تم رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کی حکم عدولی نہیں کرتے اور کفر، حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی ہے جس کے باعث تم نافرمانی سے متنفر ہو، ایسے ہی لوگ رشد و ہدایت والے ہیں اور اللہ تعالی کے فضل واحسان سے حق راستے پر قائم ہیں اور اللہ تعالی کی شان یہ ہے کہ وہ ان کے احوال کا علم رکھنے والا اور ان پر انعام فرمانے میں حکمت والا ہے۔ (مدارک، حجرات: ۸،۷، ص ۱۱۵۲)

آیت وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللهِ سے معلوم ہونے والی چند اہم باتیں:

(1) حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کی بارگاہ میں جھوٹ بولنا سخت گناہ ہے۔

(2) ایمان پیارا معلوم ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔

(3) ایمان کا کمال اپنی کوشش سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔

(4) گناہ نہ کرنا بھی کمال ہے لیکن گناہ سے دل میں نفرت پیدا ہو جانا بڑا کمال ہے کیونکہ یہ نفرت گناہوں سے مستقل طور پر بچا لیتی ہے۔

(5) تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کفر وفسق اور گناہ سے دلی بیزار ہیں، ان کے دلوں میں ایمان، تقویٰ اور رشد و ہدایت ایسی رچ گئی ہے جیسے گلاب کے پھول میں رنگ و بو۔

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا۔۔۔: اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان میں صلح کروا دو۔

5.8.4 شانِ نزول

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے، اس دوران انصار کی مجلس کے پاس سے گزر ہوا تو وہاں تھوڑی دیر ٹھہرے، اس جگہ دراز گوش نے پیشاب کیا تو عبداللہ بن ابی نے ناک بند کر لی۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضورِ اکرم ﷺ کے دراز گوش کا پیشاب تیرے مشک سے بہتر خوشبو رکھتا ہے۔ نبی رحمت ﷺ تو تشریف لے گئے لیکن ان دونوں میں بات بڑھ گئی اور ان دونوں کی قومیں آپس میں لڑ پڑیں اور ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ گئی، صورتِ حال معلوم ہونے پر سرکارِ دو عالم ﷺ واپس تشریف لائے اور ان میں صلح کرا دی، اس معاملے کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور ارشاد فرمایا گیا اے ایمان والو! اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم سمجھا کر ان میں صلح کرا دو، پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرے اور صلح کرنے سے انکار کر دے تو مظلوم کی حمایت میں اس زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف پلٹ آئے تو انصاف کے ساتھ دونوں گروہوں میں صلح کروا دو اور دونوں میں سے کسی پر زیادتی نہ کرو (کیونکہ اس جماعت کو ہلاک کرنا مقصود نہیں بلکہ سختی کے ساتھ راہِ راست پر لانا مقصود ہے) اور صرف اس معاملے میں ہی نہیں بلکہ ہر چیز میں عدل کرو، بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے تو وہ انہیں عدل کی اچھی جزا دے گا۔ (مدارک، الحجرات: ۹، ص: ۱۱۵۳)

آیت: وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ ملاحظہ ہو:

(1) جنگ وجدال گناہ ہے، مگر یہاں دونوں فریقوں کو مومن فرمایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کفر نہیں ہے۔

(2) مسلمانوں میں صلح کرانا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کی سنت اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔

(3) غلط فہمی کی وجہ سے بادشاہِ اسلام کی مخالفت یا اس سے جنگ کرنے والا کافر اور فاسق نہیں بلکہ مومن ہے۔

(4) سلطانِ اسلام باغیوں سے جنگ کرے یہاں تک کہ وہ اپنی بغاوت سے باز آ جائیں۔

(5) یہ جنگ جہاد نہ ہوگی، نہ ان باغیوں کا مال غنیمت ہوگا، نہ ان کے قیدی لونڈی غلام بنائے جائیں گے بلکہ ان کا زور توڑ کر ان سے برادرانہ سلوک کیا جائے گا۔

5.8.5 معاشرے سے ظلم کا خاتمہ ہو

ظلم ایک ایسا بدترین فعل ہے جس سے انسان اپنے بنیادی حق سے محروم ہو کر اذیت اور کرب کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور یہ وہ

عمل ہے جس سے جھگڑے اور فسادات جنم لیتے، لوگ بغاوت اور سرکشی پر اتر آتے اور اصول و قوانین ماننے سے انکار کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں انسانی حقوق تلف ہوتے اور معاشرے کا امن و سکون تباہ ہو کر رہ جاتا ہے، دینِ اسلام چونکہ انسانی حقوق کا سب سے بڑا محافظ اور معاشرتی امن کو برقرار رکھنے کا سب سے زیادہ حامی ہے اسی لیے اس دین نے انسانی حقوق تلف کرنے اور معاشرتی امن میں بگاڑ پیدا کرنے والے ہر فعل سے روکا ہے اور ان چیزوں میں ظلم کا کردار دوسرے افعال کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اس لیے اسلام نے ظلم کے خاتمے کے لیے بھی انتہائی احسن اِقدامات کیے ہیں تا کہ لوگوں کے حقوق محفوظ رہیں اور وہ امن و سکون کی زندگی بسر کریں، ان میں سے ایک اِقدام لوگوں کو یہ حکم دینا ہے کہ وہ ظالم کو روکیں اور دوسرا اِقدام ظالم کو وعیدیں سنانا ہے تا کہ وہ خود اپنے ظلم سے باز آ جائے، معاشرتی امن کو قائم کرنے اور اس کی راہ میں حائل ایک بڑی رکاوٹ ظلم کو ختم کرنے میں اسلام کا کردار سب سے زیادہ ہے اور اس کی کوششیں دوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ کارگر ہیں کیونکہ جب لوگ ظالم کو ظلم کرنے سے روک دیں گے تو وہ ظلم نہ کر سکے گا اور ظالم جب اتنی ہولناک وعیدیں سنے گا تو اس کے دل میں خوف پیدا ہو گا اور یہی خوف ظلم سے باز آنے میں اس کی مدد کرے گا، یوں معاشرے سے ظلم کا جڑ سے خاتمہ ہو گا اور معاشرہ امن و سکون کا پر لطف باغ بن جائے گا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔۔۔۔۔: مسلمان (ایک دوسرے کے) بھائی بھائی ہیں۔

ارشاد فرمایا: مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں کیونکہ یہ آپس میں دینی تعلق اور اسلامی محبت کے ساتھ مربوط ہیں اور یہ رشتہ تمام دنیوی رشتوں سے مضبوط تر ہے، لہٰذا جب کبھی دو بھائیوں میں جھگڑا واقع ہو تو ان میں صلح کرا دو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم پر رحمت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور پرہیزگاری اختیار کرنا ایمان والوں کی باہمی محبت اور الفت کا سبب ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔ (مدارک، حجرات: ۱۰، ص: ۱۱۵۳)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے باہمی تعلقات سمجھنے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ۔۔۔۔۔: اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں پر نہ ہنسیں۔

5.8.6 شانِ نزول

اس آیتِ مبارکہ کے مختلف حصوں کا نزول مختلف واقعات میں ہوا ہے اور آیت کے زیرِ تفسیر حصے کے نزول سے متعلق دو واقعات درج ذیل ہیں:

(1) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونچا سنتے تھے، جب وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والِہ وسلم کی مجلس شریف میں حاضر ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہیں آگے بٹھاتے اور ان کے لیے جگہ خالی کر دیتے تا کہ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والِہ وسلم کے قریب حاضر رہ کر کلام مبارک سن سکیں۔ ایک روز انہیں حاضری میں دیر ہو گئی اور جب مجلس شریف خوب بھر گئی اس وقت آپ تشریف لائے اور قاعدہ یہ تھا کہ جو شخص ایسے وقت آتا اور مجلس میں جگہ نہ پاتا تو جہاں ہوتا وہیں کھڑا رہتا۔ لیکن حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو وہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والِہ وسلم کے قریب بیٹھنے کے لیے لوگوں کو ہٹاتے ہوئے یہ کہتے چلے کہ جگہ دو جگہ یہاں تک کہ حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والِہ وسلم کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ ان کے اور حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والِہ وسلم کے درمیان میں صرف ایک شخص رہ گیا، انھوں نے اس سے بھی کہا کہ جگہ دو، اس نے کہا: تمہیں جگہ مل گئی ہے اس لیے بیٹھ جاؤ۔ حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ میں آ کر اس کے پیچھے بیٹھ گئے۔ جب دن خوب روشن ہوا تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا جسم دبا کر کہا: کون؟ اس نے کہا: میں فلاں شخص

ہوں۔حضرت ثابت رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کی ماں کا نام لے کر کہا: فلانی کا لڑکا۔اس پر اس شخص نے شرم سے سر جھکا لیا کیونکہ اس زمانے میں ایسا کلمہ عار دلانے کے لیے کہا جاتا تھا،اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(2) حضرت ضحاک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: یہ آیت بنی تمیم کے ان افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت سلمان اور حضرت سالم وغیرہم غریب صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی غربت دیکھ کر ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ مرد مردوں سے نہ ہنسیں، یعنی مال دار غریبوں کا، بلند نسب والے دوسرے نسب والوں کا، تندرست اپاہج کا اور آنکھ والے اس کا مذاق نہ اڑائیں جس کی آنکھ میں عیب ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ ان ہنسنے والوں سے صدق اور اخلاص میں بہتر ہوں۔(خازن، حجرات:۱۱، ۱۶۹/۴)

آیت کے دوسرے شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص میں فقر، محتاجی اور غریبی کے آثار نظر آئیں تو ان کی بنا پر اس کا مذاق نہ اڑایا جائے، ہوسکتا ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ مذاق اڑانے والے کے مقابلے میں دینداری کے لحاظ سے کہیں بہتر ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں، ان کے پاس دو پرانی چادریں ہوتی ہیں اور انہیں کوئی پناہ نہیں دیتا (لیکن اللہ تعالی کی بارگاہ میں ان کا رتبہ و مقام یہ ہوتا ہے کہ) اگر وہ اللہ تعالی پر قسم کھالیں کہ اللہ تعالی فلاں کام کرے گا تو اللہ تعالی وہ کام کر کے ان کی قسم کو سچا کر دیتا ہے۔(ترمذی، کتاب المناقب: ۴۵۹/۵، حدیث: ۳۸۸۰)

حضرت حارث بن وہب خزاعی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں جنتی لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ یہ ہر وہ شخص ہے جو کمزور اور (لوگوں کی نگاہوں میں) گرا ہوا ہے، اگر وہ اللہ تعالی پر قسم کھالے تو اللہ تعالی ضرور اس کی قسم سچی کر دے گا۔(ترمذی، کتاب صفۃ جہنم، ۱۳۔باب ۲۷۲/۴، حدیث: ۲۶۱۴)

وَ لَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ: اور نہ عورتیں دوسری عورتوں پر ہنسیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں۔

5.8.7 شانِ نزول

آیتِ مبارکہ کے اس حصے کے نزول سے متعلق دو روایات درج ذیل ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالی عنہن کے متعلق نازل ہوئی ہے، انھوں نے حضرتِ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو چھوٹے قد کی وجہ سے شرمندہ کیا تھا۔

(2) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: آیت کا یہ حصہ ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالی عنہا کے حق میں اس وقت نازل ہوا جب انہیں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کی ایک زوجہ مطہرہ نے یہودی کی بیٹی کہا۔(خازن، الحجرات:۱۱، ۱۶۹/۴)

اس واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کو معلوم ہوا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے انہیں یہودی کی لڑکی کہا ہے، (اس پر انہیں رنج ہوا اور) آپ رونے لگیں، جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور انہیں روتا ہوا پایا تو ارشاد فرمایا تم کیوں رو رہی ہو؟ عرض کی: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا نے مجھے یہودی کی لڑکی

کہا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ والِہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تم نبی زادی ہو، تیرے چچا نبی ہیں اور نبی کی بیوی ہو، توتم پر وہ کیا فخر کرتی ہیں اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا سے فرمایا اے حفصہ! (رضی اللہ تعالی عنہا) اللہ تعالی سے ڈرو۔ (ترمذی، کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی ۵/ ۴۷۴، حدیث: ۳۹۲۰)

نوٹ: آیتِ مبارکہ میں عورتوں کا جداگانہ ذکراس لیے کیا گیا کہ عورتوں میں ایک دوسرے کا مذاق اڑانے اوراپنے آپ کو بڑا جاننے کی عادت بہت زیادہ ہوتی ہے، نیز آیتِ مبارکہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتیں کسی صورت آپس میں ہنسی مذاق نہیں کرسکتیں بلکہ چند شرائط کے ساتھ ان کا آپس میں ہنسی مذاق کرنا جائز ہے، جس میں نہ فحش ہو نہ ایذائے مسلم، نہ بڑوں کی بے ادبی، نہ چھوٹوں سے بد لحاظی، نہ وقت ومحل کے نظر سے بے موقع، نہ اس کی کثرت اپنی ہمسر عورتوں سے جائز ہے۔

5.8.8 مذاق اڑانے کی شرعی ممانعت

اہانت اور تحقیر کے لیے زبان یا اشارے یا کسی اور طریقے سے مسلمان کا مذاق اڑانا حرام وگناہ ہے کیونکہ اس سے ایک مسلمان کی تحقیر اور اس کی ایذا رسانی ہوتی ہے اور کسی مسلمان کی تحقیر کرنا اور دکھ دینا سخت حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔ (جہنم کے خطرات، ص: ۱۷۳)

وَ لَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ: اور آپس میں کسی کو طعنہ نہ دو۔ یعنی قول یا اشارے کے ذریعے ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ کیونکہ مومن ایک جان کی طرح ہے جب کسی دوسرے مومن پر عیب لگایا جائے گا تو گویا اپنے پر ہی عیب لگایا جائے گا۔ (روح المعانی، حجرات: ۱۱، ۱۳/ ۴۲۴)

5.8.9 طعنہ دینے کی مذمت

(1) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والِہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہت لعن طعن کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے نہ شفیع۔ (مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، ص ۱۴۰۰، حدیث: ۸۵(۲۵۹۸))

(2) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والِہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا مومن نہ طعن کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ فحش بکنے والا بے ہودہ ہوتا ہے۔ (ترمذی، کتاب البر والصلة: ۳/ ۳۹۳، حدیث: ۱۹۸۴)

اللہ تعالی ہمیں طعنہ دینے سے محفوظ فرمائے، آمین۔

وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ: اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو۔ برے نام رکھنے سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ان میں سے تین اقوال درج ذیل ہیں:

(1) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا: ایک دوسرے کے برے نام رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے کسی برائی سے توبہ کرلی ہو تو اسے توبہ کے بعد اس برائی سے عار دلائی جائے۔ یہاں آیت میں اس چیز سے منع کیا گیا ہے۔

حدیثِ پاک میں اس عمل کی وعید بھی بیان کی گئی ہے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والِہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے بھائی کو اس کے کسی گناہ پر شرمندہ کیا تو وہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اس

گناہ کا اِرتکاب نہ کرلے۔(ترمذی: ۵۳۔باب، ۲۲۶/۴،الحدیث: ۲۵۱۳)

(2) بعض علمانے فرمایا برے نام رکھنے سے مراد کسی مسلمان کو کتا یا گدھا یا سور کہنا ہے۔

(3) بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے وہ القاب مراد ہیں جن سے مسلمان کی برائی نکلتی ہو اور اس کو نا گوار ہو،لیکن تعریف کے القاب جو سچے ہوں ممنوع نہیں، جیسے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کا لقب عتیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کا ذوالنورین اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا ابوتراب اور حضرت خالد رضی اللہ تعالی عنہ کا سیف اللہ تھا اور جو القاب گویا کہ نام بن گئے اور القاب والے کو نا گوار نہیں وہ القاب بھی ممنوع نہیں، جیسے اَعمش اور اعرج وغیرہ۔(خازن،حجرات:۱۱، ۱۷۰/۴)

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ: مسلمان ہونے کے بعد فاسق کہلانا کیا ہی برا نام ہے۔ارشاد فرمایا:مسلمان ہونے کے بعد فاسق کہلانا کیا ہی برا نام ہے تو اے مسلمانو! کسی مسلمان کی ہنسی بنا کر یا اس کو عیب لگا کر یا اس کا نام بگاڑ کر اپنے آپ کو فاسق نہ کہلا اور جو لوگ ان تمام افعال سے توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔(خازن،حجرات:۱۱، ۱۷۰/۴)

آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ سے تین مسئلے معلوم ہوئے:

(1) مسلمانوں کی کوئی قوم ذلیل نہیں، ہر مومن عزت والا ہے۔

(2) عظمت کا دارومدار محض نسب پر نہیں تقوی و پرہیزگاری پر ہے۔

(3) مسلمان بھائی کو نسبی طعنہ دینا حرام اور مشرکوں کا طریقہ ہے آج کل یہ بیماری مسلمانوں میں عام پھیلی ہوئی ہے۔نسبی طعنہ کی بیماری عورتوں میں زیادہ ہے،انہیں اس آیت سے سبق لینا چاہیے نہ معلوم بارگاہِ الٰہی میں کون کس سے بہتر ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ۔۔۔۔: اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو۔

آیت کے اس حصے میں اللہ تعالی نے اپنے مومن بندوں کو بہت زیادہ گمان کرنے سے منع فرمایا کیونکہ بعض گمان ایسے ہیں جو محض گناہ ہیں لہذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ گمان کی کثرت سے بچا جائے۔(ابن کثیر،حجرات ۱۲، ۳۵۲/۷)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہاں آیت میں گمان کرنے سے بچنے کا حکم دیا گیا (کیونکہ گمان ایک دوسرے کو عیب لگانے کا سبب ہے،اس پر قبیح افعال صادر ہونے کا مدار ہے اور اسی سے خفیہ دشمن ظاہر ہوتا ہے اور کہنے والا جب ان امور سے یقینی طور پر واقف ہوگا تو وہ اس بات پر بہت کم یقین کرے گا کہ کسی میں عیب ہے تاکہ اسے عیب لگائے، کیونکہ کبھی فعل بظاہر قبیح ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا اس لیے کہ ممکن ہے کرنے والا اسے بھول کر کر رہا ہو یا دیکھنے والا غلطی پر ہو۔(تفسیر کبیر، الحجرات: ۱۲، ۱۱۰/۱۰)

علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: یہاں آیت میں گمان کی کثرت کو مبہم رکھا گیا تاکہ مسلمان ہر گمان کے بارے میں محتاط ہو جائے اور غور وفکر کرے یہاں تک کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس گمان کا تعلق کس صورت سے ہے کیونکہ بعض گمان واجب ہیں، بعض حرام ہیں اور بعض مباح ہیں۔(بیضاوی،حجرات: ۱۲، ۲۱۸/۵)

گمان کی کئی اقسام ہیں،ان میں سے چار یہ ہیں: (1) واجب، جیسے اللہ تعالی کے ساتھ اچھا گمان رکھنا۔(2) مستحب، جیسے صالح مومن کے ساتھ نیک گمان رکھنا۔(3) ممنوع حرام۔ جیسے اللہ تعالی کے ساتھ برا گمان کرنا اور یونہی مومن کے ساتھ برا گمان کرنا۔(4) جائز، جیسے فاسقِ معلِن

کے ساتھ ایسا گمان کرنا جیسے افعال اس سے ظہور میں آتے ہوں۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: گمان دو طرح کا ہے، ایک وہ کہ دل میں آئے اور زبان سے بھی کہہ دیا جائے۔ یہ اگر مسلمان پر برائی کے ساتھ ہے تو گناہ ہے۔ دوسرا یہ کہ دل میں آئے اور زبان سے نہ کہا جائے، یہ اگرچہ گناہ نہیں مگر اس سے بھی دل کو خالی کرنا ضروری ہے۔ (مدارک، حجرات: ۱۲، ص ۱۱۵۵)

5.8.10 بدگمانی کا شرعی حکم

مسلمان پر بدگمانی خود حرام ہے جب تک ثبوتِ شرعی نہ ہو۔ مسلمانوں پر بدگمانی حرام اور حتی الامکان اس کے قول و فعل کو وجہِ صحیح پر حمل واجب ہے۔

بدگمانی کی مذمت اور اچھا گمان رکھنا: دینِ اسلام وہ عظیم دین ہے جس میں انسانوں کے باہمی حقوق اور معاشرتی آداب کو خاص اہمیت دی گئی اور ان چیزوں کا خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے اسی لیے جو چیز انسانی حقوق کو ضائع کرنے کا سبب بنتی ہے اور جو چیز معاشرتی آداب کے برخلاف ہے اس سے دینِ اسلام نے منع فرمایا اور اس سے بچنے کا تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے، جیسے ان اشیا میں سے ایک چیز بدگمانی ہے جو کہ انسانی حقوق کی پامالی کا بہت بڑا سبب اور معاشرتی آداب کے انتہائی برخلاف ہے، اس سے دینِ اسلام میں خاص طور پر منع کیا گیا ہے، چنانچہ قرآنِ مجید میں ایک اور مقام پر اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: **و لا تقف ما ليس لک بہ عِلم-إن السمع و البصر و الفؤاد كل أولٰئک كان عنه مسؤولا** (بنی اسرائیل) اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ کہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے، ایک دوسرے کے ظاہری اور باطنی عیب مت تلاش کرو، حرص نہ کرو، حسد نہ کرو، بغض نہ کرو، ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو اور اے اللہ کے بندوں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (**مسلم، كتاب البر و الصلة و الآداب، باب تحريم الظن و التجسس**)

وَ لَا تَجَسَّسُوا: اور تجسس نہ کرو۔ اس آیت میں دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ مسلمانوں کی عیب جوئی نہ کرو اور ان کے پوشیدہ حال کی جستجو میں نہ رہو جسے اللہ تعالی نے اپنی ستاری سے چھپایا ہے۔

5.8.11 عیب تلاش کرنے کی ممانعت

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کے پوشیدہ عیب تلاش کرنا اور انہیں بیان کرنا ممنوع ہے، یہاں اسی سے متعلق ایک عبرت انگیز حدیثِ پاک ملاحظہ ہو، چنانچہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے فرمایا اے ان لوگوں کے گروہ، جو زبان سے ایمان لائے اور ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی چھپی ہوئی باتوں کی ٹٹول نہ کرو، اس لیے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی چھپی ہوئی چیز کی ٹٹول کرے گا، اللہ تعالی اس کی پوشیدہ چیز کی ٹٹول کرے (یعنی اسے ظاہر کر دے) گا اور جس کی اللہ (عزوجل) ٹٹول کرے گا یعنی عیب ظاہر کرے گا اس کو رسوا کر دے گا، اگرچہ وہ اپنے مکان کے اندر ہو۔ (**أبو داود، كتاب الأدب، باب في الغيبة**: ۴/ ۳۵۴، حدیث: ۴۸۸۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی غیبت کرنا اور ان کے عیب تلاش کرنا منافق کا شِعار ہے اور عیب تلاش کرنے کا انجام ذلت ورسوائی ہے کیونکہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کا عیب تلاش کر رہا ہے، یقینا اس میں بھی کوئی نہ کوئی عیب ضرور ہوگا اور ممکن ہے کہ وہ عیب ایسا ہو جس کے ظاہر ہونے سے وہ معاشرے میں ذلیل وخوار ہو جائے لہذا عیب تلاش کرنے والوں کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ ان کی اس حرکت کی بنا پر کہیں اللہ تعالی ان کے وہ پوشیدہ عیوب ظاہر نہ فرمادے جس سے وہ ذلت ورسوائی سے دوچار ہو جائیں۔

5.8.12 عیب چھپانے کی فضیلت

(1) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مسلمان کے عیب پر پردہ رکھا اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے عیوب پر پردہ رکھے گا۔(**بخاری، کتاب المظالم والغصب، باب لا یظلم المسلم ۲/۱۲۶، حدیث: ۲۴۴۲**)

(2) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایسی چیز دیکھے جس کو چھپانا چاہیے اور اس نے پردہ ڈال دیا یعنی چھپا دی تو ایسا ہے جیسے موودہ یعنی زندہ زمین میں دبا دی جانے والی بچی کو زندہ کیا (**ابو داود، کتاب الأدب، باب فی الستر علی المسلم ۴/۳۵۷، حدیث: ۴۸۱۹**)

اللہ تعالی ہمیں بھی اپنے بھائیوں کے عیب چھپانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

لوگوں کے عیب تلاش کرنے کی بجائے اپنے عیبوں کی اصلاح کی جائے: جو شخص لوگوں کے عیب تلاش کرنے میں رہتا ہے اسے خاص طور پر اور تمام لوگوں کو عمومی طور پر چاہیے کہ کسی کے عیب تلاش کرنے کے بجائے اپنے اندر موجود عیبوں کو تلاش کرنے اور ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں کہ اسی میں ان کی اور دوسروں کی دنیا و آخرت کا بھلا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ والِہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کو بھول جاتا ہے۔(شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: جب تم اپنے ساتھی کے عیب ذکر کرنے کا ارادہ کرو تو اس وقت اپنے عیبوں کو یاد کرو۔(شعب الایمان)

5.8.13 انسان کی عزت وحرمت کی حفاظت میں تعلیمات قرآن کا کردار

قرآن کی نظر میں ایک انسان کی عزت وحرمت کی قدر بہت زیادہ ہے اور اگر وہ انسان مسلمان بھی ہو تو اس کی عزت وحرمت کی قدر اسلام کی نظر میں مزید بڑھ جاتی ہے، اسی لیے قرآن نے ان تمام افعال سے بچنے کا حکم دیا ہے جن سے کسی انسان کی عزت وحرمت پامال ہوتی ہو، ان افعال میں سے ایک فعل کسی کا عیب تلاش کرنا اور اسے دوسروں کے سامنے بیان کر دینا ہے جس کا انسانوں کی عزت وحرمت ختم کرنے میں بہت بڑا کردار ہے، اس وجہ سے جہاں اس شخص کو ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کا عیب لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے وہیں وہ شخص بھی لوگوں کی نفرت اور ملامت کا سامنا کرتا ہے جو عیب تلاش کرنے اور انہیں ظاہر کرنے میں لگا رہتا ہے، یوں عیب تلاش کرنے والے اور جس کا عیب بیان کیا جائے، دونوں کی عزت وحرمت چلی جاتی ہے، اس لیے دینِ اسلام نے عیبوں کی تلاش میں رہنے اور انہیں لوگوں کے سامنے شرعی اجازت کے بغیر بیان

کرنے سے منع کیا اوراس سے باز نہ آنے والوں کوسخت وعیدیں سنائیں تا کہ ان وعیدوں سے ڈر کرلوگ اس برے فعل سے باز آجائیں اورسب کی عزت وحرمت کی حفاظت ہو۔

وَ لَا یَغْتَب بَّعْضُکُم بَعْضاً : اورایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ اس آیت میں تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کیا تم میں کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، یقیناً یہ تمہیں ناپسند ہوگا، تو پھر مسلمان بھائی کی غیبت بھی تمہیں گوارا نہ ہونی چاہیے کیونکہ اس کو پیٹھ پیچھے برا کہنا اس کے مرنے کے بعد اس کا گوشت کھانے کی مثل ہے کیونکہ جس طرح کسی کا گوشت کاٹنے سے اس کو ایذا ہوتی ہے اسی طرح اس کی بدگوئی کرنے سے اسے قلبی تکلیف ہوتی ہے اور درحقیقت عزت وآبرو گوشت سے زیادہ پیاری ہے۔

شانِ نزول: جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والِہٖ وسلم جہاد کے لیے روانہ ہوتے اورسفر فرماتے تو ہر دو مال داروں کے ساتھ ایک غریب مسلمان کو کردیتے کہ وہ غریب ان کی خدمت کرے اور وہ اسے کھلائیں پلائیں، یوں ہر ایک کا کام چلے، چنانچہ اسی دستور کے مطابق حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو آدمیوں کے ساتھ کیے گئے تھے، ایک روز وہ سو گئے اور کھانا تیار نہ کرسکے تو ان دونوں نے انہیں کھانا طلب کرنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچن کے خادم حضرتِ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ان کے پاس کھانے میں سے کچھ باقی رہا نہ تھا، اس لیے انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی آکر کہہ دیا تو ان دونوں رفیقوں نے کہا: اسامہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بخل کیا۔ جب وہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا میں تمہارے منہ میں گوشت کی رنگت دیکھتا ہوں۔ انھوں نے عرض کی: ہم نے گوشت کھایا ہی نہیں۔ ارشاد فرمایا تم نے غیبت کی اور جو مسلمان کی غیبت کرے اس نے مسلمان کا گوشت کھایا۔ (خازن، الحجرات: ۱۲، ۴/۱۷۰)

اس آیت میں غیبت کرنے سے منع کیا گیا اورایک مثال کے ذریعے اس کی شناعت اور برائی کو بیان فرمایا گیا ہے، کثیر احادیث میں بھی اس کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے جیسے:

(1) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والِہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں۔ ارشاد فرمایا تم اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کرو جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ عرض کی گئی: اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جسے میں بیان کرتا ہوں۔ ارشاد فرمایا: تم جو عیب بیان کر رہے ہو اگر وہ اس میں موجود ہو جب ہی تو وہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ عیب نہیں ہے تو پھر وہ بہتان ہے۔ (مسلم، کتاب البر و الصلة و الآداب، باب تحریم الغیبة، ص۱۳۹۷، حدیث: ۷۰(۲۵۸۹))

(2) حضرت ابوسعید اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا غیبت زِنا سے بھی زیادہ سخت چیز ہے۔ لوگوں نے عرض کیا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ ارشاد فرمایا مرد زِنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور غیبت کرنے والے کی تب تک مغفرت نہ ہوگی جب تک وہ معاف نہ کردے جس کی غیبت کی ہے۔ (شعب الایمان، الرابع والاربعون من شعب الایمان ...الخ، فصل فیما ورد ...الخ، ۵/۳۰۶، حدیث: ۶۷۴۱)

ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ انہیں غور سے پڑھے اور غیبت سے بچنے کی بھرپور کوشش کرے، فی زمانہ اس حرام سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت

ہے کیونکہ آج کل مسلمانوں میں یہ بلا بہت پھیلی ہوئی ہے اور وہ اس سے بچنے کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے اور ان کی بہت کم مجلسیں ایسی ہوتی ہیں جو چغلی اور غیبت سے محفوظ ہوں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ۔۔۔۔۔: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

ارشاد فرمایا: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام اور ایک عورت حضرت حوا رضی اللہ تعالی عنہا سے پیدا کیا اور جب نسب کے اس انتہائی درجہ پر جا کر تم سب کے سب مل جاتے ہو تو نسب میں ایک دوسرے پر فخر اور بڑائی کا اظہار کرنے کی کوئی وجہ نہیں، سب برابر ہو اور ایک جدِ اعلی کی اولاد ہو، اس لیے نسب کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کا اظہار نہ کرو اور ہم نے تمہاری مختلف قومیں، قبیلے اور خاندان بنایا تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی پہچان رکھو اور ایک شخص دوسرے کا نسب جانے اور اس طرح کوئی اپنے باپ دادا کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب نہ کرے، نہ یہ کہ اپنے نسب پر فخر کرنے لگ جائے اور دوسروں کی تحقیر کرنا شروع کر دے۔ (مدارک، الحجرات، تحت الآیۃ: ۱۳، ص: ۱۱۵۶)

یاد رہے کہ دنیا میں وہ امور اگرچہ کثیر ہیں کہ جن کی وجہ سے فخر و تکبر کیا جاتا ہے لیکن نسب ان میں سب سے بڑا امر ہے کیونکہ مال، حسن اور بزرگی کی وجہ سے کیا جانے والا تکبر ہمیشہ نہیں رہتا بلکہ ان چیزوں کے ختم ہونے پر تکبر بھی ختم ہو جاتا ہے جب کہ نسب کی وجہ سے کیا جانے والا تکبر ختم نہیں ہوتا، اسی لیے یہاں بطورِ خاص اسے ذکر کیا گیا۔ (تفسیر کبیر، الحجرات: ۱۳، ۱۰/ ۱۱۳)

5.8.14 نسب کے ذریعے فخر و تکبر کرنے کی مذمت

فخر و تکبر کے اسباب میں سے ایک اہم سبب اپنے نسب کے ذریعے دوسروں پر تکبر کرنا ہے، اس کے بارے میں امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: جس آدمی کا نسب اچھا ہو وہ دوسرے نسب والوں کو حقیر جانتا ہے اور بعض لوگ حسب و نسب کے ذریعے اس طرح تکبر کرتے ہیں کہ گویا دوسرے لوگ ان کی مِلکیت میں اور ان کے غلام ہیں، وہ اِن سے میل جول کرنے اور ان کے پاس بیٹھنے سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ ان کی زبان پر یوں آتا ہے کہ تکبر کرتے ہوئے دوسروں کو گھٹیا قسم کے الفاظ سے پکارتے ہوئے کہتے ہیں: تم کون ہو؟ تمہارا باپ کون ہے؟ میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں، تمہیں مجھ سے بات کرنے یا میری طرف دیکھنے کا کیا حق ہے؟ تو مجھ جیسے لوگوں سے بات کرتا ہے اور مجھ سے اس قسم کی گفتگو کرتا ہے؟ وغیرہ

یہ ایک ایسی پوشیدہ رگ ہے کہ کوئی بھی نسب والا اس سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ وہ نیک اور باعمل ہو، لیکن بعض اوقات حالت اِعتدال پر ہونے کی صورت میں یہ بات ظاہر نہیں ہوتی اور جب اس پر غصے کا غلبہ ہو تو وہ اس کے نورِ بصیرت کو بجھا دیتا ہے اور اس قسم کی گفتگو اس کی زبان پر آ جاتی ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ایک شخص سے میری تکرار ہو گئی تو میں نے کہا: اے کالی عورت کے بیٹے! تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابو ذر! صاع پورا نہیں بھرا جاتا، سفید عورت کے بیٹے کو سیاہ عورت کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: میں لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا: اٹھو اور میرے رخسار کو پامال کر دو۔

دیکھیے کس طرح نبی اکرم ﷺ نے انہیں تنبیہ فرمائی جب انھوں نے سفید خاتون کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو افضل سمجھا اور یہ

بات خطا اور نادانی ہے اور دیکھیے کہ انھوں نے کس طرح توبہ کی اور اپنے آپ سے تکبر کے درخت کو اس شخص کے تلوے کے ذریعے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جس کے مقابلے میں تکبر کیا گیا تھا کیونکہ آپ کو معلوم ہوگیا تھا کہ تکبر کو صرف عاجزی کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے۔

اسی سلسلے میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلم کی موجودگی میں دو آدمیوں نے ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کیا، ایک نے کہا: میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں، تم کون ہو؟ تمہاری تو ماں ہی نہیں۔ اس پر حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا حضرت موسی علیہِ الصلوۃ والسلام کے سامنے دو آدمیوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا، ان میں سے ایک نے کہا: میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں، اس طرح وہ نو پشتیں شمار کر گیا اور کہا: تیری تو ماں ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہِ الصلوۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی کہ جس نے فخر کا اظہار کیا ہے اس سے فرما دیجیے: وہ نو کی نو پشتیں جہنم میں جائیں گی اور تم ان کے ساتھ دسویں ہوگے۔ (مسند امام احمد، مسند الانصار، حدیث عبدالرحمن بن ابی لیلی ...الخ، ۸/۳۴، حدیث: ۲۱۲۳۶)

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں کو اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دینا چاہیے وہ جہنم میں کوئلہ بن گئے یا وہ اللہ تعالی کے نزدیک ان کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں جو اپنے ناک سے گندگی کو دھکیلتے ہیں۔ (إحیاء علوم الدین، کتاب ذم الکبر والعجب، بیان ما به التکبر: ۳/۴۳۲-۴۳۱)

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ آیت کے اس حصے میں وہ چیز بیان فرمائی جا رہی ہے جو انسان کے لیے شرافت و فضیلت کا سبب ہے اور جس سے اسے اللہ تعالی کی بارگاہ میں عزت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالی کی بارگاہ میں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے بے شک اللہ تعالی تمہیں جاننے والا اور تمہارے باطن سے خبردار ہے۔ شانِ نزول: حضورِ اکرم ﷺ مدینہ منورہ کے بازار میں تشریف لے گئے، وہاں ملاحظہ فرمایا کہ ایک حبشی غلام یہ کہہ رہا تھا: جو مجھے خریدے اس سے میری یہ شرط ہے کہ مجھے رسولِ کریم ﷺ کی اِقتدا میں پانچوں نمازیں ادا کرنے سے منع نہ کرے۔ اس غلام کو ایک شخص نے خرید لیا، پھر وہ غلام بیمار ہوگیا تو سرکارِ دو عالم ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے، پھر اس کی وفات ہوگئی اور رسولِ کریم ﷺ اس کی تدفین میں تشریف لائے، اس کے بارے میں لوگوں نے کچھ کہا تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (مدارک، الحجرات: ۱۳، ص: ۱۱۵۶)

5.8.15 عزت وشرف کا معیار پرہیزگاری ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں عزت و فضیلت کا مدار نسب نہیں بلکہ پرہیزگاری ہے لہذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ نسب پر فخر کرنے سے بچے اور تقوی و پرہیزگاری اختیار کرے تاکہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں اسے عزت و فضیلت نصیب ہو، چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(1) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: فتحِ مکہ کے دن حضورِ اقدس ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالی نے تم سے جاہلیت کا غرور اور ایک دوسرے پر خاندانی فخر دور کر دیا ہے اور اب صرف دو قسم کے لوگ ہیں: (1) نیک اور متقی شخص جو کہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں معزز ہے۔ (2) گناہگار اور بدبخت آدمی، اللہ تعالی کی بارگاہ میں ذلیل وخوار ہے۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہِ الصلوۃ والسلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہِ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالی نے مٹی سے پیدا کیا ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

(ترمذي، كتاب التفسير، باب ومن سور الحجرات، ۱۷۹/۵، حديث:۳۲۸۱)

(2) حضرت عدا بن خالد رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: میں حج الوداع کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے منبر اقدس کے نیچے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے اللہ تعالی کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا بے شک اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ "تو کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل ہے، کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی گورے کو کالے پر فضیلت حاصل ہے بلکہ فضیلت صرف تقوی و پرہیزگاری سے ہے تو جو متقی اور پرہیزگار ہے وہ افضل ہے (المعجم الكبير، عدا بن خالد بن هوذه العامري، ۱۲/۱۸، حديث:۱۶)

(3) حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو بندوں کو اللہ تعالی کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اس حال میں کہ وہ غیر مختون ہوں گے اور ان کی رنگت سیاہ ہوگی، تو اللہ تعالی ارشاد فرمائے گا: اے میرے بندو! میں نے تمہیں حکم دیا اور تم نے میرے حکم کو ضائع کر دیا اور تم نے اپنے نسبوں کو بلند کیا اور انہی کے سبب ایک دوسرے پر فخر کرتے رہے، آج کے دن میں تمہارے نسبوں کو حقیر و ذلیل قرار دے رہا ہوں، میں ہی غالب حکمران ہوں، کہاں ہیں متقی لوگ؟ کہاں ہیں متقی لوگ؟ بے شک اللہ تعالی کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ (تاريخ بغداد، ذكر من اسمه علي، حرف الألف من آباء العليين، ۶۱۷۲-علي بن إبراهيم العمرى القزوينى، ۳۳۷/۱۱)

5.9 متن کی خصوصیات

اس سورہ مبارکہ کی آیتوں کی تعداد اگرچہ صرف اٹھارہ ہے، لیکن اس میں نہایت اہم موضوعات بیان کیے گئے ہیں جن پر اعتقاد اخلاق، سیرت و کردار کا محل تعمیر کیا جا سکتا ہے اور جن کی برکت سے معاشرے میں انس، محبت اور ایثار کی فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔

1۔ سب سے پہلے بارگاہ رسالت کے ادب و احترام کے بارے میں حتمی احکام صادر فرمائے، صاف صاف بتا دیا کہ کان کھول کر سن لو، اگر تم نے گستاخانہ لہجے میں میرے پیارے حبیب ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اپنی آواز بھی اونچی کی تو عمر بھر کے اعمال صالحہ نیست و نابود ہو جائیں گے۔ میرا پیارا رسول ﷺ آرام فرما ہو تو باہر کھڑے ہو کر آوازیں مت دو، بلکہ خاموشی سے انتظار کرو۔ جس وقت حضور ﷺ تشریف لائیں، اس وقت اپنی معروضات پیش کرو۔ مختلف طریقوں سے بارگاہ نبوت کے ادب و احترام کا نقش لوح دل پر ثبت فرمایا تاکہ بھولے سے بھی کوئی مومن یہ گستاخی نہ کر بیٹھے۔ اسی طرح جب احادیث رسول بیان کی جارہی ہے تو بھی یہی ادب ملحوظ ہونا چاہیے۔

2۔ اس کے بعد مسلمانوں کو بتایا کہ اتنے سادہ لوح بھی نہ بن جانا کہ جس کسی نے کوئی بات کہہ دی، فوراً اسے پلے باندھ لیا اور اس پر اپنے ردعمل کا اظہار کر دیا۔ جب بھی کوئی غیر معتبر آدمی کوئی بات آ کر بتائے تو پہلے خوب چھان بین کر لیا کرو، پھر کوئی قدم اٹھایا کرو، ورنہ شدید ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

3۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ کے بارے میں صریح اعلان کر دیا کہ ہم نے ایمان کو ان کا محبوب بنا دیا ہے اور ان کی آنکھوں میں اسے یوں آراستہ کر دیا ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ کفر و فسوق کی نفرت اور بغض ان کے

دل میں یوں پیدا کر دیا ہے کہ وہ اس کی طرف مائل ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جن نفوس قدسیہ کی حالت کلام الٰہی میں ان نورانی الفاظ سے بیان کی گئی ہو، ان کے ایمان کے بارے میں شک کرنا اور ان کے دامن عمل پر کیچڑ اچھالنا بدبختی اور محرومی کی انتہا ہے۔

4۔ انسانی معاشرے میں تعلقات کا کشیدہ ہو جانا قطعاً بعید از امکان نہیں۔ اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے اور اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں دست و گریبان ہو جائیں، تو دوسرے مسلمانوں کو خاموش تماشائی بننے کی اجازت نہیں، بلکہ انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ان کے درمیان صلح کرا دیں اور اپنا پورا اثر و رسوخ بھی استعمال کریں۔ پھر بھی اگر ایک فریق صلح پر آمادہ نہ ہو تو اس کی امداد کریں جو حق پر ہے۔

5۔ اس میں تصریحات کر دی کہ مومن زمین کے کسی گوشہ میں آباد ہو، کوئی بولی بولتا ہو، کسی بھی نسل سے متعلق ہو، جب وہ اس دین کو قبول کر لیتا ہے، تو وہ اخوت اسلامی کے رشتے میں پرو دیا جاتا ہے۔ بیگانگی اور مغائرت کے سارے حجابات یکلخت اٹھ جاتے ہیں۔

6۔ اللہ تعالیٰ اسلامی معاشرے کو صحت مند بنیادوں پر استوار کر کے ترقی اور خوش حالی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے، اس لیے ان تمام باتوں سے سختی کے ساتھ روک دیا جو دلوں میں نفرت، حقارت، حسد اور عداوت کی تخم ریزی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، ایک دوسرے کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنا، چغلی کھانا، ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرنا وغیرہ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن سے دل ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں، اس لیے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ ان چیزوں سے دور رہیں۔

7۔ اس کے بعد ان تمام باطل امتیازات کا قلع قمع کر دیا جو انسانی معاشرے کو رنگ، نسل، زبان، دولت وغیرہ کی بنیادوں پر متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ انہیں بتا دیا کہ تم سب آدم و حوا کی اولاد ہو اور تمہاری قدر و منزلت کا معیار دولت، حکومت وغیرہ نہیں بلکہ تمہارا تقویٰ ہے۔ جو زیادہ متقی ہوگا، اللہ تعالیٰ کی جناب میں اسی کا مقام بلند ہوگا۔

8۔ آخر میں بتا دیا کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ جو دین اسلام کو قبول کرتے ہیں، وہ اسلام پر کوئی احسان نہیں کرتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے کہ اس نے اس دین حق کو قبول کرنے کی انہیں توفیق عطا فرمائی۔

5.10 اسلوبی خصوصیات

(1) اس سورت کی اسلوبی خصوصیت یہ ہے اس میں جگہ جگہ "یا أیها الذین آمنوا" کے ذریعے مومنوں کو خطاب کیا گیا ہے، یعنی مقصود یہ ہے کہ اس میں ہر خطاب اور ہر حکم اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ اس پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آواز کو بلند نہ کیا جائے، یعنی کبھی بھی یہ ادب لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے تم سے نہ رہ جائے، اسی طرح اس کے مختلف مواقع سے اس سورت میں "یا أیها الذین آمنوا" سے خطاب کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان صیغوں میں "یا" اور "الذین" سے عمومی خطاب کو بتلایا گیا ہے۔

(2) نہی اور نفی کے سیاق میں فعل کا واقعہ ہونا جیسے: "لا تقدموا" "لا تجهروا" "لا یسخر" "لا تلمزوا" "ولا تنابزوا" "لا تجسسوا" یعنی ہر قسم کے تقدم، بلندی آواز، مذاق، طعن کرنا، آپس میں ایک دوسرے پاس القاب چسپاں کرنا، ایک دوسرے کی جاسوسی کرنا عمومی انداز میں کسی طرح جائز نہیں ہے۔

(3) اس طرح کے تمام جملے جو قرآن مجید کے اعجاز کی حیثیت رکھتے ہیں، جن میں "إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا أن تصیبوا قوما بجهالة" "

إنما المؤمنون اخوة'' اسی طرح ''لا یسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیرا منهم ولا نساء من نساء عسی أن یکن خیرا منهن''، ''ولا تلمزوا انفسکم، ولا تنابزوا بالألقاب'' ''اجتنبوا کثیرا من الظن''، ''ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیه متیا فکرهتموه''، ''إنا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناشعوبا وقبائل لتعارفوا'' اسی طرح ''إن اکرمکم عند اللہ اتقاکم'' اس طرح کے جملے یہ فصاحت وبلاغت اور جامعیت، اسلوب اور خوبی، حسن وخوبصورتی اور معانی ومطالب کا سمندر اپنے اندر لیے ہوئے ہیں، جس کا اندازہ عربیت سے واقف اور اس کی خوبصورتی اور ادبیت سے واقف شخص اچھی طرح لگا سکتا ہے، اس میں اخلاقیات کے بڑے بڑے پیمانے بتائے گئے ہیں اور یہی وہ سورت ہے، جس میں اصول حیات کے بڑے بڑے اصول بیان کیے گئے ہیں۔

5.11 اکتسابی نتائج

قرآن مجید اللہ کا وہ کلام ہے جو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر نازل کیا گیا، قرآن درحقیقت انسان کو زندگی اور بندگی کا سلیقہ وطریقہ بتانے کے لیے نازل ہوا، انسانی زندگی کا تعلق دو طرح کا ہے: ایک انسان کا تعلق اپنے خالق و پروردگار سے ہے، دوسرا انسان کا تعلق مخلوق سے ہے۔ کامیاب انسان وہ ہے جو ان دونوں تعلقات کو بہتر بنائے یعنی اس کا تعلق اللہ تعالی کے ساتھ بھی اچھا ہو اور مخلوق کے ساتھ بھی اچھا ہو۔ قرآن درحقیقت زندگی اور بندگی کے اصول اور آداب سکھانے اور بتانے کے لیے نازل کیا گیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت کا کلیدی مقصد بھی یہی تھا کہ انسان کو اس کی زندگی کے مقصد سے آگاہ کیا جائے اور اس کو حقیقی انسان بنایا جائے۔

سورہ حجرات میں انہی تعلیمات کی طرف بلیغ انداز میں اشارہ کیا گیا ہے چنانچہ پہلی آیت میں ایمان والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آگے نہ بڑھو اور تم اللہ تعالی سے ڈرو یقینا اللہ تعالی سننے اور جاننے والا ہے، اس آیت میں ایمان والوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ادب، احترام اور تعظیم کا حکم دیا گیا اور بلیغ انداز میں یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ رسول علیہ السلام کا ادب خدا کا ادب ہے اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بے ادبی خدا کی بے ادبی ہے۔

دوسری آیت میں بارگاہ رسالت میں گفتگو کے آداب بتائے گئے نبی علیہ السلام کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنے سے منع کیا گیا اور آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارنے کی طرح نبی علیہ السلام کو پکارنے سے روکا گیا اور تنبیہ کی گئی کہ اگر تم نبی علیہ السلام کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کروگے یا نام لے کر عام آدمیوں کی طرح پکاروگے تو تمہارے تمام نیک اعمال ضائع ہوجائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

تیسری آیت میں بارگاہ نبوی کا ادب کرنے والوں کی فضیلت اور عظمت بیان کی گئی کہ وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنکے دلوں کو اللہ نے تقوی کے لیے چن لیا اور ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا ثواب ہے۔

چوتھی آیت میں بے ادبی کرنے والوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا: اے حبیب ﷺ آپ کو جو لوگ حجرات کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے۔ پانچویں آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے در دولت پر حاضری کے آداب بتائے گئے اور فرمایا گیا کہ یہ لوگ نبی کو پکارنے کے بجائے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آمد تک صبر کرتے اور انتظار کرتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا اور خوب رحم کرنے والا ہے۔

چھٹی آیت میں کامیاب زندگی اور پرامن و پرسکون زندگی کا ایک اصول بتایا گیا اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات کی اطلاع دے تو اس کی بات پر بغیر تحقیق کے بھروسہ نہ کریں ہوسکتا ہے وہ بات صحیح نہ ہو پھر فساد اور جھگڑا ہوگا۔

ساتویں آیت میں یہ عقیدہ دیا گیا کہ تم یہ یقین کرو کہ تمہارے اندر اللہ کے رسول ﷺ موجود ہیں اگر وہ بہت سارے امور میں تمہاری بات مانیں گے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لیے پسندیدہ اور محبوب بنایا اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین فرمایا اور تمہارے نزدیک کفر اور گناہ اور نافرمانی کو ناپسندیدہ اور مبغوض بنادیا یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔آٹھویں آیت میں اللہ کے فضل اور اس کی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

نویں آیت میں مسلمانوں کو آپس میں صلح اور صفائی کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور آپسی اختلافات کو پرامن اور صلح کے ذریعہ دور کرنے کا حکم دیا گیا اس کے باوجود اگر کوئی گروپ نہ مانے بلکہ بغاوت کرے تو بغاوت کرنے والوں سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ وہ باغی گروپ حکم الٰہی کی طرف لوٹ کرآئے اگر وہ باغی گروپ اللہ کے احکام کی طروف لوٹ کرآجائیں تو دولڑنے والے گروہوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دیا گیا۔

دسویں آیت میں یہ بات واضح کی گئی کہ آپسی جھگڑے سے ایمان والوں کو بچنا چاہیے لیکن بشری تقاضوں کی وجہ سے اگر دو اشخاص یا دو جماعتوں یا دو خاندانوں کے درمیان جھگڑا ہوجائے تو تیسرے کو چاہیے کہ وہ دونوں کے درمیان صلح کرائے کیونکہ تمام ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

آیت نمبر گیارہ سے تیرہ تک ان تین آیتوں میں حسن معاشرت اور حسنِ اخلاق کی تعلیم دی گئی ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے منع کیا گیا اور ایک دوسرے کی تحقیر کرنے سے روکا گیا اور ایک دوسرے پر عیب لگانے سے روکا گیا اور ایک دوسرے کو برے نام اور برے القاب سے پکارنے سے منع کیا گیا ہے اور بدگمانی سے بچنے کا حکم دیا گیا اور ایک دوسرے کے حالات اور شخصی معاملات کے بارے میں تجسس اور ٹوہ میں لگنے سے منع کیا گیا ہے اور ایک دوسرے کی غیبت کرنے سے منع کیا گیا ہے غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا گیا ہے پھر آخر میں یہ واضح کیا گیا کہ بلندی، شرافت، بزرگی اور عظمت کا معیار حسب ونسب یا دنیوی وجاہت یا عہدہ نہیں ہے بلکہ بلندی اور بزرگی اور عزت کا معیار اللہ تعالی کے پاس تقوی ہے اور جو تقوی اختیار کرے گا وہ اللہ کے پاس سب سے زیادہ معزز ومکرم اور محبوب ہوگا اور جو تقوی اختیار نہیں کرے گا وہ ذلیل وخوار ہے۔

5.12 نمونے کے امتحانی سوالات

1۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگایئے اور اس کا ترجمہ کیجیے:

یا أیھا الذین آمنوا إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا أن تصیبوا قوما بجھالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (6) واعلموا أن فیکم رسول اللہ لو یطیعکم في کثیر من الأمر لعنتم ولکن اللہ حبب إلیکم الإیمان وزینه في قلوبکم وکرہ إلیکم الکفر والفسوق والعصیان أولئک ھم الراشدون (7) فضلا من اللہ ونعمة واللہ علیم حکیم (8) وإن طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فأصلحوا بینھما فإن بغت إحداھما علی الأخری فقاتلوا التي تبغي حتی تفيء إلی أمر اللہ فإن فاءت فأصلحوا بینھما بالعدل

وأقسطوا إن الله يحب المقسطين۔

2۔ درج ذیل عبارت کا بحوالہ متن تشریح وتوضیح کیجیے؟

إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون (10) يا أيها الذين آمنوا لا يسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيرا منهم ولا نساء من نساء عسى أن يكن خيرا منهن ولا تلمزوا أنفسكم ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان ومن لم يتب فأولئك هم الظالمون (11) يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن إن بعض الظن إثم ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضا أيحب أحدكم أن يأكل لحم أخيه ميتا فكرهتموه واتقوا الله إن الله تواب رحيم 12) يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم إن الله عليم خبير (13)

3۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی بتائیے:

لا تقدموا، ولا تجهروا، تحبط، يغضون، تفي إلى امر الله، يسخر، ولا تلمزوا، ولا تنابزوا

4۔ قرآن کی تاریخ کا مختصر خلاصہ بیان کیجیے۔

5۔ ''سورہ حجرات'' کا خلاصہ بیان کیجیے۔

6۔ ادبی صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت وصورت کو قلم بند کیجیے؟

7۔ ''سورہ حجرات'' کے متن کی خصوصیات اور اس کی اسلوبی امتیازات کو تحریر کیجیے؟

5.13 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1۔ القرآن الكريم

2۔ التحرير والتنوير محمد بن طاهر عاشور

3۔ تفسير الكشاف للكشاف

اکائی 6: حدیث کے اقتباسات

اکائی کے اجزا

6.1 مقصد

6.2 تمہید

6.3 متن سبق

6.3.1 از صحیح بخاری

6.3.2 از صحیح مسلم

6.3.3 از جامع ترمذی

6.4 صاحب متن کا تعارف

6.4.1 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

6.4.2 امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

6.4.3 امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

6.5 متن کا ترجمہ

6.5.1 بخاری شریف

6.5.2 مسلم شریف

6.5.3 ترمذی

6.6 لغوی تحقیق

6.7 متن سبق کی توضیح وتشریح

6.7.1 متن بخاری

6.7.2 وفد عبدالقیس

6.7.3 وفد عبدالقیس کی آمد کا سبب

6.7.4 متن مسلم

6.7.5 متن ترمذی

6.8 متون مذکورہ کی خصوصیات

6.9 اسلوبی خصوصیات

6.10 اکتسابی نتائج

احادیث بخاری

احادیث مسلم

احادیث ترمذی

6.11 نمونے کے امتحانی سوالات

6.12 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

6.1 مقصد

اس اکائی میں طلبہ دراصل احادیث مبارکہ کی حقیقت اوران کی ادبی حیثیت اوران کا ادبی مقام ومرتبہ اور چند ایک مختلف موضوعات: ایمانیات، علم، علم دین کے سیکھنے اور سکھانے اور اعمال صالحہ کے اختیار کرنے اور اعمال سیئہ سے بے رغبتی اور کنارہ کشی، نظافت و پاک دامنی، سخاوت وفیاضی کو اپنانے، اللہ کی نعمتوں کے شکر ادا کرنے اور صحیح اشعار، جودینی امور حکم وامثال پر مبنی ہوان کی ترغیب اور غیر دینی اشعار جو انسان کو آخرت سے غافل کردیں اس سے اجتناب پر مشتمل، بخاری، مسلم، ترمذی سے منتخبہ احادیث کو جانیں گے اور اس سے حاصل ہونے والے مختلف آداب اوراصول دین کی جانکاری حاصل کرسکیں گے اوراس کے علاوہ صاحب صحیح بخاری ومسلم وترمذی اوران کے احوال اوران کی کتابوں کی اہمیت وافادیت کی بھی جانکاری حاصل کریں گے۔

6.2 تمہید

قرآن کے بعد مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ قابل احترام سرمایہ علم احادیث رسول مقبول ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو قرآن کے مطالب کے ادراک اور دیگر دنیوی امور کی رہبری کے لیے نصیحتیں کیں، زندگی کے اہم مسائل عام فہم اور سہل انداز میں حل کیا اور یہی منقولات مسلمانوں کے مصائب اور مشکلوں میں شمع ہدایت بن گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو سیاسی اختلافات پیدا ہوئے ان میں مختلف جماعتوں نے اپنی تائید کے لیے نئی احادیث گھڑنی شروع کیں یا اصل احادیث کو توڑ مروڑ کر اپنے مطلوبہ مطالب سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کیں جیسے خوارج کے مقابلے میں مہلب بن ابی صغرہ کیا کرتا تھا، یہ اختلافات اتنے شدید ہوگئے کہ اصل احادیث کی تحقیق کے سلسلے میں فن حدیث کی بنا پڑی، اسی زمانے میں حدیثوں کے مختلف نام قرار پائے مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، مرسل، منقطع، شاذ اور غریب۔

اسلام میں حدیث کی سب سے بڑی پہلی کتاب جو اکثر علما کے نزدیک صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی مستحق ہے، وہ ابن شہاب زہری (م ۱۳۴) کی کتاب ہے، اس کے بعد حدیث میں تصنیف وتالیف کا کام تیزی سے شروع ہوا اور اس فن کی باقاعدہ کتاب موطا امام مالک (۱۷۹ھ) میں وجود میں آئی، اس کے بعد تیسری صدی ہجری میں امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند لکھی، اس کے بعد حدیث کی وہ کتابیں مرتب ہوئیں جنہیں صحاح یعنی صحیح حدیثوں کا مجموعہ کہا جاتا ہے، اس قسم کی کتابیں چھ ہیں، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی۔

6.3 متن سبق

6.3.1 از صحیح بخاری

1) حَدّثَنَا أَبُو اليَمَانِ قَالَ: حَدّثَنَا شُعَيبُ عَنِ الزُهرِيِ قَالَ: أَخبَرَنَا أَبُو إِدرِيسَ عَائِذُ اللهِ بنُ عَبدِ اللهِ أَنَّ عُبَادَةَ بنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنهُ ـ وَكَانَ شَهِدَ بَدرًا، وَهُوَ أَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيلَةَ العُقبَةِ ـ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ وَحَولَهُ عِصَابَةٌ مِن أَصحَابِهِ: (بَايِعُونِي عَلَى أَن لَا تُشرِكُوا بِاللهِ شَيئًا، وَلَا تَسرِقُوا، وَلَا تَزنُوا، وَلَا تَقتُلُوا أَولَادَكُم، وَلَا تَأتُوا بِبُهتَانٍ تَفتَرُونَهُ بَينَ أَيدِيكُم وَأَرجُلِكُم، وَلَا تَعصُوا فِي مَعرُوفٍ. فَمَن وَفَى مِنكُم فَأَجرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَن أَصَابَ مِن ذٰلِکَ شَيئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَن أَصَابَ مِن ذٰلِکَ شَيئًا ثُمَّ

سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ إِلَى اللّٰهِ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ) فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ (حديث:١٨، باب:١١)

2) حَدَّثَنَا أَبُو اليَمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَعْطٰى رَهْطًا۔ وَسَعْدٌ جَالِسٌ۔ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ۔ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَكَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللّٰهِ إِنِّي لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا۔ فَقَالَ: ((أَوْ مُسْلِمًا)) فَسَكَتُّ قَلِيْلًا۔ ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي فَقُلْتُ: مَالَكَ عَنْ فُلَانٍ فَوَاللّٰهِ لَأَرَاهُ مُؤْمِنًا فَقَالَ أَوْ مُسْلِمًا فَسَكَتُّ قَلِيْلًا ثُمَّ غَلَبَنِي مَا أَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِي۔ وَعَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ ثُمَّ قَالَ: ((يَا سَعْدُ، إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، خَشْيَةَ أَنْ يَكُبَّهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ))۔ وَرَوَاهُ يُوْنُسُ وَ صَالِحٌ وَمَعْمَرٌ وَ ابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔ (حديث:٢٧، باب اذا لم يكن الاسلام على الحقيقة)

3) حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ الأُحْدَبِ عَنِ الْمَعْرُوْرِ قَالَ لَقِيْتُ أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبْذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلٰى غُلَامِهِ حُلَّةٌ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: إِنِّي سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأُمِّهِ، فَقَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: ((يَا أَبَا ذَرٍّ، أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ۔ إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ۔ فَمَنْ كَانَ أَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَأَعِيْنُوْهُمْ))۔ (حديث: ٣١، باب المعاصى من أمر الجاهلية)

4) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ: كُنْتُ أَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يُجْلِسُنِي عَلٰى سَرِيْرِهِ، فَقَالَ: أَقِمْ عِنْدِيْ حَتّٰى أَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَالِي: فَأَقَمْتُ مَعَهُ شَهْرَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((مَنِ الْقَوْمُ۔ أَوْ مَنِ الْوَفْدُ۔)) قَالُوْا: رَبِيْعَةُ۔ قَالَ: ((مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ۔ أَوْ بِالْوَفْدِ۔ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى)) فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، وَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا، وَ نَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ وَ سَأَلُوْهُ عَنِ الْأَشْرِبَةِ، فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَ نَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: أَمَرَهُمْ بِالْإِيْمَانِ وَحْدَهُ، قَالَ: ((أَتَدْرُوْنَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ؟)) قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ((شَهَادَةُ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَ إِقَامُ الصَّلَاةِ، وَ إِيْتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ)) وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: ((عَنِ الْحَنْتَمِ، وَالدُّبَّاءِ وَ النَّقِيْرِ، وَالْمُزَفَّتِ)) ۔ وَرُبَّمَا قَالَ: الْمُقَيَّرِ ۔ وَقَالَ: ((احْفَظُوْهُنَّ وَ أَخْبِرُوْا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ))۔ (حديث: ٥٣، باب أداء الخمس من الإيمان)

6.3.2 از صحیح مسلم

1) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا۔

2) حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوْبَ وَ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَ ابْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيْلُ يَعْنُوْنَ ابْنَ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا۔

3) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ قَالَا حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَ أَنَا مَعَهُ حِيْنَ يَذْكُرُنِي إِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَ إِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِيْ مَلَإٍ هُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ وَ إِنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَ إِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَ إِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً۔

4) حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحٰقَ الْمُسَيَّبِيُّ حَدَّثَنِي أَنَسٌ يَعْنِي ابْنَ عَيَاضٍ أَبَا ضَمْرَةَ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَشَّوْنَ أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَأَوَوْا إِلٰى غَارٍ فِي جَبَلٍ فَانْحَطَّتْ عَلٰى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَانْطَبَقَتْ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: انْظُرُوْا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا صَالِحَةً لِلّٰهِ فَادْعُوا اللهَ تَعَالٰى بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا عَنْكُمْ، فَقَالَ أَحَدُهُمْ: اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِي وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَ امْرَأَتِي وَلِي صِبْيَةٌ صِغَارٌ أَرْعٰى عَلَيْهِمْ، فَإِذَا اَرَحْتُ عَلَيْهِمْ حَلَبْتُ فَبَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ فَسَقَيْتُهُمَا قَبْلَ بَنِيَّ، وَ أَنَّهُ نَأٰى بِي ذَاتَ يَوْمٍ الشَّجَرُ فَلَمْ اٰتِ حَتّٰى اَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ أَحْلُبُ فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُوْسِهِمَا أَكْرَهُ أَنْ أُوْقِظَهُمَا مِنْ نَوْمِهِمَا وَ أَكْرَهُ أَنْ أَسْقِيَ الصِّبْيَةَ قَبْلَهُمَا وَ الصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِکَ دَأْبِي وَ دَأْبَهُمْ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَاءَ وَجْهِکَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا فُرْجَةً نَرٰى مِنْهَا السَّمَاءَ فَفَرَجَ اللهُ مِنْهَا فُرْجَةً فَرَأَوْا مِنْهَا السَّمَاءَ، وَقَالَ الْاٰخَرُ: اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَتْ لِي ابْنَةُ عَمٍّ أَحْبَبْتُهَا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ، وَطَلَبْتُ إِلَيْهَا نَفْسَهَا، فَابَتْ حَتّٰى اٰتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ فَبَغَيْتُ حَتّٰى جَمَعْتُ مِائَةَ دِيْنَارٍ، فَجِئْتُهَا بِهَا، فَلَمَّا وَقَعْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ: يَا عَبْدَاللهِ! اتَّقِ اللهَ وَ لَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ اِلَّا بِحَقِّهَا، فَقُمْتُ عَنْهَا، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَاءَ وَجْهِکَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا فُرْجَةً فَفَرَجَ لَهُمْ، وَ قَالَ الْاٰخَرُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي كُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيْرًا بِفَرَقِ أَرُزٍّ، فَلَمَّا قَضٰى عَمَلَهُ قَالَ: اَعْطِنِي حَقِّي، فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ فَرَقَهُ، فَرَغِبَ عَنْهُ، فَلَمْ اَزَلْ اَزْرَعُهُ حَتّٰى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَ رِعَاءَهَا، فَجَاءَنِي فَقَالَ: اتَّقِ اللهَ وَ لَا تَظْلِمْنِي حَقِّي! قُلْتُ: اذْهَبْ إِلٰى تِلْکَ الْبَقَرِ وَ رِعَاءِهَا فَخُذْهَا، فَقَالَ: اتَّقِ اللهَ وَ لَا تَسْتَهْزِئْ بِي! فَقُلْتُ: إِنِّي لَا أَسْتَهْزِئُ بِکَ، خُذْ ذٰلِکَ الْبَقَرَ وَ رِعَاءَهَا، فَأَخَذَهُ فَذَهَبَ بِهٖ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَاءَ وَجْهِکَ فَافْرُجْ لَنَا مَا بَقِيَ فَفَرَجَ اللهُ مَا بَقِيَ۔

6.3.3 از جامع ترمذی

1) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ إِلْيَاسٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي حَسَّانَ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ ((إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطِّيْبَ نَظِيْفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيْمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُوْدَ فَنَظِّفُوْا ۔أُرَاهُ قَالَ:۔ أَفْنِيَتَكُمْ وَ لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ))۔

2) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ أَنْ يُرٰى أَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ۔

3) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَ عَبْدُاللهِ بْنُ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْهِ يَمْشِي وَ هُوَ يَقُوْلُ: خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ، اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ، ضَرْبًا يُزِيْلُ

الْهَامَ عَنْ مُقِيْلِهٖ وَ يُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهٖ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ: يَا ابْنَ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي حَرَمِ اللّٰهِ تَقُوْلُ الشِّعْرَ: فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ، فَلَهِيَ أَسْرَعُ فِيْهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ))۔

4) حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ عُثْمَانَ بن عيسى الرملي حَدَّثَنَا عمي يَحْيى بن عيسى عَنِ الأعمش عَنْ أبي صالح عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا يَرِيْهِ خَيْرٌ لَهٗ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا))۔

6.4 صاحب متن کا تعارف

6.4.1 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نام محمد بن اسماعیل، کنیت ابوعبداللہ، لقب امیر المؤمنین فی الحدیث۔ ۱۳ رشوال شب جمعہ ۱۹۴ھ مقام بخارا میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کی پرورش ایک علمی گھرانے میں ہوئی کیونکہ آپ کے والد بھی بڑے محدثین میں سے تھے، بچپن ہی میں آپ کے والد کا انتقال ہوگیا، اسی لیے آپ والدہ ماجدہ کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھے، مؤرخین کے بیان کے مطابق بچپن میں آپ کی بینائی چلی گئی تھی، آپ کی والدہ ماجدہ بینائی کی واپسی کے لیے الحاح وزاری کے ساتھ بارگاہ رب العالمین میں دعا کرتی رہیں، آپ کی والدہ نے ایک شب خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں: اے خاتون! اللہ نے تمہاری گریہ وزاری کی وجہ سے تمہارے بیٹے کی بینائی لوٹا دی، چنانچہ جب صبح ہوئی تو کیا دیکھتی ہیں کہ امام بخاری کی بینائی لوٹ آئی۔ آپ نے علم کی جستجو اور خاص طور پر طلب حدیث کے لیے مختلف اسلامی ممالک کے طویل سفر کیے، تقریبا ایک ہزار (1000) اساتذہ سے شرف تلمذی حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، یحیی بن معین، فضل بن دکین جیسے اپنے وقت کے سربرآوردہ علمائے کرام کے نام آتے ہیں، آپ کے شاگردوں میں امام مسلم، ابن خزیمہ اور امام ترمذی جیسے ائمہ حدیث کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کی بے شمار تصانیف ہیں جن میں شہرہ آفاق تصنیف الجامع الصحیح ہے جو بخاری شریف کے نام سے علمی حلقوں میں مشہور ومعروف ہے، اس کتاب کو باتفاق محدثین قرآن مجید کے بعد (أصح الكتب بعد كتاب الله) سب سے صحیح ترین کتاب کا درجہ حاصل ہے۔ حدیث شریف کی چھ مستند کتب میں سب سے پہلے بخاری شریف کا نام آتا ہے۔ آپ کو تقریبا چھ لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں جن میں سے آپ نے چند ہزار احادیث کو منتخب کرکے بخاری شریف کو مرتب کیا، بخاری شریف کی تبویب، تھذیب وتدوین میں تقریبا سولہ سال کا عرصہ لگا، حدیث شریف کے تئیں آپ کے ادب کا یہ حال تھا کہ آپ ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے غسل کیا کرتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے اور پھر حدیث شریف لکھتے تھے۔ آپ کے زہد وورع کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ سمندری جہاز میں سفر کررہے تھے، آپ کے پاس اشرفیوں کی ایک تھیلی تھی، جو آپ نے اپنے سفر کے ایک ساتھی کے سامنے اس کا ذکر کیا تھا، دوران سفر اس شخص نے شور مچایا اور کہا کہ میرے پاس اشرفیوں کی ایک تھیلی تھی جو چوری ہوگئی ہے، فورا مسافرین کے سامان کی تلاشی شروع ہوگئی تو امام بخاری نے اشرفیوں کی تھیلی لوگوں کی نظر بچا کر آہستہ سے سمندر کی نذر کردی، جب آپ کی بھی تلاشی لی گئی اور تھیلی نہیں ملی تو لوگوں نے اس شخص کو برا بھلا کہا کہ تو نے خواہ مخواہ مسافروں کو پریشان کیا، جب جہاز ایک مقام پر لنگر انداز ہوا اور لوگ بکھر گئے تو اس شخص نے امام بخاری سے پوچھا: آپ نے وہ تھیلی کیا کی تو آپ نے جواب دیا کہ اس تھیلی کا حقیقت میں میں ہی مالک تھا لیکن میں نے وہ تھیلی سمندر کی نذر کردی، تو اس شخص نے پوچھا: کیا آپ کو اشرفیوں کے ضائع ہونے کا غم نہیں آپ نے جواب دیا اگر مجھ پر چوری کا الزام آتا تو اس سے محدثین اور

امت اسلامیہ میں میرا اعتماد کھو جاتا، میں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے یہ ثقاہت، اعتماد اور بھروسہ حاصل کیا ہے چند اشرفیوں کے عوض میں اس کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ مقام خرتنک میں سن ۲۵۶ھ یکم شوال کو آپ کا وصال ہوا۔ حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق بخاری شریف میں موجود احادیث کی تعداد مکررات کو شامل کر کے (7397) سات ہزار تین سو ستانوے ہے۔

6.4.2 امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی مسلم، کنیت ابوالحسن، لقب عساکر الدین، وطن نیشاپور تھا جو خراسان کا مشہور و معروف مردم خیز شہر ہے جو تیسری صدی ہجری میں اسلامی دنیا کا باوقار علمی مرکز تھا۔ آپ نسباً عرب کے مشہور قبیلہ قشیر سے تعلق رکھتے تھے اس لیے قشیری کہلائے آپ کے سن ولادت میں اختلاف ہے مگر راجح قول یہ ہے کہ ۲۰۶ھ میں بمقام نیشاپور پیدا ہوئے۔

تحصیل علم: امام مسلم کا زمانہ علم حدیث کی نقل و روایت اور تدریس کا زریں عہد تھا۔ علم حدیث کے بڑے بڑے مراکز اسلامی شہروں میں قائم ہو چکے تھے، جہاں اکابر محدثین کے فیض عام جاری تھا۔ نیشاپور خود علم حدیث کے اہم مراکز میں شمار کیا جاتا تھا جہاں حدیث کے بڑے بڑے حلقے قائم تھے۔ امام مسلم نے ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بارہ سال کی عمر میں جب کہ عقل و فہم میں استواری اور حفظ میں پختگی آجاتی ہے، عقیدت واحترام کے جذبے اور حسن نیت و خلوص کے ساتھ اس کوچہ میں قدم رکھا اور پوری سعی بلیغ سے خراسان، عراق، حجاز، شام، بغداد اور مصر کے محدثین سے کسب فیض کیا اور اس علم میں دستگاہ حاصل کیا۔

فضل و کمال: امام مسلم نے اپنے دور کی علمی چشموں سے فیض پایا تھا اور انھوں نے دریائے علم میں غواصی کر کے لعل و جواہر اپنے دامن میں سمیٹے تھے۔ آپ کی خداداد ذہانت طبعی قوت حافظہ وضبط دیکھ کر آپ کے اساتذہ ششدر رہ جاتے۔ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث امام مسلم کے استاد امام اسحاق بن راہویہ آپ کے بارے میں کہا کرتے تھے ''أي رجل هذا'' خدا جانے یہ کتنا بلند انسان ہوگا۔

اسحاق بن منصور نے امام مسلم کی طرف دیکھا اور آپ کی عظمت و بزرگی پر نظر کرتے ہوئے کہا ''أن نعدم الخير ما أبقاك الله للمسلمين'' جب تک خدا آپ کو مسلمانوں کے لیے زندہ رکھے گا بھلائی ہمارے ہاتھ سے نہ جائے گی۔ آپ نے عمر بھر میں نہ کسی کی غیبت کی اور نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو گالی دی۔ صحیح و سقیم حدیث کی پہچان میں اپنے تمام معاصرین میں ممتاز تھے بلکہ بعض امور میں ان کو امام بخاری پر بھی ترجیح و فضیلت حاصل ہے۔

تصنیف و تالیف: حافظ ذہبی امام مسلم کو صاحب تصانیف کثیرہ قرار دیتے ہیں، آپ کے مشہور تصانیف سے چند یہ ہیں: **صحیح مسلم، مسند کبیر، الاسماء و الکنی، جامع کبیر، کتاب العلل، کتاب التمیز، کتاب الوحدان، کتاب الأفراد، کتاب الأقران، کتاب أولاد الصحابة، کتاب أوهام المحدثين** وغیرہ۔

وفات: زندگی کے آخری ایام تک حدیث رسول کی تلاش و جستجو کا حیرت انگیز انہماک قائم رہا ایک دن مجلس مذاکرہ میں امام مسلم سے ایک حدیث کے بارے میں استفسار کیا گیا، اس وقت آپ اس حدیث کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے گھر آکر کتابوں میں اس کی تلاش شروع کر دی، قریب ہی کھجور کا ایک ٹوکرا رکھا ہوا تھا، امام مسلم حدیث کی تلاش کے دوران ایک ایک کھجور اٹھا اٹھا کر کھاتے رہے حدیث تلاش کرنے میں غرق و انہماک کا عالم یہ تھا کہ کھجوروں کی مقدار کی جانب آپ کی توجہ نہ ہو سکی اور حدیث ملنے تک کھجوروں کا سارا ٹوکرا خالی ہو گیا اور غیر ارادی طور پر کھجوروں

کا زیادہ کھالینا ہی آپ کی موت کا سبب بن گیا اس طرح ۲۴ ر رجب ۲۶۱ھ اتوار کے دن شام کے وقت علم حدیث کا درخشندہ ستارہ غروب ہو گیا اور دوسرے دین اس عظیم محدث کو ہزاروں سوگواروں نے نماز جنازہ کے بعد سپرد خاک کر دیا۔

صحیح المسلم: عالم اسلام میں جن کتابوں کو صحاح کے نام سے شہرت حاصل ہے ان میں بلاشبہ صحیح بخاری کا مرتبہ سب سے بلند ہے مگر اس کے بعد جس کتاب کا نام لیا جاتا ہے وہ امام مسلم کی الجامع الصحیح ہے۔ حسن ترتیب وتدوین کے اعتبار سے یہ کتاب صحیح بخاری پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ حافظ نیشاپوری کہتے ہیں: "ماتحت أدیم السماء کتاب أصح من کتاب مسلم" آسمان کے نیچے مسلم کی صحیح سے بڑھ کر اصح اور کوئی کتاب نہیں۔

وجہ تالیف: جامع صحیح کی وجہ تالیف کچھ یوں ہے کہ بعض تلامذہ نے امام مسلم سے یہ درخواست کی کہ احادیث صحیح کا ایک ایسا مجموعہ تیار کریں جس میں بلاتکرار احادیث کو جمع کیا جائے چنانچہ اس درخواست پر امام مسلم نے صحیح کو تالیف فرمایا۔ صحیح مسلم میں مکررات کو چھوڑ کر احادیث کی تعداد چار ہزار ہے۔

خصوصیات مسلم: صحیح مسلم میں شرائط اخذ حدیث امام بخاری سے بھی سخت ہے امام مسلم نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اپنی صحیح میں صرف ایسی حدیث بیان کریں گے جس کو کم سے کم دو ثقہ تابعین نے دو صحابیوں سے روایت کیا ہو اور یہی شرط تمام طبقات تابعین و تبع تابعین میں ملحوظ رکھی ہے یہاں تک کہ سلسلہ اسناد ان تک ختم ہو۔ وہ صرف راویوں کی عدالت پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ شرط شہادت کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ حدیثوں کی صحت کے معاملہ میں صرف اپنی رائے پر ہی اعتماد نہیں کیا بلکہ ان احادیث کا اندراج فرمایا جو مشائخ وقت کے نزدیک بالاتفاق صحیح تھیں۔

6.4.3 امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی محمد کنیت ابوعیسیٰ آپ کی ولادت مشہور قول کے مطابق بہ مقام شہر ترمذ ۲۰۹ھ میں ہوئی، یہ شہر جیحون کے ساحل پر آباد ہے۔

تحصیل علم: امام ترمذی نے جس زمانے میں آنکھ کھولی آپ کے گردوپیش کا سارا ماحول علم وفضل کے غلغلوں سے معمور تھا۔ انھوں نے اپنی فطرت مناسبت علم اور قوت حفظ وضبط کے ساتھ ابتدا میں اپنے شہر کے محدثین سے کسب فیض کیا پھر اسلامی شہروں کی رحلت فرمائی اور اپنے دامن کو علم حدیث کی دولت سے مالامال کیا۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: "طاف البلاد و سمع خلقا من الخراسانیین و العراقیین و الحجازیین" انھوں نے متعدد شہروں کا سفر کیا خراسان، عراق اور حجاز کے ارباب کمال سے سماع کیا۔

قوت حافظہ: قدرت نے انہیں غیر معمولی قوت حافظ وضبط عطا فرمائی تھی، جب حدیث کو ایک بار سن لیتے ہمیشہ کے لیے حافظہ میں محفوظ ہو جاتی۔ ایک مرتبہ ایک شیخ سے حدیث کے دو جز نقل کیے مگر اب تک انہیں پڑھ کر سنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ مکہ مکرمہ کے راستے میں اتفاقا ان سے ملاقات ہوئی، امام ترمذی نے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر ان سے ان اجزا کے قرأت کی درخواست پیش کی شیخ نے قبول فرمالیا اور کہا: ان اجزا کو نکالو، میں پڑھتا ہوں تم مقابلہ کرتے جاؤ، امام ترمذی نے تلاش کیا تو اتفاقا وہ اجزا ان کے پاس نہ تھے، شیخ نے قرأت شروع کیا ان کی نظر سارے کاغذ پر پڑی، اس بات پر شیخ کو غصہ آیا فرمایا: کیا تم مذاق کرتے ہو؟ امام صاحب نے پورا واقعہ بیان کیا اور کہا وہ مکتوب اجزا میرے پاس نہیں ہیں لیکن مجھے لکھے ہوئے سے زیادہ محفوظ ہیں اور پھر امام ترمذی نے وہ ساری حدیثیں زبانی سنادیں۔ شیخ اس پر متعجب ہوئے اور فرمایا: ایک بار سننے سے ساری حدیثیں یاد ہو گئیں ہیں؟ امتحانا اپنی چالیس غریب حدیثیں پڑھیں امام ترمذی نے ان کو صحت کے ساتھ پڑھ کر سنادیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض محدثین نے ابوعیسیٰ کا امتحان لیا اور اپنی چالیس غریب حدیثیں ان کے سامنے پڑھیں جو ابوعیسیٰ ترمذی نے اسی وقت زبانی پڑھ کر سنادیں اور وہ

بولے ''مارأیت مثلک''میں آپ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔

تصانیف: امام ترمذی بلند پایہ مصنف بھی تھے حدیث رجال اور علل کے ساتھ صحابہ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ فقہ کے اقوال و آرا میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ ان کی اہم تصانیف درج ذیل ہیں: (۱) جامع ترمذی، (۲) کتاب العلل، (۳) کتاب التاریخ، (۴) کتاب الزھد، (۵) کتاب الاسماء والکنی، (۶) کتاب الشمائل النبویۃ۔

وفات: ۱۳؍رجب المرجب ۲۷۹ھ کو بمقام ترمذ آپ کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

جامع الترمذی: امام ترمذی کی جامع آپ کی سبھی تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول ہے۔ مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی ہے۔ اول یہ کہ اس کی ترتیب عمدہ ہے اور تکرار نہیں دوم اس وجہ سے کہ اس میں فقہا کا مذہب اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کا استدلال بیان کیا گیا ہے۔ سوم اس وجہ سے کہ اس میں حدیث کے انواع مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، غریب اور معلل بہ علل وغیرہ بیان کیا گیا ہے، چہارم اس وجہ سے کہ اس میں راویوں کے نام ان کے القاب اور کنیت کے علاوہ ان فوائد کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کا علم الرجال سے تعلق ہے۔

خصوصیات جامع ترمذی: اس کی تمام حدیثیں کسی نہ کسی امام محدث فقیہ کی معمول بہا ہیں۔ اس میں روایات کی تکرار بہت قلیل ہے ایک ہی مسئلہ کے متعلق مختلف روایتوں کی جانب اشارہ بھی کر دیا ہے۔ جرح و تعدیل کی رو سے سند میں جو بھی عیب و ہنر ہوتا ہے اس کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ فقہی حدیثوں میں فقہائے مذاہب کے استنباطات دلائل اور ان کے اختلافات اور اس پر رائے بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ رواۃ کے نام کنیت اور القاب کے اجمال کی تفصیل کر دیتے ہیں۔ اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو بسا اوقات تعارض دفع کرنے کے لیے کوئی توجیہ اور تاویل پیش کرتے ہیں اور کبھی رفع تعارض کے لیے متعارض حدیثوں میں سے کسی ایک کا منسوخ ہونا بیان کر دیتے ہیں۔

6.5 متن کا ترجمہ

6.5.1 متن بخاری

1) عبادہ بن صامتؓ جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے اور لیلۃ العقبۃ کے (۱۲) نقیبوں میں سے ایک تھے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت جب آپ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی فرمایا کہ مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے اور نہ عمداً کسی پر کوئی ناحق بہتان باندھو گے اور کسی بھی اچھی بات میں نافرمانی نہ کرو گے، جو کوئی تم میں (اس عہد کو) پورا کرے گا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی ان (بری باتوں) میں سے کسی کا ارتکاب کرے اور اسے دنیا میں (اسلامی قانون کے تحت) سزا دی گئی تو یہ سزا اس کے (گناہوں کے) لیے بدلہ ہو جائے گی اور جو کوئی ان میں سے کسی بات میں مبتلا ہو گیا اور اللہ نے اس کے (گناہ) کو چھپا لیا تو پھر اس کا (معاملہ) اللہ کے حوالہ ہے، اگر چاہے تو معاف کرے اور اگر چاہے تو سزا دے ۔

(عبادہؓ کہتے ہیں کہ) پھر ہم سب نے ان (سب باتوں) پر آپ ﷺ سے بیعت کر لی۔

2) حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند لوگوں کو کچھ عطا فرمایا اور سعد بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، (یہ کہتے ہیں کہ) آپ نے ان میں سے ایک شخص کو نظر انداز کر دیا جو مجھے ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تھا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے فلاں سے کیوں

اعراض فرمایا؟ خدا کی قسم! میں تو اسے مومن سمجھتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ مومن یا مسلمان؟ کچھ دیر میں خاموش رہا، اس کے بعد اس شخص کے متعلق جو مجھے معلومات تھیں انھوں نے مجھے مجبور کیا تو میں نے دوبارہ وہی بات عرض کی کہ آپ نے فلاں سے کیوں اعراض فرمایا ؟ خدا کی قسم! میں تو اسے مومن سمجھتا ہوں، حضور نے فرمایا کہ مومن یا مسلم؟ پھر جو کچھ مجھے اس شخص کے بارے میں معلوم تھا اس نے تقاضا کیا تو میں نے پھر وہی بات عرض کی، حضور ﷺ نے پھر اپنا جملہ دہرایا، اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے سعد! کوئی مجھے زیادہ عزیز ہوتا ہے اس کے باوجود میں دوسرے کو اس خوف کی وجہ سے (مال) دیتا ہوں کہ کہیں (وہ اپنے افلاس یا ایمان میں پختہ نہ ہونے کی وجہ سے اسلام سے نہ پھر جائے اور) اللہ اسے آگ میں اوندھے منہ نہ ڈال دے ۔

3) حضرت معرور سے نقل کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے مقام ربذہ میں حضرت ابوذرؓ سے ملاقات کی، ان کے بدن پر جیسی پوشاک تھی ویسی ہی ان کے غلام کے جسم پر بھی تھی، میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگے میں نے ایک شخص (یعنی غلام) کو برا بھلا کہا، میں نے اس کو اس کی ماں کے حوالہ سے عار دلائی تو رسول اللہ ﷺ نے (یہ حال معلوم کر کے) مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر! کیا تم نے اسے ماں (کے نام) سے غیرت دلائی؟ بے شک تم ایک ایسے شخص ہو جس میں ابھی بھی جاہلیت کا کچھ اثر باقی ہے، تمہارے ماتحت لوگ تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے (کسی مصلحت کی وجہ سے) انہیں تمہارے قبضے میں دے رکھا ہے لہذا جس کے ماتحت اس کا کوئی بھائی ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور ان کے ذمے کوئی ایسا کام سپرد مت کرو جو ان پر بوجھ ہو اور اگر ان کے حوالے کوئی ایسا سخت کام کرو تو تم خود بھی ان کی مدد کرو ۔

4) حضرت ابوجمرہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا کرتا تھا تو وہ مجھے اپنی چارپائی پر بٹھا لیتے تھے، (ایک دفعہ) آپ نے مجھ سے فرمایا: میرے پاس کچھ دن ٹھہرو تا کہ میں اپنے مال میں سے کچھ حصہ تمہارے لیے مقرر کر دوں، تو میں دو ماہ تک ان کی خدمت میں رہا، پھر (ایک دن) کہنے لگے کہ جب (قبیلہ) عبدالقیس کا وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ کس قبیلہ کے لوگ ہیں؟ یا یہ وفد کہاں کا ہے؟ انھوں نے عرض کیا، ہم ربیعہ کے لوگ ہیں، آپ نے فرمایا خوش آمدید ان لوگوں کو یا اس وفد کو، یہ ہمارے پاس اس حال میں آئے ہیں کہ وہ نہ رسوا ہوں گے نہ پشیماں (یعنی ان کا آنا مبارک ہے)، وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں حرمت والے مہینہ کے سوا کسی اور وقت حاضر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا یہ قبیلہ حائل ہے، لہذا ہمیں کوئی ایسی قطعی بات بتلا دیجیے جسے ہم اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بھی بتا دیں (جو یہاں نہیں آ سکے) اور جس کی وجہ سے ہم جنت میں جا سکیں، انھوں نے آپ ﷺ سے برتنوں کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے انہیں چار باتوں کا حکم دیا اور چار قسم کے برتنوں کو استعمال میں لانے سے منع فرمایا، ان کو حکم دیا کہ ایک اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ، پھر آپ نے پوچھا کہ جانتے ہو ایک اکیلے اللہ پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو اس کا زیادہ علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور چار قسم کے برتنوں کے استعمال سے آپ نے انہیں منع فرمایا، سبز لاکھی مرتبان سے اور کدو کے خول سے بنے ہوئے برتن سے، لکڑی کے کھودے ہوئے برتن سے اور روغنی برتن سے، و ربما قال المقیر (اور شاید آپ نے المقیر فرمایا، المزفت اور المقیر کے معنی ایک ہی ہیں) اور فرمایا کہ ان باتوں کو خوب یاد رکھ لو اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو (جو یہاں نہیں آ سکے) بتا دو ۔

6.5.2 متن مسلم

1) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا : بے شک اللہ تعالی علم کو بندوں سے یکلخت نہیں چھینے گا، لیکن علما کی موت کے ذریعہ علم کو اٹھالے گا یہاں تک کہ جب (روئے زمین) پر کوئی عالم دین باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا رہنما بنالیں گے، ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے جواب دیں گے، سو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

2) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی کسی کو نیکی کی دعوت دے تو اس کو اس کی پیروی کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا اور اس سے ان کے ثواب میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی اور جو کوئی کسی کو گمراہی کی دعوت دے تو اس کو اس کی پیروی کرنے والوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا اور اس سے ان کے گناہوں میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔

3) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے تنہائی میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجلس میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے میں دو ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے میں (میری رحمت) اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

4) حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی جا رہے تھے کہ ان کو بارش نے آلیا، تو انھوں نے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی، اتنے میں غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان آگری اور یہ لوگ بند ہوگئے، پھر انھوں نے ایک دوسرے سے کہا تم لوگوں نے جو نیک اعمال اللہ کی خوشنودی کے لیے کیے ہیں ان پر غور کرو اور ان اعمال کے وسیلہ سے اللہ تعالی سے دعا کرو، یقیناً اللہ تعالی تم سے یہ مصیبت دور کردے گا ، سو ان میں سے ایک نے یہ دعا کی: اے اللہ! میرے بوڑھے ماں باپ تھے، میری بیوی تھی اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، بکریاں چرا کر جن کی میں پرورش کیا کرتا تھا، جب میں شام کے وقت بکریوں کو لے کر ان کے پاس واپس آتا تو دودھ دوہتا اور اپنے بچوں سے پہلے اپنے ماں باپ کو دودھ پلاتا، ایک دن کی بات ہے کہ میں (بکریاں چراتے چراتے) بہت دور نکل گیا، جس کی وجہ سے میں رات سے پہلے نہ لوٹ سکا، جب میں پہنچا تو ماں باپ سو چکے تھے، میں نے حسب معمول دودھ دوہا اور ایک برتن میں دودھ ڈال کر ماں باپ کے سرہانے کھڑا ہو گیا، میں انہیں نیند سے بیدار کرنا ناپسند کرتا تھا اور مجھے ان سے پہلے بچوں کو دودھ پلانا بھی گوارا نہ تھا، جب کہ بچے میرے قدموں کے پاس بھوک کی وجہ سے بلک رہے تھے، فجر طلوع ہونے تک میرا اور ان کا یونہی معاملہ رہا، اے اللہ! یقیناً تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیری رضا جوئی کے لیے کیا تھا تو تُو ہمارے لیے کچھ کشادگی کردے جس سے ہمیں اس غار سے آسمان نظر آجائے، سو اللہ تعالی نے کچھ کشادگی کردی اور انھوں نے اس غار سے آسمان کو دیکھ لیا۔

پھر دوسرے آدمی نے دعا کی کہ اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی جس سے میں ایسی محبت کرتا تھا جیسے مرد عورتوں سے محبت کرتے ہیں، میں نے اس سے مقاربت کی درخواست کی، اس نے انکار کیا اور کہا پہلے سو دینار لاؤ، میں نے بہت مشقت اٹھا کر سو دینار جمع کیے اور اس کے پاس وہ دینار لے کر گیا، جب میں اس کے ساتھ جنسی عمل کرنے کے لیے بیٹھا تو اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر! اور ناجائز طریقہ سے مہر نہ توڑ، سو میں اسی وقت اس سے الگ ہو گیا، اے اللہ! یقیناً تو جانتا ہے کہ میں نے یہ فعل تیری رضامندی کے لیے کیا تھا، پس تُو ہمارے لیے اس غار کو

کچھ اور کھول دے، تو اللہ نے غار کو (مزید) کھول دیا۔

تیسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو ایک فرق (آٹھ کلو وزن) چاول کی مزدوری پر رکھا تھا، جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا تو اس نے کہا: مجھے میری اجرت دو، میں نے اسے فرق دینا چاہا تو وہ منہ پھیر کر چلا گیا، میں ان چاولوں کی کاشت کرتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اس (کی آمدنی) سے بیل اور چرواہے جمع کر لیے، پھر ایک دن وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ سے ڈر اور میرا حق نہ مار، میں نے کہا: تم ان بیلوں اور ان کے چرواہوں کے پاس جاؤ اور انہیں لے لو، اس نے کہا: اللہ سے ڈر اور میرے ساتھ مذاق نہ کر، میں نے کہا: میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کر رہا ہوں، یہ بیل اور چرواہے لے لو، تو وہ ان کو لے کر چلا گیا، یقینا تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیری رضا جوئی کے لیے کیا تھا، تو غار کا باقی ماندہ حصہ بھی کشادہ کر دے، سو اللہ نے غار کا باقی ماندہ حصہ بھی کشادہ کر دیا۔

6.5.3 متن ترمذی

1) صالح بن ابی حسان کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالی پاک ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، نظیف (صاف) ہے صفائی کو پسند کرتا ہے، فیاض ہے فیاضی کو پسند کرتا ہے، سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے، پس تم صاف ستھرا رکھو (راوی صالح کہتے ہیں) میرا خیال ہے کہ فرمایا (سعید بن المسیب نے) اپنے آنگنوں کو اور یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو۔

2) عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بندے پر اپنی نوازش کا اثر دیکھے۔

3) حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں عمرۃ القضاء کے لیے داخل ہوئے جب کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کے آگے چل رہے تھے اور وہ مندرجہ ذیل اشعار پڑھ رہے تھے۔

اے کافروں کی اولاد آپ (ﷺ) کے راستہ سے ہٹ جاؤ
آپ (ﷺ) پر نازل شدہ کتاب کے حکم سے آج ہم تمہیں ماریں گے
ایسی مار جو کھوپڑی کو اس کی جگہ سے جدا کردے
اور دوست کو دوست سے غافل کر دے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابن رواحہ! کیا تم اللہ کے رسول کے سامنے اور اللہ کے حرم میں اشعار پڑھتے ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! تم انہیں پڑھنے دو، یہ اشعار کفار پر تیر سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔

4) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلا شبہ تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے اور وہ پیپ بھی ایسا ہو جو اس کے پیٹ کو سڑا کر بگاڑ دے اور فاسد کر دے تو بھی وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھر جائے۔

6.6 لغوی تحقیق

بخاری شریف

شهد (باب سمع) شهودا	گواہی دینا، حاضر ہونا، موجود رہنا
أشهد (باب إفعال)	گواہ بنانا، حاضر کرنا
شاهديشاهد (باب مفاعلة)	معاینہ کرنا
نقيب ج نقباء	قوم کا سردار، نگراں کار، افسر، صدر
عصابة ج عصائب	جماعت
بايع يبايع (باب مفاعلة)	بیعت کرنا، عہد کرنا
أشرك (باب إفعال)	شریک کرنا، شرک کرنا
شرك (باب سمع)	شریک ہونا
اشترك (باب افتعال)	باہم شریک ہونا
سرق (باب ضرب) سرِقا و سرَقا و سرِقة	چوری کرنا
سرِق (باب سمع)	پوشیدہ ہونا
زنايزني (باب ضرب)	زنا کرنا
قتل يقتل (باب نصر) قتلا	مار ڈالنا، قتل کرنا
بهتان	کذب، جھوٹ، افترا
افترى يفترى (باب افتعال)	کسی پر تہمت لگانا، کسی کے متعلق بے بنیاد بات کہنا
عصَى يعصي (باب ضرب) عصيانا و معصية	نافرمانی کرنا
معروف	بھلی بات، خیر
وفى يفي (باب ضرب)	پورا کرنا
أجر ج أجور	بدلہ
عاقب (باب مفاعلة)	سزا دینا
كفارة ج كفارات	تدارک، گناہ کا کفارہ
أصاب (باب افعال)	پانا
ستر يستر (باب نصر)	چھپانا، پردہ پوشی کرنا
عفا يعفو (باب نصر) عن	معاف کرنا، درگزر کرنا
رهط ج أرهط، أرهاط	تین سے دس تک کا گروہ، دس آدمیوں کی ٹولی جس میں عورت نہ ہو

أعطى يعطى (باب افعال)	عطا کرنا، دینا
ترک (باب نصر)	چھوڑنا
رأى يرى رؤية (باب فتح)	دیکھنا
رُئِي يُرى (فعل مجهول)	سمجھنا، خیال کرنا، گمان کرنا
سكت (باب نصر) سكوتا	خاموش رہنا
عاد (باب نصر)	لوٹنا
مقالة ج مقالات	گفتگو، بات، قول
غلب (باب ضرب)	غالب ہونا
خشِيَ يخشى خشية	ڈرنا
كبّ (باب نصر)	منہ کے بل گرانا
رَبذه	مقام کا نام
حلّة ج حُلل	پوشاک
سابّ (مفاعلة)	باہم گالی گلوج کرنا
سبّ (باب نصر)	گالی دینا، آڑے ہاتھوں لینا
عيّر (باب تفعيل)	عار دلانا، شرم دلانا، کسی کے فعل کو قابل مذمت قرار دینا
خَوَل	غلام، ماتحت
أطعم (باب افعال)	کھلانا
أكل يأكل (باب نصر)	کھانا
ألبس (باب افعال)	پہنانا
لبِس (باب سمع)	پہننا
كلّف (باب تفعيل)	دشوار کام کا حکم دینا
أعان (باب افعال)	مدد کرنا
قعد يقعد (باب نصر) قعودا	بیٹھنا
أجلس (باب إفعال)	بٹھانا
سرير ج سُرُر	تخت، چارپائی
أقام (باب إفعال)	قیام کرنا، رہنا

جعل (باب فتح)	مقرر کرنا
سهم ج سهام	حصہ
خزي (باب سمع) خِزيا	ذلیل ہونا، رسوا ہونا، مصیبت میں پڑنا
خزيان ج خزايا	ذلیل وخوار، رسوا
ندامى، ندم (باب سمع) ندامة	نادم ہونا، پشیماں ہونا
استطاع (باب استفعال)	کر سکنا
أتى يأتى (باب ضرب)	آنا
شهر ج شهور، أشهر	مہینہ
حيّ ج أحياء	قبیلہ
أمر ج أمور	معاملہ
أخبر (باب افعال)	آگاہ کرنا، بتانا، اطلاع دینا
خبر (باب نصر)	تجربہ سے جاننا (باب کرم) پوری طرح آگاہ ہونا
وراء	پیچھے
دخل (باب نصر)	داخل ہونا
جنّة ج جنات، جنان	جنت، باغ
جُنّة	ڈھال
جنّ يجنّ (باب ضرب)	چھپنا
شراب ج أشربة	پینے کی چیز
أمر (باب نصر)	حکم دینا
نهى ينهى (باب فتح) عن	روکنا
درى (باب ضرب) دراية	جاننا
آتى يؤتي (باب افعال)	دینا
زكاة	زکات
صيام	روزے
مغنم	مال غنیمت
حنتم	مٹکا، مٹی کا سبز ٹھیلیا یا روغنی مرتبان اور روغنی گھڑا ہوتا تھا۔

دباء	کدو، (یہ ایک قسم کا کدو ہے جو خشک ہوتا ہے اور اس کے اندر سے کرید کر تخم کو پھینک دیا جاتا ہے یہ اندر سے بہترین برتن ہے)۔
نقیر	یہ بھی ایک برتن ہے لوگ کھجور کے درخت کا تنا اندر سے تراش کر کھوکھلا بنایا کرتے تھے اور پھر اس میں شراب بناتے اور رکھتے تھے۔
مزفّت	یہ وہ برتن ہے جس پر وہ لوگ سیاہ تارکول مل لیا کرتے تھے، یعنی روغن زفت یا روغن قار جو کشتیوں پر ملا جاتا تھا۔
مقیّر	یہ وہ برتن ہے جس پر سیاہ تارکول ملا جاتا تھا
حفظ (باب سمع)	حفاظت کرنا، یاد کرنا، یاد رکھنا

مسلم شریف

قبض (باب ضرب)	اٹھالینا
انتزع (افتعال)	چھین لینا
اتخذ (افتعال)	بنالینا
رأس ج رؤوس	سردار
جاهل ج جهّال	ناواقف
أفتى (باب إفعال)	فتوی دینا، شرعی مسئلہ میں رہنمائی کرنا
ضلّ (باب ضرب)	گمراہ ہونا
أضلّ (افعال)	گمراہ کرنا
دعا (باب نصر) الى	بلانا، دعوت دینا
دعا على	بددعا دینا
هدى (باب ضرب سے مصدر ہے)	ہدایت
تبع (باب سمع)	پیچھے چلنا، اتباع کرنا
نقص (باب نصر) نقصا	کم کرنا
نقص (باب نصر) نقصانا	کم ہونا
إثم ج آثام	گناہ
عبد ج عباد	بندہ
ملأ	جماعت

تقرّب (باب تفعل)	قریب ہونا،تقرب حاصل کرنا
شبر	بالشت
ذراع ج أذرع	ایک گز
هرول يهرول هرولة (باب فعلل، رباعی مجرد)	دوڑنا، بھاگنا
نفر ج أنفار	تین سے دس تک مردوں کی جماعت
تمشى (باب تفعل)	چلنا
مطر ج أمطار	بارش
أوى (باب ضرب)	پناہ لینا
غار ج غيران، أغوار	غار
جبل ج جبال	پہاڑ
انحطّ (انفعال)	اترنا
صخرة ج صخر	چٹان
طبق (باب سمع)	بند ہونا
فرج (باب ضرب)، فرّج (باب تفعيل)	کھولنا، کشادہ کرنا
صبيّ ج صبية و صبيان	بچے
رعى (باب فتح)	نگرانی کرنا، لحاظ کرنا، خیال رکھنا
أراح (باب افعال)	شام کے وقت باڑہ کی طرف اونٹوں کو واپس لانا
حلب (باب نصر و ضرب)	دوہنا
سقى (باب ضرب) سقيا	پلانا، سیراب کرنا
نأى ينأى	دور ہونا
أمسى يمسي (باب افعال)	شام میں داخل ہونا
وجد (باب ضرب)	پانا
وجد على	ناراض ہونا
نام ينام نوما	سونا
الحِلاب	دودھ دوہنے کا برتن

رأس ج رؤوس	سر
أوقظ (باب افعال)	بیدار کرنا، جگانا
کره (باب سمع) کراهة	ناپسند کرنا
أکره (باب افعال)	مجبور کرنا
تضاغی (باب تفاعل)	بھوک یا مار سے بلبلانا
قدم ج أقدام	قدم، پیر
قَدِم (باب سمع) قدوما	آنا
قدَم (باب نصر)	سابق ہونا، آگے بڑھنا
قدُم (باب کرم) قدامة و قِدَما	پرانا ہونا
دأب	عادت
طلع (باب نصر)	نکلنا، ظاہر ہونا، روشن ہونا
ابتغی یبتغی (باب افتعال)	طلب کرنا، چاہنا
ابتغاء وجه الله	اللہ کی خوشنودی چاہنا
سماء ج سماوات	آسمان
أحبّ (باب افعال)	چاہنا
رجل ج رجال	مرد
أبی یأبی	انکار کرنا
دینار ج دنانیر	دینار
تعب (باب سمع)	تھکنا
جمع (باب فتح)	جمع کرنا
اتقی یتقي	ڈرنا
فتح (باب فتح)	کھولنا
خاتم ج خواتم، خُتم	انگوٹھی، مہر
استأجر (استفعال)	کرایہ پر لینا
أجر (باب نصر و ضرب)	کرایہ پر دینا
أجیر ج أجراء	مزدور، نوکر، ملازم

أرُزٌّ	چاول
قضى (باب ضرب)	پورا کرنا
قضى على	کام تمام کرنا
عرض (باب ضرب)	پیش کرنا
رغب (باب سمع) عن	بےتوجہی اختیار کرنا، اعراض کرنا
زرع (باب فتح)	بونا، بیج ڈالنا
راعٍ ج رُعاء	چرواہا، مویشی کا نگہبان
ظلم (باب ضرب) الحق	گھٹانا
استهزأ (باب استفعال)	مذاق کرنا، ٹھٹھا کرنا
سنن الترمذي	
طيّب	پاکیزہ
نظيف	صاف ستھرا
نظف (باب کرم) نظافة	صاف ستھرا ہونا
نظّف (باب تفعیل)	پاک کرنا، صاف کرنا
جواد	سخی
فِناء ج أفنية	صحن
تشبّه (باب تفعل)	مشابہت اختیار کرنا
نعمة ج نِعم، أنعم	نعمت، نوازش
خلّى (باب تفعیل)	چھوڑنا، آزاد کرنا
سبيل ج سبل	راستہ
أزال (باب افعال)	ہٹا دینا
هام (و) هامة	کھوپڑی، ہر چیز کا سرا، دھڑ پر بھی اطلاق ہوتا ہے
مقيل	جگہ، مقام
أذهل (باب افعال)	غافل کردینا
نضح فلانا بالنبل (باب فتح و ضرب)	تیراندازی کرنا
نبل ج نِبال، أنبال، نُبلان	تیر

قيح	پیپ
امتلأ يمتلئ (باب افتعال)	بھرنا، بھر جانا
جوف ج أجواف	پیٹ

6.7 متن سبق کی توضیح وتشریح

6.7.1 متن بخاری

حضرت عبادہؓ کی کنیت ابوالولید ہے اور یہ انصاری ہیں، یہ نقبا میں سے ہیں، عقبہ اولی ثانیہ اور ثالثہ تینوں میں شریک رہے، اسی طرح بدر اور دیگر تمام غزوات میں بھی شریک ہوئے ہیں، حضرت عمر نے ان کو شام کا قاضی بنایا تھا، یہ حمص میں رہے پھر فلسطین چلے گئے اور رملہ یا بیت المقدس میں ۳۴ھ میں انتقال کر گئے، ان کی عمر ۷۲ سال تھی۔

أن لا تشركوا: شرک سے مراد شرک اصغر یعنی ریاکاری ہے یا یہ تجدید بیعت ہے اور مستقبل میں شرک سے بچنے کی ہدایت اور تلقین ہے، ورنہ تو مسلمان پہلے سے توحید پر ہوتا ہے۔

ولا تقتلوا أولادكم: چونکہ عرب میں قتل اولاد کا رواج تھا اس لیے خصوصیت سے یہ بیعت لی گئی، عرب میں دو قسم کے لوگ دو مختلف کمزوریوں کی وجہ سے اولاد کو قتل کرتے تھے، ایک تو وہ لوگ تھے جو فی الحال مفلس وفقیر تھے، یہ اولاد کا بوجھ اٹھانے سے عاجز تھے اس لیے اولاد کو قتل کرتے تھے، قرآن کریم نے ان سے کہا: **ولا تقتلوا اولادكم من إملاق**۔

دوسرے وہ لوگ تھے جو فی الحال تو خوش حال تھے لیکن ان کو خطرہ تھا کہ آئندہ اولاد بڑھنے سے ہم فقیر ہو جائیں گے تو وہ اولاد کو قتل کرتے تھے، ان کے لیے قرآن کریم نے یہ اعلان کیا: **ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق**، کہ تمہیں آئندہ کا خوف فقر دامن گیر نہیں ہونا چاہیے۔

ولا تأتوا ببهتان: بھتان بھت سے مبہوت اور متحیر کرنے کے معنی میں ہے، یہ وہ جھوٹ ہے جو سننے والے کو حیرت میں ڈال دیتا ہے، بعض نے کہا کہ اس سے مراد تہمت لگانا ہے۔

ولا تعصوا في معروف: معروف کا ذکر یہاں ذکر العام بعد الخاص کی قبیل سے ہے کہ خاص خاص چیزوں کے بعد عام معروف کا ذکر کیا، معروف میں اوپر ذکر کردہ تمام احکام عمومیت کی بنا پر داخل ہو گئے ہیں۔

معروف ومنکر وہ ہے جس کا حسن وقبح شریعت سے معلوم ہو۔

فمن وفي: وفي تخفیفا وتشدیدا دونوں طرح پڑھا گیا ہے، علامہ طیبی نے لکھا ہے کہ وفی یہ ہے کہ کوئی کام پورا اور مکمل کیا جائے، لہٰذا اس ثواب کا مستحق وہ شخص ہوگا جو تمام حقوق وعہود کو بحسن وخوبی انجام دے۔

فعوقب به: یعنی اس مرتکب گناہ پر شرعی حد جاری کی گئی، **فهو كفارة له:** یہ حکم شرک کے علاوہ دیگر گناہوں کے لیے ہے، کیونکہ شرک نا قابل معافی گناہ ہے۔

فستره الله عليه: یعنی اللہ تعالی نے اس کے گناہ پر پردہ ڈالا ہے تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ بھی گناہ کا تذکرہ لوگوں کے سامنے نہ کرے بلکہ

خفیہ طور پر توبہ کرے، پس قاعدہ یہ ہے کہ خلوت کی معصیت کی توبہ خلوت میں ہے اور جلوت کی جلوت میں ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ ساتویں مسلمان تھے، آپ ؓ کی کنیت ابو اسحاق ہے، آپ نے انیس سال کی عمر میں نماز کی فرضیت کا حکم نازل ہونے پہلے اسلام قبول کیا، آپ غزوہ بدر، حدیبیہ اور دیگر جنگوں میں شریک رہے، آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے اور آپ مستجاب الدعوات تھے، حضرت عمر ؓ نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے جن چھ افراد پر مشتمل شوری بنائی تھی اس کے ایک رکن آپ بھی تھے، مدینہ سے دس میل فاصلہ پر واقع مقام عقیق میں آپ کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی، آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو انہی کپڑوں میں کفنایا گیا جنہیں آپ جنگ بدر میں زیب تن کیے ہوئے تھے، سن وفات کے بارے مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے، کسی نے ۵۵ ہجری بتایا تو کسی نے ۵۸ ہجری اور کسی نے ۵۴ ہجری، وفات کے وقت آپ کی عمر ستر سے متجاوز تھی۔

فترک رسول اللہ ﷺ رجلا ھو أعجبھم الي: حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ نے فتح الباری میں روایت کیا ہے کہ یہ صاحب جن کو چھوڑ دیا تھا اوران کو نہیں دیا تھا ان کا نام جعیل بن سراقہ الضمری تھا، سعد بن ابی وقاص ؓ کہتے ہیں کہ وہ مجھے ان میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ تھے۔

أو مسلما: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ''او'' یہاں بل کے معنی میں ہے، یعنی آنحضرت ﷺ بتانا چاہتے ہیں کہ ایمان ایک باطنی امر ہے اس پر حکم نہ لگاؤ، صرف ظاہر پر حکم لگاؤ جو کہ اسلام ہے، لہٰذا ان کو مسلم کہو، مومن نہ کہو، اس جیسی روایتوں کی بنیاد پر بعض علما اسلام اور ایمان میں فرق کے قائل ہیں، نیز اس روایت سے اس بات کا جواز ملتا ہے کہ مالی اعانت کے ذریعہ کمزور مسلمان کے دین کو بچانے کی فکر کی جانی چاہیے ۔

جب آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی حضرت جعیل کو مؤمن قرار دینے کے بارے میں ایک طرح سے تردید فرمائی کہ ''تمہیں مسلم کہنا چاہیے تھا'' تو اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ انحضرت ﷺ کو حضرت جعیل کے صادق الایمان ہونے کے بارے میں شک تھا کہ ان کا ایمان سچا ہے یا نہیں اور یہ گویا ایک طرح سے ان کی منافق ہونے کا اظہار ہے۔

لیکن یہ معنی سمجھنا صحیح نہیں، کیونکہ اس کی دلیل یہ ہے کہ دوسری روایت میں حضرت جعیل کی فضیلت خود حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابو ذر ؓ سے پوچھا کہ جعیل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ جیسے اور مسلمان ہوتے ہیں ایسے وہ بھی ہیں، اسی طرح آپ ﷺ نے ایک اور شخص کے بارے میں پوچھا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے تو انھوں نے فرمایا کہ ''ھو من سادات الناس'' وہ سادات میں سے ہیں، بہت اعلی درجے کی قائدانہ صلاحیت ان کے اندر ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''دوسرے آدمیوں سے اگر پوری زمین بھر جائے تو جعیل ان سے بھی زیادہ افضل ہیں'' تو وہاں حضور ﷺ نے حضرت جعیل کی فضیلت کی شہادت دی۔

حضرت معرور بن سوید تابعین میں سے ہیں۔ مشہور قول کے مطابق حضرت ابوذر غفاری ؓ کا نام جندب بن جنادہ ہے، آپ قدیم الاسلام ہیں ،آپ چوتھے یا پانچویں مسلمان ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد آپ وطن واپس ہو گئے اور غزوہ خندق کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہو کر آپ ﷺ کے وصال تک آپ کی صحبت میں رہے، حضرت ابوبکر ؓ کی وفات کے بعد آپ ملک شام چلے گئے، حضرت عثمان ؓ دور خلافت میں حضرت معاویہ ؓ کی شکایت کی وجہ سے امیر المؤمنین نے آپ کو مقام ربذہ میں سکونت اختیار کرنے کا مشورہ دیا، آپ کی وفات مقام ربذہ میں سن ۳۲ھ میں ہوئی اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ربذة: مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر چھوٹی سی بستی ہے۔

فعیرته بأمه: میں نے اس کو اس کی ماں کے حوالہ سے عار دلائی، حضرت ابوذرؓ کا یہ واقعہ حضرت بلال حبشیؓ کے ساتھ پیش آیا تھا، آپ نے بلال حبشیؓ کو یا ابن السوداء کہا تھا۔

إنک امرؤ فیک جاهلیة: تم ایسے آدمی ہو کہ تمہارے اندر جاہلیت کا کچھ اثر ہے، حضرت ابوذر نے یا ابن السوداء کہا تھا، یہ جملہ نفس الامر کے اعتبار کے سے غلط نہیں تھا، کیونکہ حضرت بلال حبشی تھے اور ان کی والدہ سوداء ہی ہوں گی تو اس واسطے سے ''یا ابن السوداء'' کہنے میں جھوٹ نہیں تھا، لیکن اس کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاہلیت سے تعبیر فرمایا، اس لیے کہ اگر چہ کہ یہ جملہ نفس الامر کے مطابق تھا لیکن نفس الامر کے مطابق ہونے کے باوجود عار دلانا مقصود تھا، ذلیل کرنا مقصود تھا جس سے مسلمان کی دل آزاری ہوتی تھی۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی بات نفس الامر میں صحیح ہو، لیکن اس کو برملا اظہار کرنے سے دوسرے آدمی کی تذلیل ہوتی ہو یا اس کی دل آزاری ہوتی ہو تو یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوں ہی **انک امرؤ فیک جاهلیة** فرمایا تو حضرت ابوذر کسی تاویل و توجیہ یا اپنی غلطی کا عذر بیان کیے بغیر بس فوراً بلا تاخیر زمین پر لیٹ گئے اس طرح کہ اپنے رخسار زمین سے ملا دیے اور کہا کہ اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک کہ حضرت بلال آ کر پاؤں میرے رخسار پر نہ رکھیں، چنانچہ اسی طرح لیٹے رہے حضرت بلال کو بلایا گیا حضرت بلال نے آ کر پاؤں رکھا تب وہاں سے اٹھے۔

إخوانکم خولکم جعل الله تحت ایدیکم الخ: زمانہءِ جاہلیت میں حر (آزاد) غلام کی بنسبت بدرجہا افضل ہوتا تھا، لہٰذا غلام کی توہین و تذلیل کوئی مانع نہیں رکھتی تھی، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس منشا کو قطع فرمایا جس منشا کی بنیاد پر حضرت بلال کو عار دلائی گئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا یہ تصور کہ غلام کوئی ادنی درجہ کی چیز ہے جاہلی تصور ہے، اسلام میں ان کا یہ مقام ہے کہ ''اخوانکم خولکم'' کہ تمہارے جو غلام ہیں وہ تمہارے بھائی ہیں۔

وہ غلامی جس کا رواج جاہلیت میں تھا اور جاہلیت میں صرف عرب میں نہیں بلکہ روم و ایران میں سب جگہ غلاموں کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا تھا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اخوت اور بھائی چارہ بنا دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں، ہجرت سے تین سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت آپؓ کی عمر تیرہ سال تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کمال ادب سے خوش ہو کر تفقہ فی الدین، حکمت اور تفسیر قرآن میں مہارت کی دعا مانگی تھی، اس لیے وہ گفتگو میں افصح الناس تھے، علم میں اعلم الناس تھے اور شکل میں اجمل الناس تھے، لمبے قد کے مالک تھے، جب پیدل چلتے تو سواری پر معلوم ہوتے تھے، دو دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا۔

حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں ان کو عمر رسیدہ صحابہؓ پر مقدم رکھتے تھے اور ان سے مشورہ لیتے تھے، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ۷۱ سال کی عمر میں ۶۸ھ میں انتقال کر گئے، طائف میں جامع مسجد ابن عباس کے مکتبہ ابن عباس میں مدفون ہیں۔

6.7.2 وفد عبد القیس

عبد القیس بحرین کا ایک بڑا قبیلہ تھا، یہ وفد چالیس افراد پر مشتمل تھا اور قبیلہ ربیعہ بنو نزار سے ان کا تعلق تھا جو قبیلہ مضر کے مقابل تھے، یہ وفد

مدینہ منورہ کب آیا تھا؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کب حاضری دی تھی؟ اکثر علما اور شارحین حدیث کے قول کے مطابق یہ وفد سن ۸ ھ میں آیا تھا اور یہ لوگ برضا و رغبت خود مسلمان ہو کر آئے تھے، مشہور مورخ علامہ واقدی اور قاضی عیاض نے اس قول کو اختیار کیا ہے، امام مغازی ابن اسحاق اور ابن کثیر وغیرہ اہل تاریخ کے نزدیک یہ وفد ۹ ھ میں آیا تھا، ابن اثیر نے اس وفد کی آمد کو ۱۰ ھ میں بتایا ہے ۔

تحقیق کے بعد یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ یہ وفد دو دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا، ایک مرتبہ ۵ ھ میں اور دوسری دفعہ ۹ ھ میں حاضر خدمت ہوا تھا۔

6.7.3 وفد عبد القیس کی آمد کا سبب

بحرین کے لوگ تاجر تھے، ان میں سے ایک تاجر منقذ بن حیان بغرض تجارت مدینہ منورہ آئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دلچسپی سے اہل بحرین کے شرفاء کے حالات ان سے معلوم کیے اور خصوصیت سے ایک صاحب منذر بن عائذ کے حالات دریافت کیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منقذ بن حیان کو اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئے اور کچھ ضروری چیزیں اسلام کی سیکھ کر واپس وطن جانے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحرین کے سرداروں کے نام خط لکھ کر ان کے حوالہ کر دیا، منقذ بن حیان یہ خط لے کر بحرین پہنچے اور منذر بن عائذ ملقب بہ ''أشج عبد القیس'' کے ہاتھ میں دے دیا، منقذ بن حیان اشج عبد القیس کے داماد تھے، ان کی بیوی اشج کی بیٹی تھیں، وہ منقذ بن حیان کو عبادت کرتے ہوئے دیکھتی تھیں اور حیران ہوتی تھیں، انھوں نے اپنے والد اشج سے اس کا تذکرہ کیا کہ میرے شوہر کی جب سے مدینہ سے واپسی ہوئی ہے وہ عجیب و غریب عبادات میں مشغول رہتے ہیں، اشج نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط کھول کر پڑھا اور بیٹی سے اسلام کے بارے میں سنا تو وہ مسلمان ہو گئے، پھر انھوں نے مجمع میں یہ خط پڑھ کر سنایا، لوگ مسلمان ہو گئے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی، اس دفعہ یہ وفد تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا۔

من القوم أو من الوفد: اس کلام میں راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''من القوم'' فرمایا تھا یا ''من الوفد'' فرمایا تھا، یہ صحابہ کرامؓ کی کمال درجہ کی احتیاط اور ان کی اعلی ذہانت اور امانت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے انتہا محبت تھی کہ لفظی تغیر کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے، لفظ ''او'' کے بعد ''قال'' پڑھا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان لوگوں سے یہ سوال یا تو تعارف کے لیے تھا یا طلب انست کی غرض سے تھا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام عادت کریمہ تھی جس میں عموماً محبت کا پہلو ہوتا تھا۔

غیر خزایا: خزایا، خزیان کی جمع ہے اور خزی ذلت و رسوائی کے معنی میں ہے ۔

و لا ندامی: یہ ندمان کی جمع ہے جو نادم پشیمان کے معنی میں ہے ۔

اس کا مطلب یہ کہ یہ لوگ خوش دلی کے ساتھ اسلام قبول کیے، جنگ و جدال کی نوبت نہیں آئی جس کا انجام آخر کار رسوائی اور ذلت ہوتا ہے۔

الشهر الحرام: الشہر الحرام سے تقدس و احترام کے چار مہینے مراد ہیں جن میں تین ایک ساتھ ہیں اور ایک الگ ہے، ذو القعدہ، ذو الحجہ او رمحرم ایک ساتھ ہیں اور رجب الگ ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں اس وفد نے الشہر الحرام سے صرف رجب کا مہینہ مراد لیا ہے، کیونکہ قبیلہ مضر کے لوگ رجب کا احترام بے حد کرتے تھے حتی کہ رجب کا نام رجب مضر ہو گیا تھا۔

أمر فصل: فصل کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ فاصل کے معنی میں ہے جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن امر ہو یا فصل مفصل کے معنی

میں ہے کہ ہمیں خوب تفصیل سے بتا دیجیے تا کہ ہم کسی اور کے محتاج نہ ہوں۔

و سألوہ عن الأشربة: أشربة جمع شراب بمعنی مشروب ہے اور جواب سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گویا فرمایا کہ تم تو مشروب کے بارے میں پوچھتے ہو میں تو ان مشروبات کے لیے استعمال کیے جانے والے برتنوں کو بھی جائز نہیں سمجھتا جن میں کبھی شراب رکھنے بنانے اور پینے کا عمل ہوا کرتا تھا، کیونکہ یہ برتن شراب کی یاد تازہ کر دیتے ہیں، ان سے روکنا بھی تاکیدی حکم ہے تا کہ شراب سے بھی مکمل اجتناب و نفرت ہو جائے، جب اس کی نفرت صحابہ کے دلوں میں گھر کر گئی تب برتن رکھنے کی اجازت بھی مل گئی۔

و نهاهم عن أربع: یعنی آنحضرت ﷺ نے ان کو چار قسم کے ایسے برتنوں سے منع فرمایا جس میں وہ لوگ شراب بناتے تھے، جن کے مسامات (سوراخ) بند ہوتے تھے اور اس میں بہت جلدی شراب بنتی تھی اور جلدی نشہ آتا تھا۔

الحنتم: مٹکا، مٹی کا سبز ٹھیلیا یا روغنی مرتبان اور روغنی گھڑا ہوتا تھا۔

الدباء: یہ ایک قسم کا کدو ہے جو خشک ہوتا ہے اور اس کے اندر سے کرید کر تخم کو پھینک دیا جاتا ہے یہ اندر سے بہترین برتن ہے۔

النقير: یہ بھی ایک برتن ہے لوگ کھجور کے درخت کا تنا اندر سے تراش کر کھوکھلا بنایا کرتے تھے اور پھر اس میں شراب بناتے اور رکھتے تھے۔

المزفت: یہ وہ برتن ہے جس پر وہ لوگ سیاہ تار کول مل لیا کرتے تھے، یعنی روغن زفت یا روغن قار جو کشتیوں پر ملا جاتا تھا۔

6.7.4 متن مسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص قرشی انتہائی زاہد و عابد تھے، زمانہء جاہلیت میں بھی آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور سریانی زبان میں آپ کو مہارت تھی، اپنے والد سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ ﷺ سے آپ نے کتابت حدیث کی اجازت طلب کی تو آپ کو اجازت مل گئی، حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں مختصر مدت کے لیے آپ کوفہ کے گورنر رہے، سن ۶۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

لا يقبض العلم: اللہ تعالی چونکہ بے انتہا فیاض اور نہایت سخی ہے اور عموما سخی آدمی جب سخاوت کر کے کسی پر فیاضی کرتا ہے تو پھر اس سے واپس نہیں لیتا ہے، اللہ تعالی بھی جب کسی پر علم کا انعام کرتا ہے تو پھر اس سے چھینتا نہیں ہے، ہاں علم کے اٹھنے اور ختم ہونے کی صورت یہ ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالی علما کو اٹھالیتا ہے، جب بڑے بڑے علما اٹھ جاتے ہیں تو ان کی جگہ خالی رہ جاتی ہے اور چونکہ لوگ مسائل معلوم کرنے میں علما کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں لہذا جب علماء کی قلت ہوگی تو مسائل معلوم کرنے لیے لوگ جاہلوں کو اپنا بڑا اور پیشوا بنالیں گے ظاہر ہے کہ جب وہ جاہل ٹھہرے تو غلط مسائل بتائیں گے اور غلط فتوے دیں گے، لہذا وہ خود بھی گمراہ ہو جائیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے نام کے بارے میں محدثین کے درمیان شدید اختلاف ہے، تاہم محدثین آپ کا نام عبدالرحمن بن صخر بتاتے ہیں، آپ قبیلہ دوس سے تھے، سن ۷ھ خیبر کے سال آپ مشرف بہ اسلام ہوئے اور شب و روز نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں رہے، اسی وجہ سے آپ تمام صحابہ میں کثیر الحدیث ہیں، محدثین کے قول کے مطابق آپ کی روایتوں کی تعداد ۵۳۷۴ ہے، آپ کا قیام اکثر مدینہ میں رہا اور وہیں آپ کی وفات سن ۵۹ھ ہوئی۔

مثل أجور من تبعه: یعنی ایک نے نیک کام پر خود بھی عمل کیا اور دوسروں کو بھی بلایا، اب جس نے بھی اس نیک کام میں اس کی پیروی کی تو اس کے عمل کا ثواب بھی اس بلانے والے کو ملے گا جب کہ اس پیروی کرنے والے کے ثواب میں بھی کمی نہیں آئے گی، کیونکہ الدال علی الخیر کفاعلہ سے

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو امت کے اچھے اعمال سے وہ خزانے ملیں گے جن کا حساب بھی نہیں لگایا جاسکتا، اسی طرح کسی برائی کی بنیاد ڈالنے والے کا بھی یہی حکم ہے ۔

أنا عند ظن عبدي بي : یعنی میرا بندہ میرے متعلق جو نیت اور گمان رکھتا ہے میں اسی کے موافق فیصلہ کرتا ہوں، مثلاً اگر کوئی شخص میرے متعلق یہ گمان قائم کرے کہ میرا رب مجھے معاف کریگا تو میں اس کو معاف کر دیتا ہوں اور اگر میرے متعلق اس کی نیت یہ ہو کہ میرا رب معاف نہیں کرے گا تو میں اس کو معاف نہیں کروں گا، اس لیے بندہ کو اپنے رب کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے۔

و إن أتاني يمشي أتيته هرولة : احادیث شریفہ میں وارد اس طرح کے جملوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی رحمت اپنے بندوں کے گناہوں کو بخشنے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈتی رہتی ہے، لہذا جو بندہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جس قدر تیزی دکھاتا ہے اس سے کہیں زیادہ رحمت الٰہی اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن امیر المؤمنین عمرؓ کی کنیت ابوعبدالرحمن ہے، دور جاہلیت میں بھی آپ کے گھرانے کا شمار قریش کے معزز گھرانوں میں ہوتا تھا، آپ کی پرورش اسلام میں ہوئی، آپ انتہائی جری اور بہادر تھے، اپنے والد کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، فتح مکہ میں شریک رہے، آپ کی پیدائش اور وفات مکہ میں ہوئی، ساٹھ سال کے طویل عرصہ تک آپ نے لوگوں کی شرعی مسائل میں رہنمائی فرمائی،، کتب حدیث میں آپ کی ۲۶۳۰ روایتیں ہیں، آپ اتباع سنت میں شہرت رکھتے تھے، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، مکہ میں وفات پانے والے آپ آخری صحابی ہیں، آپ کی وفات سن ۷۳ھ میں ہوئی ۔

اس حدیث شریف میں تین آدمیوں کا واقعہ مذکور ہے جو بارش سے بچنے کے لیے کسی غار میں پناہ لیے تھے کہ پتھر لڑھکر غار کے منہ پر آگرا جس کی وجہ سے غار سے باہر نکلنے کا راستہ بند ہو گیا اور ان تینوں نے اپنے سب سے زیادہ مقبول عمل کو اللہ کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کر کے مصیبت سے نجات حاصل کی، اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ کا وسیلہ لینا جائز ہے اور نیک اعمال دفع مضرت کے لیے بہترین وسیلہ ہیں۔ پہلے شخص کے عمل سے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت کو اہل وعیال کی خدمت پر ترجیح دینے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے شخص کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گناہ پر قدرت رکھنے کے باوجود اللہ کے ڈر سے گناہ سے کنارہ کشی اختیار کرنا تقرب الی اللہ کا سبب اور تقوی و پرہیز گاری اختیار کرنا دعا کی قبولیت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ تیسرے شخص کے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حقوق العباد کا پاس ولحاظ رکھنے، امانت داری اور دیانتداری کا مظاہرہ کرنے سے اللہ راضی ہوتا ہے اور مصیبت کی گھڑی میں بندہ کو وہ بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا جیسے اس شخص کی دیانتداری کے صلہ میں اللہ نے اس سے مصیبت ٹلا دی ۔

6.7.5 متن ترمذی

حضرت سعید بن مسیب مخزومی قرشیؒ کی کنیت ابو محمد ہے، آپ کا لقب سید التابعین ہے، مدینہ کے فقہائے سبعہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ بیک وقت حدیث، فقہ اور زہد و رع کے جامع تھے، سلطانی عطایا آپ قبول نہیں کرتے تھے بلکہ تیل کی تجارت کے ذریعہ اپنی گذر بسر کیا کرتے تھے، حضرت عمرؓ کے احکام اور فیصلوں کے حافظ تھے حتی کہ آپ کو راوی عمر کہا جانے لگا، سن ۹۴ھ مدینہ میں آپ کی وفات ہوئی۔

اس حدیث شریف میں نظافت و نفاست اور سخاوت کی ترغیب دی گئی ہے، اللہ تعالی ان صفات سے متصف ہے لہذا بندوں کو بھی تخلقوا

باخلاق اللہ کے بموجب ان اوصاف سے آراستہ وپیراستہ ہونا چاہیے۔

ولا تشبھوا بالیھود: یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو، یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ یہود اپنے گھروں کے صحن اور آنگن کو کوڑے کرکٹ سے ناپاک وگندا رکھا کرتے تھے۔

سند اس طرح ہے: عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص قرشی سہمی۔

اس حدیث سے اظہار نعمت کا استحباب معلوم ہوتا ہے، یعنی آدمی کو چاہیے کہ اللہ نے اس کو جن نعمتوں سے بہرہ ور کیا ہے اس کا اظہار کرے، تاکہ ایک طرف اللہ کا شکر ادا ہو تو دوسری طرف غریب لوگوں کو اس کی مال داری معلوم ہو تاکہ اگر وہ اس سے اپنی ضرورتیں بیان کرنا چاہیں تو بیان کرسکیں، انعامات الہیہ اور فراوانی نعمت کے باوجود خستہ حالت میں رہنا شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوحمزہ یا ابوثمامہ ہے، آپ کی پیدائش مدینہ میں ہوئی اور بچپن ہی میں اسلام قبول کیا، آپ رضی اللہ عنہ کو دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل رہا، مدینہ سے دمشق چلے گئے اور پھر وہاں سے بصرہ منتقل ہوگئے اور وہیں آپ کا انتقال ہوا، بصرہ میں وفات پانے والے آپ آخری صحابی ہیں، سن وفات کے بارے میں اختلاف ہے، مشہور قول کے مطابق آپ کی وفات سن ۹۳ھ میں ہوئی۔

اس حدیث سے شعر وشاعری کی اجازت معلوم ہوتی ہے، اسلام میں شعر وشاعری کی مذمت دراصل شاعری کے ذریعہ حاصل کیے جانے والے اغراض فاسدہ کے پیش نظر ہے، جس میں بے جا مدح سرائی اور ناحق کسی کی ہجو گوئی، شراب کی تعریف وتوصیف، عورتوں کے حسن وجمال کا اس انداز سے نقشہ کھینچنا کہ جس سے پڑھنے والے کے شہوانی جذبات وخواہشات بھڑک اٹھیں، البتہ اگر شاعری کا استعمال اچھے مقاصد کے حصول کے لیے ہو تو اسلام میں اس کی اجازت ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ بھی آپ ﷺ کا حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ اور آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی موجودگی میں منبر پر کھڑا کر کے شعر پڑھنے کا حکم دینا اور آپ ﷺ کا یہ قول مبارک ''اِن من الشعر لحکمۃ'' یہ سب اس امر کی واضح دلیل ہے کہ تائید دین ونصرت حق کے لیے شعر وشاعری کو بھی وسیلہ بنانا درست ہے۔

راہ یریہ ریھا: وہ بیماری اور مواد جو پیٹ کو خراب کردے، مطلب یہ ہے کہ غلط اشعار یا کثرت سے شعر وشاعری کو معمول بنانا موذی بیماری سے بھی زیادہ تباہ کن ہے، کیونکہ شاعری میں انہماک انسان کو بہت سے ضروری اور اہم کاموں سے غافل کردیتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ تم میں سے کسی کے پیٹ کا پیپ سے بھر جانا اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھر جائے۔

قیح سے خون اور پیپ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی کا پیٹ بدہضمی اور خون و پیپ سے بھر جائے یہ اس سے بہتر کہ اس کا پیٹ نامناسب اور خلاف شرع اشعار سے بھر جائے، اس حدیث شریف میں بے ہودہ اور بے جا مبالغہ پر مبنی اشعار کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

6.8 متون مذکورہ کی خصوصیات

ان احادیث مبارکہ کے متن سے بہت سارے دینی اور اسلامی اصول مستخرج اور مستنبط ہوتے ہیں:

1- دین اسلام میں بیعت لینا ایک مسنون عمل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے دین اسلام پر کاربند رہنے، ہجرت کرنے، میدان

جہاد میں ثابت قدم رہنے، فواحش ومنکرات کو چھوڑنے، سنت پر عمل کرنے اور بدعات ورسوم سے دور رہنے کی بیعت لی تھی اور حدود گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں۔

2۔ جس کے اندرونی حالات کا علم نہ ہو اسے مومن نہیں سمجھنا چاہیے؛ کیوں کہ باطن پر اللہ کے علاوہ اور کون مطلع ہوسکتا ہے؟ البتہ اس کے ظاہری حالات کے پیش نظر اسے مسلمان کہہ سکتے ہیں۔

3۔ کسی کو کسی طرح عار نہ دلایا جائے گرچہ وہ غلام ہوں، یعنی یہ کہیں اے سیاہ فام غلام، یہ غلام اور نوکر بھی انسان ہیں، یہ ہمارے بھائی ہیں، جو خود کھائے اسے کھلائے، جو پہنے اسے پہنائے، جو کام ان سے نہ ہوسکتا ہو وہ اس میں ان کا ہاتھ بٹائے

4۔ آنے والے مہمانوں کا خوش آمدید کہنا اسلامی ادب ہے، نیز ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ علم وایمان کو دوسرے سکھائے اپنے سینے میں صرف محفوظ کر کے نہ رکھے انہیں اہم امور دین: ایمان لانا یعنی اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز ٹھیک طریقے سے ادا کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، شراب جیسے حرام چیزوں سے بچنے کی تاکید کرنا چاہیے۔

5۔ یہ بتلایا گیا کہ آخری زمانے میں علم کے اٹھائے جانے کی شکل یہ ہوگی کہ علما اٹھا لیے جائیں گے جس کے نتیجے میں لوگ جاہلوں کو اپنا مقتدا بنالیں گے، وہ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

6۔ شریعت اور دین کا ایک اصول یہ ہے کہ جو شخص راہ ہدایت کے طرف بلائے تو اس کو بھی اجر ملتا ہے اور اور جو راہ راست پر چلتا ہے اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص کسی کو برائی کی دعوت دیتا ہے تو اس دعوت دینے والے کو بھی اتنا ہی گناہ ملتا ہے جتنے گناہ کرنے والے کو گناہ ملتا ہے، گناہ کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ (یعنی اگر کوئی تعلیم، علم یا عبادت یا ادب کا اس حکم دے تو لوگ اس پر خواہ اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد عمل کریں اس کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے)

7۔ اور یہ بھی بتلایا گیا کہ بندہ جتنا اللہ عزوجل کے قربت حاصل کرتا ہے اللہ عزوجل کی رحمت عنایت اور توفیق اس کی جانب اتنی متوجہ ہوتی ہے، جس کو مثال سے سمجھا گیا کہ میں بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہو،، اگر مجمع میں یاد کرتا ہے تو اس سے بہتر مجمع میں اس کو یاد کرتا ہوں، ایک بالشت بڑھ کر آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف آتا ہو اور ایک ہاتھ نزدیک ہوتا ہے تو دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر یعنی ایک باع قریب ہوتا ہو، چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہو۔

8۔ ایک اصول یہ بھی بتلایا گیا کہ اعمال صالحہ کے ذریعہ وسیلہ لے کر آدمی دعا کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔

9۔ مومن کو نظیف، نظافت پسند، داتا اور سخی ہونا چاہیے کہ کیوں کہ جس ذات پر وہ ایمان رکھتا ہے وہ پاکیزہ ذات وہ پاکی کو پسند کرتی ہے، وہ سخی ہے سخاوت کو پسند کرتی ہے۔

10۔ اگر انسان کو اللہ نے نعمت دی ہے تو سخاوت، کار خیر میں خرچ اور خود اپنی ذات اور اہل وعیال پر خرچ کی ذریعے اللہ کے انعامات اور عطا اور داد وہش کا اثر اس پر دیکھائی دینا چاہیے۔

11۔ اور یہ معلوم ہوا کہ دینی امور اور حکم وامثال اور کفار کے دفاع میں اشعار کہے جاسکتے ہیں، جن اشعار کے اشتغال سے دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہو ان میں مشغولیت شرعی اعتبار سے نہایت قبیح چیز ہے۔

6.9 اسلوبی خصوصیات

1۔ احادیث رسول کی اسلوبی خصوصیت یہ ہوتی ہیں کہ مفہوم کی ادائیگی اور الفاظ کی اجتماعی ترکیب نہایت مضبوط ہوتی ہے اور مفہوم کی ادائیگی کے لیے نہایت فصیح وبلیغ جملے استعمال ہوتے ہیں، جو برموقع برمحل ہوتے ہیں، جس میں بالکل موقع اور محل کے لحاظ سے کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ''إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا۔

اس حدیث رسول پر غور کیجیے اس میں علم کے اٹھ جانے جو کہ علما کے اٹھائے جانے سے ہوگا، پھر لوگ جاہلوں کو اپنا سردار اور مقتدا بنائیں گے اور وہ بغیر جانکاری اور علم بتائیں جس کے نتیجے میں خود گمراہ ہوں گے دوسروں کو گمراہ کریں گے۔ پہلے ''قبض'' اور اس سے بلیغ لفظ ''انتزاع'' پھر قبض علما کے سلسلے میں ''يقبض بقبض العلماء'' کی تعبیر پھر اس کے بعد پھر ''قبض'' اور ''انتزاع'' کے استعمال کے بجائے ''لم يترك'' کا استعمال '' پھر ''فضلوا وأضلوا'' میں گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کی مفہوم کی ادائیگی اس میں جو حسن اور خوبصورت اور مفہوم کی ادائے گی جامعیت وہ اپنے نظیر آپ ہے۔

2۔ اس طرح الفاظ کا تکرار بھی کلام میں حسن اور خوبصورتی کو پیدا کرتا ہے، اس حدیث رسول ''أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ حِينَ يَذْكُرُنِي إِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأٍ هُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً'' آپ ذرا غور کیجیے، اس کی چاشنی اور مٹھاس کو محسوس کیجیے کہ اس میں مصدر ''ذکر'' کا استعمال مختلف مواقع سے ''يذكرني'' ، ''ذكرته'' ''ذكرني'' ذكرته'' کبھی ماضی کبھی مضارع، ''تقرّب'' اور ''تقربت'' پھر ''تقرب'' اور ''تقربت'' کا استعمال، ''مشی'' کے مقابل میں ''هرولة'' کے ذریعہ تیز رفتاری کو بتلانے کا یہ بلیغ انداز میں یہ احادیث نبویہ کی اسلوبی خصوصیت سے تعلق رکھتا ہے۔

3۔ اس حدیث نبوی کے اسلوب اور طرز وانداز اور مقفع مسجع اور بے ساختہ جملوں اور اس کی ترکیب وبندش بھی ادبی اسلوب اعلی نمونہ کا درجہ رکھتی ہے: ''إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ جَوَّادٌ يُحِبُّ الْجُودَ فَنَظِّفُوا'' دیکھیے ہر جملہ ''إن الله طيب'' ''يحب الطيب'' ''نظيف'' ''يحب النظافة'' ''كريم'' ''يحب الكرامة'' ''جواد'' ''يحب الجود'' پر غور کیجیے، الفاظ کی بندش اور مٹھاس اور تراکیب کی مضبوطی عربی کے جانکار کو ششدر اور حیران کردے گی، عام فہم انداز میں اس قسم کا سہل انداز ترکیب جس میں ادب کا اعلی نمونہ بھی نظر آئے جو سہل ممتنع کا جامع شاید کسی کے کلام میں مل سکے، یہ زبان نبوت کی معجزہ کلامی ہے اور بس۔

4۔ ہم وزن، ہم صوت اور ہم آہنگ الفاظ کا استعمال یہ جناس اور طباق کے قبیل سے ہوا کرتا ہے، جس کا بکثرت استعمال کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے حدیث کے یہ الفاظ ''بَايِعُونِي عَلٰى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ۔ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ إِلَى اللهِ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ'' جس میں خاص طور پر ''أن

لا تشرکوا" ولا تسرفوا، ولا تسرقوا، ولا تزنوا، ولا تقتلوا، ولا تأتوا ببهتان"، 'ولا تعصوا في معروف" یہ الفاظ ہم مختلف معانی کے حامل ہونے کے باوجود ان کا وزن اور آہنگ ای طرح کی جمال اور خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔

5۔ اور کلام رسول میں بکثرت یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ دو مفہوم مخالف معانی کو بتلانے کے لیے ایک طرح کی الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، مثبت اور منفی دونوں جملوں میں معانی کی ادائیگی کے لیے ایک طرح کے ہی الفاظ ہوتے ہیں، جیسے مذکورہ بالا حدیث میں سزا اور عقاب اور عفو اور درگذر کے ایک ہی طرح کے یا ہم وزن الفاظ کا استعمال ہوا ہے غور کیجیے "وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا فَعُوْقِبَ فِي الدُّنْیَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَه" عقاب اور سزا میں بھی اصاب کے الفاظ کا استعمال "وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ إِلَى اللّٰهِ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَه" اور عفو و درگذر کے موقع سے بھی "ومن اصاب" کا استعمال یہ حسن وخوبصورتی پیدا کرتا ہے۔

6۔ اسی طرح کبھی کلام رسول میں ایک ہی طرح کے الفاظ کو پہلا مطلقا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کے احکام کے بیان کے تحت انہیں الفاظ کو تھوڑی سے تبدیلی کے ساتھ دہرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے کلام میں حسن اور خوبی پیدا ہو جاتی ہے، دیکھیے حدیث "إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ. فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ" یہاں پہلے فرمایا "اخوانکم خولکم" "جعلهم الله تحت أيديكم" ان دونوں مفہوموں کو جمع کرتے ہوئے، انہیں الفاظ کا دوبارہ استعمال کیا گیا، "فمن کان تحت ید" یہ احادیث رسول کی خصوصیت ہے،' اسی طرح "فلیطعمه مما یأکل" اور "ولیلبسه مما یلبس" وغیرہ استعمال یہ کلام بہت زیادہ خوبصورتی اور حسن پیدا کرتا ہے۔

6.10 اکتسابی نتائج

احادیث بخاری

1) اس حدیث سے پتہ چلا کہ دین اسلام میں بیعت لینا ایک مسنون عمل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے دین اسلام پر کاربند رہنے، ہجرت کرنے، میدان جہاد میں ثابت قدم رہنے، فواحش ومنکرات کو چھوڑنے، سنت پر عمل کرنے اور بدعات ورسوم سے دور رہنے کی بیعت لی تھی، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدود گناہوں کا کفارہ ہیں۔

2) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کے اندرونی حالات کا علم نہ ہو اسے مومن نہیں سمجھنا چاہیے؛ کیوں کہ باطن پر اللہ کے علاوہ اور کون مطلع ہوسکتا ہے؟ البتہ اس کے ظاہری حالات کے پیش نظر اسے مسلمان کہہ سکتے ہیں۔

3) اس روایت سے پتہ چلا کہ کسی کو کسی طرح عار نہ دلایا جائے گرچہ وہ غلام ہوں، یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ: اے سیاہ فام کے بیٹے! پھر نبی کریم ﷺ نے اس طرح کسی کو عار دلانے سے منع کیا اور فرمایا کہ یہ غلام تمہارے بھائی، جو خود کھائے اسے کھلائے، جو پہنے وہی پہنے، جو کام ان سے نہ ہوسکتا ہو وہ اس میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔

4) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہنا اسلامی ادب ہے، نیز ایک مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ علم وایمان کو دوسروں کو سکھائے اپنے سینے میں صرف محفوظ کر کے نہ رکھے یہاں نبی کریم ﷺ نے قبیلہ ربیعہ کے لوگوں کے دین کے اہم امور ایمان لانا یعنی

اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز ٹھیک طریقے سے ادا کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور شراب سازی کے چار برتنوں بڑے مٹکوں، کدو سے تیار کردہ پیالوں، لکڑی کے تراشے ہوئے پیالوں اور تارکول سے رنگے ہوئے روغنی برتنوں سے انہیں منع فرمایا۔

احادیث مسلم

1) حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل علم کو نہیں اٹھائیں گے دلوں سے علم کو مٹا دیا جائے؛ بلکہ اللہ عزوجل علما کو اٹھالیں گے، جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے، یہ بغیر علم کے فتوی دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔

2) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص راہ ہدایت کے طرف بلائے تو اس کو بھی اجر ملتا ہے اور اور جو راہ راست پر چلتا ہے اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص کسی کو برائی کی دعوت دیتا ہے تو اس دعوت دینے والے کو بھی اتنا ہی گناہ ملتا ہے جتنے گناہ کرنے والے کو گناہ ملتا ہے، گناہ کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ (یعنی اگر کوئی تعلیم، علم یا عبادت یا ادب کا اس حکم دے تو لوگ اس پر خواہ اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد عمل کریں اس کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے۔

3) اس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ بندہ جتنا اللہ عزوجل کے قربت حاصل کرتا ہے اللہ عزوجل کی رحمت عنایت اور توفیق اس کی جانب اتنی متوجہ ہوتی ہے، جس کو مثال سے سمجھا گیا کہ میں بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہو، اگر مجمع میں یاد کرتا ہے تو اس سے بہتر مجمع میں اس کو یاد کرتا ہو، ایک بالشت بڑھ کر آتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف آتا ہوا اور ایک ہاتھ نزدیک ہوتا ہے تو دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر یعنی ایک باع قریب ہوتا ہو، چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہو۔

4) یہ ایک حدیث ہے جس میں ایک مرتبہ بنی اسرائیل چند لوگ دوران سفر بارش ہونے کی وجہ سے ایک غار میں رکے اور جب وہ اندر چلے گئے تو پہاڑ کی چٹان نیچے گری اور اس نے غار کے منہ کو ڈھک لیا، جس کی وجہ سے وہ پریشان ہوئے اور انھوں نے اپنے مختلف اعمال، ماں باپ کی خدمت، زنا کاری سے بچنے اور مزدور کی مزدوری کو بڑھا کر اس کے پرورش کر کے دینے کے اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے عاجزی سے دعا کی تو اس کے نتیجے میں وہ چٹان ان سے ہٹ گئی اور وہ اپنے گھر چلے گئے۔

احادیث ترمذی

1) اس حدیث میں کہ نظافت، سخاوت کو اللہ عزوجل پسند کرتے ہیں؛ کیوں کہ خود اللہ عزوجل نظیف ہیں پاکیزہ، خود سخی ہیں، اس لیے نظافت اور سخاوت کو پسند فرماتے ہیں، اس لیے نبی کریم ﷺ نے سفائی وستھرائی کے اختیار کرنے کو فرمایا۔

2) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اگر انسان کی نعمت دی ہے تو اللہ عزوجل اس بات کو پسند کرتے ہیں اس کے اوپر ان نعمتوں کے اثرات ظاہر ہوں، اگر اللہ نے مال ودولت دی ہے تو اس کے مالدار ہونے کے اثرات ونشانات اس پر ہونے چاہیے، سخاوت، کارخیر، امور خیر میں خرچہ کرنا، خود اپنے لیے اور اپنے اہل وعیال کے لیے خرچ کرنا وغیرہ۔

3) اس روایت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ کے کفار کے ہجو میں کچھ اشعار نبی کریم ﷺ کے موجودگی میں پڑھنے کا ذکر ہے جس پر حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اسطرح اشعار پڑھتے تو ہوتو نبی کریم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے روکنے سے منع فرمایا کہ یہ اشعار کفار پر تیروں کی طرح اثر کرتے ہیں۔

4) اس دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے اشعار کی مستقل مشغولیت کو منع کرتے ہوئے فرمایا جو اشعار انسان کو دینی امور سے غافل کردیں کے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے جس پیپ کی وجہ سے اس کا پیٹ بھی سڑنے لگے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے پیٹ میں اشعار موجود ہوں، یعنی شعر گوئی جو آخرت سے غفلت کا ذریعہ بنے وہ محبوب نہیں ہے۔

6.11 نمونے کے امتحانی سوالات

1۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگایئے اور اس کا ترجمہ کیجیے؟

أخبرني أبو ادريس عائذ الله بن عبد الله، أن عبادة بن الصامت رضي الله عنه، وكان شهد بدرا، وهو أحد النقباء ليلة العقبة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: وحوله عصابة من أصحابه، "بايعوني على أن لا تشركوا بالله شيئا، ولا تسرقوا، ولا تزنوا، ولا تقتلوا أولادكم، ولا تأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم، وأرجلكم، ولا تعصوا في معروف، فمن وفي منكم فأجره على الله، ومن أصاب من ذلک شيئا فعوقب في الدنيا فهو كفارة له، ومن أصاب من ذلک شيئا ثم ستره الله فهو إلى الله، وإن شاء عفا عنه، وإن شاء عاقبه" فبايعناه على ذلک۔

2۔ درج ذیل عبارت کا بحوالہ متن تشریح وتوضیح کیجیے؟

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ حِيْنَ يَذْكُرُنِي إِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ هُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ مِنِّي شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً۔

3۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی بتایئے

عاقب، افترى، ساب، ندامى، مغنم، حنتم، دباء، نقير، مزفت، هرولة، طبق۔

4۔ حدیث کی تاریخ کا مختصر خلاصہ بیان کیجیے۔

5۔ احادیث بخاری کا خلاصہ بیان کیجیے۔

6۔ صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت وصورت کو قلم بند کیجیے۔

7۔ احادیث رسول کے متن کی خصوصیات اور اس کی اسلوبی امتیازات کو تحریر کیجیے۔

6.12 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

1۔ فتح الباري لابن حجر العسقلاني

2۔ شرح النووي على صحيح مسلم

3۔ العرف الشذي شرح جامع الترمذى

اکائی 7: عصر اسلامی کا نمونۂ خطابت

اکائی اجزا

7.1 مقصد

7.2 تمہید

7.2.1 خطابت کی لغوی

7.2.2 خطابت کی اصطلاحی تعریف

7.2.3 خطابت کے عناصر

7.2.4 خطابت کا اسلوب

7.2.5 عصر اسلامی میں خطابت

7.2.6 عصر اسلامی میں خطابت کی امتیازی خصوصیات

7.2.7 عصر اسلامی کے ممتاز خطبا

7.3 اغراض ومقاصد

7.4 متن سبق: الأَصحَابُ الحَاضِرُونَ - خُطبَةُ عَلِيِّ بنِ أَبِيْ طَالِبٍ رضي الله عنه

7.5 صاحب متن کا تعارف

7.5.1 پیدائش اور حالات زندگی

7.5.2 اخلاق اور خداداد صلاحیتیں

7.5.3 نثری آثار

7.5.4 نہج البلاغۃ

7.6 متن کا ترجمہ

7.7 لغوي تحقیق

7.8 ادبی صنف کا تعارف

7.9 متن سبق کا موضوع

7.10 متن سبق کی توضیح وتشریح

7.10.1 خطبہ کا پس منظر

7.10.2 مضمون

7.11 متن کی خصوصیات

7.11.1 معنی اور مضمون کے اعتبار سے

7.11.2 سامعین کو مطمئن کرنے کے اعتبار سے

7.11.3 ترغیب وترہیب کا استعمال

7.12 اسلوبی خصوصیات

7.13 اکتسابی نتائج

7.14 نمونے کے امتحانی سوالات

7.15 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

7.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے سے عصر اسلامی میں فن خطابت کے عروج، خطابت کے عناصر، اس کے اسلوب، خطابت کے اقسام اور حضرت علیؓ کی بلاغت وفصاحت اور عربی ادب میں آپ کے گرانقدر اضافہ کے تعلق سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

7.2 تمہید

قبل اس کے کہ دور اسلام کے ایک عظیم خطیب حضرت علیؓ کی تقریر کا متن اور اس کی ادبی خوبیوں اور آپ کی عمدہ صلاحیتوں پر گفتگو ہو بہتر ہے کہ فن خطابت کی اہمیت اور اس کی ضرورت، دینی وسیاسی حلقوں میں اس کے اثرات سے متعلق تمہیدی گفتگو کی جائے جس کے پیش نظر تفاصیل درج ذیل ہیں۔

7.2.1 خطابت کی لغوی تعریف

عوام سے اجتماعاً ہم کلام ہونے کا نام خطابت ہے

7.2.2 خطابت کی اصطلاحی تعریف

خطابت اصطلاحا اس فن کا نام ہے جس کا مقصود ومطمح عوام سے خطاب کرنا اور ان کے دل ودماغ میں اپنی غایت ومنشا اتارنا ہے۔

خطابت میں ترغیب وترہیب دونوں ہیں۔

7.2.3 خطابت کے عناصر

(۱) خود مقرر یا خطیب جو اپنے فن اور شخصیت کی معرفت عوام سے خطاب کرتا ہے

(۲) اس کا پیام یا موضوع، جس کا اظہار انفرادی اور مقصود اجتماعی ہوتا ہے

(۳) سامعین وحاضرین جن سے خطاب کیا جاتا ہے

7.2.4 خطابت کا اسلوب

اس اسلوب میں معانی اور الفاظ کا زور نمایاں ہوتا ہے، دلیل وبرہان اور تروتازہ عقل کی قوت ظاہر ہوتی ہے، اس اسلوب میں ایک خطیب اور مقرر اپنے سامعین کے ارادے سے ہم کلام ہوتا ہے تاکہ ان کے عزائم اور خیالات کو برانگیختہ کر کے ان کے حوصلوں کو بلند کرے، سامعین کے دلوں میں خطیب کا مقام ومرتبہ، اس کا زور بیان، اس کی دلیل کی مضبوطی، اس کی آواز کا اتار چڑھاؤ، اس کا حسن بیان اور دوران خطابت اس کے اشارات ان سب چیزوں سے اس اسلوب کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔

اس اسلوب کی نمایاں خصوصیت الفاظ کی تکرار، مترادفات کا استعمال، کہاوتوں کا بیان کرنا، بھاری بھرکم اور زوردار کلمات کا استعمال کرنا ہے۔

اس اسلوب میں بہتر یہ ہوتا ہے مختلف تعبیریں یکے بعد دیگرے بدلتی رہیں، اخبار سے استفہام کی طرف اور استفہام سے تعجب کی طرف اور تعجب سے انکار کی طرف یعنی مقرر ایک مضمون کو مختلف پیرایوں سے بار بار بیان کرے، مترادف الفاظ استعمال کرے، کہاوت وامثال بیان کرے، نیز تعبیرات بدلتا رہے، کبھی خبر کی شکل میں، کبھی استفہام کی شکل میں، کبھی تعجب کے انداز میں، کبھی انکار کی صورت میں اپنا بیان پیش کرے، ایک ہی

تعبیر نہ اختیار کرے، نیز بیان میں ایسی جگہ رکے جہاں مضمون پورا ہو، سامعین کے دلوں کو تشفی ہو۔

7.2.5 عصر اسلامی میں خطابت

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جب بھی کسی ملک یا قوم میں کوئی تحریک یا مشن ابھرتی ہے خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی یا سماجی یا معاشرتی، اس کو روشناس کرانے، ملک یا قوم میں اس کا تعارف کرانے کے لیے سب سے پہلے خطابت یا تقریر ہی کو اس کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا جاتا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس ذریعہ سے اپنی بات پڑھے لکھے لوگوں، اصحاب فکر و نظر اور سوجھ بوجھ رکھنے والے طبقہ سے لے کر ان پڑھ اور معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے طبقہ تک آسانی سے پہنچائی جا سکتی ہے اور اسی ذریعہ سے اس بات کا بھی بڑی حد تک فوری طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کہی ہوئی بات کا کتنا اثر سننے والوں پر ہوا کیونکہ مخاطب سامنے ہوتا ہے اور پورا ماحول اپنی نظروں میں، چنانچہ عمل اور ردعمل اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ آپ کی نگاہ کے سامنے ایک حقیقت عریاں بن کر آجاتی ہے جسے ہم اصطلاح میں اثر کہتے ہیں، اس اثر کے پیدا ہونے کا انحصار مقرر کے اپنی تحریک یا مشن سے قلبی لگاؤ، اس سے خلوص، حق و حقیقت سمجھ کر سامعین کے سامنے عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ پورے جوش و خروش، اپنی زبان و بیان کی پوری توانائیوں اور انداز گفتار کی پوری رعنائیوں اور یقین و اعتقاد کی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ پیش کرنے پر ہے کہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ کے ہر موڑ پر جب بھی کوئی تحریک ابھری، خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی، اس کی دعوت دینے والے خطابت اور تقریر کے ماہر اور یکتائے روزگار خطیب رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خدا نے ہر زمانہ اور ہر قوم میں اپنے پیغمبروں کو اس حربہ سے پوری طرح مسلح کر کے اور اثر اندازی کے اس ذریعہ کو پوری طرح استعمال کرنے کی صلاحیت سے متصف کر کے مبعوث کیا، جنھوں نے اس کے سہارے ملک و قوم کے قوائے ذہنیہ و فکریہ میں ایک نمایاں تغیر اور ان کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے ذریعہ دین مسیحی کے آنے کے بعد، تاریخ کا سب سے اہم واقعہ آنحضرت ﷺ کے ذریعہ اسلام کی دعوت کا ظہور ہے، جو ایسے مذہبی، سیاسی اور سماجی و معاشرتی حالات میں ظاہر ہوئی جنھوں نے سب سے پہلے جزیرہ نمائے عرب اور اس کے بعد ساری دنیا کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی، کیوں کہ اس نے عہد پارینہ کے کھنڈروں پر ایک ایسی نئی دنیا تعمیر کرنے کی دعوت دی جس میں انسان کی مادی ضروریات کو عدل و انصاف کے ساتھ پوری ہونے کی یقین دہانی کے ساتھ اس کے دل و دماغ کی غذا فراہم کرنے کی بھی ضمانت دی گئی تھی اور اس کی بنیاد و مرکز اور محور قرآن کو قرار دیا گیا جسے خدا نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ انسانوں تک پہنچایا۔

اسلام کی دعوت بڑی حد تک نئی، اچھوتی اور بڑی دوررس نتائج کی حامل تھی، اس لیے اس کے داعی حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے اس کو فروغ دینے کے لیے ہر قسم کے اوصاف سے متصف اور ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح کر کے بھیجا اور ان میں سب سے بڑا مؤثر حربہ اور ذریعہ زبان تھی اور اس کا مظہر خطابت یا تقریر۔

چنانچہ تمام نقادوں اور علما کا اتفاق ہے کہ آپ اپنے عہد کے سب سے بڑے فصیح و بلیغ مقرر اور مؤثر خطیب تھے، آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے چار خلفا فن خطابت میں اس زمانہ میں ممتاز رہے، یہ حضرات سربراہ مملکت ہونے کے اعتبار سے زبان و بیان اور اثر اندازی میں مثالی مقررین سمجھے جاتے ہیں لیکن ان میں بحیثیت ادیب اور مثالی مقرر حضرت علیؓ اس زمانہ میں سب سے ممتاز تھے۔

7.2.6 عصر اسلامی میں خطابت کی امتیازی خصوصیات:

صدر اسلام کی خطابت کا اگر زمانۂ اہلیت کی خطابت سے موازنہ کریں تو ہمیں مندرجہ ذیل خصوصیات نظر آئیں گی:

(۱) صدر اسلام میں پہلی مرتبہ جمعہ اور عیدین میں اور حج کے موقعہ پر خالص دینی تقریر کا رواج ہوا، ان کے علاوہ آنحضرت ﷺ اور خلفا نے حسب موقعہ وعظ وارشاد کی تقریریں بھی کیں۔

(۲) دینی وسیاسی پارٹیوں کے قیام اور حکومت وخلافت کے افتتاح کے موقعہ کی تقریریں، جیسے حضرت ابوبکرؓ کا وہ خطبہ جو آپ نے خلیفہ منتخب ہونے پر سقیفہ بنی ساعدہ میں دیا تھا، جس کے بعد خلافت کے مسئلہ میں اختلاف ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

(۳) تقریروں میں اثر اندازی کی ایسی قوت کا پایا جانا جس سے بعض وقت سخت دل بھی پگھل کر موم ہو جاتے تھے اور غصہ سے سرخ آنکھیں آنسوؤں کی لڑیاں پرونے لگتی تھیں، جیسے آنحضرت ﷺ کی وہ تقریر جو آپ نے انصار کے سامنے اس وقت کی تھی جب آپ کو مال غنیمت کے تقسیم کے سلسلہ میں انصار کی شکایت پہنچی تھی اور جسے سن کر سب زار وقطار رونے لگے تھے اور ایک زبان ہو کر بول پڑے تھے کہ نہیں آپ کا فیصلہ دل وجان سے قبول اور آپ کی ذات گرامی سب سے زیادہ محبوب ومقبول ہے۔

(۴) کاہنوں اور پروہتوں کے مسجع ومقفی جملوں کے بجائے، خوبصورت چیدہ اور موزوں الفاظ کے سہارے، ایسے فصیح وبلیغ جملوں کا استعمال جن کے ذریعہ معانی ومطالب واضح طریقہ سے سامع کے دل ودماغ میں اتر جاتے تھے جس کا انداز اور اسلوب اتنا پسندیدہ ہوتا تھا کہ تقریر شہ پارہ بن جاتی تھی۔

(۵) اس زمانہ میں پہلی دفعہ اللہ کی حمد وثنا سے تقریر کی ابتدا۔

(۶) لوگوں کو اپنی بات سمجھانے اور مختلف مسائل میں انھیں قائل کرنے کے لیے قرآن کریم کے انداز سے مدد اور طریقہ استدلال کا استعمال اور موقعہ محل کے لحاظ سے کبھی لمبی اور کبھی اتنی مختصر تقریر کرنا کہ چند جملوں پر ختم ہو جائے۔

7.1.7 عصر اسلامی کے ممتاز خطبا

عصر اسلامی کے سب سے ممتاز سب سے بڑے، بے مثال و بے نظیر، فصاحت وبلاغت میں لاثانی خطیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کے بعد آپ کے خلفا کا مقام ومرتبہ ہے، ان میں بھی حضرت علی کی شخصیت زبان وبیان، فصاحت وبلاغت میں ممتاز ہے۔

7.3 متن سبق: الأَصْحَابُ الْحَاضِرُوْنَ - خُطْبَةُ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رضي الله عنه:

تَحَدَّثَ ابْنُ عَائِشَةَ فِيْ إِسْنَادٍ ذَكَرَهُ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ انْتَهى إِلَيْهِ أَنَّ خَيْلاً لِمُعَاوِيَةَ وَرَدَتْ الأَنْبَارَ فَقَتَلُوْا عَامِلاً لَه يُقَالُ لَه حَسَّانُ بْنُ حَسَّانَ، فَخَرَجَ مُغْضَبًا يَجُرُّ ثَوْبَه حَتى أَتى النُّخَيلَةَ وَاتَّبعَه النَّاسُ فَرَقى رُبَاوَةً مِّنَ الأَرْضِ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنى عَلَيْهِ وَصَلّى عَلى نَبِيِّه صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ:

أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَمَنْ تَرَكَه رَغْبَةً عَنْه أَلْبَسَهُ اللهُ الذُّلَّ، وَسِيِّمَا الْخَسْفَ وَدُيِّثَ بِالصَّغَارِ، وَقَدْ دَعَوْتُكُمْ إِلى حَرْبِ هؤُلاءِ الْقَوْمِ لَيْلاً وَنَهاراً، سِرًّا وَإِعْلاناً، وَقُلْتَ لَكُمْ: أُغْزُوْهُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَغْزُوْكُمْ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِه! مَا غُزِيَ

قَوْمٌ قطُّ فِيْ عُقْرِ دَارِهِمْ إِلا ذَلّوْا فَتَخاذَلْتُمْ وَتَوَاكَلْتُمْ وَثقُلَ عَلَيْكُمْ قَوْلِيْ ، وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا حَتّى شُنَّتْ عَلَيْكُمُ الْغَارَاتُ . وَهذَا أَخُوْ غَامِدٍ قَدْ وَرَدَتْ خَيْلُهُ الأَنْبَارَ وَقَتَلُوْا حَسَّانَ بْنَ حَسَّانَ ، وَرِجَالاً مِّنْهُمْ كَثِيْراً وَّنِسَاءً . وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ بَلَغَنِيْ أَنَّه كَانَ يُدْخَلُ عَلَى الْمَرْأَةِ الْمُسْلِمَةِ وَالْمُعَاهَدَةِ فَتُنْتَزَعُ أَحْجَالُهُمَا وَرُعثُهُمَا ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَوْفُوْرِيْنَ لَمْ يُكْلَمْ أَحَدٌ مِّنْهُمْ كَلْمًا ، فَلَوْ أَنَّ امْرَأً مُسْلِمًا مَاتَ مِنْ دُوْنِ هذَا أَسَفاً مَّا كَانَ عِنْدِيْ فِيْهِ مَلُوْماً ، بَلْ كَانَ بِهٖ عِنْدِيْ جَدِيْراً . يَا عَجَباً كُلَّ الْعَجَبِ ! عَجَبٌ يُمِيْتُ الْقَلْبَ وَيُشْغِلُ الْفَهْمَ ، وَيُكْثِرُ الأَحْزَانَ مِنْ تَظَافُرِ هؤُلاءِ الْقَوْمِ عَلَى بَاطِلِهِمْ ، وَفَشْلِكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ ، حَتّى أَصْبَحْتُمْ غَرَضاً تُرمَوْنَ وَلا تَرمُوْنَ ، وَيُغَارُ عَلَيْكُمْ وَلا تُغِيْرُوْنَ ، وَيُعْصَى اللهُ فِيْكُمْ وَتَرْضَوْنَ ، إِذَا قُلْتُ لَكُمْ : أُغْزُوْهُمْ فِيْ الشِّتَاءِ قُلْتُمْ : هذَا أَوَانُ قَرٍّ وَصَرٍّ ، وَإِنْ قُلْتُ لَكُمْ : أُغْزُوْهُمْ فِيْ الصَّيْفِ قُلْتُمْ : هذِهٖ حَمَارَّةُ الْقَيْظِ ، أَنْظِرْنَا يَنْصَرِمُ الْحَرُّ عَنَّا . فَإِذَا كُنْتُمْ مِنَ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ تَفِرُّوْنَ ، فَأَنْتُمْ وَاللهِ مِنَ السَّيْفِ أَفَرُّ ، يَا أَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَلا رِجَالَ وَيَا طَغَامَ الأَحْلامِ ، وَيَا عُقُوْلَ رَبَّاتِ الْحِجَالِ ! وَاللهِ ! لَقَدْ أَفْسَدْتُّمْ عَلَيَّ رَأْيِيْ بِالْعِصْيَانِ ، وَلَقَدْ مَلأْتُمْ جَوْفِيْ غَيْظاً حَتّى قَالَتْ قُرَيْشٌ : اِبْنُ أَبِيْ طَالِبٍ رَجُلٌ شُجَاعٌ ، وَلكِنْ لا رَأْيَ لَهُ فِيْ الْحَرْبِ . للهِ دَرُّهُمْ ! وَمَنْ ذَا يَكُوْنُ أَعْلَمُ بِهَا مِنِّيْ أَوْ أَشَدُّ لَهَا مِرَاساً ، فَوَاللهِ ! لَقَدْ نَهَضْتُ فِيْهَا وَمَا بَلَغْتُ الْعِشْرِيْنَ ، وَلَقَدْ نَيَّفْتُ الْيَوْمَ عَلَى السِّتِّيْنَ ، وَلكِنْ لا رَأْيَ لِمَنْ لا يُطَاعُ — يَقُوْلُهَا ثَلاثاً - .

7.4 صاحب متن کا تعارف

7.4.1 پیدائش اور حالات زندگی

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہجرت سے اکیس سال قبل پیدا ہوئے، گھریلو معاشی حالات کی کمزوری کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آپ کے زیر کفالت رہے، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو اس وقت آپ قریب البلوغ تھے، آپ کے زیر کفالت رہے، جب رسول اکرم ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو اس وقت آپ قریب البلوغ تھے، آپ نے آنحضرت ﷺ کی تائید وحمایت میں بہت سی نمایاں خدمات انجام دیں، غزوہ تبوک کے سوا تمام غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے، کیونکہ غزوۂ تبوک میں آنحضرت ﷺ نے انھیں اپنے گھر والوں کی نگرانی کے لیے پیچھے چھوڑ دیا تھا، جب رسول اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفۂ رسول بنے، آپ کے بعد حضرت عمر رضي اللہ عنہ، پھر شوری کے ذریعہ حضرت عثمان رضي اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا، جب حضرت عثمان رضي اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو حجاز میں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت نہ کی، کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان کے قتل اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے بدلہ نہ لینے کی بنا پر ناراض تھے، شامیوں نے اس سلسلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت کی، پھر تو فتنہ کا بازار گرم ہو گیا، اتحاد اسلامی کی گرہیں کھل گئیں، مسلمانوں کی قوت کمزور ہو گئی اور مسلمان واضح طور پر دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک دوسرے کے دشمن بن گئے اور طویل عرصہ تک آپس میں قتل و غارت گری ہوتی رہی، دونوں میں سے کسی ایک کی حکومت مستحکم ہوئے بغیر تلواتیں نیاموں میں واپس نہ گئیں، خوارج نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اس فتنہ کے تین بڑے محرکین کو قتل کر دیا جائے جو کہ معاویہ، عمرو بن عاص اور علی ہیں، چنانچہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ابن ملجم کے حصہ میں آئے، اس نے آپ رضی اللہ عنہ کو بے خبری کے عالم میں 40ھ میں مسجد کوفہ میں شہید کر دیا، آپ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت چار سال اور تقریبا نو ماہ بنتی ہے۔

7.4.2 آپ کے اخلاق اور خداداد صلاحیتیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ قوی الاعضا اور گھٹیلے جسم کے مالک تھے، نہایت جنگ جو اور بہادر تھے، انہیں اس بات کی قطعا کوئی پرواہ نہیں تھی کہ موت ان پر حملہ کرے یا وہ موت پر حملہ کریں، ان کی ذات تفقہ فی الدین میں سند و حجت اور تقوی میں کامل نمونہ تھی، حق کے معاملہ میں نہایت سخت اور بڑے خود اعتماد تھے، دینی اور دنیاوی امور میں کسی قسم کی نرمی کے قائل نہ تھے، یہی ان کا بلند کردار تھا جو ان کے مخالف فہم و فراست کے مالک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے معاون ثابت ہوا۔

رسول اکرم ﷺ کے بعد اسلاف میں ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی فصیح و بلیغ نظر نہیں آتا اور نہ خطابت میں کوئی ان کے ہم پلہ ہوا، آپ رضی اللہ عنہ وہ مرد دانا تھے جن کے بیان سے حکمت و دانائی کے چشمے ابلتے تھے اور ایسے مقرر تھے جن کی زبان پر بلاغت ٹپکتی تھی، ایسے واعظ تھے جو دلوں اور کانوں کو موہ لیتے تھے، آپ کی تحریر دقیق اور اسکت دلائل سے پر ہوتی تھی اور ایسے قادر الکلام تھے جس کہ جس موضوع پر چاہتے تھے تقریر لیتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ بالاتفاق مسلمانوں کے سب سے بڑے خطیب اور انشا پرداز ہیں، جہاد کی ترغیب میں آپ کے خطبات، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجے گئے خطوط اور دنیا کے وصف میں لکھی گئی تحریر اور اشترنخعی کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ (بشرطیکہ صحیح ہو) یہ چیزیں عربی زبان کے معجزات اور بشری عقل کے بے نظیر شاہکار ہیں۔

7.4.3 نثری آثار

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام تین محوروں کے گرد گھومتا ہے:

(۱) خطبات وفرامین

(۲) خطوط ورسائل

(۳) حکم ونصائح

اسی ترتیب سے شریف رضی نے ان کو "نہج البلاغۃ" نام کی کتاب میں جمع کر دیا ہے اور اس نے کہا کہ "یہ کتاب اپنا مطالعہ کرنے والے کے لیے بلاغت کے دروازے کھولتی ہے اور فصاحت تک پہنچانے میں مدد کرتی ہے، اس میں معلم اور متعلم دونوں کی تشنگی کی سیرابی ہے، عابد اور زاہد سبھی کی ضروریات کا سامان ہے، اثنائے کلام میں جگہ جگہ توحید اور عدل پر مبنی بحثیں ہیں جو علمی پیاس بجھاتی ہیں اور شکوک وشبہات کا پردہ چاک کرتی ہیں لیکن بعض ناقدین کا خیال ہے کہ اس کتاب میں اکثر خطبے وغیرہ بعد میں درج کر دیے گئے ہیں اور آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

عبدالحلیم ندوی نے اپنی کتاب عربی ادب کی تاریخ میں "نہج البلاغۃ" پر سیر حاصل بحث کی ہے، افادہ کے پیش نظر ذیل میں اس کو نقل کیا جاتا ہے:

حضرت علیؓ کے نثری شہ پارے تین قسم کے ہیں:

(۱) تقریریں اور احکامات

(۲) خطوط ونوٹس

(۳) پندونصائح، عقل ودانش کے مقولے

آپ کے شہ پاروں کے ان تینوں قسموں کو کتاب ''نہج البلاغۃ'' میں جمع کردیا گیا ہے۔

7.4.4 نہج البلاغۃ

''نہج البلاغۃ'' کو الشریف الرضی نے ترتیب دیا ہے، اس کام کو انھوں نے ۱۰۰۹ء مطابق ۴۰۰ھ میں اسی ترتیب سے مکمل کیا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا اور کہا ہے کہ ''میں نے ان تینوں قسموں کو الگ الگ ابواب میں جمع کردیا، لیکن ہوسکتا ہے کہ جو کچھ میں نے جمع کیا ہے، اس میں ترتیب و تبویب کی وہ خوبی نہ ملے جو ہونی چاہیے.... الخ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب کے مضامین میں تاریخی تسلسل مفقود ہے۔

علما اور نقادوں میں اس بارے میں شدید اختلاف ہے کہ ''نہج البلاغۃ'' میں جو مضامین، تقریریں اور مقولے حضرت علیؓ کے نام سے جمع کیے گئے ہیں وہ واقعی ان کے ہی ہیں یا ان کے جمع کرنے والوں نے اپنی طرف سے گڑھ کر ان کے نام سے اس کتاب میں منسوب کردیے ہیں۔

شوقی ضیف کہتے ہیں کہ حضرت علی نے بہت سی تقریریں اپنی یادگار چھوڑی ہیں لیکن وہ تقریریں (خطب) مراد نہیں ہیں جو کتاب ''نہج البلاغۃ'' میں ملتی ہیں، کیونکہ ان کی اکثریت من گھڑت ہے اور حضرت علیؓ کی طرف منسوب کردی گئی ہیں، اس بات کی طرف بہت سے علما نے اشارہ کیا ہے، پھر ان علما میں اس بات پر اختلاف ہے کہ ''نہج البلاغۃ'' میں حضرت علی کے نثری شہ پاروں کو جمع کرنے کا یہ کام الشریف المرتضی متوفی ۴۳۶ھ نے کیا ہے یا یہ کام ان کے بھائی الشریف الرضی متوفی ۴۰۶ھ نے سرانجام دیا، چنانچہ ابن خلکان نے اپنی کتاب ''وفیات الاعیان'' میں اول الذکر کا تذکرہ لکھتے ہوئے کہا ہے کہ لوگوں کے درمیان کتاب ''نہج البلاغۃ'' کے بارے میں جو امام علی بن ابی طالبؓ کے کلام کا مجموعہ ہے اختلاف ہے، الشریف المرتضی نے اس کو جمع کیا یا ان کے بھائی الرضی نے اسے جمع کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے کلام کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس شخص کا کلام ہے جس نے اسے جمع کیا ہے اور ان کی طرف منسوب کردیا ہے''۔

اسی بات کو یافعی نے ''مرآۃ الجنان'' میں اور ابن العماد نے ''شذرات الذہب'' میں دہرایا ہے

ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں اس بات کو زور دے کر کہا ہے کہ شریف مرتضی ہی وہ شخص ہے جس نے ''نہج البلاغۃ'' وضع کیا ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے بھی ''لسان المیز ان'' میں انھیں کے نقطۂ نظر کو اپنایا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جو شخص بھی ''نہج البلاغۃ'' کا مطالعہ کرے گا وہ پورے وثوق سے کہہ دے گا کہ یہ حضرت عليؓ پر جھوٹی تھوپی ہوئی چیز ہے، کیوں کہ اس میں سیدین ابوبکرؓ اور عمرؓ پر کھلی ہوئی گالی موجود ہے اور ان کی بے عزتی کی باتیں ہیں، اس میں ایسا تناقض (یعنی ایک بات کہنے کے بعد دوسری جگہ اسی کے خلاف بات کہنا) اور اتنی رکیک چیزیں (یعنی معیار سے گری ہوئی چیزیں) اور ایسی عبارتیں ہیں کہ جس شخص کو بھی قریش اور صحابہ کے مزاج سے اور ان کے علاوہ متاخرین میں ان لوگوں کے مزاج سے جو ان کے بعد آئے واقفیت ہوگی، اسے پختہ یقین ہوجائے گا کہ کتاب کا زیادہ حصہ باطل ہے

نجاشی متوفی ۴۵۰ھ نے اپنی کتاب ''الرجال'' میں خیال ظاہر کیا ہے کہ نہج البلاغۃ کا مؤلف الشریف الرضي ہی ہے۔

یہ بات خود الرضی اور اس کتاب کے شارحین کی گواہی سے صحیح ثابت ہوجاتی ہے، کیونکہ اس نے اس کی تفسیر کی پانچویں جلد میں خود ہی ذکر کیا ہے کہ ''اسی نے اس کو لکھا ہے اور خود ہی اس کا نام ''نهج البلاغة'' رکھا ہے، اس بات کو اپنی کتاب ''مجازات الآثار النبویۃ'' میں بھی ذکر کیا ہے۔

ابن الحدید متوفی ۶۵۵ھ نے کتاب کی اپنی تشریح میں اعتراف کیا ہے کہ اس کے خطبات الشریف الرضی کی کارستانی ہیں ابن میثم کا بھی نہج البلاغۃ کی شرح میں یہ خیال ہے کہ یہ الشریف الرضی کی تصنیف ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ''نہج البلاغۃ'' الشریف الرضی کی کارستانی اور اسی کی گڑھی ہوئی چیز ہے، مگر ایسا لگتا ہے کہ پوری کتاب اس کی تالیف نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بہت سے ارباب الھوی اور فصیح شیعوں نے بہت سے خطبے اور اقوال حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر دیے ہیں، اس بات کی تصدیق مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں جو کچھ لکھا ہے اس سے ہو جاتی ہے، مسعودی کہتے ہیں کہ تمام جگہوں میں کی گئی تقریروں میں سے جن کو لوگوں نے زبانی یاد کر لیا تھا ان کی تعداد چار سو اسی (۴۸۰) کے اوپر ہے جنھیں حضرت علیؓ فی البدیہ دیا کرتے تھے، لوگوں نے انھیں کو قولا اور عملا اختیار کر لیا، ایسا لگتا ہے کہ الشریف الرضی کو کچھ مواد مل گیا جس سے اس نے اپنی کتاب گڑھ لی اور اس مواد کی بنیاد سجع پر ہے اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علی کی طرف اس کی نسبت جھوٹ ہے، کیونکہ یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ حضرت علیؓ سجع کو استعمال کرتے جب کہ رسول کریم ﷺ نے سجع کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان نے بھی اس سے پوری طرح پرہیز کیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی تقریروں کو سمجھنے کے لیے اس کتاب پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں پہلے مصادر رجوع کرنا ضروری ہے جیسے جاحظ کی ''البیان والتبیین''، ہے، جاحظ نے حضرت علی کے بعض خطبات، ان کا کلام اور ان کی پند و نصائح کا کچھ حصہ نقل کیا ہے ان باتوں کے علاوہ بعض جانوروں اور چڑیوں مثلا مور وغیرہ کا وصف اس کتاب میں ملتا ہے جو ظاہر ہے صدر اسلام کی بات نہیں ہے، کیونکہ مدینہ اور مکہ جیسے شہروں میں مور، تیتر جیسے چڑیوں کا وجود کہاں تھا، یہ سب باتیں عباسی عہد کی ایجاد ہیں اور یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کتاب کے اکثر مضامین من گھڑت ہیں، مگر حنا الفاخوری نے اپنی کتاب ''الجدید فی الأدب العربي'' میں اس کتاب کے جعلی ہونے کی بہت سی دلیلیں دینے کے بعد کہا ہے کہ ''مگر یہ سب دلیلیں اتنی کمزور ہیں کہ ان سے پورا اطمنان نہیں ہوتا''، اس کے بعد انھوں نے کوشش کی ہے کہ ''نہج البلاغۃ'' میں جو کچھ آیا ہے اس کو صحیح ثابت کریں چنانچہ انھوں نے ہر الزام کی تردید یا تاویل کرنے کی کوشش کی ہے جو دل کو نہیں لگتی اور ایسا لگتا ہے کہ محض بات کی پچ کر رہے ہیں، کوئی معقول اور مطمئن کرنے والی دلیل نہیں پیش کر سکے ہیں۔

نہج البلاغۃ کی اہمیت وافادیت:

کتاب ''نہج البلاغۃ'' عربی زبان وادب کی مشہور ترین کتاب ہے، اسی لیے جب سے یہ منظر عام پر آئی ہے علما، ادبا اور نقادوں کی توجہ کا مرکز اور مطالعہ و مناقشہ کا محور رہی ہے، کیوں کہ یہ ہر قسم کے مضامین کا خزانہ ہے، چنانچہ اس میں دین و سیاست، لاؤ لشکر، نظم و نسق، امور مملکت اور رموز سلطنت اور سماج و معاشرہ سے متعلق بڑی قیمتی اور مفید معلومات جمع کر دی گئی ہیں، اس لیے مختلف ملکوں میں اس کی طباعت ہوئی اور کئی لوگوں نے اس کی شرح لکھی، جن میں مشہور دو شرحیں ہیں، ایک ابن أبی الحدید کی اور دوسری امام محمد عبدہ کی۔

7.5 متن کا ترجمہ

ابن عائشہ نے اپنی مذکورہ سند سے بیان کیا کہ علیؓ کو خبر ملی کہ معاویہؓ کا ایک سوار دستہ انبار میں داخل ہوا اور ان کے ایک گورنر کو قتل کر دیا جن کا نام حسان بن حسان تھا، تو آپؓ غضب ناک ہو کر چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے، یہاں تک کہ مقام نخیلہ آئے اور لوگ بھی آپؓ کے پیچھے پیچھے

ہو لیے، پھر آپؑ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور نبی ﷺ پر درود بھیجا پھر فرمایا:

امابعد! بے شک جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور جو شخص اس سے بیزار ہو کر اسے چھوڑ دیتا ہے اللہ اسے ذلت و رسوائی کا لباس پہنا دیتا ہے اور وہ ذلیل وخوار ہوتا ہے، میں نے شب وروز تمہیں اس قوم سے لڑنے کی دعوت دی، خفیہ بھی اور علانیہ بھی اور میں نے تم سے کہا کہ ان پر یلغار کرو قبل اس کے کہ وہ تم پر یلغار کریں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کسی قوم سے ان کے اندرون ملک جنگ نہیں لڑی گئی مگر وہ ذلیل ورسوا ہوئے، تم نے باہمی امداد ترک کردی اور ایک دوسرے پر تکیہ کر کے بیٹھ گئے، (جب میں نے تم سے حملہ کی بات کی) تو تم پر میری بات گراں گزری اور تم نے اس کو پس پشت ڈال دیا، یہاں تک کہ تم پر حملے کیے گئے اور قبیلہ غامد کا ایک شخص اپنے گھوڑ سواروں کے ساتھ انبار میں داخل ہوا اور انھوں نے حسان بن حسان کو قتل کردیا اور اہل انبار میں سے بہت سے مرد اور عورتوں کو تہ تیغ کردیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ لوگ مسلمان اور ذمی عورتوں کے پاس گئے اور ان کے پازیب اور بالیاں چھین کر صحیح سلامت اپنے اکثر سواروں کے ساتھ واپس ہو گئے، ان میں سے کسی کو معمولی خراش تک نہ آئی، اس حادثہ کے صدمہ سے اگر کسی مسلمان کی موت ہو جاتی ہے تو میرے نزدیک وہ قابل ملامت نہیں ہے بلکہ وہ میرے نزدیک لائق تحسین ہے، ہائے رے تعجب! یہ سوچ کر دل بیٹھ جاتا ہے، عقل حیرت میں پڑ جاتی ہے اور رنج والم بڑھ جاتا ہے کہ یہ لوگ باطل پر ہونے کے باوجود آپس میں متحد اور باہمی تعاون کا مظاہرہ کررہے ہیں اور تم حق پر ہوتے ہوئے بھی بزدلی اور پست ہمتی کا شکار ہو، یہاں تک کہ تم ان کے لیے نشانہ بن گئے، وہ تم پر تیر چلاتے ہیں اور تم نہیں چلاتے، وہ تم پر حملہ کرتے ہیں اور تم نہیں کرتے، تمہارے درمیان اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے اور تم اس سے راضی رہتے ہو، جب میں تم سے کہتا ہوں کہ ان سے جاڑے میں لڑو تو تم کہتے ہو یہ سخت سردی کا موسم اور جاڑے کا وقت ہے اور اگر میں کہتا ہوں کہ ان سے موسم گرما میں لڑو تو تم کہتے ہو کہ شدت کی گرمی ہے، گرمی ختم ہونے تک ہمیں مہلت دیجیے، پس جب تم سردی اور گرمی سے فرار اختیار کرتے ہو تو بخدا تم تلوار سے تو اور زیادہ فرار اختیار کرو گے۔

اے مردوں کی شبیہ رکھنے والے نامردو! اور اے بے وقوفو! اور اے عورتوں کی عقل رکھنے والو! خدا کی قسم تم نے نافرمانی کر کے میری رائے کو بگاڑ دیا اور مجھ میں غصہ کی آگ بھر دی ہے، یہاں تک کہ قریش کہنے لگے کہ یقینا ابو طالب کا بیٹا بہادر ہے لیکن جنگی امور کا ماہر نہیں، اللہ ہی کے لیے ان کی خوبی ہے (انھوں نے کیا خوب کہا)، مجھ سے بڑھ کر جنگ کے بارے میں کون جانتا ہے اور مجھ سے بڑھ کر کس کو اس کا تجربہ ہو سکتا ہے، قسم بخدا! جنگ میں میں اس وقت سے ہوں جب کہ میں بیس سال کا بھی نہ تھا اور آج میری عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہے، لیکن اس شخص کی کوئی رائے نہیں ہو سکتی جس کی اطاعت ہی نہ کی جائے، آپؑ نے اس بات کو تین مرتبہ دہرایا۔

7.6 لغوی تحقیق

تحدث یتحدث تحدثا (باب تفعل)	بیان کرنا، روایت کرنا
خیل	مجازاً گھوڑ سواروں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے
ورد یرد ورودا (باب ضرب)	آنا

انبار	بغداد کے مغربی فرات پر واقع ایک شہر کا نام
نخيلة	ایک مقام کا نام
رقي يرقى (باب سمع) رقى الجبل	پہاڑ چڑھنا
رباوة	ٹیلہ، اونچی زمین
الخسف	ذلت ورسوائی
سامه خسفا	ذلیل کرنا
ديّث يديّث تدييثا (باب تفعيل)	ذلیل ورسوا کرنا
صغار	ذلت وظلم
عقر الدار	گھر کا درمیان (گھر کا درمیانی حصہ)
تخاذل يتخاذل تخاذلا (باب تفاعل)	ایک دوسرے کی مدد چھوڑ دینا، باہم مدد چھوڑ دینا
تواكل يتواكل تواكلا (باب تفاعل)	ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا
رغب يرغب رغبة ورغبا (باب سمع) عن	اعراض کرنا
شنّ يشنّ الغارة شنّا (باب نصر)	ہر طرف سے حملہ کرنا
حجل ج أحجال	پازیب
رَعُثة، رعَثة ج رعاث، جج رُعُث	بالی
ظِهري ج ظهاري	وہ کام جس کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے اور اس کو بھلا دیا جائے
موفورين	صحیح سلامت اور کثیر تعداد کے ساتھ
كلم يكلم كلما (باب ضرب) فلانا	زخمی کرنا
أسف يأسف أسفا (باب سمع)	افسوس کرنا
ظفر مطلوبه يظفر ظفرا (باب سمع)	اپنے مطلوب کو پانا، حاصل کرنا
ظفر به	فتح پانا، غلبہ پانا
جدير	لائق، مناسب
تظافر القوم يتظافر تظافرا (باب تفاعل)	ایک دوسرے کی مدد کرنا
فشل	جنگ یا مصیبت کے وقت کمزوری اور بزدلی
أغار يغير إغارة (باب إفعال)	حملہ کرنا
أوان	وقت

قُرّ	سخت سردی
صِرّ	شدت کی سردی
حَمارّة ج حمارّ	گرمی کی شدت
قَیظ ج أقیاظ و قیوظ	گرمی کی شدت، گرمی کا موسم
أنظر ینظر إنظارا (باب إفعال)	مہلت دینا
انصرم ینصرم انصراما (باب انفعال)	کٹ جانا، ختم ہونا
طغام الأحلام	بے وقوف، کم عقل
حجلة ج حجال	وہ پردہ جو گھر کے اندر دلہن کے لیے ڈالا جاتا ہے
غیظ	غصہ، ناراضگی
درّ	خوبی، کمال
نیّف ینیّف تنییفا (باب تفعیل)	زائد ہونا
مارس الأمر یمارس ممارسة و مراسا (باب مفاعلة)	کوئی کام مسلسل کرنا
غزا یغزو غزوا (باب نصر)	دشمن سے جہاد کے لیے جانا

7.7 ادبی صنف کا تعارف

متن کا تعلق نثری اصناف ادب میں خطابت سے ہے، خطابت کی بنیاد زبان اور اس کا مقصد اپنے سامعین کو مطمئن کرنا اور انہیں اپنے مدعا کی طرف مائل کرنا ہے، ایک ماہر خطیب اس مقصد کے حصول لیے بہتر سے بہتر ذرائع استعمال کرتا ہے:

مقرر مختلف وسائل کو اختیار کرتے ہوئے سامعین کو اس بات پر مطمئن کرتا ہے کہ اس نے جو نظریہ اپنایا ہے وہ صحیح ہے اور فریق مخالف کا نظریہ غلط ہے، مختلف دلائل و براہین سے وہ اپنی بات ثابت کرتا ہے۔

وہ سامعین کے جذبات کو حرکت دیتے ہوئے یا تو ماحول کو پر سکون بنا دیتا ہے یا پھر ماحول کو گرما دیتا ہے، وہ اپنے افکار و خیالات کو اس طرح وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ وہ محسوسات معلوم ہونے لگتے ہیں اور سامعین متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں پھر خطیب کے ساتھ ان کا یہ تاثر اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ خطیب اپنے مقصد کو بآسانی حاصل کر لیتا ہے۔

اس تاثیر کو پیدا کرنے میں سامعین کی عقلی سطح کی رعایت اور ان کے نفسیات کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے، نیز مطلب کی مکمل وضاحت، معانی اور الفاظ کی قوت، کلام کی رنگینی، بلاغت سے بھرپور ایجاز، موسیقی سے متصف جملے، نظریہ کی صداقت اور دلائل و براہین کی کثرت انتہائی اہم ہے۔

7.8 متن سبق کا موضوع

لوگوں کی غفلت و لاپرواہی پر تنبیہ کرتے ہوئے انہیں جہاد کی ترغیب دینا اور دشمن سے مقابلہ کے لیے ان کی حمیت کو ابھارنا۔

7.9 متن سبق کی توضیح وتشریح

7.9.1 خطبہ کا پس منظر

حضرت علیؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت معاویہؓ کے ایک لشکر نے سفیان الغامدی کی قیادت میں انبار میں داخل ہوکر خوب قتل وغارتگری کی اور وہاں پر متعین حضرت علیؓ کے گورنر کو قتل کر دیا، عام لوگ بھی اس کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ نہیں رہے یہاں تک کہ اس نے مسلمان اور ذمی عورتوں کے پازیب، کنگن اور بالیاں چھین کر صحیح سلامت واپس ہو گیا، انبار کے لوگوں نے ان سے کسی طرح کی مزاحمت نہیں کی اور نہ ہی اس وحشیانہ کاروائی کا انھوں نے مقابلہ کیا، اس حادثہ نے آپ کو غضبناک بنادیا اور اسی وقت آپ نے لوگوں میں یہ تاریخی خطبہ دیا جس نے خطبۃ الانبار کے نام سے تاریخی اور ادبی کتابوں میں شہرت پائی۔

7.9.2 مضمون

حضرت علیؓ نے اپنے خطبہ کو انتہائی پرسکون اور باوقار انداز میں شروع کیا، اپنے متبعین کو جہاد کی ترغیب دی اور دشمنوں سے مقابلہ کرنے پر ابھارا، جہاد کی فضیلت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

پھر انہیں آگاہ کیا کہ اگر وہ جہاد اور دشمنوں کے مقابلہ سے اعراض کرتے ہیں اور اس مقدس فریضہ سے روگردانی کرتے ہیں تو اللہ کے عذاب کے مستحق قرار پائیں گے، ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن جائے گی اور اللہ کی رحمت اور اس کی عنایتوں سے دور ہو جائیں گے، بزدلی اور پستی ان کی علامت ہو جائے گی اور دنیا کے لوگوں کے لیے وہ ایسا لقمہ تر بن جائیں گے کہ ہر ایک ان کو اپنا نشانہ اور اپنی ظالمانہ کاروائیوں کا تختہ مشق بنائے گا اور ان کے ساتھ ہمیشہ نازیبا سلوک روا رکھا جائے گا۔

جہاد کی ترغیب وفضیلت بیان کرتے ہوئے آپ کا اسلوب جس وقار ومتانت کا مظہر تھا وہ بدل جاتا ہے اور آپ اپنے متبعین کی بزدلی اور کاہلی، حق کی نصرت سے دوری اور آپسی عدم تعاون پر سرزنش کرتے ہیں، انہیں یاد دلاتے ہیں کہ آپؐ نے انہیں شب وروز جنگ کے لیے نکلنے کی دعوت دی، آپ نے خفیہ اور علانیہ انہیں جنگ کے لیے آمادہ کیا، لیکن وہ بزدل اور کمزور تھے کہ ان ترغیبات کے باوجود جنگ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پائے اور طرح طرح کے عذر لنگ پیش کرتے ہوئے جنگ سے روگردانی کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کی فوج گھر میں گھس آئی، نیک وبد کی تمیز کیے بغیر قتل وغارتگری کر گزری۔

پھر آپ نے اپنے مخاطبین کی حمیت وغیرت کو للکارتے ہوئے فرمایا کہ دشمنوں نے اس پر بس نہیں کیا کہ وہ تمہارے مردوں کو قتل کرتے بلکہ انھوں نے تمہاری عورتوں کی عزت وآبرو کی بے حرمتی کی، ان سب کے باوجود وہ صحیح سلامت اس طرح لوٹ گئے جیسے وہ شکار کر کے واپس ہوئے ہوں، انہیں ذرا سا زخم نہیں آیا اور نہ ہی کسی نے ان سے قابل ذکر مقابلہ کیا۔

پھر تیسرے فقرے میں حضرت علیؓ نے دشمنوں کے باطل پر مضبوطی سے جمے رہنے اور باطل کی مدد کرنے پر اور اپنی قوم کے حق پر ہونے کے باوجود بزدلی دکھانے اور حق کی مدد نہ کرنے پر تعجب کا اظہار کیا، پھر آپ کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا تو سامعین کو یہ کہہ کر عار دلایا کہ ''یا أشباہ الرجال و لا رجال'' آپ نے انہیں مردانگی سے خالی قرار دیا، یہ وہ عار ہے جس پر ہر مرد اپنی جان کی بازی لگانا پسند کرتا ہے، آپ نے انہیں عقل وخرد اور ہمت

میں عورتوں اور بچوں کے مثل ٹھہرایا، یعنی ایک مرد کی حمیت و غیرت کو ابھارنے کے لیے جتنے وسائل ہو سکتے ہیں ان سب کا حضرت علیؓ نے استعمال کیا۔

تقریر کے اختتامی کلمات میں آپ فرماتے ہیں کہ تمہاری کاہلی اور بزدلی کی وجہ سے قریش مجھے اب یہ طعنہ دینے لگے ہیں کہ مجھے جنگ کا تجربہ نہیں حالانکہ بچپن سے ہی میں ایک جنگجو ہوں اور ابھی میری عمر بیس سال بھی نہیں تھی کہ میں جنگ کا مردمیدان رہا اور اب میری عمر ساٹھ سے متجاوز ہے، جنگ کا جتنا طویل تجربہ مجھے ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں، یہ کہہ آپ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جنگ کی ناکامی کا ذمہ دار میں نہیں بلکہ تم ہو، پھر ایک انتہائی مؤثر کلمہ پر اپنی تقریر یوں ختم کرتے ہیں "ولکن لا رأي لمن لا يطاع"۔

7.10 متن کی خصوصیات

7.10.1 معنی اور مضمون کے اعتبار سے

(۱) خطبہ کے اجزا آپس میں اس طرح مربوط اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں کہ سارے خطبہ میں موضوع کی وحدت اور یکسانیت اور مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے ۔

(۲) اس خطبہ میں مافی الضمیر کا مکمل اظہار ہے، چھوٹے چھوٹے جملے اور مانوس الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے اور ان کو منطقی انداز میں مرتب کیا گیا ہے، موضوع کی تقسیم میں انتہائی باریک بینی سے کام لیا گیا ہے، پہلے تمہید ہے، اس کے بعد اپنے مدعا کو اس انداز سے تدریجا پیش کیا گیا ہے کہ سامعین کے شعور واحساس کو مہمیز لگاتا ہے۔

7.10.2 سامعین کو مطمئن کرنے کے اعتبار سے

(۳) حضرت علیؓ نے اپنے متبعین پر ثابت کردیا کہ وہ لوگ بزدل ہیں اور اپنے دعوی کی دلیل یہ کہہ کردی کہ "وقد دعوتكم الى حرب هؤلاء القوم ليلا و نهارا، سرا و إعلانا، و قلت لكم: اغزوهم من قبل أن يغزوكم، فوالذي نفسي بيده! ما غُزِي قوم قط في عقر دارهم إلا ذلوا فتخاذلتم و تواكلتم و ثقل عليكم قولي، و اتخذتموه وراء كم ظهريا، حتى شنت عليكم الغارات۔۔۔

"إذا قلت لكم: اغزوهم في الشتاء قلتم: هذا أوان قر و صر، و إن قلت لكم: اغزوهم في الصيف قلتم: هذه حمارة القيظ، أنظِرنا ينصرم الحر عنا، فاذا كنتم من الحر و البرد تفرون، فأنتم و الله من السيف أفر۔۔

(۴) آپؓ نے اپنے حق پر ہونے اور فریق مخالف کے گمراہ ہونے پر، اپنے متبعین کی کارستانی اور مخالفین کے موقف کی مکمل وضاحت فرمائی (من تظافر هؤلاء القوم على باطلهم، و فشلكم عن حقكم)

(۵) قریش کی رائے کا ردوابطال کیا تا کہ اپنے ساتھیوں میں اعتماد بحال ہو سکے اور فنون سپاہ گری میں اپنی مہارت، جنگی تجربہ وقائدانہ صلاحیت کا بھرپور اظہار کیا، تا کہ لوگ آپؓ کے جھنڈے تلے جمع ہوکر جوانمردی کے ساتھ جہاد کریں۔

(لله درهم! و من ذا يكون أعلم مني أو أشد لها مراسا، فوالله! لقد نهضت فيها و ما بلغت العشرين، و لقد نيفت اليوم على الستين)

7.10.3 اپنی بات کو مؤثر کرنے کے لیے ترغیب وترہیب کا استعمال

(۶) آپ نے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ (إن الجهاد باب من أبواب الجنة) ہر مسلم کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو، لہذا اس موقعہ پر جہاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اس کو جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ قرار دینا سامعین کے دلوں میں اثر پیدا کرتا ہے اور انہیں جہاد کی طرف راغب کرتا ہے۔

(۷) ترہیباً فرمایا کہ (فمن تركه رغبة عنه ألبسه الله الذل، و سيما الخسف، و ديث بالصغار) تاکہ جو لوگ ابھی تک خواب غفلت میں ہیں اور جہاد سے بے رخی اختیار کر رہے ہیں انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے اس طرح روگردانی کرنے سے وہ سرخرو ہو کر باعزت زندگی نہیں گذار سکتے، بلکہ دنیا میں بھی انہیں ذلت و رسوائی کا سامنا ہوگا اور آخرت میں بھی انہیں نقصان اٹھانا پڑے گا، کیونکہ (الجهاد باب من أبواب الجنة) ہے۔

(۸) حمیت و غیرت کو ابھارنا جس کے لیے بزدل سے بزدل انسان بھی جان کی بازی لگانے اور مارنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے یعنی عورت کی حفاظت اور اس کی عفت و عصمت کا تحفظ اور اس کا دفاع، آپؑ نے اس کا تذکرہ کیا (و الذي نفسي بيده ! لقد بلغني أنه كان يدخل على المرأة المسلمة و المعاهدة فتنزع أحجالهما و رعثهما، ثم انصرفوا موفورين، لم يكلم أحد منهم كلما، فلو أن امرأ مسلما مات من دون هذا أسفا ما كان عندي فيه ملوما، بل كان به عندي جديرا)

7.11 اسلوبی خصوصیات

(۱) افکار و خیالات کی توانائی کے ساتھ ایسے الفاظ کا استعمال جن کا بدل مشکل ہے، موضوع کی مناسبت سے ایسے جملوں کا استعمال جو انتہائی پرتاثیر اور سامعین میں جوش پیدا کرتے ہیں (هذا أوان قر و صر، هذه حمارة القيظ، فأنتم و الله من السيف أفر، يا أشباه الرجال و لا رجال، و يا طغام الأحلام، و يا عقول ربات الحجال، و لقد ملأتم جوفي غيظا)

(۲) ایجاز، جگہ جگہ عبارتوں میں ایجاز کو ملحوظ رکھا گیا ہے، مختصر الفاظ میں ڈھیر سارے معانی کو سمیٹا گیا ہے (من تظافر هؤلاء القوم على باطلهم، و فشلكم عن حقكم، يا أشباه الرجال و لا رجال)

(۳) جملوں کے اواخر میں موزونیت و موسیقیت پائی جاتی ہے جو سامعین میں دلچسپی اور رغبت پیدا کرتی ہے (ليلا و نهارا، سرا و إعلانا، يغار عليكم و لا تغيرون، و تغزون و لا تغزون)

(۴) سجع کے مقابلہ اسلوب مرسل کا استعمال، جہاں کہیں سجع دکھائی دیتا ہے وہ بغیر تکلف کے ہے، سجع کی کوشش نہیں کی گئی۔

(۵) کلام کی رنگینی، خبر و انشا کا استعمال

(۶) اپنی بات کو مؤثر پیرایہ میں پیش کرنے کے لیے قسمیہ جملوں اور حروف تاکید کا کثرت سے استعمال (فو الذى نفسى بيده، فأنتم و الله من السيف أفر، فو الله ! لقد نهضت فيها و ما بلغت العشرين)

اس خطبہ سے اس زمانہ کے سیاسی سماجی حالات پر روشنی پڑتی ہے، اسی طرح حضرت علیؓ کی شخصیت ابھر کر آتی ہے کہ آپ کو کس طرح مسلمانوں اور ذمیوں کا اہتمام ہوا کرتا تھا اور ان کی حفاظت کی فکر لاحق رہتی تھی۔

7.12 اکتسابی نتائج

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی گئ تو اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملک شام کے گورنر تھے، جب ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے کہا گیا تو انھوں نے یہ مطالبہ رکھا کہ پہلے قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام لیا جائے پھر بیعت ہوگی، قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کی قطعی شناخت نہ ہونے کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ انتقام کو مؤخر کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مطالبہ پر مصر رہے اس معاملہ نے طول پکڑا جس کے نتیجہ میں عالم اسلام دو گروہوں میں بٹ گیا، اہل شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی تھے اور آپس میں جنگ وجدال کا سلسلہ چل پڑا، اسی کی ایک کڑی انبار کا واقعہ ہے۔

حامیان علی رضی اللہ عنہ میں دہشت پیدا کرنے کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن 39ھ میں سفیان بن عوف کو چھ ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ عراق کے اطراف واکناف پر حملہ کرنے لیے بھیجا، یہ لشکر انبار میں داخل ہوا، خوب لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت گری کر کے صحیح سلامت واپس ہوگیا، اس موقعہ پر انبار میں متعین حضرت علی کے تقریبا پانچ سو افراد پر مشتمل فوجی دستہ میں سے چار سو افراد میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن کچھ مخلصین ڈٹے رہے اور انھوں نے بڑی دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا جن میں حسان بن حسان بھی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انبار کے گورنر تھے، آخر کار وہ بھی مارے گئے، اس واقعہ کی اطلاع جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نہایت غضب ناک ہوکر نکلے اور مقام نخیلہ پہنچ کر آپ نے وہ تاریخی خطبہ دیا جو فصاحت وبلاغت کے اعلی معیار پر ہونے کی وجہ سے فن خطابت کا شاہکار قرار پایا۔

حضرت علی نے اپنی تقریر کی ابتدا میں لوگوں کو جہاد کی فضیلت اور اس کی اہمیت بتاتے ہوئے اس سے روگردانی کرنے والوں کو انجام سے باخبر کیا، یہ وہ موقعہ تھا کہ فساد اور خون خرابہ کی وجہ سے لوگوں کے دل مغموم وافسردہ تھے، ایک طرف انہیں دلاسا بھی دینا تھا اور کوتاہیوں پر تنبیہ بھی کرنی تھی تو دوسری طرف ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ان کی غیرت کو للکارنا تھا، آپ نے جہاد کرتے ہوئے جو شہید ہوگئے تھے ان کے لیے جہاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے جنت کی خوشخبری سنائی اور جہاد سے منھ موڑنے اور بے اعتنائی اختیار کرنے والوں کو ذلت ورسوائی کے خوف ناک انجام سے متنبہ کیا، اس کے بعد آپ نے لوگوں کو یاد دلایا کہ میں نے تمہیں بار بار جہاد کی دعوت دی اور ان دشمنوں کا مقابلہ کرنے کو کہا لیکن تم نے میری بات پر کان نہیں دھرا اور غفلت کا شکار رہے، جس کے نتیجہ میں تمہیں آج کا یہ برا دن دیکھنا پڑا، آپ نے اپنی مسلسل کوششوں اور لوگوں کی بے حسی کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب کبھی میں نے تمہیں موسم سرما میں جہاد کے لیے کہا تو تم نے سردی کا عذر پیش کیا اور جب گرما میں کہا تو تم نے گرمی کا بہانہ کیا، دن گزرتے گئے، دشمن جری ہوتا گیا اور تم بزدل ہوتے گئے یہاں تک کہ وہ تمہارے درمیان آئے اور قتل وغارتگری کر کے سب کچھ چھین کر صحیح سلامت واپس چلے گئے اور تم دیکھتے تکتے رہ گئے، کیا اس وقت بھی تمہاری غیرت نہیں جاگی جب وہ تمہاری عورتوں کے پیروں سے پازیب اور کانوں سے بالیاں اتار کر لے گئے؟ لوگوں کی بے غیرتی پر اپنے گہرے دکھ اور صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمان کے لیے یہ حادثہ اتنا شرمناک ہے کہ اگر وہ مارے غیرت کے مر بھی جائے تو اس پر افسوس نہیں ہونا چاہیے۔

تقریر کے آخری حصہ میں اپنے غم وغصہ کا مکمل اظہار فرماتے ہوئے آپ نے کہا: او مردنما نامردوں، کم عقلو اور بے وقوفو! تمہاری بزدلی اور نافرمانی نے میرے منصوبے کو ناکام بنادیا یہاں تک کہ قریش نے میرے تعلق سے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ ابو طالب کے بیٹے کا بہادری اور جوانمردی میں جواب نہیں لیکن اسے جنگ کا تجربہ نہیں، قریش کی اپنے قول میں ناانصافی اور حقائق سے روگردانی پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ بھلا مجھ سے زیادہ اس کا علم اور تجربہ کس کو ہوسکتا ہے، میری عمر بیس سے بھی کم تھی اس وقت سے میں جنگ کر رہا ہوں اور آج میری عمر

ساٹھ سے متجاوز ہے، لیکن وہ شخص کیا کر سکتا ہے جس کی بات ہی نہ مانی جائے، آپ نے اس کربناک جملہ کو تین مرتبہ دہرا کر اپنی تقریر ختم فرمادی۔

7.13 نمونے کے امتحانی سوالات

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات وخدمات پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا بلاغتی ناحیہ سے تجزیہ کیجیے۔

۳۔ اسلوب خطابی کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام کی خوبیوں کو نمایاں کیجیے۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا خلاصہ قلمبند کیجیے۔

۵۔ خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پس منظر کو واضح کیجیے۔

۶۔ خطبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالیے۔

۷۔ حسب ذیل عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے بحوالہ متن سیاق وسباق واضح کیجیے۔

يَا أَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَلا رِجَالَ وَيَا طَغَامَ الأَحْلامِ، وَيَا عُقُوْلَ رَبَّاتِ الْحِجَالِ! وَاللهِ! لَقَدْ أَفْسَدْتُمْ عَلَيَّ رَأْيِيْ بِالْعِصْيَانِ، وَلَقَدْ مَلأْتُمْ جَوْفِيْ غَيْظاً حَتّى قَالَتْ قُرَيْشٌ: اِبْنُ أَبِيْ طَالِبٍ رَجُلٌ شُجَاعٌ، وَلٰكِنْ لا رَأْيَ لَهُ فِي الْحَرْبِ. لِلّٰهِ دَرُّهُمْ! وَمَنْ ذَا يَكُوْنُ أَعْلَمُ بِهَا مِنِّيْ أَوْ أَشَدُّ لَهَا مِرَاساً

۸۔ مندرجہ ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور ترجمہ کیجیے۔

يا عجبا كل العجب! عجب يميت القلب ويشغل الفهم ويكثر الاحزان من تظافر هولاء القوم على باطلهم، وفشلكم عن حقكم، حتى اصبحتم غرضا ترمون ول ترمون، ويغار عليكم ول تغيرون، ويعصى الله فيكم وترضون، اذا قلت لكم: اغزوهم في الشتاء قلتم: هذا اوان قر وصر، و ان قلت لكم: اغزوهم في الصيف، قلتم: هذه حمارة القيظ، انظرنا ينصرم الحر عنا. فاذا كنتم من الحر والبرد تفرون، فانتم والله من السيف افر.

7.13 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

۱۔ الكامل	للمبرد
۲۔ البيان والتبيين	للجاحظ
۳۔ العقد الفريد	لابن عبدربه
۴۔ نهج البلاغة	لشريف رضي
۵۔ عربی ادب کی تاریخ	عبدالحلیم ندوی
۶۔ المرتضى	ابو الحسن علی ندوی
۷۔ المفيد فی الأدب العربي	لجماعة من الكتاب
۸۔ الفن و مذاهبه فى النثر العربي	لشوقي ضيف

اکائی نمبر 8: عصر اموی کا نمونۂ خطابت

اکائی کے اجزا

8.1 مقصد

8.2 تمہید

8.3 اموی دور میں فن خطابت کے عروج کے اسباب

8.3.1 سیاسی اسباب

8.3.2 دینی اسباب

8.3.3 عقلی اسباب

8.4 متن سبق: خُطبَةُ زِیَادِ بنِ أَبِیْهِ

8.5 صاحب متن کا تعارف

8.5.1 پیدائش اور حالات زندگی

8.5.2 اخلاق اور خداداد صلاحیتیں

8.6 متن کا ترجمہ

8.7 لغوی تحقیق

8.8 ادبی صنف کا تعارف

8.8.1 متن سبق کا موضوع

8.8.2 متن سبق کی توضیح وتشریح

8.8.3 متن کی خصوصیات

8.8.4 اسلوبی خصوصیات

8.9 متن سبق: خُطبَةُ الْحَجَّاجِ بْنِ یُوْسُفَ الثَّقَفِيِّ

8.10 صاحب سبق کا تعارف: حجاج بن یوسف ثقفی

8.10.1 پیدائش اور حالات زندگی

8.10.2 حجاج کے اخلاق اور خداداد صلاحیتیں

8.11 متن کا ترجمہ

8.12 لغوی تحقیق

8.13 ادبی صنف کا تعارف

8.13.1 متن سبق کا موضوع

8.13.2 متن سبق کی توضیح وتشریح

8.13.3 متن کی خصوصیات

8.13.4 اسلوبی خصوصیات

8.14 اکتسابی نتائج

8.15 نمونے کے امتحانی سوالات

8.16 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

8.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے سے عصر اموی میں فن خطابت کے ترقی کے اسباب وعوامل، زیاد بن ابیہ اور حجاج بن یوسف ثقفی کے خطبوں کی ادبی اہمیت اور عربی ادب میں ان کے مقام ومرتبہ،ان کے اسلوب بیان کے متعلق تفصیلات سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے، نیز حجاج بن یوسف کا مشہور خطبہ جو خطبۃ العراق کا بالتفصیل مطالعہ کریں گے،اس خطبہ کو پڑھنے سے عربی زبان کی وسعت اور خطیب کے الفاظ کو مقتضائے حال کے مطابق استعمال کرنے کی بے پناہ صلاحیت کا علم ہوتا ہے۔

8.2 تمہید

عربی ادب کی تاریخ میں بنوامیہ کا دور اس اعتبار سے بہت نمایاں ہے کہ اس زمانے میں نثر کے فن خطابت یا تقریر کو ایسی ترقی ہوئی اور ایسے شعلہ بار، یکتائے روزگار جادو بیان اور فصیح وبلیغ مقررین پیدا ہوئے جن کی نظیر مشکل سے ملتی ہے،اس کی سب سے بڑی وجہ تو عربوں کی زبان و بیان کی فطری اور جبلی صلاحیت ہے۔

بنوامیہ کی حکومت کی بنیاد حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پیدا شدہ ایسے سخت حالات اور ایسی سیاسی اور دینی شکست وریخت کے زمانے میں پڑی جس نے دنیائے اسلام میں ایک ہلچل اور اتھل پتھل کی سی کیفیت پیدا کردی تھی، عالم اسلام کے اس زمانے کے فتنہ وفساد اور ہنگامہ آرائیوں کے نتائج سے بچانے کے لیے جس ہتھیار سے سب سے زیادہ کام لیا گیا وہ خطابت یا تقریر تھی، زبان کے اس ہتھیار کو بنوامیہ اور ان کے مخالفین دونوں نے ایک دوسرے کو زیر کرنے کی غرض سے پوری طرح استعمال کیا، جس کا نتیجہ خالص علمی وادبی نقطہ نظر سے یہ ظاہر ہوا کہ نثر کے اس صنف کو اس زمانے میں وہ ترقی ہوئی جو کسی دوسرے دور میں نہ ہوسکی، اس ترقی میں اموی حکمرانوں اور امرا اور سپہ سالاروں کا بڑا اہم حصہ ہے۔

اموی حکمرانوں اور ذمہ داروں نے بسا اوقات زبان کے ہتھیار سے وہ کام لیا جو ایک لشکر جرار یا تلوار جوہر دار سے نہیں لیا جاسکتا تھا، راویوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے بعض اوقات اپنی شرر باری اور بعض اوقات اپنی گہر باری سے پورے مجمع کو جو کبھی ان کا اور امویوں کا سخت جانی دشمن تھا، ایسا رام کیا کہ دل سے نہ سہی زبان سے ضرور ان کا کلمہ پڑھنے لگا اور فرط تاثر میں ان کے احکام کی بجا آوری میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے لگا، چنانچہ امویوں کے ظالم اور جلاد گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کے بارے میں بزرگ لوگ کہا کرتے تھے کہ جب یہ بولنا شروع کرتا ہے تو ایسا لگتا ہے یہی حق پر ہے اور ہم سب باطل پر ہیں، اس کے اندازِ گل افشانی گفتار کا یہ عالم تھا کہ مجمع پر ایک سکتہ کا سماں چھا جاتا تھا، اسی لیے امویوں کی یہ تقریریں اپنی سحر آفرینی، اثر اندازی اور زبان وبیان کی معجز نمائی کی وجہ سے عربی ادب میں شہ پاروں کی حیثیت رکھتی ہیں اور آج تک درسگاہوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔

8.3 اموی دور میں فن خطابت کے عروج کے اسباب

اموی دور میں فن خطابت کی ترقی اور گرم بازاری میں جن اسباب وعوامل نے اہم رول ادا کیا، ان میں سب سے زیادہ اہم تین ہیں: (۱) سیاسی (۲) دینی (۳) عقلی۔

8.3.1 سیاسی اسباب

بنوامیہ کی حکومت قائم ہوتے ہی، عالم اسلام میں ایک اتھل پتھل کی سی کیفیت پیدا ہوگئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کو بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا تھا، حضرت عثمانؓ بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ امویوں اوران کے ہمنواؤں نے حضرت علیؓ سے خلیفہ ہونے کے بعدان قصاص (قاتل کومظلوم مقتول کے بدلہ میں بطور سزا قتل کرنا) کا مطالبہ شروع کیا، اس گروہ کے لیڈر مشہور صحابی حضرت امیر معاویہؓ تھے، جوان دنوں شام کے گورنر تھے اور وہاں انھوں نے ایک منظم، مضبوط اور تربیت یافتہ فوج تشکیل دے رکھی تھی۔

حضرت علیؓ ان لوگوں سے کہتے تھے کہ پہلے آپ لوگ ہمارے ہاتھ پر بیعت کرکے مجھے خلیفہ تسلیم کیجیے، اس کے بعد شریعت کے مطابق حضرت عثمانؓ کے قصاص کا دعویٰ کیجیے اور مجرموں کا پتہ لگانے اوران کوسزا دینے میں میری مدد کیجیے اور میرا ہاتھ بٹائیے، لیکن حضرت علی کے مخالفین مع امیر معاویہ کے اس بات پر راضی نہ ہوئے اور معاملہ اتنا خراب ہوگیا کہ حضرت معاویہ کی فوج اوران کے ہمنواؤں اور حضرت علی کی فوج اوران کے ہمنواؤں کے درمیان صفین کی جنگ ہوئی، جب اس جنگ میں حضرت علی کا پلہ بھاری ہونے لگا اور حضرت معاویہ اوران کے ساتھیوں کو شکست کا خطرہ ہونے لگا توانھوں نے بیچ لڑائی میں قرآن کو نیزوں پر چڑھا کر اعلان شروع کردیا کہ آپس میں مسلمانوں کا خون بہانے سے اچھا یہ ہے کہ ہم قرآن کواپنا ثالثی مان کراس کے حکم کے مطابق اپنے اختلافات کا فیصلہ کرلیں، قرآن کا نام آنا تھا کہ سپاہیوں کے نیزے اور تلواریں نیچے آنے لگیں اوران میں سے اکثر نے قرآن کی ثالثی ماننے کا نعرہ شروع کیا، حضرت علی اس چال کو سمجھ گئے لیکن حالات کے تقاضے اور لوگوں کے دباؤ سے ثالثی پر تیار ہو گئے۔

حضرت علی کا ثالثی پر تیار ہونا تھا کہ ان کی فوج کے ایک حصہ نے ان کی بیعت توڑ دی اوران کی اطاعت سے نکل گئی اوراس طرح ان لوگوں کا نام ''خوارج'' یعنی جماعت سے نکلے ہوئے پڑ گیا اور اسلام میں شیعہ فرقہ کے بعد یہ دوسرا سیاسی فرقہ تھا، جس نے دین کے پردے میں سیاسی روپ اپنایا تھا، حضرت علی نے ان لوگوں کو بہت سمجھانے کی کوشش کی، لیکن ان کی سمجھ میں بات نہیں آئی اور وہ مستقل حضرت علی کے مخالف رہے، یہاں تک کہ انہیں خارجیوں میں سے ایک خارجی ابن ملجم نے حضرت علی کوشہید کردیا اوراس طرح میدان سیاست میں حضرت معاویہ اوران کے خلفا رہ گئے جن کا مرکز شام تھا، چنانچہ اب خارجی ان سے بھڑنے لگے، ان لوگوں کا کہنا تھا کہ خلافت کوصرف قریش میں رکھنا اسلام کے خلاف ہے، یہ قریشیوں کی میراث نہیں ہے بلکہ جومسلمان بھی شریعت اور دین کی رو سے اپنی دینداری زہد وتقوی اور طہارت کی وجہ سے اس کا اہل ہوا سے مسلمانوں کے مشورہ سے خلیفہ مقرر کرنا چاہیے، چاہے وہ ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، یہ فرقہ حضرت عثمان اور حضرت علی دونوں کوگمراہ سمجھتا تھا اوران کے ماننے والوں کو کافراوران کوقتل کردینا جائز سمجھتا تھا اور اسلامی ملکوں کو دارحرب مانتا تھا، انھوں نے مخالفوں سے نبردآزمائی کے لیے اپنی تنظیم مضبوط کی اور عبداللہ بن وهب الراسبی کواپنا امیر المؤمنین منتخب کیا، یہ لوگ اپنے عقیدے میں بڑے سخت، ایمان میں بڑے مستحکم اوراپنے اصول ونظریات میں بڑے متشدد تھے، یہ فرقہ بھی اندرونی اختلافات کی وجہ سے تقریباً بائیس فرقوں میں بٹ گیا جن میں پانچ بہت مشہور گزرے ہیں جن کا الگ الگ امیر تھا۔

حضرت معاویہ کے انتقال کے بعدان بیٹا یزید بن معاویہ تخت خلافت پر بیٹھا، خلیفہ جیسی اہم شخصیت کے لیے جن اہم صفات کی ضرورت تھی ان کے فقدان کی وجہ سے عوام کے علاوہ خواص امت میں سے بھی بہت سے لوگ اس کو ناپسند کرتے تھے، چنانچہ اس وقت بنوامیہ کے مخالفوں اور یزید کوناپسند کرنے والوں کی خاصی تعداد ہوگئی جن میں پیش پیش شیعان علی تھے، ان لوگوں کا مرکز کوفہ تھا، شیعان علی کا جو اسلام کا پہلا فرقہ تھا، عقیدہ

تھا کہ حضرت علی کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی، اس لیے حضرت علی وصی (یعنی جس کے لیے کسی بات کی وصیت کی گئی ہو) تھے، چنانچہ یہ لوگ خلفائے راشدین میں سے تین کے منکر ہو گئے اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد کو اوصیا سمجھ کر اپنا امام تسلیم کرتے رہے، مگر یہ بھی کئی فرقوں میں بٹ گئے جن میں کچھ معتدل اور کچھ غالی تھے۔

شیعوں اور خوارج کے علاوہ ایک تیسری پارٹی بھی ان دنوں ابھری جس کی قیادت عبداللہ بن زبیرؓ کر رہے تھے، مگر عبدالملک بن مروان کے مرد آہنی حجاج بن یوسف ثقفی نے ان کو قتل کر کے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

یہ تمام دینی پارٹیاں (جو دراصل سیاسی پارٹیاں تھیں) لوہے کی تلوار سے کہیں زیادہ زبان کی تلوار سے کام لیتے تھے، چنانچہ یہ سب پارٹیاں اور یہ سب گروہ اپنی قوت بیانی کے ذریعہ ایک دوسرے کی مخالفت اور گمراہی کے دعوے کرتے اور دلیلیں دے کر عوام الناس کو سمجھا کر اپنے ساتھ کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان کے جواب میں ان کے مخالفین ان پر تنقید کرتے، اس بحث ومباحثہ اور مناقشہ ومناظرہ میں عربی خطابت کو ترقی کرنے کا بہت موقع ملتا، اس لیے کہ ہر ایک اچھی سے اچھی زبان بولنے کی کوشش کرتا، تا کہ زبان کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں اتر کر اپنی بات ان کے ذہنوں میں اتار دے۔

8.3.2 دینی اسباب

صاحب بصیرت علما اور اصحاب فکر ونظر فضلا کے درمیان دینی مسائل میں اختلافات پیدا ہوتے رہتے تھے، ان اختلافات اور کلامی موشگافیوں کے نتیجہ میں مختلف چھوٹے بڑے دینی فرقے پیدا ہو گئے جیسے جبریہ، قدریہ، مرجئہ اور معتزلہ، ان سب دینی فرقوں کو اپنا نظریہ سمجھانے اور ایک دوسرے کے نقطہ نظر کی کاٹ اور بطلان کے لیے زبان ہی کا سہارا لینا پڑتا تھا، چنانچہ دینی مسائل میں ایک خاص قسم کی بحث ومباحثہ کے نتیجہ میں ''مناظرہ'' کا فن پیدا ہوا جو درحقیقت تقریر ہی کی ایک مخصوص اور بہت اہم قسم ہے، چنانچہ ان مناظروں سے اموی دور میں ایک بالکل نیا علم پیدا ہوا جسے اصطلاح میں ''علم کلام'' کہا جاتا ہے، علم کلام کے وجود، اس کی ترقی اور ترویج نے بھی فن خطابت کو بڑی ترقی دی۔

اسی زمانہ میں دینی حلقہ سے ایک دوسرا گروہ بھی پیدا ہوا، جسے دینی قصہ گو اور واعظوں کا حلقہ کہتے تھے، یہ حلقہ جمع اور عیدین میں خطبہ دینے والے وعاظ کی علاوہ تھا، یہ قصہ گو اور واعظ عام طور سے حلقوں کی شکل میں بیٹھ کر لوگوں کو قرآن شریف کی تفسیر سناتے تھے جسے دل چسپ بنانے کے لیے سنے سنائے قصے اور روایتیں بھی نقل کرتے جاتے تھے۔

8.3.3 عقلی اسباب

اموی دور میں تقریر کو غیر عرب عناصر کے اسلام میں داخل ہونے اور ان کی عقلیت پسند طبیعت اور مزاج سے بھی ترقی کرنے کا بڑا موقع ملا، کیونکہ ان کی ناقدانہ طرز استدلال اور عقلیت پسند طریق کلام نے عربوں کے ذہنوں کے دریچوں کو کھولا، اس عجمی حلقہ میں زیادہ تر موالی (آزاد کردہ غلام یا اسلام میں داخل کام کاج کرنے والے غیر عرب) تھے، جن کی اپنی ایک تہذیب اور علمی ورثہ تھا، ان کی وجہ سے عرب نہ صرف ذہنی اعتبار سے متاثر ہوئے بلکہ علم وفن میں تنوع پیدا ہونے کے علاوہ زبان وبیان کے نکھارنے اور سدھارنے میں بھی ان کا بہت اہم رول رہا، اس طرح خطابت کی نشوونما میں بالواسطہ ان کا حصہ رہا۔

مذکورہ بالا اسباب وعوامل نے بنوامیہ کے زمانہ میں فن خطابت کواتنی ترقی دی کہ اس کی مثال دوسرے زمانوں میں نہیں ملتی مختلف مواقع اور حالات کے تحت تقریروں کے ہونے کی وجہ سے اس زمانہ میں فن خطابت کی تین قسمیں پیدا ہوئیں

(۱) سیاسی تقریریں

(۲) درباری تقریریں

(۳) دینی تقریریں

اموی حکومت کے گورنروں اور والیوں میں فن خطابت میں دومقررین نے بڑا نام پیدا کیا ہے، زبان و بیان، انداز خطابت، اثر اندازی اور سحر طرازی میں وہ اعجاز دکھایا ہے کہ ان کا مقابلہ اس دور کا کوئی مقرر شاید نہ کر سکے، انہیں دونوں مقرروں اور گورنروں کے ناخن تدبیر اور شعلہ بار تقریروں کا کرشمہ تھا کہ امویوں کی حکومت، کوفہ جیسے فتنہ وفساد کی جگہ میں اس طرح جمی کہ پھر اس علاقہ میں نہ کوئی شورش ہوئی اور نہ کوئی فرد یا جماعت ان کے مقابلہ میں نبرد آزما ہوسکی اور یہ دونوں مقرر ہیں: زیاد بن ابیہ اور حجاج بن یوسف ثقفی۔

حجاج بن یوسف الثقفی بنوامیہ کے ممتاز خطبا اور مشہور گورنروں میں سے تھا، اس نے اپنی تلوار اور زبان سے بنوامیہ کی حکومت کو مستحکم کیا اور اپنی سختی اور شدت پسندی سے حکومت کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا سدباب کیا، اس کی تقریریں زبان وادب کے اعتبار سے عربی زبان کے گوہر نایاب سمجھے جاتے ہیں۔

8.4 متن سبق: خُطبَةُ زِيَادِ بْنِ أَبِيْهِ

أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ الْجَهَالَةَ الْجَهْلاءَ ، وَالضَّلالَةَ الْعَمْيَاءَ ، والغيَّ الْمُوْفِي بِأَهْلِهِ عَلَى النَّارِ ، مَا فِيْهِ سُفَهَاؤُكُمْ ، وَيَشْتَمِلُ عَلَيْهِ حُلَمَاؤُكُمْ مِنَ الأُمُوْرِ الْعِظَامِ ، يَنْبُتُ فِيْهَا الصَّغِيْرُ وَلا يَتَحَاشَى عَنْهَا الْكَبِيْرُ ، كَأَنَّكُمْ لَمْ تَقْرَؤُوْا كِتَابَ اللهِ ، وَلَمْ تَسْمَعُوْا مَا أَعَدَّ اللهُ مِنَ الثَّوَابِ الْكَرِيْمِ لأَهْلِ طَاعَتِهِ ، وَالْعَذَابِ الأَلِيْمِ لأَهْلِ مَعْصِيَتِهِ ، فِيْ الزَّمَنِ السَّرْمَدِيِّ الَّذِيْ لا يَزُوْلُ . أَتَكُوْنُوْنَ كَمَنْ طَرَفَتْ عَيْنَيْهِ الدُّنْيَا ، وَسَدَّتْ مَسَامِعُهُ الشَّهَوَاتِ ، وَاخْتَارَ الْفَانِيَةَ عَلَى الْبَاقِيَةِ؟ وَلا تَذْكُرُوْنَ أَنَّكُمْ أَحْدَثْتُمْ فِيْ الإِسْلامِ الْحَدَثَ الَّذِيْ لَمْ تَسْبِقُوْا إِلَيْهِ : مِنْ تَرْكِكُمُ الضَّعِيْفَ يُقْهَرُ ، وَالضَّعِيْفَةَ الْمَسْلُوْبَةَ بِالنَّهَارِ لا تُنْصَرُ ، وَالْعَدَدُ غَيْرُ قَلِيْلٍ ، وَالْجَمْعُ غَيْرُ مُفْتَرِقٍ . أَلَمْ يَكُنْ مِّنْكُمْ نُهَاةٌ يَمْنَعُوْنَ الْغُوَاةَ عَنْ دَلْجِ اللَّيْلِ وَغَارَةِ النَّهَارِ؟ قَرَّبْتُمُ الْقَرَابَةَ ، وَبَاعَدْتُمُ الدِّيْنَ . تَعْتَذِرُوْنَ بِغَيْرِ الْعُذْرِ ، وَتَغُضُّوْنَ عَلَى النُّكْرِ ، كُلُّ امْرِئٍ مِّنْكُمْ يَرُدُّ عَنْ سَفِيْهِهِ ، صَنِيْعَ مَنْ لا يَخَافُ عَاقِبَةً وَلا يَرْجُوْ مَعَادًا . مَا أَنْتُمْ بِالْحُلَمَاءِ ، وَلَقَدِ اتَّبَعْتُمُ السُّفَهَاءَ ، فَلَمْ يَزَلْ بِكُمْ مَا تَرَوْنَ مِنْ قِيَامِكُمْ دُوْنَهُمْ حَتّى انْتَهَكُوْا حُرَمَ الإِسْلامِ ، ثُمَّ أَطْرَقُوْا وَرَاءَكُمْ كُنُوْساً فِيْ مَكَانِسِ الرِّيَبِ . حَرَامٌ عَلَيَّ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ حَتّى أُسَوِّيَهَا بِالأَرْضِ هَدْماً وَإِحْرَاقاً . إِنِّيْ رَأَيْتُ آخِرَ هٰذَا الأَمْرِ لا يَصْلُحُ إِلا بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهُ : لِيْنٌ فِيْ غَيْرِ ضُعْفٍ ، وَشِدَّةٌ فِيْ غَيْرِ عُنْفٍ . وَإِنِّيْ لأُقْسِمُ بِاللهِ لآخذن الْوَلِيَّ بِالْمَوْلٰى ، وَالْمُقِيْمَ بِالظَّاعِنِ ، وَالْمُطِيْعَ بِالْعَاصِيْ وَالصَّحِيْحَ بِالسَّقِيْمِ ، حَتّى يَلْقَى الرَّجُلُ أَخَاهُ فَيَقُوْلُ : أَنْجُ سَعْدُ فَقَدْ هَلَكَ سُعَيْدٌ! أَوْ تَسْتَقِيْمُ قَنَاتُكُمْ . إِنَّ كِذْبَةَ الأَمِيْرِ بِلْقَاءُ مَشْهُوْرَةٌ ، فَإِذَا تَعَلَّقْتُمْ عَلَيَّ بِكِذْبَةٍ فَقَدْ حَلَّتْ لَكُمْ مَعْصِيَتِيْ . فَإِذَا سَمِعْتُمُوْهَا مِنِّيْ فَاغْتَمِزُوْهَا فِيَّ . وَاعْلَمُوْا أَنَّ عِنْدِيْ أَمْثَالُهَا مَنْ نَقَبَ مِنْكُمْ عَلَيْهِ فَأَنَا ضَامِنٌ لِمَا ذَهَبَ مِنْ مَالِهِ ، فَإِيَّايَ وَدَلْجَ اللَّيْلِ ، فَإِنِّيْ لا أُوْتِيَ

بِمُدْلِجٍ إلا سَفَكْتُ دَمَهُ ، وَقَدْ أَجَلْتُكُمْ فِيْ ذٰلِكَ بِمِقْدَارِ مَا يَأْتِي الْخَبَرُ الْكُوْفَةَ وَيَرْجِعُ إِلَيْكُمْ . وَإِيَّايَ وَدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ ، فَإِنِّي لا أَجِدُ أَحَداً دَعَا بِهَا إلا قَطَعْتُ لِسَانَهُ . وَقَدْ أَحْدَثْتُمْ أَحْدَاثاً لَمْ تَكُنْ ، وَقَدْ أَحْدَثْنَا لِكُلِّ ذَنْبٍ عُقُوْبَةً فَمَنْ أَغْرَقَ قَوْماً أَغْرَقْنَاهُ ، وَمَنْ أَحْرَقَ قَوْماً أَحْرَقْنَاهُ ، وَمَنْ نَقَبَ بَيْتاً نَقَبْنَا عَنْ قَلْبِهِ ، وَمَنْ نَبَشَ قَبْراً دَفَنَّاهُ فِيهِ حَيًّا ، فَكُفُّوْا عَنِّي أَيْدِيَكُمْ وَأَلْسِنَتَكُمْ أَكُفُّ عَنْكُمْ يَدَيَّ وَلِسَانِيْ ، وَلا تَظْهَرْ مِنْ أَحَدِكُمْ رِيْبَةٌ بِخِلافِ مَا عَلَيْهِ عَامَّتُكُمْ إلا ضَرَبْتُ عُنُقَهُ ، وَقَدْ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ قَوْمٍ إِحَنٌ ، فَجَعَلْتُ ذٰلِكَ دُبُرَ أُذُنِيْ وَتَحْتَ قَدَمِيْ . إِنِّيْ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ أَحَدَكُمْ قَدْ قَتَلَهُ السَّلُّ مِنْ بُغْضِيْ لَمْ أَكْشِفْ لَهُ قِنَاعاً ، وَلَمْ أَهْتِكْ لَهُ سِتْراً حَتَّى يُبْدِيَ لِيْ صَفْحَتَهُ ، فَإِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ لَمْ أُنَاظِرْهُ . فَاسْتَأْنِفُوْا أُمُوْرَكُمْ ، وَأَعِيْنُوْا عَلَيَّ أَنْفُسَكُمْ ، فَرُبَّ مُبْتَئِسٍ بِقُدُوْمِنَا سَيَسُرُّ ، وَمَسْرُوْرٍ بِقُدُوْمِنَا سَيَبْتَئِسُ .

أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّا قَدْ أَصْبَحْنَا لَكُمْ سَاسَةً ، وَعَنْكُمْ ذَادَةً ، نَسُوْسُكُمْ بِسُلْطَانِ اللهِ الَّذِيْ أَعْطَانَا ، وَنَذُوْدُ عَنْكُمْ بِفَيْءِ اللهِ الَّذِيْ خَوَّلَنَا . فَلَنَا عَلَيْكُمُ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحْبَبْنَا ، وَلَكُمْ عَلَيْنَا الْعَدْلُ فِيمَا وَلِيْنَا ، فَاسْتَوْجِبُوْا عَدْلَنَا وَفَيْئَنَا بِمُنَاصَحَتِكُمْ لَنَا . وَأَيْمُ اللهِ ! إِنَّ لِيْ فِيْكُمْ لَصَرْعَى كَثِيْرَةً فَلْيَحْذَرْ كُلٌّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُوْنَ مِنْ صَرْعَايَ .

8.5 صاحب متن کا تعارف

8.5.1 پیدائش اور حالات زندگی

طبیب عرب حارث بن کلدہ ثقفی کی ایک داشتہ تھی جس کا نام سمیہ تھا اور اس کا ایک رومی غلام تھا جس کا نام عبید تھا، اس نے ان دونوں کی شادی کردی تو سمیہ نے ہجرت کے پہلے سال اس کے ہاں ایک بچے کو جنم دیا لیکن اس میں دوسری نسل کے کچھ آثار تھے، لیکن یہ بچہ بڑھ کر زیرک اور شائستہ بن گیا، ابھی مسلمانوں کی حکومت منظم و مستحکم بھی نہ ہوئی تھی کہ اس بچہ کی فہم وفراست کے جوہر نظر آنے لگے، ابوموسی اشعری (جو حضرت عمر کی جانب سے والی بصرہ تھے) نے اس کو اپنے ہاں منشی رکھ لیا، تو اس کی صلاحیتیں مزید نکھر گئیں اور اس کی ذہانت کو چار چاند لگ گئے، پھر عہد خلافت فاروقی میں ہی کچھ ایسے مسائل پیش آئے کہ حضرت عمر نے اسے معزول کرنا چاہا، خیانت یا نااہلی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس خوف سے کہ یہ کہیں اپنی ذہانت وفطانت کے بل بوتے پر لوگوں میں اپنا اثر ورسوخ نہ بنالے، حالانکہ حضرت عمر ہی اس سے بڑے بڑے اہم کام لیتے تھے، یہ انہیں کمال صلاحیت اور بغیر تقصیر کے سرانجام دے دیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ اس نے انصار ومہاجرین کی موجودگی میں ایسا خطبہ دیا کہ اس طرح کا خطبہ انھوں نے اس سے قبل نہیں سنا تھا، عمرو بن عاص کہنے لگے، واہ کیا کہنے اس نوجوان کے، اگر یہ قریشی باپ کا بیٹا ہوتا تو اپنی لاٹھی سے عربوں پر حکومت کرتا، ابوسفیان اسے اس قدر چاہتے تھے کہ ایک مرتبہ انھوں نے مجمع عام میں جن میں حضرت علی بھی تھے زیاد کے متعلق کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اسلام لانے سے قبل اس کی والدہ مجھ سے ملی تھی لیکن حضرت عمر کے خوف سے انھوں نے اسے اپنے سلسلہءنسب میں داخل نہیں کیا، جب حضرت علی خلیفہ بنے تو انھوں نے زیاد کی تنظیمی صلاحیتوں، عمدہ رائے اور فصاحت لسان کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے گورنر بنا دیا، انھوں نے فضا کو ان کے حق میں ساز گار کیا، سرحدوں کو مستحکم کیا اور سیاست کو مضبوط کیا، حضرت معاویہ نے پھر چاہا کہ ان کی ہمدردی حاصل کریں اور ان کو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے اپنا بھائی بنالیں، چنانچہ اس کے بعد انھیں زیاد بن ابی سفیان پکارا جانے لگا لیکن اکثر لوگ اس نسب کا اعتبار نہیں کرتے، پھر حضرت معاویہ نے انھیں کوفہ وبصرہ دوشہروں کا گورنر بنایا، یہ پہلے شخص

ہیں جن کو دوشہروں کی گورنری دی گئی، یہ چھ ماہ بصرہ میں قیام کرتے تھے اور چھ ماہ کوفہ میں رہتے تھے،ان کی وفات ۵۳ھ میں طاعون کی وبا سے ہوئی۔

8.5.2 اخلاق اور خداداد صلاحیتیں

زیاد بڑے عقل مند، ذہین وفطین اور خوش زبان وخوش الحان تھے،ان کے بارے میں شعبی کا کہنا ہے''میں نے جب بھی کسی کو منبر پر تقریر کرتے ہوئے سنا اور خوش الحانی کا اظہار کرتے ہوئے سنا تو میرا جی چاہا کہ کاش یہ خاموش ہوجائے تاکہ کہیں زیادہ بولنے سے اس کی تقریر کا لطف نہ جاتا رہے لیکن جب زیاد تقریر کرتا میرا دل چاہتا کہ اور زیادہ بولتا جائے کیونکہ وہ جتنا زیادہ بولتا جاتا تھا اس کا انداز بیان اتنا ہی دلچسپ عمدہ اور رنگین ہوجاتا تھا''۔

زیاد مملکت بنی امیہ کا سب سے زیادہ قابل اعتماد ستون تھا،معاویہ نے انہیں بڑے بڑے اہم کاموں اور آزمائشوں میں ڈالا مگر انھوں نے تمام خرابیوں کو دور کر کے حالات کو خوشگوار بنایا،سزا دینے میں سخت انداز اپنایا، وہ محض تہمت کی بنا پر گرفت کرلیتا اور شبہ کی بنا پر سزا دے دیتا،علانیہ مخالفت کرنے والوں کو قتل کردیتا اور خفیہ دشمنی کرنے والے سے ربط وتعلق قائم رکھتا،لوگ اس سے اس قدر ڈرتے تھے کہ آپس میں ایک دوسرے کی شرارت سے قطعاً کوئی خطرہ نہ تھا تا آنکہ اگر کسی مرد یا عورت کے ہاتھ سے کوئی چیز گر پڑتی تو کوئی اسے نہ چھیڑتا حتی کہ اس کا مالک خود ہی اسے آکر اٹھاتا اور امن کی وجہ سے کوئی اپنا دروازہ بند نہیں کرتا تھا،یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے بصرہ پہنچنے پر اپنے مشہور نامکمل خطبہ میں جنگی قوانین (مارشل لا) کے نفاذ کا اعلان کیا۔

8.6 متن کا ترجمہ

امابعد! بے شک خالص جہالت، اندھی گمراہی، آگ میں لے جانے والی سرکشی،جس میں تمہارے نادان اور دانشمند سب پڑے ہوئے ہیں، یہ ان بڑی آفتوں میں سے ہیں جن میں تمہارے چھوٹے پنپ رہے ہیں اور جن سے تمہارے بڑے محفوظ نہیں ہیں،ایسا لگتا ہے کہ تم نے اللہ کی کتاب پڑھی ہی نہیں اور اللہ نے کبھی زوال پذیر نہ ہونے والے ابدی زمانہ میں اپنے فرمانبردار بندوں کے لیے جو اجر وثواب اور نافرمانوں کے لیے جو تکلیف دہ عذاب مقرر کیا ہے گویا تم نے اسے سنا ہی نہیں، کیا تم اس شخص کے مانند ہوگئے ہو جس کی آنکھوں میں دنیا بسی ہوئی ہے اور جس کے کانوں کو خواہشات نے بند کردیا ہے اور جس نے زوال پذیر (دنیا) کو باقی رہنے والی (آخرت) پر ترجیح دی؟ کیا تم یہ بھول رہے ہو کہ تم نے کمزور اور بے بس پر ظلم وستم کو روا رکھتے ہوئے دن دہاڑے کمزور اور دکھی عورت کو بے یار ومددگار چھوڑ کر۔حالانکہ دشمن بکثرت اور متحد ہیں۔اسلام میں ایک ایسی بری مثال قائم کی ہے جس کی نظیر تم سے پہلے لوگوں میں نہیں ملتی، کیا تم میں ایسے منع کرنے والے نہیں ہیں جو سرکشوں کو شب روی اور دن میں لوٹ کھسوٹ سے روک سکیں؟ تم نے رشتہ داری کا لحاظ رکھا لیکن دین کو ترک کردیا، بغیر معقول وجہ کے عذر پیش کرتے ہو اور منکرات سے چشم پوشی کرتے ہو،تم میں سے ہر شخص اپنے نادان کی طرف سے ایسے دفاع کرتا ہے جیسے اسے نہ انجام کی فکر ہے اور نہ آخرت کا ڈر،تم لوگ عقلمند نہیں ہو، کیونکہ تم نے بے وقوفوں کی پیروی کی ہے تم مسلسل ان کی پشت پناہی کررہے ہو جس کی وجہ سے انھوں نے اسلام کی حرمتوں کی پامالی کی، پھر انھوں نے تمہاری آڑ لے کر بدمعاشی کے اڈے کھول لیے، مجھ پر اس وقت تک کھانا پینا حرام ہے جب تک میں ان بے حیائی کے مراکز کو گرا یا یا جلا کر زمین دوز نہ

کردوں، میرے خیال میں اس معاملہ کی انتہا اسی سے درست ہوسکتی ہے جس سے اس کی ابتدا درست ہوئی تھی (یعنی میں) ایسی نرمی اختیار کروں گا جس میں کمزوری کا پہلو نہ ہوگا اور ایسی سختی برتوں گا جس میں بے جا تشدد نہ ہوگا اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں غلام کے بدلہ مالک کا اور مسافر کے بدلہ مقیم کا اور مجرم کے بدلہ بے قصور کا اور بیمار کے بدلہ تندرست کا مؤاخذہ کروں گا، یہاں تک کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی سے ملے گا تو کہے گا کہ سعد اپنی جان بچالو سعید تو ہلاک ہوگیا (یعنی جس کو مرنا تھا وہ مرگیا اب تم تو بچنے کی فکر کرو) یا پھر یہ کہ تم درست ہوجاؤ، بے شک حکمراں کا جھوٹ بہت جلد مشہور ہوجاتا ہے، اگر تمہیں میرا کوئی جھوٹ معلوم ہوجائے تو تمہارے لیے میری حکم عدولی جائز ہے اور جب تم خود مجھ سے جھوٹ سنو تو اس کی وجہ سے مجھ پر نکیر کرو اور سمجھ لو کہ میں اس طرح کے اور بھی جھوٹ بولتا ہوں، تم میں سے جن کے گھر میں نقب زنی ہوگی اس کے تلف شدہ مال کا ذمہ دار میں ہوں، سنو! شب روی کے معاملہ میں مجھ سے ڈرو، کیونکہ میرے پاس جو شب رولا یا جائے گا میں اس کا خون بہادوں گا اور میری طرف سے اسے سزا ملنے میں صرف اتنی مہلت ملے گی کہ مخبر کوفہ پہنچ کر یہاں واپس آجائے اور دور جاہلیت کے نعروں کے تعلق سے مجھ سے بچو، جسے میں نے جاہلیت کے نعرے لگاتے ہوئے پکڑ لیا تو میں اس کی زبان کاٹ ڈالونگا، تم نے بہت سی نئی باتیں ایجاد کی ہیں جو سابق میں نہیں تھیں اور ہم نے بھی ہر جرم کے لیے نئی سزائیں مقرر کی ہیں، جو کسی قوم کو غرق کرنے کی کوشش کرے گا ہم اسے ڈبو دیں گے، جو کسی قوم کو نذر آتش کریگا ہم اسے آگ کی نذر کردینگے، جو کسی کے گھر میں نقب لگائے گا ہم اس کے دل میں نقب لگائیں گے، جو کسی کے لیے گڑھا کھودے گا ہم اسی کو اس میں زندہ دفن کردیں گے، تم اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو مجھ سے روکو، میں بھی اپنے ہاتھ اور زبان کو تم سے روکوں گا، عوام کے طریقہ کے خلاف کوئی شک واضطراب نظر نہ آنے پائے ورنہ میں اس کی گردن اڑادوں گا، میرے اور کچھ لوگوں کے درمیان پرانی رنجشیں تھیں جنہیں میں نے دل سے نکال دیا ہے اور انہیں پیروں تلے روند دیا ہے، اگر مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ تم میں سے کسی کو میرے بغض کی وجہ سے سل کی بیماری نے مار دیا ہے تو بھی میں اس کا پردہ چاک اور راز فاش نہ کروں گا تا آنکہ وہ علی الاعلان میرے مقابلہ پر نہ اتر آئے، اگر اس نے ایسا کیا تب میں اسے نہ چھوڑونگا، اس لیے از سر نو اپنے کاموں کی ابتدا کرو اور مجھ سے اپنی جانیں بچالو، بہت سے غمزدہ ہماری آمد سے خوش ہونگے اور بہت سے مسرور ہماری آمد سے مایوس ہوجائینگے۔ لوگو! ہم تمہارے حکمران و پاسبان بن گئے ہیں، ہم تم پر اللہ کے اس اقتدار سے حکمرانی کریں گے جو اس نے ہمیں عطا کیا ہے اور تمہاری حفاظت اللہ کے اس مال سے کریں گے جس سے اس نے ہمیں نوازا ہے، تم پر ہمارا یہ حق ہے کہ تم ہماری بات سنو اور ہماری مرضی کے مطابق ہماری اطاعت کرو اور ہم پر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم اپنے دائرہ کار میں تمہارے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کریں، لہذا ہماری خیر خواہی کے ذریعہ ہمارے عدل اور مال کے مستحق بن جاؤ اور اللہ کی قسم! تم میں سے بہت سے میرے ہاتھوں مرنے والے ہیں، تم میں سے ہر شخص کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ میرے ہاتھوں قتل نہ ہوجائے۔

8.7 لغوی تحقیق

غوی (باب ضرب) غیًا	گمراہ ہونا
الغَيّ	گمراہی
سفیہ ج سفہاء	کم عقل، بے وقوف
حلیم ج حلماء	دور اندیش، عقل مند

نبت ينبت نباتا (باب نصر)	اگنا، بڑھنا
تحاشى يتحاشى تحاشيا (باب تفاعل)	دور رہنا، بچنا
السرمدي	ابدی، دائمی
طرف يطرف طرفا عينه (باب ضرب)	آنکھ میں کوئی چیز لگانا جس سے پانی نہ نکلے
سدّ يسدّ سدا (باب نصر)	بند کرنا
قهر يقهر قهرا (باب فتح)	مغلوب بنانا، مجبور کرنا
الحدث	بدعت، نئی چیز
سبق يسبق سبقا إلى (باب ضرب)	آگے بڑھنا
سلب يسلب سلبا (باب نصر)	زبردستی چھیننا
أدلج يدلج إدلاجا (باب إفعال)	پوری رات یا آخری حصہ میں چلنا
ناه ج نُهاة	منع کرنے والا
غاوٍ ج غواة	گمراہ، سرفروش
دلج	رات میں چلنا
اعتذر يعتذر اعتذارا (باب افتعال)	معذرت کرنا، مجبوری ظاہر کرنا
عذر ج أعذار	بہانہ
غضّ يغض غضّا (باب نصر)	چشم پوشی کرنا، نگاہ پست کرنا
النُكر	برا کام
صنيع	کام، بھلائی
انتهك ينتهك انتهاكا (باب افتعال)	بے عزتی کرنا، حرمت کو پامال کرنا
حرمة ج حرم	عزت، عظمت
أطرق الصيد يطرق إطراقا (باب إفعال)	جال لگانا، شکار کے لیے پھندا لگانا
كانس ج كوانس، كُنّس	ہرن جو اپنے پناہ گاہ میں داخل ہو، یہاں عورتیں مراد ہیں
مكنس ج مكانس	چھپنے کی جگہ
لين	نرمی
سوّي يسوّي تسوية (باب تفعيل)	برابر کرنا

عنف يعنف عنفا به و عليه (باب كرم)	سختی کرنا، تشدد کرنا
عنف	تشدد، سختی
ظاعن	کوچ کرنے والا
سقيم ج سقام	بیمار
ظعن يظعن ظعنا (باب فتح)	کوچ کرنا
بلقاء، بلق (باب سمع و كرم)	سیاہ وسفید داغوں والا ہونا، یہاں جھوٹ کو اس سے تشبیہ اس لیے دی گئی کہ جسم کا وہ حصہ جہاں کا رنگ سفید اور کالا ہوتا ہے وہ سارے جسم میں ممتاز نظر آتا ہے
بلق يبلق بَلَقا (باب سمع و كرم)	سیاہ وسفید داغوں والا ہونا
حلّ يحل حلا و حلالا (باب ضرب)	جائز ہونا، حلال ہونا
قناة ج قنوات	نیزہ یا نیز ہلکی لکڑی
اغتمز يغتمز اغتمازا (باب افتعال)	طعنہ دینا
نقب ينقب نقبا (باب نصر)	نقب زنی کرنا
أجّل يؤجّل تأجيلا (باب تفعيل)	مؤخر کرنا، مہلت دینا
نبش ينبش نبشا (باب نصر)	ظاہر کرنا، کھود کر نکالنا
ريبة ج ريب	شک وتہمت
مُدلج	رات میں چلنے والا
سفك يسفك سفكا (باب ضرب)	خون بہانا
عقوبة ج عقوبات	سزا
إحنة ج إحن	کینہ
السل	لاغری، سل کی بیماری
هتك الستر يهتك هتكا (باب ضرب)	پردہ چاک کرنا
صفحة ج صفحات	چہرہ
استأنف يستأنف استئنافا (باب استفعال)	از سرنو کرنا
ابتئس يبتئس ابتئاسا (باب افتعال)	غم زدہ ہونا

مبتئس	غمگین
سائس ج ساسة	منتظم، سیاستداں
ذائد ج ذادة	دفاع کرنے والا
خوّل يخوّل تخويلا (باب تفعیل)	عطا کرنا
ولي يلي ولاية وَ لاية الشيئ و عليه	والی ہونا، ذمہ دار ہونا

8.8 ادبی صنف کا تعارف

متن نثری اصناف ادب میں خطابت سے تعلق رکھتا ہے۔

8.8.1 متن سبق کا موضوع

بصرہ میں امن وامان قائم کرتے ہوئے وہاں سے شر وفساد کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنا اور اہل بصرہ کو اموی حکومت کا تابع بنانا، جرم کی مناسبت سے نئے قوانین کا اعلان۔

8.8.2 متن سبق کی توضیح وتشریح

اس خطبہ سے خطیب کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے اور ان پر اثر انداز ہو کر انہیں ان احکامات پر عمل آوری کے لیے آمادہ کرے جنہیں وہ نافذ کرنا چاہتا ہے۔

اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں زیاد بڑی حد تک کامیاب رہے کیونکہ انھوں نے اس تقریر میں فن خطابت کے تمام عناصر کا استعمال کیا، تقریر میں تمہید کے بعد وہ بتدریج آگے بڑھتے ہوئے اپنا مدعا پیش کرتے ہیں اور اپنی تقریر کو سمیٹ لیتے ہیں، و نیز وہ اپنی اس تقریر میں ان تمام شرائط کا پورا پورا پاس ولحاظ رکھتے ہیں جن کی رعایت خطابت میں از حد ضروری ہوتی ہے، جیسے اپنی بات کو پوری قوت اور صراحت کے ساتھ پیش کرنا، سامعین کو مطمئن کرنا اور سحر انگیز کلام کے ذریعہ ان کے خیالات پر چھا کر ان کو اپنا گرویدہ بنالینا اور اثر آفرینی کے ذریعہ ان کے دلوں کو موہ لینا، گفتگو اور لہجہ میں مقتضی حال کی رعایت رکھنا۔

تقریر کی بنیادی خوبی تمہید سے عیاں ہوتی ہے جس میں زیاد نے کھل کر انتہائی مؤثر انداز میں اختصار کے ساتھ بصرہ کے ناگفتہ بہ حالات پر تبصرہ کیا، تمہیدی کلمات میں زیاد ایک واعظ کی طرح نظر آتے ہیں جو سامعین کے دینی واخلاقی جذبات واحسات کی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھ کر انہیں جھنجھوڑتا ہے اور اس طرح وہ عوام کے دل ودماغ کو اپنی گرفت میں لے کر ایسے اعلانات کرتے ہیں جس کی سحر انگیزی کا انہیں بخوبی علم ہے اور وہ اس طرح پوری فضا کو ایک ایسے سازگار ماحول میں تبدیل کر دیتے ہیں جس میں وہ اپنے سامعین سے بآسانی جو چاہے منوا سکتے ہیں اور ان پر اپنے احکامات نافذ کر سکتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد زیاد کی لیاقت وصلاحیت کا بھرپور اظہار اس موقعہ پر ہوتا ہے جب وہ ان حالات کے سدھار اور ماحول کو پر امن رکھنے کی دعوت دیتے ہیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب فرمانروا اپنی اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے سخت قوانین کا نفاذ عمل میں لائے حالات کے قابو

میں آنے تک مارشل لاء نافذ کردے اور جزاوسزا کا قانون مقرر کرے، لہذا زیاد نے ہر جرم کی مناسبت سے اس کی سزا متعین کی اور اطاعت کے بدلے لوگوں کے مال وحقوق کی ضمانت لی اور اس طرح انھوں نے ماضی کو بھلا کر ایک نئی زندگی شروع کرنے کی راہ ہموار کی اور حاضرین کو یقین دلایا کہ بھلائی کرنے والے کو اس کی بھلائی کا بدلہ ملے گا اور مجرم کو اس کے کرتوتوں کی سزا ملے گی۔

8.8.3 متن کی خصوصیات

زیاد کی یہ تقریر مکمل طور پر خالص فکر پر مبنی ہے، مقرر نے تقریر کے دو شرطوں کی مکمل رعایت کی ہے

(۱) تقریر شروع سے آخر تک صاف اور واضح ہے، معنی کے لحاظ سے کہیں کوئی جھول اور پیچیدگی نہیں ہے

(۲) اس تقریر کو منطقی نہج پر مرتب کیا گیا ہے

مقرر نے ہر مسئلہ کو اس کے مناسب موقعہ پر پیش کیا ہے، فکری تسلسل، جملوں کا باہمی ربط، بات سے بات کا نکلنا اور ہر مسئلہ کا اس کے مناسب جگہ پر آنا، یہ سب وہ چیزیں ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مقرر نے اس تقریر کو خاص منصوبہ بندی کے تحت مرتب کیا ہے، مزید برآں وہ اس ہنر سے بھی بخوبی واقف ہے کہ اپنے نظریات وافکار کو کیسے پیش کیا جائے اور اس کے ذریعہ لوگوں کی عقلوں سے کیسے مخاطب ہو اور ان کے دلوں کی گہرائی میں کیسے اترا جائے اور وہ اپنے سامعین کے لیے شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھتا، فساد وانتشار کے اسباب اور ان کا علاج، مشکلوں کا تذکرہ اور ان سے خلاصہ حاصل کرنے کی تدابیر وہ اس طرح پیش کرتا ہے کہ سامعین مطمئن ہو جاتے ہیں، انہیں مطمئن کرنے کے لیے کے وہ دینی اور عقلی دلائل پیش کرتا ہے۔

اس تقریر کا آخری جملہ'' إن لي فيكم لصرعى كثيرة فليحذر كل منكم أن يكون من صرعاى ''، مقتضی حال کے اعتبار سے اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے کہ زیاد کو یہ گمان گذرا کہ کہیں لوگ دوسری باتوں میں مشغول ہو کر زیاد کی سختی اور شدت کو نہ بھلا بیٹھیں، اس لیے وہ اپنی تقریر کو اس انذار وتہدید پر ختم کرتا ہے تا کہ تقریر کے اختتامی کلمات لوگوں کے ذہن ودماغ میں نقش ہو جائیں اور وہ اس کی سختی سے بچنے کے لیے شر وفساد سے باز آجائیں۔

8.8.4 اسلوبی خصوصیات

بلاغت کی بہت سی خوبیوں کی حامل ہونے کی وجہ سے زیاد کی یہ تقریر عربی ادب میں فن خطابت کی بہترین مثال سمجھی جاتی ہے، اس میں فن خطابت کی تمام خوبیاں یعنی موقع محل کے لحاظ سے حسین وجمیل اور موزوں الفاظ کا انتخاب، نپے تلے جملے، جذبات کی فراوانی، اسلوب بیان اور انداز خطابت کی انتہائی اثر اندازی، پوری آن بان سے پائی جاتی ہے، چنانچہ پوری تقریر خوبصورت اور موزوں جملوں کا ایسا حسین وجمیل ہار معلوم ہوتی ہے کہ جس کا ایک ایک موتی بڑا آبدار ہے اور اپنی جگہ الگ الگ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ایسا جڑا ہوا ہے کہ پورا ہار ایک ایسی لڑی لگتا ہے جس میں کہیں بھی ایک سوئی کے ناکہ کے برابر بھی خلا نہیں ہے، خیالات وجذبات کو پوری قوت اور فصاحت وبلاغت کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ نہ کہیں تعقید ہے نہ گنجلک پن، چنانچہ موقع محل کے لحاظ سے کہیں پر ڈرانے دھمکانے کا انداز ہے تو کہیں پر منانے اور رجھانے کا، کہیں وعدہ وعید ہے تو کہیں ایفائے عہد اور انعام واکرام کی خوش خبری، کہیں آب رواں جیسا سبک پن تو کہیں آتش فشاں جیسا رُستاخیز اور یہ سب موقع محل کے اعتبار

سے، کہیں سوال و جواب کے پیرائے میں تو کہیں تشریح و توضیح کے انداز سے، ہر موقع اور ہر انداز اپنی ادبی اور فنی خوبیوں کے ساتھ، اسی لیے ماہر نقاد اور مشہور ادیب شعبی نے کہا تھا کہ "میں نے جب کبھی منبر پر کسی اچھے مقرر کو اچھی تقریر کرتے سنا تو اس خیال سے کہ اب کہیں غلطی نہ کر بیٹھے، ہمیشہ یہ خواہش کی کہ اب یہ چپ ہو جائے تو بہتر رہے گا، سوائے زیاد کے، کہ وہ جتنا زیادہ بولتا تھا اور جتنی دیر تک بولتا تھا، اتنا ہی اچھا، مؤثر اور دلکش انداز تخاطب اختیار کرتا تھا۔

بعض جگہ تقریر میں بغیر تکلف کی سجع اور موزون کلام استعمال کیا گیا ہے جیسے **الجهالة الجهلاء، و الضلالة العمياء... لأهل طاعته، و أهل معصيته....... من غرق قوما غرقناه، و من أحرق قوما أحرقناه** وغیرہ۔

کثرت سے تاکیدی اسلوب کو اختیار کیا گیا، قسم کے الفاظ، نون تاکید اور إن اور لام تاکید۔

(فإن الجهالة الجهلاء ...إنی رأيت آخر هذا الأمر ... و إنی أقسم بالله لآخذنّ الولی بالمولی ... و أيم الله ! إن لی فيكم لصرعی كثيرة)

تقریر میں زیاد کی شخصیت اور اس زمانہ کے حالات کے اظہار:

اس خطبہ میں زیاد کی قوی شخصیت، اس کی عقل مندی اور سختی، معاشرہ اور سماج کے متعلق اس کے وسیع اور گہرے معلومات، اس کی ذہانت اور لوگوں کی نفسیات کا گہرا علم اور اس کا سیاسی تجربہ اور ماحول کو سازگار بنانے اور لوگوں کو اپنا تابع بنانے کی صلاحیت و قابلیت کا مکمل اظہار ہے۔

ساتھ ہی اس وقت بصرہ کے حالات اور بنو امیہ کے زمانہ میں سیاسی اتھل پتھل اور فساد و انتشار کی سیاست سے سماج کا مختلف گروہوں میں تقسیم ہونا اور فتنہ و فساد کے بازار کا گرم ہونا معلوم ہوتا ہے۔

8.9 متن سبق: خُطْبَةُ الْحَجّاجِ بْنِ يُوسُفَ الثَّقَفِيِّ

يا أَهْلَ الْعِرَاقِ! إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ اسْتَبْطَنَكُمْ فَخَالَطَ اللَّحْمَ وَ الدَّمَ، وَ الْعَصَبَ وَ الْمَسَامِعَ وَ الأَطْرَافَ وَ الأَعْضَاءَ وَ الشَّغَافَ، ثُمَّ مَضَى إِلَى الأَمْخَاخِ وَ الأَصْمَاخِ، ثُمَّ ارْتَفَعَ فَعَشَّشَ، ثُمَّ بَاضَ وَ فَرَّخَ، فَحَشَاكُمْ نِفَاقاً وَ شِقَاقاً، وَ أَشْعُرَكُمْ خِلافًا، قَدِ اتَّخَذْتُمُوهُ دَلِيلاً تَتَبِعُوْنَهُ، وَ قَائِداً تُطِيْعُوْنَهُ، وَ مُؤَامِراً تَسْتَشِيْرُوْنَهُ. فَكَيْفَ تَنْفَعُكُمْ تَجْرِبَةٌ، أَوْ تَعْظُمُ وَقْعَةٌ، أَوْ يَحْجُزُكُمْ إِسْلامٌ، أَوْ يَنْفَعُكُمْ بَيَانٌ؟ أَلَسْتُمْ أَصْحَابِيْ بِالأَهْوَازِ، حَيْثُ رُمْتُمُ الْمَكْرَ، وَ سَعَيْتُمْ بِالْغَدْرِ، وَ اسْتَجْمَعْتُمْ لِلْكُفْرِ، وَ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللهَ يَخْذُلُ دِيْنَهُ وَ خِلافَتَهُ؟ وَ أَنَا أَرْمِيكُمْ بِطَرَفِيْ وَ أَنْتُمْ تَتَسَلَّلُوْنَ لِوَاذاً، وَ تَنْهَزِمُوْنَ سِرَاعاً.

وَ يَوْمُ الزَّاوِيَةِ! وَ مَا يَوْمُ الزَّاوِيَةِ؟ بِهَا كَانَ فَشَلُكُمْ وَ تَنَازُعُكُمْ وَ بَرَاءَةُ اللهِ مِنْكُمْ، وَ نُكُوْصُ وَلِيِّهِ عَنْكُمْ، إِذْ وَلَّيْتُمْ كَالإِبِلِ الشَّوَارِدِ إِلَى أَوْطَانِهَا، النَّوَازِعِ إِلَى أَعْطَانِهَا، لا يَسْأَلُ الْمَرْءُ مِنْكُمْ عَنْ أَخِيْهِ، وَ لا يَلْوِيْ الشَّيْخُ عَلَى بَنِيْهِ حَتّى عَضَّكُمُ السِّلاحُ وَ قَصَمَتْكُمُ الرِّمَاحُ.

وَ يَوْمُ دَيْرِ الْجَمَاجِمِ! وَ مَا يَوْمُ دَيْرِ الْجَمَاجِمِ؟ بِهَا كَانَتِ الْمَعَارِكُ وَ الْمَلاحِمُ بِضَرْبٍ يُزِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيْلِهِ، وَ يُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهِ.

يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ! أَهْلَ الْكَفَرَاتِ بَعْدَ الْفَجَرَاتِ، وَ الْغَدَرَاتِ بَعْدَ الْخَتَرَاتِ، وَ الثَّوْرَةِ بَعْدَ النَّزَوَاتِ! إِنْ أَبْعَثْكُمْ إِلَى ثُغُوْرِكُمْ

غَلَلْتُمْ وَخُنْتُمْ، وَإِنْ أَمِنْتُمْ أَرْجَفْتُمْ، وَإِنْ خِفْتُمْ نَافَقْتُمْ، لاتَذْكُرُوْنَ حَسَنَةً، وَلاتَشْكُرُوْنَ نِعْمَةً، هَلْ اسْتَخَفَّكُمْ نَاكِثٌ، وَاسْتَغْوَاكُمْ غَاوٍ، أَوِ اسْتَفَزَّكُمْ عَاصٍ، أَوِ اسْتَنْصَرَكُمْ ظَالِمٌ، أَوِ اسْتَعْضَدَكُمْ خَالِعٌ إِلا وَثَّقْتُمُوْهُ وَآوَيْتُمُوْهُ وَنَصَرْتُمُوْهُ وَرَضِيْتُمُوْهُ؟

يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ! هَلْ شَغَبَ شَاغِبٌ، أَوْ نَعَبَ نَاعِبٌ، إِلا كُنْتُمْ أَتْبَاعَهُ وَأَنْصَارَهُ؟ أَلَمْ تَنْهَكُمُ الْمَوَاعِظُ؟ أَلَمْ تَزْجُرْكُمُ الْوَقَائِعُ؟ ثُمَّ الْتَفَتَ إِلى أَهْلِ الشَّامِ فَقَالَ:

يَا أَهْلَ الشَّامِ! إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ كَالظَّلِيمِ الذَّابِّ عَنْ فِرَاخِهِ يَنْفِي عَنْهَا الْمَدَرَ، وَيُبَاعِدُ عَنْهَا الْحَجَرَ، وَيُكِنُّهَا مِنَ الْمَطَرِ، وَيَحْمِيهَا مِنَ الضِّبَابِ، وَيَحْرِسُهَا مِنَ الذِّئَابِ.

يَا أَهْلَ الشَّامِ! أَنْتُمُ الْجُنَّةُ وَالرِّدَاءُ، وَأَنْتُمُ الْعُدَّةُ وَالْغِطَاءُ.

8.10 صاحب سبق کا تعارف

8.10.1 پیدائش اور حالات زندگی

ابو محمد حجاج بن یوسف ثقفی ۴۱ھ میں پیدا ہوا، اس نے گمنامی اور ناداری کی حالت میں پرورش پائی، اس نے بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ رہ کر طائف میں تعلیم حاصل کی لیکن اس کے شوق سے بھرپور اور عالی ہمت نفس نے اسے پستی کا احساس نہیں ہونے دیا، اس کی ہوشیاری اور فراست کو دیکھ کر عبدالملک بن مروان کے مددگار روح بن زنباع نے اسے اپنی فوج میں بھرتی کر لیا، جب خلیفہ نے لشکر میں بدنظمی دیکھی تو روح بن زنباع سے اس کا ذکر کیا تو اس نے حجاج کا نام بتایا، لہذا اس نے حجاج کو فوج کا افسر بنا دیا تو حجاج نے اس کو منظم کیا اور دوبارہ اطاعت پر مجبور کر دیا، پھر جب اس نے عبداللہ بن زبیر کے خلاف لشکر کی قیادت کی تو اس کی شہرت بہت پھیل گئی اس نے عبداللہ بن زبیر کو شہید کرنے کے لیے مکہ کا محاصرہ کیا، پھر انہیں شہید کر کے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا، اس واقعہ سے اس کی صلاحیت مسلم ہوگئی اور عبدالملک کے دل میں اس کا احترام دوچند ہو گیا، ان دنوں عراق فتنوں کا مرکز بنا ہوا تھا اور خوارج کی بغاوت کی آگ سلگ رہی تھی تو عبدالملک نے اسے عراق کا گورنر بنا دیا، حجاج اہل عراق کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آیا تا آنکہ ان کی گردنوں کو جھکا دیا اور ان کی فتنہ انگیزیوں کو دبا دیا، بالآخر انہیں ایک جماعت کے دائرہ میں اس طرح لے آیا کہ ان کی لاشوں کو ٹھکراتا تھا اور ان کے خون میں غوطے لگاتا تھا اور کسی میں اسے روکنے کی جرأت نہیں تھی، پھر وہ باقی عمر عراق میں ہی رہا، اس نے عبدالملک اور اس کے بیٹے کے لیے عراق میں ستون کا کام دیا، وہ اس کو منظم کرتا اور پھیلاتا رہا حتی کہ اس نے شام اور چین کے درمیانی علاقے سر کر لیے تھے اور وہ ۹۵ھ کو واسط شہر میں فوت ہوا۔

8.10.2 حجاج کے اخلاق اور خداداد صلاحیتیں

حجاج سرداری اور اقتدار کا حریص تھا، اس کے حصول کے لیے اس نے ظلم و تشدد کا سہارا لیا اور فصاحت و بلاغت اور قوت بیانی کو آلہ کار بنایا، اللہ تعالی نے اسے زور بیان اور قوت ارادی کا وافر سرمایہ عطا کیا تھا، بالآخر اسے مضبوط حکومت اور مکمل فرمانروائی مل گئی، ایک دن عبدالملک نے اسے کہا کہ ہر انسان اپنی خامیوں کو اچھی طرح پہچانتا ہے، تم بھی آج بلا کم و کاست اپنے عیوب اور نقائص کا اظہار کرو، اس نے کہا "میں بڑا ضدی ہوں، جھگڑالو، کینہ ور اور حاسد ہوں" تو جب کسی حکمران میں یہ اوصاف پائے جائیں تو وہ اختیار ملنے پر فصل اور نسل کو تباہ و

برباد کر دیتا ہے الا یہ کہ لوگ اس کے سامنے جھک جائیں اور فرمانبرداری اختیار کرلیں، وہ فصیح اللسان اور قوی دلائل کا مالک تھا، اس کے ہم عصروں میں کوئی بھی اس کا ہم پلہ نہ تھا۔

مالک بن دینار کہا کرتے تھے میں نے حجاج سے زیادہ اثر انگیز اور خوش بیان کسی کو نہیں دیکھا، وہ جب منبر پر کھڑا ہو کر اہل عراق کے ساتھ اپنے احسانات شمار کرتا، اپنے حسن سلوک اور ان کے اس سے برے برتاؤ کا ذکر کرتا تو میں حجاج کو سچا اور لوگوں کو جھوٹا سمجھتا، حالانکہ اس نے ان کے ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو قید میں بند کر کے قتل کیا اور جب وہ فوت ہوا تو پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں اس کے قید خانہ میں بند تھے۔

8.11 متن کا ترجمہ

اے اہل عراق! شیطان تمہارے اندر داخل ہو گیا ہے، وہ تمہارے گوشت وخون، تمہارے پٹھوں، کانوں، آنکھوں، اعضا اور دل میں پیوست ہو گیا ہے، پھر وہ دماغ اور کان کے سوراخوں تک جا پہنچا، پھر وہ آگے بڑھا اور اس نے آشیانہ بنالیا، پھر اس نے انڈے دیے اور بچے پیدا کیے اور تمہیں منافقت ومخالفت سے بھر دیا اور حکم عدولی کرنا سکھا دیا، تم نے اسے ایسا رہنما بنالیا جس کی تم پیروی کرتے ہو اور ایسا قائد بنالیا جس کی تم اطاعت کرتی ہو اور ایسا مشیر بنالیا جس سے تم مشورہ لیتے ہو، تو پھر کیونکر تمہیں کوئی تجربہ فائدہ دے گا یا کوئی واقعہ تمہیں نیکی کی ترغیب دے گا؟ یا پھر اسلام تمہیں کیسے روکے گا یا کوئی بیان تمہیں کیسے نفع دے گا؟ کیا تم میرے اہواز کے ساتھی نہیں ہو؟ جہاں تم نے مکر کا ارادہ کیا، بے وفائی کی کوشش کی اور کفر پر جمع ہو گئے اور تم نے یہ سوچ لیا تھا کہ اللہ اپنے دین وخلافت کو بے یارو مددگار چھوڑ دے گا، میں تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جب تم مجمع سے آہستہ سے کھسک رہے تھے اور تیزی سے شکست کھا رہے تھے۔

اور زاویہ کا دن، کیا تمہیں معلوم ہے کہ زاویہ کا دن کیسا تھا؟ جس دن تمہاری بزدلی اور آپس کی مخاصمت ظاہر ہوئی اور تم سے اللہ کی براءت اور اس کے ولی الأمر کا برگشتہ ہونا اس وقت ثابت ہوا جب تم پیٹھ پھیر کر اس طرح بھاگے جس طرح بدکے ہوئے اونٹ اپنے پناہ گاہوں کی طرف اور پردیسی اپنے وطن کی طرف بھاگتے ہیں، تم میں سے کوئی نہ اپنے بھائی کو پوچھ رہا تھا اور نہ کوئی بوڑھا اپنے بیٹوں کی طرف دھیان دے رہا تھا، یہاں تک کہ تمہیں ہتھیار نے کاٹ کھایا اور نیزوں نے تمہیں ہلاک کر دیا۔

اور دیر جماجم کا دن، دیر جماجم کا دن کیا ہے؟ جہاں خون ریز معرکے اور گھمسان کی لڑائیاں ایسی تلوار بازی کے ساتھ ہوئیں جس نے کھوپڑی کو اس کی جگہ سے الگ کر دیا اور دوست کو اپنے دوست سے غافل کر دیا۔

اے اہل عراق! ناشکروں، غداروں اور شورش پسندوں! اگر میں تمہیں سرحدوں پر بھیجوں تو تم چوری اور خیانت کرو گے اور اگر تم پر امن ہو تو لوگوں کو بھڑکانے کے لیے افواہیں پھیلاؤ گے اور اگر تمہیں خطرہ لاحق ہو تو تم منافقت کرو گے، تم نہ کسی اچھائی کو یاد رکھتے ہو اور نہ ہی کسی نعمت پر شکر بجا لاتے ہو، جب کبھی کسی عہد شکن نے تمہیں سیدھے راستہ سے نہیں ہٹایا اور دھوکہ باز نے تمہیں گمراہ نہیں کیا یا پھر کسی سرکش نے تمہیں متحرک نہیں کیا یا کسی ظالم نے تم سے مدد نہیں چاہی یا کسی بیعت توڑنے والے نے تم سے قوت طلب نہیں کی مگر تم نے اس پر اعتماد کیا اور اس کو پناہ دی اور اس کی مدد کی اور اسے پسند کیا۔

اے اہل عراق! کسی شورش پسند نے شورش برپا نہیں کی یا کوے کی طرح کائیں کائیں کرنے والے نے آواز نہیں اٹھائی مگر تم اس کے پیروکار اوردست و بازو بن گئے، کیا نصیحتوں نے تمہیں نہیں روکا؟ کیا تمہیں واقعات سے عبرت حاصل نہیں ہوئی؟ پھر اہل شام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا:

اے اہل شام! میں تمہارے لیے اس شتر مرغ کے مانند ہوں جو اپنے چوزوں کی حفاظت کرتا ہے اور ان سے ڈھیلے روکتا اور پتھر دور کرتا ہے، انھیں بارش سے محفوظ رکھتا ہے اور کہر سے ان کی حفاظت کرتا ہے اور بھیڑیوں سے بچاتا ہے، اے اہل شام! تم ڈھال اور تلوار ہو، تم ساز و سامان اور پردہ ہو۔

8.12 لغوی تحقیق

استبطن يستبطن استبطانا (باب استفعال)	اندر داخل ہونا
خالط يخالط مخالطة و خلاطا (باب مفاعله)	گھل مل جانا
عصب ج أعصاب	پٹھا
مسمع ج مسامع	کان
طرف ج أطراف	آنکھ
شَغاف ج أشغفة و شغف	دل کا غلاف
مخ ج أمخاخ	دماغ (ہڈی کا گودا)
صماخ، أصماخ	کان کا اندرونی حصہ، کان کا سوراخ
عشّش يعشّش تعشيشا (باب تفعيل)	گھونسلہ بنانا، آشیانہ بنانا
فرّخ الطائر يفرّخ تفريخا (باب تفعيل)	پرندہ کا بچہ نکالنا
حشا يحشو حشوا (باب نصر)	بھرنا
شقاق	اختلاف، جھگڑا
أشعر يشعر إشعارا (باب إفعال)	بتانا، خبر دینا، اطلاع دینا، احساس دلانا
آمر يؤامر مؤامرة (باب مفاعلة)	مشورہ کرنا
حجز يحجز حجزا (باب نصر و ضرب)	روکنا
أهواز	بصرہ کے قریب ایک جگہ کا نام
استجمع له الأمر يستجمع استجماعا (باب استفعال)	منشا کے مطابق ہونا
خذل يخذل خذلا (باب نصر)	بے یار و مددگار چھوڑنا
تسلّل يتسلل تسللا (باب تفعل)	بھیڑ میں سے چپکے سے کھسک جانا

يوم الزاوية	ایک مقام کا نام جہاں پر حجاج اور ابن الاشعث کے درمیان جنگ ہوئی
تنازع	اختلاف
نكص ينكص نكصا و نكوصا عن الأمر (باب نصر و ضرب)	رک جانا
شارد ج شوارد	فرار ہونے والے
نازعة ج نوازع، نزع (باب فتح) نزاعا و نزوعا إلى أهله	مشتاق ہونا
عطن ج أعطان	اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ
لوى على، يلوي ليا (باب ضرب)	مڑنا
عضّ يعضّ عضا (باب سمع)	دانت سے پکڑنا
قصم يقصم قصما (باب ضرب)	توڑنا، ہلاک کرنا
دير الجماجم	ایک مقام کا نام جہاں پر حجاج اور عبدالرحمن ابن الاشعث کے فوجوں کے درمیان جنگ ہوئی
ملحمة ج ملاحم	جنگ
معركة ج معارك	میدان جنگ
هامة ج هام	کھوپڑی
مقيل	جگہ
الخترات	بدعہدیاں
ثورة ج ثورات	بغاوت، انقلاب
ثغر ج ثغور	سرحد، وہ جگہ جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو
أرجف يرجف إرجافا (باب إفعال)	لوگوں کو بھڑکانے کے لیے بری خبریں پھیلانا
استخف يستخف استخفافا (باب استفعال)	جاہل سمجھنا، حق وصواب سے ہٹانا
نكث ينكث نكثا (باب نصر)	عہد توڑنا
استغوى يستغوى استغواء (باب استفعال)	گمراہ کرنا
غاوٍ	دھوکہ باز
استفز يستفز استفزازا (باب استفعال)	مضطرب کرنا، ابھارنا
استعضد يستعضد استعضادا (باب استفعال)	مدد طلب کرنا
شغب يشغب شغبا (باب فتح)	فساد برپا کرنا، شرارت کرنا

نعب ينعب نعبا و نعيبا (باب فتح و ضرب)	کوے کا کائیں کائیں کرنا
وقيعة ج وقائع	جنگ
ظليم ج ظِلمان و ظُلمان و أظلمة	نرشتر مرغ
فرخ ج أفراخ	پرندہ کے بچے
المدر	گارا
أكنّ يكنّ إكنانا (باب إفعال)	گھر میں چھپانا اور دھوپ سے بچانا
ضباب	گوہ
جُنة ج جُنن	ڈھال
عُدّة ج عدد	تیاری
غِطاء ج أغطية	پردہ

8.13 ادبی صنف کا تعارف

نثری اصناف ادب میں متن کا تعلق خطابت سے ہے

8.13.1 متن سبق کا موضوع

غم وغصہ کا اظہار، اہل عراق کی غداری اور خیانت، ان کے مکر وفریب کا بیان، اہل شام کی وفاداری اوران سے ہمدردی اوران کے دفاع کی ضمانت ویقین دہانی

8.13.2 متن سبق کی توضیح وتشریح

اہل عراق سے جنگ ختم ہونے کے بعد یہ تقریر کی گئی ہے، مقرر کا مقصد اہل عراق کی سرکشی، خباثت اوران کی بے راہ روی اور حکومت وقت سے ان کی بغاوت کی مذمت بیان کرنا تھا، اپنے کو محسن اور انہیں غدار قرار دینا تھا، یہ بتانا مقصود تھا کہ حکومت کی بار بار نوازشوں اور عنایتوں کے باوجود اہل عراق کا شیوہ مسلسل سرکشی وفتنہ پردازی رہا ہے۔

تمہیداً حجاج اہل عراق کی خباثت کا یوں اظہار کرتا ہے کہ اے اہل عراق ! شیطان نے تمہارے اندر گھر بنالیا ہے اور وہ مسلسل اپنی نسل کو تم میں بڑھا رہا ہے، جس کی وجہ سے نفاق وشقاق تمہاری فطرت بن گئی ہے، اب تم سے خیر کی کیا امید کی جاسکتی ہے کہ تم نے تو شیطان کو ہی اپنا راہنما و مشیر بنالیا ہے، تم نے ہر جگہ مکر وفریب سے کام لیا اور مسلسل بغاوت وغداری کرتے رہے۔

دوسرے فقرے میں جنگ زاویہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جنگ میں تم ایسے پیٹھ پھیر کر بھاگے ہو جیسے بدکے ہوئے اونٹ بھاگتے ہیں، بوکھلاہٹ اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ کسی کو کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، جو جدھر تھا ادھر بھاگ نکلا۔

پھر وہ دیر جماجم کی جنگ کا تذکرہ کرتا ہے جہاں پر اہل عراق کو کھلی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس کے بعد وہ اہل عراق کی شورش پسندی اور

ریشہ دوانیوں کا ذکر کرتا ہے کہ تمہیں اگر امن حاصل ہوتو جھوٹی افواہیں پھیلا کر فتنہ کی آگ بھڑکاتے ہو، اگر تمہیں جنگ میں مشغول کیا جائے تو مال غنیمت میں خیانت کرتے ہو، اگر جان پر بن آئی تو دورخی پالیسی اختیار کرتے ہو، جہاں کہیں سے تمہیں بغاوت وغداری کا موقعہ ملتا ہے تم اس موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

تقریر کے اختتام میں اہل شام کی وفاداری اوران کی حمایت وتائید کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان کا حامی وناصر اورانہیں اپنا سرمایہ اورسہارا قرار دیتا ہے۔

پوری تقریر میں اہل عراق کی مذمت بیان کی گئی ہے جو کہ موقع کے لحاظ سے مناسبت رکھتی ہے۔

8.13.3 متن کی خصوصیات

خطبہ کے اجزا آپس میں مربوط ہیں اور موضوع میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

اپنے غم وغصہ کے اظہار کے لیے اور اہل عراق کی خباثت ظاہر کرنے کے لیے ایسا الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جو حجاج کے مقصد کو ہر طرح نمایاں کرتے ہیں۔

تقریر کی ابتدا سے انتہا تک اہل عراق کی مذمت، ان کا مکروفریب، ان کی سرکشی وبغاوت، ان خیانت وغداری کو بیان کیا گیا ہے۔

اہل شام کی وفاداری وہمنوائی اوران کے ساتھ خلوص وہمدردی کا اظہار کیا گیا ہے۔

8.13.4 اسلوبی خصوصیات

حجاج کی یہ تقریر صرف اس کے غم وغصہ کا اظہار ہی نہیں بلکہ اس کی فصاحت وبلاغت، اس کی زباں دانی، اس کی خطابت، اس کے طریق استدلال، اس کے قائل کرنے کے ڈھنگ، اپنی بات کو سب سے افضل، واجب التعظیم، واجب العمل قرار دینے، اپنی مجبوری ومعذوری اور معصومیت بیان کر کے اپنی سختی، وحشت اور بربریت کو عراقیوں کے اعمال وافعال، ان کی سیاست، ان کی زندگی اور طرز فکر ونظر کا نتیجہ بتانے اوراس پر دنیا کو قائل کرنے کی بہترین مثال ہے۔

اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لیے وہ زیاد کی طرح موقع محل کے لحاظ سے گرمی محفل پیدا کرنے کے لیے سجع کا سہارا بھی لیتا ہے لیکن زیاد کے برخلاف اس کی کوشش کرتا ہے کہ الفاظ جہاں تک ممکن ہو بھاری بھرکم ہونے کے ساتھ خوبصورت بھی ہوں، ثقیل متروک بھونڈے یا بھدے نہ ہوں، پھرانہیں اس طرح اپنی تقریر میں جوڑتا ہے کہ کبھی کبھی بہت ثقیل الفاظ بھی جملوں کی ترکیب میں برے نہیں لگتے ہیں۔

تشبیہ کی اہمیت اور معنی مقصود تک پہنچنے میں تشبیہ کی تاثیر کی وجہ سے حجاج کے خطبوں میں تشبیہ کا استعمال کثرت سے پایا جاتا ہے، مذکورہ خطبہ تشبیہ مفصل، تشبیہ بلیغ، استعارہ اور کنایہ وغیرہ پر مشتمل ہے:

تشبیہ مفصل:

(إذا وليتم كالإبل الشوارد إلى أوطانها)

اہل عراق کی مذمت کے ضمن میں یہ تشبیہ لائی گئی ہے، حجاج نے اس تشبیہ میں اہل عراق کے جنگ دیر جماجم میں موت سے ڈر کر بھاگنے کو

بدکے ہوئے اونٹوں کے اپنے مقامات کی طرف بھاگنے سے تشبیہ دی ہے، اس تشبیہ میں تمام ارکان تشبیہ موجود ہیں، **أهل العراق** مشبہ (مشبہ وہ ہے جس کو تشبیہ دی جائے) **الإبل الشوارد** مشبہ بہ (مشبہ بہ وہ ہے جس سے تشبیہ دی جائے) وجہ شبہ (وہ وصف جو مشبہ اور مشبہ بہ میں مشترک ہوتا ہے) موت کے خوف سے راہ فرار اختیار کرنا، حرف تشبیہ (وہ حرف جس کو تشبیہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے) کاف ہے۔ لہذا یہ تشبیہ مفصل ہے۔

(**يا أهل الشام إنما أنا لكم كالظليم الذاب عن فراخه**) جہاں حجاج نے سابقہ تشبیہ سے اہل عراق کی مذمت بیان کی وہیں اس تشبیہ کے ذریعہ اس کا مقصد اہل شام کی مدح اور ان کی حفاظت و حمایت میں اپنی حد درجہ کوششوں کو بیان کرنا ہے، اہل شام کو لاحق خطرات کے دفاع میں حجاج نے اپنے آپ کو اس نر شتر مرغ سے تشبیہ دی جو اپنے بچوں کی ہر خطرہ سے حفاظت کرتا ہے، اس تشبیہ میں سارے ارکان تشبیہ پائے جاتے ہیں، مشبہ: **أنا** (یعنی حجاج بن یوسف ثقفی)، مشبہ بہ: **الظليم**، وجہ شبہ: **الذب** (یعنی حفاظت کرنا)، حرف تشبیہ: کاف۔

اس تشبیہ کے ذریعہ حجاج اہل شام کو مطمئن کرنا چاہتا ہے کہ میری ہمدردی اور غم خواری کے تم ہی مستحق ہو۔

تشبیہ مفصل کی تعریف: تشبیہ مفصل وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کا تذکرہ ہو۔

اس خطبہ میں تشبیہ بلیغ کے نمونے بھی پائے جاتے ہیں، جیسے (**أنتم الجنة و الرداء**) اس جملہ میں اہل شام کو ڈھال اور مددگار کہا گیا ہے، حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

(**و أنتم العدة و الغطاء**)، اس جملہ میں بھی اہل شام کو محافظ اور سرمایہ قرار دیا گیا ہے، حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دیا گیا۔

تشبیہ بلیغ کی تعریف: تشبیہ بلیغ وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کا ذکر نہ ہو۔

اس خطبہ میں استعارہ مکنیہ کی بھی بکثرت مثالیں ملتی ہیں جیسے وہ کہتا ہے (**فكيف تنفعكم تجربة أو تعظكم وقعة**) خطیب نے دیر جماجم کے واقعہ کو وعظ و نصیحت کرنے والے واعظ سے تشبیہ دی جو اہل عراق کو وعظ و نصیحت کر رہا ہے، واعظ جو مشبہ بہ ہے اس کو حذف کر دیا گیا اور اس کی طرف اشارہ کرنے والے لوازمات میں سے ایک لازمہ کا ذکر کیا گیا اور وہ "**تعظكم**" ہے، کیونکہ وعظ و نصیحت واعظ کی خصوصیات میں سے ہے۔

(**أو يحجزكم إسلام**) اس جملہ میں اسلام کو حاجز مادی سے تشبیہ دی گئی جس کا کام روکنا ہوتا ہے، پھر مشبہ بہ (حاجز مادی) کو حذف کر دیا گیا اور اس کی طرف اشارہ کرنے والے لوازمات میں سے ایک لازمہ کا ذکر کیا گیا اور وہ لفظ "**يحجزكم**" ہے، لہذا یہ استعارہ مکنیہ ہے۔

(**حتى عضكم السلاح**) اس جملہ میں سلاح کو حیوان مفترس سے تشبیہ دی گئی، پھر مشبہ بہ (حیوان مفترس) کو حذف کر دیا گیا اور اس کی طرف اشارہ کرنے والے لوازمات میں سے ایک لازمہ کا ذکر کیا گیا اور وہ "**عضكم**" ہے، لہذا یہ بھی استعارہ مکنیہ ہوا۔

(**ألم تنهكم المواعظ**) اس مثال میں مقرر نے مواعظ کو واعظ سے تشبیہ دی جو وعظ و نصیحت کا فریضہ انجام دیتا ہے، پھر مشبہ بہ (واعظ) کو حذف کر دیا گیا اور اس کی طرف اشارہ کرنے والے لوازمات میں سے ایک لازمہ کا ذکر کیا گیا اور وہ لفظ "**مواعظ**" ہے، کیونکہ وعظ و نصیحت کرنا واعظ کا خاصہ ہے، لہذا یہ بھی استعارہ مکنیہ ٹھہرا۔

استعارہ:

استعارہ مجاز لغوی میں سے ہے، یہ ایسی تشبیہ ہے جس میں طرفین تشبیہ (مشبہ، مشبہ بہ) میں سے کسی ایک کو حذف کر دیا گیا ہو اور اس کا تعلق ہمیشہ مشابہت سے ہوتا ہے۔

استعارہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱)استعارہ تصریحیہ (۲)استعارہ مکنیہ

استعارہ تصریحیہ: وہ ہے جس میں مشبہ بہ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔

استعارہ مکنیہ: وہ استعارہ ہے جس میں مشبہ بہ کو حذف کر دیا گیا ہو اور مشبہ بہ کے لوازم میں سے کسی لازم کے ذریعہ مشبہ بہ کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہو۔

متن میں کنایہ کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ جیسے

(حیث رمتم المکرَ) اس تعبیر سے خطیب کا مقصد یہ ہے کہ وہ اہل عراق کو خبیث وغدار و دھوکہ باز قرار دینا چاہتا ہے، اسی وجہ سے یہ کنایہ عن الصفۃ ہے اور وہ خبث کی صفت ہے۔

(و یذھل الخلیل عن خلیله) یہ دہشت زدہ ہونے سے کنایہ ہے، اس میں وہ دیر جماجم کے معرکہ کا (جو کہ عظیم ترین واقعہ شمار کیا جاتا ہے جس میں زبردست قتل و غارتگری اور خون ریزی اور بے شمار قتل ہوئے) وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ واقعہ اتنا دہشت ناک تھا کہ اس نے ہر ایک کو دوسرے سے غافل کر دیا، یہ بھی کنایہ عن الصفۃ ہے اور وہ صفت انبھار اور دہشت ہے۔

کنایہ کی تعریف: کنایہ ایسا لفظ ہے جس کو بول کر اس کا لازمی معنی مراد لیا جائے، جب کہ اس کا اصلی معنی مراد لینا بھی جائز ہو مکنی عنہ کے اعتبار سے کنایہ کی تین قسمیں ہیں، اس لیے کہ مکنی عنہ کبھی صفت ہوتی ہے، کبھی موصوف اور کبھی نسبت ہوتی ہے، اول کو کنایہ عن الصفۃ، ثانی کو کنایہ عن الموصوف اور ثالث کو کنایہ عن النسبۃ کہتے ہیں۔

اس تقریر سے جہاں حجاج کی فصاحت و بلاغت اور اس کے زور بیان کا پتہ چلتا ہے وہیں اس کے اور ابن الاشعث کے درمیان ہونے والی جنگوں، اہل عراق کے حالات، ان کے انتشار اور حکومت وقت کے ساتھ ان کے رویہ کا بھی علم ہوتا ہے۔

8.14 اکتسابی نتائج

سن 45 ہجری کی بات ہے کہ بصرہ کے گورنر ابن عامر تھے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے متعین تھے، وہ انتہائی نرم مزاج تھے جس کی وجہ سے مجرمین اور سرغنے حکومت کی گرفت سے آزاد تھے، جس کے نتیجہ میں بصرہ میں فسق و فجور کا بازار گرم ہو گیا تھا، اسی دوران صحابی رسول عبداللہ بن ابی اوفی کی حضرت امیر معاویہ سے ملاقات ہوئی، تو انھوں نے ان سے لوگوں کا حال چال پوچھا تو آپ نے عرض کیا کہ جہاں تک بصرہ کی بات ہے تو وہاں شر پسندوں کا راج ہے اور اس کا گورنر کمزور ہے، اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گورنر بصرہ ابن عامر کو برطرف کر دیا اور ان کی جگہ حارث بن عبداللہ الازدی کو گورنر مقرر کیا، اسی سال چند مہینوں بعد ان کو برطرف کر کے ان کی جگہ زیاد بن ابیہ کا تقرر فرمایا، جب زیاد بصرہ آئے تو انھوں نے دیکھا کہ بصرہ شر پسندوں کا مرکز بنا ہوا ہے، جرائم کی روک تھام اور حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے فوری اثر کے ساتھ سخت قوانین کا نفاذ ضروری ہو گیا تھا، لہذا زیاد بن ابیہ نے گورنری کا عہدہ سنبھالتے ہی ایک بلیغ خطبہ دیا جو بیک وقت زجر و توبیخ، ترغیب و تشویق اور نئے حاکم کے عزائم اور جرائم پر اس کی سخت گرفت کا آئینہ دار تھا، اس خطبہ میں زیاد نے لوگوں کی گمراہی، جہالت و سرکشی کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں

نیکیوں کی ترغیب دی اور گناہوں سے باز رہنے کی تلقین کی اور فرمانبرداروں کے لیے اللہ نے آخرت میں جو اجر وثواب رکھا ہے اور نافرمانوں کے لیے جو وعیدیں قرآن میں ذکر کی گئی ہیں ان کی یاددہانی کرائی، انہیں احساس دلایا کہ وہ اسلاف کے طریقوں کو چھوڑ چکے ہیں اور انھوں نے اپنے لیے ایک نئی راہ نکالی ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، جیسے کمزور کو بے یارو مددگار چھوڑ دینا اور عورتوں کو دن دہاڑے لوٹ لینا اور فحاشی کے اڈے قائم کر لینا وغیرہ، ان جرائم کے تذکرہ کے بعد وہ لوگوں کو دھمکاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ میں ان برائیوں کے خاتمہ کے لیے ایسی نرمی اپناؤں گا جس میں کمزوری کا کوئی شائبہ نہیں ہوگا اور ایسی سختی برتوں گا جس میں بے جا تشدد نہیں ہوگا، اپنی بات کو مزید پختہ کرنے کے لیے وہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہتے ہیں کہ میں غلام کے بدلہ آقا کو، مسافر کے بدلہ مقیم کو، قصوروار کے بدلہ بےقصور کو اور بیمار کے بدلہ تندرست کو پکڑوں گا اور حالات اتنے سنگین ہوجائیں گے کہ تم میں سے جب کوئی کسی سے ملاقات کرے گا تو یہ کہے گا کہ بھائی فلاں کو تو قتل کر دیا گیا ہے تم اپنی جان کی فکر کرو اور خوب یاد رکھنا میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں کیونکہ حاکم کا جھوٹ بہت جلد مشہور ہوجاتا ہے، میں جو بولتا ہوں وہ کر گزرتا ہوں، پھر انھوں نے چند احکامات دیے جن میں رات میں گھر سے باہر نکلنے اور جاہلی نعرے لگانے سے سختی کے ساتھ منع کیا اور لوگوں کی جان ومال کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہوئے کہا کہ تم میں سے اگر کسی کا مال لوٹ لیا جائے تو میں اس کی پا بجائی کروں گا اور انھوں نے وجزاء سیئة سیئة مثلها کے تحت جرائم کے لحاظ سے ان کی سزاؤں کا اعلان کیا کہ جو جیسا کرے گا اس کو ویسی ہی سزا ملے گی، اگر کوئی کسی کو پانی میں ڈبو کر مارے گا تو ہم بھی اس کو پانی میں ڈبو کر ماریں گے، اگر کوئی کسی کو آگ میں جلا کر مارے گا تو ہم بھی اس کو آگ میں جلا کر ماریں گے، جو کسی کے گھر میں نقب زنی کریگا تو ہم بھی اس کے دل میں نقب زنی کریں گے، جو کسی کی قبر کھودے گا ہم اس کو اسی قبر میں زندہ دفن کردیں گے، خبردار تم میں سے کوئی مشکوک حرکت کرتے ہوئے نظر نہ آئے ورنہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

زیاد اپنے خطبہ کے آخری فقروں میں اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ ہم تمہارے حاکم اور محافظ ہیں، تمہارے ہم پر کچھ حقوق ہیں اور ہمارے تم پر کچھ حقوق ہیں، تم پر ہمارا حق یہ ہے کہ تم ہمارے احکامات مانو اور ان پر عمل کرو اور ہم پر تمہارا حق یہ کہ ہم تمہارے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کریں اور تمہاری ضرورتوں کو پورا کریں، لوگوں میں اپنا خوف اور دہشت بٹھانے کے لیے زیاد اپنی اس تاریخی تقریر کو اس جملہ پر ختم کرتے ہیں کہ میں اللہ کی قسم کھا کر یہ کہتا ہوں کہ تم میں سے بہت سے میرے ہاتھوں قتل ہونے والے ہیں لہذا تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ میرا نشانہ بننے سے بچے۔

حجاج بن یوسف کی تقریر میں دو جنگوں کا ذکر ہے، ایک زاویہ دوسری دیر جماجم، یہ دونوں جنگیں حجاج اور عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث کے درمیان ہوئی تھیں، ابتدا میں ابن الاشعث اموی فوج کے سپہ سالاروں میں تھے، بعد میں حجاج کی توہین کی وجہ سے بغاوت پر اتر آئے، بغاوت کی ابتدا یوں ہوئی کہ سن 80ھ میں حجاج نے کوفہ اور بصرہ سے چالیس ہزار نفوس پر مشتمل ایک لشکر جرار ترتیب دے کر ترک بادشاہ رتبیل سے مسلمانوں پر کیے گئے مظالم کا بدلہ لینے کے لیے عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث کی کمان میں بھیج دیا، حالانکہ حجاج کے نزدیک ابن الاشعث نہایت ہی مغضوب تھے حتی کہ حجاج کہا کرتا تھا کہ میں جب بھی ابن الاشعث کو دیکھتا ہوں تو اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، ابن الاشعث فوج سمیت رتبیل کے ملک کی طرف نکلے اور کئی شہروں اور علاقوں پر قبضہ کے بعد اپنی فوجوں کو رکنے کا حکم دیا تاکہ مفتوحہ علاقوں کا انتظام مکمل ہو اور مسلمان وہاں رہ کر مکمل تیاری کے ساتھ اگلے سال ترک کے مرکزی شہر مدینة العظما پر زوردار حملہ کریں، اس پر ساری فوج متفق ہوگئی، ابن الاشعث نے حجاج کو خط لکھا جس میں فتوحات اور تمام تفصیلات سے آگاہ کیا اور اپنے اگلے سال کے پروگرام سے متعلق بھی تفصیل لکھ دی، سن

81 ھ میں ابن الاشعث کو حجاج کا پیغام ملا جس میں اس نے ابن الاشعث کے اس فیصلہ کو نہایت ناقص گردانا، ناقص العقل، بزدلی کا طعنہ اور جنگ سے منہ پھیر کر بھاگنے والا شخص کہہ کر مخاطب کیا اور فوری حملہ کا حکم دیا، اس کے بعد اسی جیسے کئی خطوط حجاج نے ابن الاشعث کو بھیجے جس میں اس کے لیے انتہائی توہین آمیز کلمات استعمال کیے گئے، اس طرح کے یکے بعد دیگرے آنے لگے تو ابن الاشعث نے کہا حجاج میری طرف ایسی باتیں لکھ کر بھیجتا ہے حالانکہ میں اسے اپنی فوج کا ادنی سپاہی بھی بنانا پسند نہیں کروں گا، پھر ابن الاشعث نے اپنی فوج میں سے چیدہ چیدہ افراد کو جمع کر کے ان سے کہا کہ حجاج اس بات پر مصر ہے کہ دشمن کے علاقے پر فوری حملے کریں اور یہ وہی علاقے ہیں جہاں آپ کے بھائی گزشتہ کل ہلاکت کے منہ میں جا چکے ہیں اور سردیوں کا موسم بھی قریب آ رہا ہے، تم مشورہ کرلو، میں اپنے بارے یہ وضاحت کرتا ہوں کہ میں حجاج کی اطاعت نہیں کروں گا، اس نے قوم سے خطاب کیا اور ان کے علم میں اپنی اور دیگر دانشوروں کی رائے کو لایا کہ وہ اس سال یہیں رہیں گے اور مال و اسباب اور اسلحہ جمع کر کے سردی ختم ہونے بعد دشمن کے علاقوں میں داخل ہوں گے اور ایک ایک علاقہ کو فتح کرتے ہوئے رتبیل کے مرکزی شہر مدینۃ العظما کا محاصرہ کریں گے، پھر اس نے حجاج کا حکم نامہ سنایا جس میں رتبیل پر فوری حملہ کا سنایا تھا، اس کے اردگرد لوگ جمع ہو گئے اور پکارنے لگے کہ ہم اللہ کے دشمن حجاج کی کوئی بات نہیں مانیں گے اور اس کی اطاعت سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔

پھر ابن الاشعث اپنی فوجیں لے کر سجستان سے عراق کی جانب چل پڑا تاکہ حجاج سے کر کے عراق چھین لے، جب حجاج کو اس بارے میں علم ہوا تو تمام صورت حال خلیفہ عبدالملک کو لکھ بھیجا اور اس سے فوری لشکر بھیجنے کی استدعا کی، حجاج بھی ابن الاشعث کے مقابلہ پر نکل پڑا اور بصرہ میں پڑاؤ ڈال دیا، لوگ ابن الاشعث کے گرد جوق در جوق جمع ہو گئے، کہا جاتا ہے کہ ابن الاشعث کے ماتحت تینتیس ہزار سوار اور ایک لاکھ بیس ہزار پیادہ فوج چل پڑی، حجاج شامی افواج لے کر بصرہ سے نکلا، سن 82 ھ محرم میں زاویہ کا واقعہ پیش آیا جس میں ابن الاشعث اور حجاج کی فوجیں آپس میں نبرد آزما ہوئیں، حجاج نے پے در پے حملے شروع کر دیے تو ابن الاشعث کی فوج میں موجود قرا کے دستہ کے سردار جبلہ بن زجر نے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا: اے لوگو! تم میں سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے والا سب سے برا شخص ہوگا، اپنے دین و دنیا کی حفاظت کے لیے لڑو، سعید بن جبیر نے بھی اس قسم کی تقریر کی، شعبی نے کہا: حجاج کی فوج سے ان کے ظلم کے مقابلے کے لیے لڑو، وہ ضعیف لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ لوگ نمازوں کو ضائع کرنے والے ہیں ان سے لڑو، دونوں فوجوں میں زبردست مقابلہ ہوا جس میں بالآخر ابن الاشعث کو شکست ہوئی۔

اسی سال شعبان کے مہینہ میں دیر الجماجم کے جنگ کی ابتدا ہوئی، ابن الاشعث زاویہ کی جنگ کے بعد اپنے باقی ماندہ لشکر کو لے کر کوفہ پہنچا، وہاں لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کے اردگرد کثیر تعداد میں جمع ہو گئے، مطر بن ناجیہ کوفہ پر حجاج کا نائب تھا اس کو برطرف کر دیا گیا، ابن الاشعث کو کوفہ پر مکمل حکمرانی حاصل ہوگئی، بصرہ سے آنے والے گروہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے، حجاج کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ اپنے شامی دستوں کے ساتھ بصرہ سے روانہ ہوا، ابن الاشعث اپنی فوج لے کر دیر الجماجم پہنچا۔

سن 83 ھ شروع ہوا تو اس کے ساتھ ہی لوگ جنگ و جدال کی تیاری میں مصروف ہو گئے، حجاج اپنی فوج کے ساتھ دیر قرہ میں تھا جب کہ ابن الاشعث ساتھیوں کے ہمراہ دیر الجماجم میں تھا، دونوں طرف سے روزانہ حملے ہوتے رہے، اکثر و بیشتر فتح اہل عراق کو ہوتی حتی کہ اہل عراق (ابن الاشعث کی فوج) نے اہل شام (حجاج کی فوج) کو اسی مرتبہ سے زیادہ حملے کر کے نقصان پہنچایا، اس کے باوجود حجاج ثابت قدم رہا

اوراہل شام اپنے مورچوں پر ڈٹے رہے، حالات اسی طرح رہے یہاں تک کہ حجاج نے اپنی فوج کو قاریان قرآن کے دستہ پر حملے کا حکم دیا، ابن الاشعث کی فوج ان کے تابع تھی اور وہی قرآنی آیات پڑھ پڑھ کر لوگوں کو جنگ پر ابھارتے تھے اوران کے جذبات برانگیختہ کرتے تھے، لوگ بھی ان کی اقتدا میں جم کر لڑتے تھے، حجاج کے دستوں نے جب قرا پر حملہ کیا تو انھوں نے جم کر مقابلہ کیا، پھر حجاج نے تیراندازوں کا دستہ بھیجا جنھوں نے قرا پر زبردست تیراندازی کی یہاں تک کہ بہت سے قاری قتل کر دیے گئے، ابن الاشعث کی فوج شکست کھا گئی اور چاروں طرف بکھر گئی۔

حجاج اپنی تقریر کی ابتدا اس بات سے کرتا ہے کہ اہل عراق کی طبیعت میں فتنہ وفساد رچ بس گیا ہے، شیطان نے ان کے اندر اپنا گھر بنالیا ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ ان کو نہ کوئی نصیحت فائدہ دیتی ہے اور نہ کسی واقعہ سے انہیں عبرت حاصل ہوتی ہے، اس طرح اہل عراق کی سرکشی ان پر واضح کرنے کے بعد حجاج انہیں ان دو جنگوں کی یاددہانی کرواتا ہے جس میں انہیں حجاج کے مقابلہ میں کھلی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا، پھر ان کی نافرمانی اور غداری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم تو اتنے سرکش اور بے وفا ہو کہ ذرا ذراسی بات پر ناشکری پر تل جاتے ہو، ہلکا سا بہانہ مل جائے تو بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہو، کسی کے ذراسی امید دلانے پر تم اس کے تابع ہو کر نافرمانی پر اتر آتے ہو، اس زجر و توبیخ کے بعد وہ اہل شام کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے۔

اے اہل شام میں تمہاری ہر طرح سے نگہداشت کروں گا جیسے شترمرغ اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور ان کی ہر طرح سے حفاظت کرتا ہے، تم قابل بھروسہ اور ضرورت کے وقت مددگار ومعاون ہو۔

8.15 نمونے کے امتحانی سوالات

۱۔ ''اموی دور میں خطابت'' کے عنوان پر ایک جامع مقالہ تحریر کیجیے۔

۲۔ ''الخطبة البتراء'' کا خلاصہ لکھیے و نیز ''البتراء'' سے موسوم اس خطبہ کی وجہ تسمیہ بتلائیے۔

۳۔ زیاد بن ابیہ کی شخصیت وصلاحیت اور ان کے ادبی مقام کا جائزہ لیجیے۔

۴۔ ''الخطبة البتراء'' کے خصوصیات پر سیر حاصل بحث کیجیے۔

۵۔ مندرجہ ذیل عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجیے۔

ان كذبة الامير بلقاء مشهورة ، فاذا تعلقتم علي بكذبة فقد حلت لكم معصيتي . فاذا سمعتموها مني فاغتمزوها في . واعلموا ان عندي امثالها من نقب منكم عليه فانا ضامن لما ذهب من ماله ، فاياي ودلج الليل ، فاني لا أوتي بمدلج الا سفكت دمه ، وقد اجلتكم في ذلك بمقدار ما ياتي الخبر الكوفة ويرجع اليكم . واياي ودعوى الجاهلية ، فاني لا اجد احدا دعا بها الا قطعت لسانه .

۶۔ درج ذیل عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے بحوالہ متن سیاق وسباق واضح کیجیے۔

حَرَامٌ عَلَيَّ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ حَتَّى أُسَوِّيَهَا بِالأَرْضِ هَدْماً وَإِحْرَاقاً. إِنِّي رَأَيْتُ آخِرَ هٰذَا الأَمْرِ لا صْلَحُ إِلا بِمَا صَلَحَ بِهٖ أَوَّلُهُ: لِيْنٌ فِيْ غَيْرِ ضُعْفٍ، وَشِدَّةٌ فِيْ غَيْرِ عُنْفٍ. وَإِنِّي لأُقْسِمُ بِاللهِ لآخذن الْوَلِيَّ بِالْمَوْلٰى، وَالْمُقِيْمَ بِالظَّاعِنِ، وَالْمُطِيْعَ بِالْعَاصِيْ

وَالصَّحِيحَ بِالسَّقِيمِ، حَتّى يَلْقَى الرَّجُلُ أَخَاهُ فَيَقُوْلُ: أُنْجُ سَعْدُ فَقَدْ هَلَكَ سُعَيْدُ!

۷۔ حجاج بن یوسف الثقفی کی شخصیت، اس کی سیاست وادبی صلاحیت پر ایک مقالہ تحریر کیجیے۔

۸۔ ''خطبة العراق'' میں مستعمل تشبیہات کی تشریح مثالوں سے واضح کیجیے۔

۹۔ ''خطبة العراق'' میں مستعمل استعارہ اور کنایہ کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کی وضاحت کیجیے۔

۱۰۔ خطبہ حجاج بن یوسف الثقفی کا خلاصہ قلمبند کیجیے۔

۱۱۔ مندرجہ ذیل عبارت پر اعراب لگایئے اور ترجمہ کیجیے۔

یا اهل العراق! اهل الكفرات بعد الفجرات، والغدرات بعد الخترات، والثورة بعد النزوات! إن أبعثكم الى ثغوركم غللتم وخنتم، وان امنتم ارجفتم، وان خفتم نافقتم، لا تذكرون حسنة، ولا تشكرون نعمة، هل استخفكم ناكث، واستغواكم غاو، او استفزكم عاص، او استنصركم ظالم، او استعضدكم خالع الا وثقتموه وآويتموه ونصرتموه ورضيتموه؟

۱۲۔ عبارت ذیل کا بحوالہ متن ترجمہ وتشریح کیجیے۔

وَيَوْمُ الزَّاوِيَةِ! وَمَا يَوْمُ الزَّاوِيَةِ؟ بِهَا كَانَ فَشَلُكُمْ وَتَنَازُعُكُمْ وَبَرَاءَةُ اللهِ مِنْكُمْ، وَنُكُوصُ وَلِيِّهِ عَنْكُمْ، إِذْ وَلَّيْتُمْ كَالإِبِلِ الشَّوَارِدِ إِلَى أَوْطَانِهَا، النَّوَازِعِ إِلى أَعْطَانِهَا، لا يَسْأَلُ الْمَرْءُ مِنْكُمْ عَنْ أَخِيهِ، وَلا يَلْوِيْ الشَّيْخُ عَلَى بَنِيهِ حَتّى عَضَّكُمُ السِّلاحُ وَقَصَمَتْكُمُ الرِّمَاحُ.

وَيَوْمُ دَيْرِ الْجَمَاجِمِ! وَمَا يَوْمُ دَيْرِ الْجَمَاجِمِ؟ بِهَا كَانَتْ الْمَعَارِكُ وَالْمَلاحِمُ بِضَرْبٍ يُزِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيْلِهِ، وَيُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهِ.

8.16 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

۱۔البیان والتبیین	للجاحظ
۲۔العقد الفريد	لابن عبد ربه
۳۔عيون الاخبار	لابن قتيبه
۴۔الفن ومذاهبه فی النثر العربي	لشوقي ضيف
۵۔عربی ادب کی تاریخ	عبد الحلیم ندوي
۶۔الجامع في تاريخ الأدب العربي	لحنا الفاخوري

اکائی 9: خطوط نگاری

اکائی کے اجزا

9.1 مقصد
9.2 تمہید
9.3 فن خطوط نگاری
9.3.1 خطوط نگاری کی اصطلاحی تعریف
9.3.2 خطوط نگاری کی اقسام
9.3.2.1 سیاسی خطوط نگاری
9.3.2.2 واعظانہ خطوط نگاری
9.3.2.3 ذاتی خطوط نگاری
9.3.3 خط نگاری کے عناصر
9.4 متن سبق
9.5 صاحب متن کا تعارف
9.5.1 انشا پردازی میں اس کی تاثیر
9.5.2 عبدالحمید کا اسلوب نگارش
9.6 متن کا ترجمہ
9.7 لغوی تحقیق
9.8 ادبی صنف کا تعارف
9.8.1 متن سبق کا موضوع
9.8.2 متن سبق کی توضیح وتشریح
9.8.3 متن کی خصوصیات
9.8.4 اسلوبی خصوصیات
9.9 اکتسابی نتائج
9.10 نمونے کے امتحانی سوالات
9.11 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

9.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے سے عصر اموی میں فن ترسل وانشا کے ارتقا، خطوط نگاری کے اقسام، اس فن کے ارتقا کے عوامل واسباب اور اس فن کے بانی عبدالحمید الکاتب کے حالات زندگی اور فن رسائل میں آپ کی خدمات، آپ کے اسلوب اور خصوصیات کے تعلق سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

9.2 تمہید

عبدالحمید الکاتب کی انشا پردازی اور فن خطوط نگاری میں ان کی خدمات اور اپنے بعد والے ادبا پر ان کے اثرات کو ذکر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فن خطوط نگاری سے متعلق کچھ بنیادی معلومات پر روشنی ڈالی جائے۔

9.3 فن خطوط نگاری

9.3.1 خط نگاری کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح ادب میں متعین موضوع کے تحت نثری پیرایہ میں مافی الضمیر کو خط کی شکل میں لکھنے کا نام خط نگاری یا رسالہ نگاری ہے۔ اپنی بات دور رہنے والوں تک پہنچانے کے لیے زمانہ قدیم سے اس صنف کا استعمال ہوتا آ رہا ہے، آنحضرت ﷺ نے سلاطین کے نام دعوتی خطوط لکھے، خلفائے راشدین نے اپنے گورنروں اور سپہ سالاروں کے نام خطوط لکھے، اموی دور میں اس صنف میں اتنی ترقی ہوئی کہ اس کی تین شکلیں پیدا ہوگئیں

9.3.2 خطوط نگاری کے اقسام

(۱) سیاسی خطوط نگاری

(۲) واعظانہ خطوط نگاری

(۳) ذاتی خطوط نگاری

9.3.2.1 سیاسی خطوط نگاری

سیاسی خطوط نگاری کو ہر دور میں کافی فروغ ملا، دینی فرقوں اور سیاسی جماعتوں نے اپنے نقطہ نظر کی توضیح اور ان کی نشر واشاعت کے لیے مختلف خطوط لکھے، خلفا نے اپنے افسروں کے نام احکامات جاری کیے اور عام پبلک کے نام فرامین صادر کیے، حکام نے اپنے ماتحتوں کو بعض معاملات میں دفتری ہدایات دی ہیں اور مسائل ومعاملات کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کے لیے قانونی نکتے اور طریقے بتائے ہیں، اسی طرح سپہ سالاروں نے بھی اپنے جنگی ماتحت افسروں کو معرکوں میں یا ان کی تیاری کے سلسلہ میں خاص ہدایات دی ہیں اور جنگی گر بتائے ہیں۔

9.3.2.2 واعظانہ خطوط نگاری

سیاسی خطوط کے بعد اموی دور میں کے اخیر میں خطوط ورسائل کی ایک نئی شکل ایجاد ہوئی اور وہ تھی ''وعظ ونصیحت'' پر مشتمل خطوط، اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (آٹھویں اموی خلیفہ) کے متعلق مشہور ہے کہ وہ واعظوں کو خط لکھا کرتے تھے کہ وہ ان کو اپنے وعظ اور نصیحتیں لکھ

کر بھیجیں۔

9.3.2.3 ذاتی خطوط نگاری

اموی زمانہ میں ان سیاسی، دفتری اور واعظانہ خطوط کے علاوہ ایک تیسری قسم ''ذاتی یا شخصی خطوط اور مکتوبات'' کی بھی نکلی، یہ خطوط عام طور سے خیریت دریافت کرنے، خوشی کے موقعوں پر مبارک باد دینے اور غموں کے موقعہ پر اظہار ہمدردی اور رنج وغم میں شرکت یا کسی حاکم یا والی سے کسی کی سفارش کرنے یا کسی سے ناراضگی کا اظہار کرنے یا غلطی پر معذرت کرنے لیے لکھے جاتے تھے۔

ان تینوں قسم کے خطوط عام طور پر زبان بیان کے اعتبار سے بہت معیاری ہوتے تھے اور انہیں سے ادبی پیرایہ میں سیاسی، دفتری اور ذاتی خطوط نگاری کی بنیاد پڑی، کیونکہ ان خطوط کے لکھنے والے اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ الفاظ موزوں، شیریں، منتخب اور موقع محل کے اعتبار سے مناسب ہوں، اسلوب نگارش میں کہیں جھول پیدا نہ ہونے پائے اور معانی ومطالب کے بیان میں کہیں تعقید، غموض یا ابہام نہ آنے پائے اور انہیں خصوصیات کی وجہ سے یہ اور رقعے (نوٹس) بھی ادب فنی میں شمار ہونے لگے، پھر انہیں کی بنیاد پر آگے چل کر ایک خاص صنف ادب ''الرسائل و التوقیعات'' نکلی جس کا رواج سرکاری دفتروں اور حکومت کے مرکزوں میں رہا اور بعد میں یہی صنف عبدالحمید الکاتب کی توجہ سے اور فنی مہارت کے سہارے ترقی کر کے مستقل ایک فن کی حیثیت حاصل کر گیا جس کا بانی عبدالحمید تھا اور جسے اس سلسلہ میں اس کی کوششوں کی وجہ سے ''الکاتب'' یعنی ''منشی'' کا لقب دیا گیا، ''الکاتب'' اس زمانہ کی اصطلاح میں کلرک کے معنی میں نہیں استعمال ہوتا تھا بلکہ اس کی حیثیت آج کل کے گورنمنٹ کے سکریٹری کی تھی۔

9.3.3 خط نگاری کے عناصر

خط نگاری کے تین عناصر ہیں:

(۱) کاتب

(۲) مکتوب الیہ

(۳) کاتب کا پیام یا موضوع

9.4 متن سبق: وَصفُ الصَّیدِ لِعَبدِ الْحَمِیدِ الْکَاتِبِ

أَطَالَ اللهُ بَقَاءَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مُؤَيَّدًا بِالْعِزِّ ، مَخْصُوْصًا بِالْكَرَامَةِ ، مُمَتَّعاً بِالنِّعْمَةِ ، إِنَّه لَمْ يُلَقَّ أَحَدٌ مِّنَ الْمُقْتَنِصِيْنَ ، وَلا مُنِح مُتَطَرِّفٌ مِّنَ الْمُتَصَدِّيْنَ ، إِلا دُوْنَ مَا لَقَّانَا اللهُ بِه مِنَ الْيُمْنِ وَالْبَرَكَةِ ، وَمَنَحنَا مِنَ الظَّفَرِ وَالسَّعَادَةِ فِيْ مَسِيْرِنَا مِنْ كَثْرَةِ الصَّيْدِ ، وَحُسْنِ الْمُقْتَنِصِ ، وَتَمْكِيْنِ الْجَاسَّةِ ، وَقُرْبِ الْغَايَةِ ، وَسُهُوْلَةِ الْمَوْرِدِ وَعُمُوْمِ الْقُدُوْرَةِ ، إِلا مَا كَانَ مِنْ مُحَاوَلَةِ الطَّلَبِ وَضِدَّةِ النَّصَبِ ، لِنَافِرِ الصَّيْدِ ، وَقَائِدِ الطَّرِيْدَةِ الَّتِيْ أَمْعَنَّا فِيْ الطَّلَبِ لَهَا ، وَأَعْجَزَنَا الْبُهرُ عَنِ اللَّحَاقِ بِهَا ، لِتَفَاوُتِ سَبْقِهَا وَمُنْقَطِعِ هَرْبِهَا ، وَمُتَفَرِّقِ سُبُلِهَا ، ثُمَّ آلَ بِنَا ذٰلِكَ إِلَى حُسْنِ الظَّفَرِ ، وَتَنَاوُلِ الأَرَبِ ، وَنِهَايَةِ الطَّرَبِ .

وَإِنِّيْ أُخْبِرُ أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنَّا خَرَجْنَا إِلَى الصَّيْدِ بِأَعْدَى الْجَوَارِحِ ، وَأَثْقَفِ الضَّوَارِيْ ؛ وَأَكْرَمِهَا أَجْنَاساً ، وَأَعْظَمِهَا أَجْسَاماً ،

وَأَحْسَنِهَا أَلْوَاناً ، وَأَحَدِّهَا أَطْرَافاً ، وَأَطْوَلِهَا أَعْضَاءً ، قَدْ ثُقِّفَتْ بِحُسْنِ الأَدَبِ ، وَعُوِّدَتْ شِدَّةَ الطَّلَبِ ، وَسُبِرَتْ أَعْلامَ الْمَوَاقِفِ ، وَخُبِّرَتْ الْمَجَاثِمَ ، مَجْبُوْلَةً عَلى مَا عُوِّدَتْ ، وَمَقْصُوْرَةً عَلى مَا أُدِّبَتْ ؛ وَ مَعَنَا مِنْ نَفَائِسِ الْخَيْلِ الْمَخْبُوْرَةِ الْفَرَاهَةِ ، مِنَ الشَّهْرِيَّةِ الْمَوْصُوْفَةِ بِالنَّجَابَةِ ، وَالْجَرْيِ وَالصَّلابَةِ ، فَلَمْ نَزَلْ بِأَخْفَضِ سَيْرٍ ، وَأَثْقَفِ طَلَبٍ . وَقَدْ أَمْطَرَتْنَا السَّمَاءُ مَطَراً مُتَدَارِكاً ، فَرَبَتْ مِنْهُ الأَرْضُ ، وَ زَهَرَ البَقْلُ ، وَ سَكَنَ الْقَتَامُ ، مِنْ مُثَارِ السَّنَابِكِ ، وَ مُتَشَعِّبَاتِ الأَعَاصِيْرِ ، مُهْلَةً أَنْ سِرْنَا غَلْوَاتٍ ، ثُمَّ بَرَزَتِ الشَّمْسُ طَالِعَةً ، وَانْكَشَفَتْ مِنَ السَّحَابِ مُسْفِرَةً فَتَلأْلأَتْ الأَشْجَارُ ، وَضَحِكَ النُّوَّارُ ، وَانْجَلَتِ الأَبْصَارُ ، فَلَمْ نَرَ مَنْظَراً أَحْسَنَ حُسْناً ، وَلا مَرْمُوْقاً أَشْبَهَ شَكْلاً ، مِنْ اِبْتِسَامِ نُوْرِ الشَّمْسِ عَنْ اِخْضِرَارِ زَهْرَةِ الرِّيَاضِ ، وَالْخَيْلُ تَمْرَحُ بِنَا نَشَاطاً ، وَتَجْتَذِبُنَا أَعِنَّتُهَا اِنْبِسَاطاً ، ثُمَّ لَمْ نَلْبَثْ أَنْ عَلَتْنَا ضَبَابَةٌ تَقْصُرُ طَرَفَ النَّاظِرِ ، وَتُخْفِيْ سُبُلَ السَّلامِ ، تَغْشَانَا تَارَةً وَتَنْكَشِفُ أُخْرى ، وَنَحْنُ بِأَرْضٍ دَمِثَةِ التُّرَابِ أَشِبَةِ الأَطْرَافِ ، مُغْدَقَةِ الْفِجَاجِ ، مَمْلُوْءَةٍ صَيْدًا ، مِنَ الظِّبَاءِ وَالثَّعَالِبِ وَالأَرَانِبِ ، فَأَدَّانَا الْمَسِيْرُ إِلى غَابَةٍ دُوْنَهَا مَأْلَفُ الصَّيْدِ ، وَمُجْتَمَعُ الْوَحْشِ ، وَنِهَايَةُ الطَّلَبِ ، قَدْ جَاوَزْنَاهَا وَنَحْنُ عَلى سَبِيْلِ الطَّلَبِ مُمَتَّعُوْنَ ، وَبِكُلِّ حَرَّةٍ جَوْنَةٌ مُتَفَرِّقُوْنَ ، فَرَجَعَ بِنَا الْعَوْدُ عَلَى الْبَدْءِ ، وَقَدِ انْجَلَتْ الضَّبَابَةُ ، وَامْتَدَّ الْبَصَرُ ، وَأَمْكَنَ النَّظْرُ ، فَإِذَا نَحْنُ بِرَعْلَةٍ مِّنْ ظِبَاءٍ ، وَخِلْفَةِ آرَامٍ يَرْتَعْنَ آنِسَاتٍ ، قَدْ أَحَالَتْهُنَّ الضَّبَابَةُ عَنْ شَخْصِنَا ، وَأَذْهَلَهُنَّ أَنِيْقُ الرِّيَاضِ عَنْ اسْتِمَاعِ حِسِّنَا ، فَلَمْ نَعُجْ إِلا وَالضَّوَارِي لائِحَةٌ لَهُنَّ مِنْ بُعْدِ الْغَايَةِ ، وَمُنْتَهى نَظْرِ الشَّاخِصِ ثُمَّ مَدَّتِ الْجَوَارِحُ أَجْنِحَتَهَا ، وَاجْتَذَبَتِ الضَّوَارِي مَقَاوِدَهَا ، فَأَمَرْتُ بِإِرْسَالِهَا عَلَى الثِّقَةِ بِمَحْضَرِهَا ، وَسُرْعَةِ الْجَوَارِحِ فِيْ طَلَبِهَا ، فَمَرَّتْ تَحُفُّ حَفِيْفَ الرِّيْحِ هُبُوْبِهَا ، تَسِفُّ الأَرْضَ سَفًّا ، كَاشِفَةً عَنْ آثَارِهَا ، طَالِبَةً لِخِيَارِهَا ، حَارِشَةً بِأَظْفَارِهَا ، قَدْ مَزَّقَتْهَا تَمْزِيْقَ الرِّيْحِ الْجَرْدَاءِ ؛ فَمِنْ صَائِحٍ بِهَا وَنَاعِرٍ ، وَهَاتِفٍ بِهَا وَنَاعِقٍ ، يَدْعُوْ الْكَلْبَ بِاسْمِهِ ، وَيُفَدِّيْهِ بِأَبِيْهِ وَأُمِّهِ ؛ وَرَاكِضٍ تَحُثُّ مفره ، وَ خَافِقٍ يَطْلُبُهُ الرِّمْحَ ، وَطَامِحٍ يَمْنَعُهُ ، وَسَانِحٍ قَدْ عَارَضَهُ بَارِحٌ ، قَدْ حَيَّرَتْنَا الْكَثْرَةُ وَأَلْهَجَتْنَا الْقُدْرَةُ ، حَتّى امْتَلأَتْ أَيْدِيْنَا مِنْ صُنُوْفِ الصَّيْدِ ، وَاللهُ الْمُنْعِمُ الْوَهَّابُ .

ثُمَّ مِلْنَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِهِدَايَةِ دَلِيْلٍ قَدْ أَحْكَمَتْهُ التَّجَارِبُ ، وخبر أَعْلامِ الْمَذَانِبِ ، إِلى غَدِيْرٍ أَفْيَحَ ، وَ رَوْضَةٍ خُضْرَةٍ ، مُسْتَأْجِمَةٍ بِتَلاوِيْنِ الشَّجَرِ ، مُلْتَفَّةٍ بِصُنُوْفِ الْخَمْرِ ، مَمْلُوْءَةٍ مِنْ أَنْوَاعِ الطَّيْرِ ، لَمْ يَذْعَرْهُنَّ صَائِدٌ ، وَ لا اِقْتَنَصَهُنَّ قَانِصٌ ، فَخُفِقَ لَهَا بِطُبُوْلٍ ، وَصُفِرَ بِنَفِيْرِ الْحَتْفِ ، فَثَارَ مِنْهَا مَا مَلأَ الأُفُقَ كَثْرَتُهَا ، وَ رَاعَتْ الْجَوَارِحَ خَفَقَاتُ أَجْنِحَتِهَا ؛ ثُمَّ انْبَرَتِ الْبُزَاةُ لَهَا صَائِدَةً ، وَالصُّقُوْرُ كَاسِرَةً ، وَالشَّوَاهِيْنُ ضَارِبَةً ، يَرْفَعْنَ الطَّلَبَ لَهَا ، وَيَخْفِضْنَ الظَّفَرَ بِهَا ، حَتّى سَئِمْنَا مِنَ الذِّبْحِ ، وَامْتَلأْنَا مِنَ النَّضِيْحِ ، كَأَنَّا كَتِيْبَةٌ ظَفِرَتْ بِبُغْيَتِهَا ، وَسَرِيَّةٌ نُصِرَتْ عَلَى عَدُوِّهَا ، وَأَلْحَقَتْ ضَعِيْفَهَا بِقَوِيِّهَا وَغَلَبَتْ مُحْسِنَهَا بِمُسِيْئِهَا ؛ لا نَمْلُكُ أَنْفُسَنَا مَرَحاً ، وَلا نَسْتَفِيْقُ مِنَ الْجَذَلِ بِهَا فَرَحاً ، بَقِيَّةَ يَوْمِنَا ، وَاللهُ الْمُنْعِمُ الْوَهَّابُ .

9.5 صاحب متن کا تعارف

ابوغالب عبدالحمید بن یحیي شام میں غیر عربی نسل میں پیدا ہوئے ، ولائی نسبت کی بنا پر بنو عامر کی طرف منسوب ہوئے ، ہشام بن عبدالملک کے آزاد کردہ غلام اور پرائیویٹ سیکریٹری سالم سے انشا پردازی سیکھ کر کمال حاصل کیا ، پھر انھوں نے بطور مشق ایک کے بعد دوسرے شہر میں بچوں کو

کتابت سکھانا شروع کر دیا تا آنکہ مروان بن محمد کو ان کی صلاحیتوں کا علم ہوا تو اس نے آرمینیہ میں اپنی عہد گورنری کے دوران انہیں اپنا پرائیویٹ سیکریٹری بنالیا، یہ اس کے خطوط و رسائل اور احکام و فرامین لکھتے رہے اور اس کی نگاہ میں بہت مقبول ہوئے اور ان کے درمیان گہری دوستی ہوگئی، مروان کو یہ بشارت ملی کہ شامیوں نے اس کی خلافت کی بیعت کر لی ہے تو اس نے اللہ کے سامنے سجدہ شکر ادا کیا، عبدالحمید کے سوا تمام حاضرین نے بھی سجدہ کیا، مروان عبدالحمید سے پوچھا کہ تم نے کیوں سجدہ نہیں کیا؟ جواب میں عبدالحمید نے کہا کہ میں کیوں سجدہ کروں؟ کیا اس بات پر کہ اب تک تو آپ ہمارے ساتھ تھے اب ہم میں سے اڑ جائیں گے؟ تو وہ کہنے لگا اب آپ بھی ہمارے ساتھ اڑیں گے، تو عبدالحمید کہنے لگے اب سجدہ کرنے میں مزہ آئے گا، پھر انھوں نے سجدہ کیا، مروان نے انہیں اپنی حکومت کا سیکریٹری مقرر کر دیا، جب ابو مسلم الخراسانی کے قریب آ پہنچنے اور مسلسل شکست نے مروان کو خوف زدہ کر دیا تو اس نے عبدالحمید سے کہا مجھے ضرورت ہے کہ تم میرے دشمن کے ساتھ مل جاؤ، بظاہر میرے ساتھ بغاوت کر دو، کیونکہ علم و ادب سے انہیں دل چسپی اور تمہاری انشا پردازی کی انہیں ضرورت ہے، یہ ایسی چیزیں ہیں جو تمہارے متعلق ان کے دلوں میں حسن ظن پیدا کر دیں گی، اگر تم میری زندگی میں مجھے کوئی فائدہ پہنچادو تو بہتر ہے ورنہ میرے مرنے کے بعد میری عزت و حرمت کو بچا سکو گے، تو عبدالحمید نے اسے جواب دیا کہ آپ نے مجھے جس طرف اشارہ دیا ہے وہ ہر دو صورت میں آپ کے لیے تو مفید ہے مگر میرے لیے دونوں صورتوں میں نقصان دہ ہے، میرے نزدیک صبر کرنا ہی سب سے زیادہ مناسب ہے یہاں تک کہ اللہ تعالی آپ کی اس مصیبت کو ختم کر دے یا پھر مجھے بھی آپ کے ساتھ قتل کر دیا جائے، پھر اس نے یہ شعر پڑھا:

أسر وفاء ثم أظهر غدرة

فمن لي بعذر يوسع الناس ظاهره ؟

کیا میں باطن میں وفادار رہوں اور بظاہر آپ سے دھوکہ کروں تو لوگوں کی نگاہ میں میرے اس ظاہری عمل کا عذر کون پیش کرے گا؟

وہ اس کے ساتھ قیام پذیر رہے حتی کہ مروان کو مصر میں قتل کر دیا گیا تو اس نے بحرین میں اپنے دوست ابن المقفع کے پاس جا کر پناہ لے لی، پولیس کے آدمی اس کی گرفتاری کے سمن لے کر وہاں اس کے گھر پہنچ گئے، وہ گھر میں ہی تھا چھاپہ مارنے والوں نے پوچھا تم دونوں میں سے عبدالحمید کون ہے؟ ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو بچانے کے لیے کہنے لگا کہ میں ہوں، تو وہ ابن المقفع کو قتل کر ہی دینے والے تھے کہ عبدالحمید نے چلاتے ہوئے کہا، ذرا ٹھہرو! ہم میں سے ہر ایک کی کچھ علامات ہیں، تم ایسے کرو اپنے کچھ ساتھیوں کو ہماری نگرانی پر مامور کر دو اور باقی ساتھی ان افسروں کے پاس جا کر ہماری علامات بتا دیں، پھر جس کے متعلق وہ اشارہ کریں اسے قتل کر دینا، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور عبدالحمید کو گرفتار کر کے ۱۳۲ھ میں قتل کر دیا۔

9.5.1 انشا پردازی پر عبدالحمید کی تاثیر

عبدالحمید سے قبل انشا پردازی سادہ انداز سے لکھی ہوئی عبارت ہوتی تھی جس کا نہ تو کوئی قاعدہ کلیہ تھا نہ اسے فنی درجہ حاصل تھا اور نہ ہی یہ معزز صنعتوں میں شمار ہوتا تھا لیکن جب عبدالحمید نے اسے سنبھالا تو جدید طرز انشا کے لیے حالات سازگار اور طبیعتیں بالکل تیار تھیں، مملکت کی وسعت، تہذیب و تمدن کے ثمر آور ہونے، نثر و خطابت کے کمال، عربی کی فارسی سے قربت، سالم مولی ہشام سے عبدالحمید کی شاگردی اور ابن المقفع سے گہرے تعلقات عبدالحمید کے اسلوب تحریر میں جدید طرز اپنانے میں بنیادی اسباب ہیں، اس نے مخاطب کے حسب حال خطاب میں تنوع پیدا

کیا، تقاضائے حالات کے مطابق طول واختصار کو مدنظر رکھا، موضوع کی مطابقت سے ابتدا واختتام میں نیرنگی پیدا کی، خطوط کے شروع میں حمد وثنا کو طول دیا، بعد میں آنے والے انشا پردازوں نے فن تحریر میں اس کی متابعت کی تو فن انشا پردازی ایک ایسی صنعت بن گیا جس کے اصول وقوانین تحریر ہوئے، اس کے قواعد کو الگ الگ فصلوں میں لکھا گیا۔

9.5.2 عبدالحمید کا اسلوب نگارش

عبدالحمید کا اسلوب نگارش نہایت شیریں، خوشنما و دلکش جو احساسات کو اپنی طرف کھینچ کر عقلوں پر جادو کا سا اثر کرتا ہے، لوگ اس کے اسلوب نگارش کو خوب پہچانتے تھے حتی کہ ابومسلم خراسانی نے اس کے اس خط کو پڑھنے سے بھی انکار کر دیا تھا جو اس نے مروان کی طرف سے لکھا تھا کہیں وہ اس کی تحریر سے متاثر ہو کر مروان کا حمایتی نہ بن جائے اور اپنے متعلق خطرہ محسوس کرتے ہوئے بغیر پڑھے ہی اسے جلا دیا تھا، پھر اپنے پاس سے کاغذ کے پرزے پر مروان کو یہ جواب لکھ بھیجا:

محا السیف أسطار البلاغة وانتحی	علیک لیوث الغاب من کل جانب
تلواریں بلاغت وفصاحت کو مٹا دیں گی	اور ہر طرف سے تجھ پر جنگل کے شیر جھپٹیں گے

9.6 متن کا ترجمہ

شکار کا بیان - از عبدالحمید الکاتب

اللہ عزت وشرافت اور نعمتوں سے سرفراز فرماتے ہوئے امیر المؤمنین کی حیات دراز فرمائے، کسی شکاری اور ماہر صیاد کو وہ خیر وبرکت حاصل نہیں ہوئی جو اللہ نے ہمیں عطا فرمائی اور اس نے ہم کو اپنے سفر میں (ہر سطح پر) سعادت وکامیابی سے ہمکنار کیا، چاہے شکار کی کثرت ہو یا عمدہ شکار گاہ (کا انتخاب)، پھندے کی مضبوطی ہو یا مقصد کا قرب اور منزل کی آسانی اور عمومی طاقت ہو، البتہ شکار ہانکنے والے اور شکار کا پیچھا کرنے والے کو کافی محنت ومشقت اٹھانی پڑی، سانس کے اکھڑنے اور شکار کی دوڑ کے فرق اور اس کے بھاگنے اور اس کے مختلف راستوں کو اپنانے کی وجہ سے ہم شکار پکڑنے سے بے بس ہو گئے، بالآخر ہم کو بہتر کامیابی، مقصد براری اور بے انتہا خوشی حاصل ہوئی۔

میں امیر المؤمنین کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ ہم شکار کے لیے ایسے شکاری جانور اور کتوں کے ساتھ نکلے جو انتہائی تیز رفتار اور حد درجہ سدھائے ہوئے تھے، جو نسلا انتہائی عمدہ اور جسامت میں بڑے ڈیل ڈول والے اور رنگت میں بے حد خوبصورت، انتہائی تیز نگاہ اور لمبے اعضا والے تھے، جنہیں عمدہ طور طریقے سکھائے گئے تھے، وہ سخت جستجو کے عادی اور ٹھہرنے کے نشانوں کے ماہر اور جانوروں کے ٹھکانوں سے باخبر تھے، فطرتا اپنی عادت کے خوگر اور اطوار کے پابند تھے اور ہمارے ساتھ ترکی النسل ایسے عمدہ، تجربہ کار اور تیز رفتار گھوڑے تھے جو زیرکی، سبک رفتاری اور قوت وصلابت میں ممتاز تھے اور ہم بغیر توقف دھیرے دھیرے چلتے رہے اور (شکار کی) گہری جستجو میں رہے، اسی دوران آسمان نے ہم پر موسلا دھار بارش برسائی جس سے زمین لہلہا اٹھی اور گھاس سرسبز وشاداب ہو گئی اور کھروں کے اڑائے ہوئے بگولوں کا سیاہ غبار اتنی دیر تک چھٹ گیا کہ ہمیں چند فرلانگ تک چلنے کا موقع مل گیا، پھر آفتاب طلوع ہوا اور بادل سے باہر نکل آیا، جس سے درخت چمک اٹھے، کلیاں تبسم ریز اور آنکھیں روشن ہو گئیں، ہم نے باغیچوں کے پھولوں کی سرسبزی وشادابی پر پڑنے والی سورج کی کرنوں کی مسکراہٹ سے بڑھ کر کوئی حسین منظر اور دل فریب

نظارہ نہیں دیکھا، فرح ونشاط سے گھوڑے ہمارے ساتھ اترا رہے تھے اور فرط مسرت میں ان کی لگا میں ہمیں اپنی طرف مائل کر رہی تھیں، پھر زیادہ وقت نہیں گزرا کہ ہم پر کہر چھا گیا جس نے دیکھنے والے کی نظر کو کوتاہ کر دیا اور پُرامن راستوں کو چھپا دیا، وہ کبھی ہمیں ڈھانک لیتا اور کبھی چھٹ جاتا، جب کہ ہم ایسی زمین پر تھے جس کی مٹی نرم اور اس کے اطراف گھنے درخت اور کشادہ راستے تھے اور وہ خرگوشوں، لومڑیوں اور ہرنیوں کے شکار سے بھری پڑی تھی، راستہ نے ہمیں ایک ایسے جنگل تک پہنچا دیا جس کے آگے شکار کا ڈیرا، نیل گایوں کا بسیرا اور جستجو کی حد تھی، ہم نے اسے عبور کیا جب کہ جستجو کی راہ میں ہمیں کچھ ہاتھ نہیں لگا اور ہم ہر سیاہ پتھریلی زمین پر منتشر تھے۔ پھر ہم آغاز پر واپس آ گئے اور کہر چھٹ گیا اور نگاہ دراز ہوئی اور دیکھنا ممکن ہوا تو یکایک ہم ہرنیوں کے ایک جھنڈ اور سفید ہرنیوں کے باقی ماندہ ریوڑ کے پاس تھے جو مانوس ہو کر چر رہی تھیں اور کہر نے انھیں ہمیں دیکھنے سے روک دیا تھا اور چمن کی خوبصورتی نے ہماری آہٹ سننے سے انھیں غافل کر رکھا تھا، بس ہم مڑے ہی تھے کہ شکاری کتے انھیں بہت دور سے، دیکھنے والے کی حد نگاہ سے دکھائی دینے لگے، پھر شکاری جانوروں نے اپنے بازو پھیلائے اور شکاری کتوں نے رسیوں کو کھینچا، میں نے شکار کے موجود ہونے اور ان شکاری کتوں کی ان کی جستجو میں تیزی پر بھروسہ کرتے ہوئے انھیں چھوڑنے کا حکم دیا اور وہ ہوا کی سرسراہٹ کی طرح گزر گئے، زمین سے انتہائی قریب ہوتے ہوئے شکار کے ٹھکانوں کا پتہ لگا کر وہ ان میں سے بہتر شکار کو اپنے ناخنوں سے مخدوش کرنے لگے اور تیز رو ہوا کے مانند انھیں چیر دیا، (اس وقت) کچھ لوگ چیخ رہے تھے تو کچھ شور مچا رہے تھے، کچھ انہیں آواز دے رہے تھے تو کچھ انہیں پکار رہے تھے، وہ کتے کو اس کے نام سے پکارتے اور اس پر اپنے ماں باپ فدا کرتے، بہت سے ایڑ لگانے والے اپنے گھوڑے کو للکار رہے تھے اور بہت سے ایسے حواس باختہ تھے جو اپنے نیزے ڈھونڈ رہے تھے اور بہت سے تھے جو سرکش کو روک رہے تھے اور بہت سے وہ تھے جو نیک و بدشگونی کا سامنا کر رہے تھے، شکار کی بہتات نے ہمیں حیرت زدہ کر دیا تھا اور قدرت نے ان پر ہمیں شیفتہ بنا دیا تھا، یہاں تک کہ ہمارے ہاتھ گونا گوں شکار سے بھر گئے، اللہ ہی منعم وہاب ہے۔

پھر اے امیر المؤمنین ہم ایک رہبر کی رہنمائی میں - جو انتہائی تجربہ کار اور نالوں کے نشانوں کا ماہر تھا - ایک کشادہ تالاب اور سرسبز و شاداب چمن کی طرف نکلے جو قسم قسم کے درختوں سے بھرا ہوا اور انواع و اقسام کے درختوں سے گھرا ہوا تھا اور جس میں طرح طرح کے پرندے بھرے پڑے تھے، جنھیں نہ کسی شکاری نے ڈرایا تھا اور نہ ہی کسی شکاری نے ان کا شکار کیا تھا، ان کے شکار کے لیے طبل بجائے گئے اور موت کے حملے کی سیٹی بجائی گئی تو وہ ایسے پھیل گئے کہ ان کی کثرت سے افق بھر گیا اور ان کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ نے شکاری جانوروں کو ڈرا دیا، پھر انہیں شکار کرنے کے لیے باز اور حملہ آور شکرے اور شاہین سامنے آ گئے اور ان کی طلب میں بلند ہوئے اور کامیاب ہو کر نیچے آنے لگے، یہاں تک کہ ہم ذبح کرتے کرتے تھک گئے اور پسینہ میں شرابور ہو گئے، گویا ہم ایک ایسے لشکر تھے جو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور ایک ایسا دستہ تھے جس کی اس کے دشمن کے خلاف مدد کی گئی اور جس نے اپنے طاقتور کو کمزور سے ملا دیا اور اپنے اچھے کو برے پر غالب کر دیا، فرط مسرت میں ہمیں اپنے اوپر قابو نہیں رہا اور دن بھر مارے خوشی کے کسی چیز کا ہوش نہیں رہا، اللہ ہی منعم وہاب ہے۔

9.7 لغوی تحقیق

الصید ج صیود	شکار

أطال، يطيل إطالة (باب إفعال)	دراز کرنا
مؤيّد	مضبوط کیا ہوا، تائید بخشا ہوا
أيد يؤيد تائيدا (باب تفعيل)	مضبوط کرنا، تأیید بخشنا
متّع، يمتع، تمتيعا (باب تفعيل)	فائدہ پہنچانا
لقّى، يلقّي، تلقية (باب تفعيل)	عطا کرنا، دینا
المقتنص ج المقتنصون	شکار کرنے والا
متطرف ج المتطرفون	انتہا پسند، غیر معتدل
المتصيّد ج المتصيدون	شکار کرنے والا
اليمن	برکت
تمكين: مكّن له في الشيئ (باب تفعيل)	کسی چیز پر قادر بنانا، طاقت واقتدار دینا
الغاية ج غايات	مقصد، حد
النصَب	تھکن، تھکان
النافر ج نَفُر	بدک کر بھاگنے والا جانور، شکار کو بھڑکانے اور اس کو ہانکنے والا
طريدة ج طرائد	وہ شکار جس کا تعاقب کیا جائے
أمعن في الأمر، إمعانا (باب إفعال)	کسی بات کی گہرائی میں جانا
أمعن في النظر	گہری نظر سے دیکھا
البُهر	سخت تکان کے نتیجہ میں سانس منقطع ہو جانا
الأرب	مقصد
الطرَب	مستی، بے خودی، خوشی سے جھوم اٹھنے کی کیفیت
أعدى	تیز دوڑنے والا
جارحة ج الجوارح	شکاری درندہ یا پرندہ یا کتا
ضارية ج الضواري، الكلاب الضواري	درندے، شکار کے لیے تربیت یافتہ کتے
طَرْف ج أطراف	آنکھ، کنارہ، نوک
عوّد (تفعيل) تعويدا	عادی بنانا
سبر (باب نصر) سبرا	آزمانا، جانچنا
علم ج أعلام	نشان، راستہ کا نشان

المخبورة	آزمودہ، تجربہ یافتہ
خبر (باب نصر) خبرا	آزمانا، تجربہ سے جاننا
الفراهة	چستی و چالاکی، مہارت
فره (باب كرم) فراهة وفروهة	ماہر ہونا، سبک ہونا
الشهرية	ترکی گھوڑے
النجابة	ہوشیاری
أمطر، إمطارا (باب إفعال)	بارش برسانا
الجري	دوڑنا
ألهج، يلهج، إلهاجا (باب إفعال)	فریفتہ کرنا
المجثم ج المجاثم	بیٹھنے کی جگہ
جثم (باب نصر و ضرب) جثما	سینہ کو زمین سے لگانا
متدارک	مسلسل
ربا، يربو، ربوا (باب نصر)	زیادہ ہونا، بڑھنا
زهر (باب فتح) زهرا	روشن ہونا
القتام	کالا غبار
سنبک ج سنابک	کھر کا کنارہ
إعصار ج أعاصير	بگولہ
غلوة ج غلوات	تیر جو انتہا تک پھینکا جائے، تیر کے پہنچنے کی حد
النُوّار: نُوّارة ج نواوير	پھول
مرح (باب سمع) يمرح، مرحا	بہت زیادہ خوش ہونا، اترانا
اجتذب، يجتذب، اجتذابا (باب افتعال)	کھینچنا، مائل کرنا
ضبابة	کہر، بادل
دمثة	نرم ریتیلی جگہ
مغدقة	کشادہ
حَرّة	سیاہ پتھروں والی زمین
جَونة	سیاہ

انجلى، ينجلى، انجلاء (باب انفعال)	ظاہر ہونا
أمكن الأمر فلانا و لفلان، إمكانا (باب إفعال)	آسان ہونا، ممکن ہونا
رعلة ج رعال، أرعال، أراعيل	تھوڑے گھوڑوں کا یا گایوں کا گلہ
خلفة	باقی ماندہ چیز
ريم ج آرام	سفید ہرن
منّع، يمنع، تمنيعا (باب تفعيل)	محروم کرنا، روکنا
رتع يرتع، رتعا (باب فتح)	فراخی کے ساتھ کھانا پینا
أذهل، يذهل، إذهالا (باب إفعال)	غافل کر دینا
أنيق	خوبصورت
حسّ	آہٹ
عاج، يعوج، عوجا (باب نصر)	مڑنا، تیڑھا ہونا
شاخص	نگاہ اٹھا کر دیکھنے والا
مِقود ج مقاود	لگام، جانور کو کھینچنے کی رسی
حَفَّ (باب نصر)، حفا	سرسراہٹ ہونا
حفيف	سرسراہٹ، درختوں کے پتوں کی آواز
سَفّ الأرض، يَسِفُّ، سَفًّا (باب ضرب)	زمین سے قریب ہو کر اڑنا یا گذرنا
حارشة: حرش (باب ضرب) حرشا	خراش لگانا
ناعر	چیخنے والا
صائح	شور مچانے والا
ناعق: نعق الراعي بغنمه، نعقا (باب ضرب و سمع)	چرواہے کا بکریوں کو آواز دینا اور ڈانٹنا
فدّى فلانا بنفسه، تفدية (باب تفعيل)	اپنے متعلق کہنا کہ میں تمہارے اوپر فدا کیا جاؤں
طامح	سرکش
سانح ج سوانح	دائیں جانب سے آنے والا
بارح	بائیں جانب سے آنے والا، عرب سانح سے نیک شگون اور بارح سے بدشگون لیا کرتے تھے
ركض (باب نصر)، ركضا	ایڑ لگانا

خافق	غائب
الهج (فلانا بالشيئ)، إلهاجا	فریفتہ کرنا
مال (باب ضرب)، ميلاو ميلانا	جھکنا، مائل ہونا
دليل ج أدِلّاء	رہبر
أحكم (باب افعال)، إحكاما	مضبوط کرنا
مِذنَب ج مذانِب	ندی، نالی، پانی کا راستہ
غدير ج غدران	کنڈ، تالاب
أفيح	کشادہ
مستأجمة	گھنے، ایک دوسرے سے ملے ہوئے
تَلوين ج تلاوين، تلاوين الشجر	قسم قسم کے درخت
التف الثعبان، يلتف، التفافا (باب افتعال)	سانپ کا بل کھانا، لپٹنا
الخَمَر	درخت، گھنی جھاڑیاں
ذعر (باب فتح) ذعرا	ڈرانا، دہشت دلانا، خوف زدہ کرنا
صفر (باب ضرب) صفيرا	ہونٹوں سے سیٹی بجانا، ہونٹوں سے آواز نکالنا
نفير	بگل بجانے کا سنکھ، بگل
حتف ج حتوف	موت
ثار، يثور، ثورا و ثورانا (باب نصر)	پھیلنا
خفقة ج خفقات	پھڑ پھڑاہٹ
انبرى ينبرى انبراء (باب انفعال)	سامنے آنا، مقابلہ پر آنا
باز ج بُزاة	باز، شکرا
صقر ج صقور	شکرا
كاسرة: كسر الطائر جناحيه يكسر كسرا (باب ضرب)	پرندہ کا اترنے کے لیے پروں کو سمیٹنا
نضيح ج نُضُح	پسینہ
كتيبة ج كتائب	لشکر کا حصہ
بغية	مطلوب، مقصد
سريّة ج سرايا	فوج کی ایک ٹکڑی

استفاق یستفیق استفاقا (باب استفعال)	ہوش میں آنا، بیدار ہونا
الجذل	خوشی
أفق ج آفاق	کنارہ
سئم یسأم سآمة (باب سمع)	اکتا جانا، بیزار ہونا
ظفر یظفر ظفرا (باب سمع)	پانا، کامیاب ہونا

9.8 ادبی صنف کا تعارف

متن کا تعلق نثری ادب کے اصناف میں فن رسائل سے ہے۔

9.8.1 متن سبق کا موضوع

شکار کے واقعات کی تصویر کشی۔

9.8.2 متن سبق کی توضیح وتشریح

یہ طویل خط تین بڑے پیرا گراف پر مشتمل ہے، ہر پیرا گراف بعد والے پیرا گراف کی تمہید اور مقدمہ ہے، تمام پیرا گراف آپس میں مرتب اور باہم مربوط ہیں، عبدالحمید الکاتب سے پہلے یہ منطقی تقسیم وترتیب اور یہ طوالت عربی نثر میں نہیں پائی جاتی تھی، غالب گمان یہی ہے کہ فارسی اور یونانی ثقافت سے متاثر ہوکر آپ نے یہ طریقہ اپنایا، عبدالحمید الکاتب سے پہلے خطوط مختصر لکھے جاتے تھے اور ان میں پیرا گراف وغیرہ کا بہت زیادہ اہتمام نہیں ہوتا تھا، یہ خط مندرجہ ذیل اشیا پر مشتمل ہے ۔

تمہید میں سفر کی کامیابی اور شکار کی کثرت اور اس سلسلہ میں پیش آنے والی صعوبتوں اور مشکلات کا اجمالی تذکرہ ہے

دوسرے پیرا گراف میں شکار کی تفصیلات، شکاری جانوروں کی خوبیوں کا نمایاں طور پر تذکرہ کیا گیا ہے جس میں ان کے حسب ونسب، جسمانی ساخت، برق رفتاری، تیز نگاہی اور شکار پر جھپٹنے کے منظر کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ قاری کی آنکھوں میں شکار کا سارا منظر گھوم جاتا ہے۔

تیسرے پیرا گراف میں ایسی شکارگاہ کا تذکرہ ہے جو گھنی جھاڑیوں اور مختلف قسم کے درختوں سے گھری ہوئی تھی، آج تک وہاں نہ کسی کا گذر ہوا تھا اور نہ ہی وہاں بسیرا کیے ہوئے پرندوں کو شکار کیے جانے کا ڈر تھا، اس مقام پر شکاری پرندوں باز، شاہین وغیرہ کو کام میں لایا گیا، ان پرندوں کی تصویر کشی اور شکار کے احوال کو اپنے جزئیات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

9.8.3 متن کی خصوصیات

یہ خط فن بلاغت کی بہت سی خوبیوں پر مشتمل ہے، طویل ہونے کے باوجود نہ کہیں تعقید لفظی ہے اور نہ تعقید معنوی، محسنات لفظیہ ومعنویہ کا حسین مرقع ہے۔ صاحب رسالہ نے جابجا تشبیہات واستعارات کا خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے، طوالت کے باوجود اس خط کی ساری کڑیاں آپس میں جڑی ہوئیں اور آپس میں ایک دوسرے سے بے انتہا مربوط ہیں۔ منظر کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے کہ قاری اپنے آپ کو صاحب خط کے ساتھ شکار کے ماحول میں محسوس کرتا ہے۔ زبان و بیان کی دلکشی، موزوں ومناسب الفاظ کا استعمال اور خیالات کو فصیح وبلیغ جملوں کا جامہ متن کی

خوبصورتی کو دوگنا کر دیتا ہے۔

9.8.4 اسلوبی خصوصیات

عبدالحمید الکاتب کا اپنا ایک منفرد اسلوب ہے جس سے وہ اپنے ہم عصروں میں نمایاں نظر آتے ہیں، جمال اس کی اہم خوبی اور نمایاں خصوصیت ہے، اس جمال کا منبع اور سرچشمہ اس میں پائے جانے والے دل چسپ خیالات، باریک منظرکشی، معنوی چیز کو محسوس کا لباس پہنانا اور محسوس کو معنوی شکل میں ظاہر کرنا ہے۔

وہ ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو قریب المعنی اور قوی الترکیب ہوں، ان کا مقولہ ہے: بہتر کلام وہ ہے جس کے الفاظ طاقتور اور معنی میں جدت ہو، آپ کے کلام میں مترادفات اور قافیہ کا استعمال کثرت سے ملتا ہے، آپ حضرت علیؓ کے اسلوب سے کافی متاثر تھے، ایک دفعہ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو بلاغت میں اتنی مہارت کیسے حاصل ہوئی؟ آپ نے جواب دیا: ہمیشہ سر مونڈھنے کے عادی شخص کا کلام حفظ کرنے سے، آپ کی مراد حضرت علیؓ تھے، آپ نے مسجع مقفی نثر نگاری میں مبالغہ سے کام لیا اور مترادفات کا بھرپور استعمال کیا، اس کا آپ کو کافی اہتمام ہوا کرتا تھا، جس کی وجہ سے یہ آپ کی تحریر کی خاص شناخت بن گئی، مترادفات اور قافیہ کو ترجیح دینے کے دو اسباب ہیں، ایک فارسی اور عجمی اثرات سے آپ کا متاثر ہونا، اکثر و بیشتر عجمی عبارتوں میں طوالت، تفصیل اور استقصا پایا جاتا ہے، دوسرا سبب آپ کی طبیعت کا موسیقی کی طرف میلان، جس کی وجہ سے آپ ترجیحاً ایسے الفاظ اور جملے استعمال کرتے تھے جو نغمگی سے ہم آہنگ ہوں اور یکے بعد دیگرے ایسے جملے لاتے جو آپس میں قافیہ کے اعتبار سے یکساں ہوں، جیسے (و أكرمها أجناسا، و أعظمها أجساما، و أحسنها ألوانا، و أحدها أطرافا، و أطولها أعضاء)

زمانہ قدیم سے شکار کے لوگ شائق اور دلدادہ رہے ہیں اور ہر ماہر شکاری اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے اپنے شکار کا حال بیان کرتا ہے، عبدالحمید الکاتب نے بھی اپنے شکار کا حال بیان کیا، اس میں جو حالات یا واقعات ذکر کیے گئے ہیں وہ کوئی انوکھے یا نئے نہیں ہیں، لیکن عبد الحمید الکاتب نے ان معانی کو منتخب الفاظ کا جامہ پہنا کر ایک ایسے نئے اسلوب میں پیش کیا ہے جس میں جمال و طرافت کے ساتھ شائقان ادب کی تسلی کا بھرپور سامان بھی موجود ہے۔

عبدالحمید الکاتب نے اپنے **رسالة وصف الصيد** کو کئی مناسب اجزا پر تقسیم کیا ہے، ہر کڑی دوسری کڑی سے جڑی ہوئی اور آپس میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہے، افکار کی ترتیب اور ان کے تسلسل میں کہیں کوئی جھول نظر نہیں آتا، شروع سے آخر تک عبارت میں نہ کوئی اضطراب ہے اور نہ بے جا تفصیل، ہر لفظ اپنی جگہ سلیقہ سے جڑا ہوا اور منظرکشی میں اس کا وجود ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بلاغت تین علوم پر مشتمل ہے: (۱) علم البیان (۲) علم المعانی (۳) علم البدیع

علم البدیع کی دو قسمیں ہیں: (۱) محسنات لفظیہ (۲) محسنات معنویہ

عبد الحمید الکاتب کا یہ خط علوم بلاغت کے جواہر پاروں اور ادبی محاسن کا شاہکار ہے، ان کے کلام میں بیک وقت صنعت معنویہ اور صنعت لفظیہ اور فصاحت و بلاغت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے، ان کے اس وقیع مضمون پر سرسری نظر ڈالنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں مختلف انداز سے مافی الضمیر کے اظہار پر کیسی زبردست قدرت حاصل تھی، ذیل میں ہم نمونے کے طور پر چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

بغیر تکلف کے سجع کا استعمال:

کاتب نے بہت ہی خوبی کے ساتھ اس خط میں سجع (جس کا تعلق علم البدیع میں محسنات لفظیہ سے ہے) کا استعمال کیا ہے، جو پڑھنے والے میں ذوق وتشویق اور انبساط کی کیفیت پیدا کرتا ہے، جہاں بھی سجع کا استعمال ہوا ہے وہ بے تکلف ہے، جیسے (لتفاوت سبقها، و منقطع هر بها، و متفرق سبلها، و تناول الأرب، و نهاية الطرب، و معنا من نفائس الخيل المخبورة الفراهة، من الشهرية الموصوفة بالنجابة، و الجرى و الصلابة)

سجع کی تعریف: دو فاصلوں کا آخری حرف میں موافق ہونا ہے، سب سے عمدہ سجع وہ ہے جس کے فقروں میں مساوات ہو۔

جناس:

کاتب نے اس خط کو جناس غیر تام (از قسم محسنات لفظیہ در علم بدیع) سے بھی مزین کیا ہے جیسے: سبرت أعلام المواقف، و خبرت المجاثم، اس مثال میں سبرت اور خبرت دو کلمے استعمال کیے گئے ہیں جن میں نوعیت حروف کو چھوڑ کر بقیہ دیگر امور (ہیئت، تعداد، ترتیب) میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔

جناس غیر تام کی دوسری مثال: لا نملک أنفسنا مرحا، و لا نستفيق من الجذل بها فرحا ان فقروں میں مرحا اور فرحا میں صرف میم اور فاء کا فرق پایا جاتا ہے۔

جناس غیر تام کی تیسری مثال: و تناول الارب و نهاية الطرب اس میں الأرب اور الطرب میں صرف نوعیت کا فرق ہے اور وہ الف اور طاء ہے

جناس کی تعریف: دو لفظ بولنے میں ایک جیسے ہوں اور معنی میں مختلف ہوں۔

جناس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جناس تام (۲) جناس غیر تام

جناس تام کی تعریف: جناس تام وہ ہے جس میں دو لفظ چار امور میں یکساں ہوں:

(۱) نوعیت حروف (الف، با، تا، ثا، جیم وغیرہ)

(۲) شکل یعنی ہیئت حروف (حرکت وسکون وغیرہ)

(۳) تعداد حروف

(۴) ترتیب حروف

جناس غیر تام کی تعریف: جناس غیر تام وہ ہے جس میں دو لفظ مذکورہ چار امور میں سے کسی ایک میں مختلف ہوں۔

اس خط میں طباق (جو علم البدیع کی محسنات معنویہ سے تعلق رکھتا ہے) کی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں جیسے و أعجزنا البهر عن اللحاق بها لتفاوت سبقها، ألحقت ضعيفها بقويها، و غلبت محسنها بمسيئها، يرفعن الطلب لها و يخفضن الظفر بها

پہلی مثال میں اللحاق کے مقابلہ میں سبق کا لفظ لایا گیا۔

دوسری مثال میں ضعیف کی ضد قوي کا ذکر کیا گیا۔

تیسری مثال میں محسن کے مقابل مسيء لایا گیا۔

چوتھی مثال میں یرفعن کی نقیض یخفضن استعمال ہوئی ہے۔

لہذا ان چاروں مثالوں میں طباق ایجاب پایا جاتا ہے۔

طباق کی تعریف: کلام میں کسی شی اور اس کی ضد کو جمع کرنے کا نام طباق ہے۔

طباق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) طباق ایجاب (۲) طباق سلب

طباق ایجاب کی تعریف: طباق ایجاب وہ طباق ہے جس میں ضدین ایجاب وسلب میں مختلف نہ ہوں۔

طباق سلب کی تعریف: طباق سلب وہ ہے جس میں ضدین ایجاب وسلب میں مختلف ہوں۔

اس خط میں تشبیہات کی مثالیں بھی موجود ہیں جیسے كأنا كتيبة ظفرت ببغيتها و سرية نصرت على عدوّها اس جملہ میں تشبیہ مفصل اور تشبیہ مرسل ہے۔

تشبیہ کی دوسری مثال فمرّت تحف حفيف الريح عند هبوبها اس جملہ میں کاتب نے شکاری جانوروں کی دوڑ کو برق رفتاری میں تیز وتند چلنے والی ہوا سے تشبیہ دی لہذا یہ تشبیہ مؤکد و مجمل ہے کیونکہ اس میں حرف تشبیہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دیا گیا۔

اسی طرح یہ مثال بھی ہے: قدمز قتها تمزيق الريح الجرداء

تشبیہ مرسل کی تعریف: تشبیہ مرسل وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ مذکور ہو۔

9.9 اکتسابی نتائج

عبدالحمید الکاتب جن کے بارے میں مشہور ہے کہ انشا پردازی کا آغاز عبدالحمید سے ہوا اور انتہا ابن العمید پر ہوئی، آپ نے بعد میں آنے والے انشا پردازوں کے لیے ایک نیا منہج قائم کیا اور فن رسائل کی داغ بیل ڈالی اور ادیبوں نے آپ کی تقلید کی، اس طرح فن رسائل کو خوب فروغ حاصل ہوا، وصف الصید کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ اس ادیب کو کسی بھی منظر کو دل نشیں پیرایہ میں بیان کرنے کی بھرپور صلاحیت اور جملوں کو مختلف انداز میں ڈھالنے کی زبردست قدرت اور الفاظ کو مناسب مواقع پر استعمال کرنے کی غیر معمولی لیاقت حاصل تھی۔

عبدالحمید الکاتب اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ شکار کے لیے نکلے، شکار کے بعد آپ نے امیر المؤمنین مروان بن محمد کو شکار کے حالات سے واقف کراتے ہوئے ایک خط لکھا، اس خط میں اس پورے واقعہ کی اس طرح منظر کشی کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود شکار گاہ پر موجود اور شکار کرنے میں برابر کا شریک ہے، شکار کے مشکلات، شکاریوں کی انتھک کوشش اور شکار کی جستجو میں پیش آنے والے خطرات و مشکلات، حالات کی سنگینی اور شکار گاہ کی صعوبتیں، ان تمام کو عبدالحمید الکاتب نے بہترین انداز میں پیش کیا ہے، ساتھ ہی شکاری کتوں اور پرندوں کے اوصاف اور ان کی کیفیت، ان کے خونخوار حملے اور شکار کی تلاش وجستجو میں ان کی بھاگ دوڑ، شکار کے ٹھکانوں کو پہچاننے میں ان کی مہارت، شکار کے وقت پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ اور شکاری کتوں اور پرندوں کا ان پر حملہ، اس وقت لوگوں کی کیفیت اور ان کے اضطراری افعال کا جس باریک

بینی اور دقت نظری سے اس خط میں نقشہ کھینچا گیا ہے وہ قاری کے سامنے اس سارے منظر کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ قاری میں کسی قسم کی تشنگی باقی نہیں رہتی۔

پہلے پیراگراف میں کاتب نے امیر المؤمنین کو درازیٔ عمر کی دعائیں دیتے ہوئے اجمالاً شکار کا سارا حال یوں بیان کیا کہ اللہ نے ہمیں اس سفر میں بڑی خیر و برکت سے نوازا، شروع میں دشواریوں کا سامنا ہوا اور مشقت اٹھانی پڑی لیکن بالآخر ہمیں بڑی کامیابی اور بے پناہ مسرت حاصل ہوئی۔

دوسرے پیراگراف میں مصور نے شکاری جانوروں، کتوں، گھوڑوں اور پرندوں کے اوصاف، ان کی نسل، ان کے عادات واطوار، ان کی جسامت، رنگت، قد وقامت، سبک رفتاری، تیز نگاہی، شکار پر ان کی مضبوط گرفت اور ان کی بہترین تربیت کا تذکرہ کیا ہے، علاوہ ازیں دوران شکار برسات کے برسنے سے زمین کے لالہ زار ہونے، پھول وکلیوں کے کھلنے اور باغیچوں کے مہکنے اور خلا کے صاف وشفاف ہونے کے منظر کو پیش کیا گیا ہے مزید برآں ہرنیوں اور خرگوشوں وغیرہ کے شکار کا حال بیان کیا گیا ہے۔

تیسرے پیراگراف میں ایک ایسی شکارگاہ کا تذکرہ ہے جو ڈھیر سارے پرندوں سے بھری پڑی تھی، شکار کے لیے جب طبل بجایا گیا تو اپنی کثرت کی وجہ سے وہ افق پر چھاگئے اور بیک وقت اڑنے کی وجہ سے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ نے شکاری جانوروں کو ڈرا دیا تو ان کے شکار کے لیے باز اور شکروں سے مدد لی گئی اور شکار اس قدر شکاریوں کے ہاتھ لگے کہ وہ ذبح کرتے کرتے تھک گئے اور فرط مسرت میں جھومنے لگے اور ان کی زبانیں شکار کی فراوانی پر اللہ کا شکر بجالانے میں مشغول ہوگئیں۔

9.10 نمونے کے امتحانی سوالات

۱۔ خطوط نگاری، اس کے عناصر اور اقسام پر جامع نوٹ تحریر کیجیے۔

۲۔ عبد الحمید الکاتب اور اس کی انشا پردازی واسلوب نگارش پر سیر حاصل بحث کیجیے۔

۳۔ ''وصف الصید،، کا خلاصہ قلمبند کیجیے۔

۴۔ رسالہ ''وصف الصید''میں پائی جانے والی ''جناس'' اور ''طباق'' کے مواقع کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی تفہیم کیجیے۔

۵۔ مندرجہ ذیل عبارت کا بحوالہ متن ترجمہ وتشریح کیجیے۔

فَإِذَا نَحْنُ بِرَعْلَةٍ مِّنْ ظِبَاءٍ ، وَخِلْفَةِ آرَامٍ يَرْتَعْنَ آنِسَاتٍ ، قَدْ أَحَالَتْهُنَّ الضَّبَابَةُ عَنْ شَخْصِنَا ، وَأَذْهَلَهُنَّ أَنِيْقُ الرِّيَاضِ عَنْ اسْتِمَاعِ حِسِّنَا ، فَلَمْ نَعُجْ إِلا وَالضَّوَارِي لائِحَةٌ لَهُنَّ مِنْ بُعْدِ الْغَايَةِ ..... فَأَمَرْتُ بِإِرْسَالِهَا عَلَى الثِّقَةِ بِمَحْضَرِهَا ، وَسُرْعَةِ الْجَوَارِحِ فِيْ طَلَبِهَا ، فَمَرَّتْ تَحُفُّ حَفِيْفَ الرِّيْحِ هُبُوْبِهَا ، تُسِفُّ الأَرْضَ سَفًّا ، كَاشِفَةً عَنْ آثَارِهَا ، طَالِبَةً لِخِيَارِهَا ، حَارِشَةً بِأَظْفَارِهَا ، قَدْ مَزَّقَتْهَا تَمْزِيْقَ الرِّيْحِ الْجَرْدَاءِ ؛ فَمِنْ صَائِحٍ بِهَا

وَنَاعِرٍ ، ... يَدْعُوْ الْكَلْبَ بِاسْمِهِ ، وَيُفَدِّيْهِ بِأَبِيْهِ وَأُمِّهِ ؛ وَرَاكِضٍ تَحُثُّ مفره .... قَدْ حَيَّرَتْنَا الْكَثْرَةُ وَأَلْهَجَتْنَا الْقُدْرَةُ.

٦۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور ترجمہ کیجیے۔

ثم ملنا يا أمير المؤمنين بهداية دليل قد أحكمته التجارب ، وخبر أعلام المذانب ، إلى غدير أفيح ، وروضة خضرة ، مستأجمة بتلاوين الشجر ، ملتفة بصنوف الخمر ، مملوءة من أنواع الطير ، لم يذعرهن صائد ، و لا اقتنصهن قانص ، فخفق لها بطبول ، وصفر بنفير الحتف ، فثار منها ما ملأ الأفق كثرتها ، وراعت الجوارح خفقات أجنحتها ؛ ثم انبرت البزاة لها صائدة ، والصقور كاسرة ، والشواهين ضاربة ، يرفعن الطلب لها ، ويخفضن الظفر بها ، حتى سئمنا من الذبح ، وامتلأنا من النضيح ، كأنا كتيبة ظفرت ببغيتها ، وسرية نصرت على عدوها

9.11 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

١۔البيان و التبيين	للجاحظ
٢۔الفهرست	لابن النديم
٣۔عيون الأخبار	لابن قتيبه
۴۔ عربی ادب کی تاریخ	عبدالحلیم ندوی
۵۔الفن و مذاهبه فی النثر العربي	شوقی ضيف
٦۔أمير البيان	لكرد على
۷۔العقد الفريد	لابن عبدربه
٨۔الجامع فی تاريخ الأدب العربي	لحنا الفاخوري
٩۔وفيات الأعيان	لابن خلكان
١٠۔المفيد فی الأدب العربي	لجماعة من الكتاب

اکائی 10 : في فضل الأقدمين:ابن المقفع

اکائی کے اجزا

10.1 مقصد

10.2 تمہید

10.3 متن سبق

10.4 صاحب سبق کا تعارف

10.4.1 عملی زندگی

10.4.2 قتل

10.4.3 سیرت واخلاق

10.4.4 زبان وبیان کی خوبی

10.4.5 عربی ترجمے

10.4.6 تالیفات

10.5 متن کا ترجمہ

10.6 لغوی تحقیق

10.7 ادبی صنف کا تعارف

10.7.1 صنف کی ہیئت وصورت

10.8 متن سبق کا موضوع

10.9 متن سبق کی توضیح وتشریح

1010 متن کی خصوصیات

10.11 اسلوبی خصوصیات

1012 اکتسابی نتائج

10.13 نمونے کے امتحانی سوالات

10.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

10.1 مقصد

ابن المقفع عصر عباسی اول کا نہایت عظیم ادیب گذرا ہے، جو اپنی عربی نثر نگاری میں یگانۂ روزگار اور ممتاز مقام رکھتا ہے، یہاں پر یہ سبق "في فضل الأقدمين" جو کہ دراصل ابن المقفع کی کتاب "الأدب الكبير" کا مقدمہ ہے، اس کے پڑھنے کے بعد قاری اور طلبہ اس صاحب بصیرت، علم شناش، عربی داں، صاحب طرز ادیب کا ایک پیراگراف جو کہ ادب کا اعلی نمونہ ہے، اس کی طرز نگارش، اس کے اسلوب تحریر، اس کی فکری افق اور بصیرت کا اندازہ کرسکیں گے اور علم وادب کے موتی اور مونگے اور زبان وبیان کا اسلوب بھی جان سکیں گے اور اس تحریر سے استفادہ اور اس کے زبان وبیان سے شناوری بھی حاصل ہوگی، جو نہایت سلیس، چھوٹے چھوٹے، جملوں اور فقروں پر مشتمل ادب وبیان کا ایک شہہ پارہ ہے۔

10.2 تمہید

عصر عباسی اول میں علوم وفنون کو خوب رواج حاصل ہوا، نثر نگاری خوب پروان چڑھی، ترجمہ نگاری کا فن اپنے اوجِ کمال کو پہنچا، بہت سی یونانی اور دیگر زبانوں کی کتابیں نیز علوم وفنون عربی زبان میں منتقل ہوئے۔ منصور کے زمانے میں نجوم، ہیئت اور طب کی کتابوں کی ایک بڑی تعداد عربی میں منتقل ہوئی۔ رشید کے زمانے میں المجسطی کا ترجمہ ہوا۔ مامون نے دار الحکمت محض اس غرض سے قائم کیا کہ ادب وعلوم وحکمت کی ان تمام کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرایا جائے جو عبرانی، سریانی، سنسکرت اور دیگر زبانوں میں مل سکیں۔ فلسفہ منطق، ادب وطب اور نجوم وغیرہ کا بڑا سرمایہ اس عہد میں منتقل ہوا۔ ان تراجم کے کام کرنے والوں میں سرفہرست عبد اللہ بن المقفع، آل نو بخت، فضل بن نو بخت، موسی بن خالد اور ان کے بھائی یوسف بن خالد، علی بن زیاد التیمی شامل ہیں۔ ان میں بیشتر فارسی قدیم (پہلوی) زبان سے ترجمہ کرنے والے ہیں، سنسکرت (ہندی) کے ترجمہ کرنے والوں میں سکہ الہندی، ابن دہن شامل ہیں، ابن وحشیہ نے زراعت وباغبانی کی کئی عمدہ کتابیں قبطی (کلدانی) سے عربی میں منتقل کی۔ نجوم، طبعیات اور میکانیات کے تراجم میں موسی بن شاکر اور اس کے لڑکے کا بڑا کردار رہا، اس دور میں فلسفہ، ادب، منطق، طب، ریاضیات، نجوم، ہیئت، ہندسہ، زراعت، باغبانی، سحر، طلسمات اور تاریخ وقصص کے کئی سو کتابیں ان تمام زبانوں سے حاصل کی گئیں اور بہت جلد عربی زبان کا بیش بہا سرمایہ بن گئیں۔ عبد اللہ بن مقفع بھی اس دور کا ایک ترجمہ نگار اور صاحب طرز ادیب گذرا ہے، جس کی ترجمہ نگاری اور ادب کو خوب سراہا گیا۔ قاری کو چھوٹے چھوٹے، سہل انداز، مفہوم اور معلوم جملوں میں اپنی بات کرنے میں اس کا خاص اسلوب رہا ہے، اس کی کتابوں خصوصا کلیلة و دمنة اور الأدب الكبير کو نثر نگاری کا ایک اعلی نمونہ تصور کیا جاتا ہے، جو اپنی تحریری خوبیوں، طرز نگارش اور اسلوب وادا کے لحاظ سے ادب کے عظیم شاہ پارے شمار ہوتے ہیں۔

10.3 متن سبق

إِنَّا وَجَدْنَا النَّاسَ قَبلَنَا كَانُوْا أَعْظَمَ أَجْسَامًا، وَأَوفَرَ مَعَ أَجْسَامِهِمْ أَحْلامًا، وَأَشَدَّ قُوَّةً، وَأَحْسَنَ بِقُوَّتِهِمْ للأمور إِتْقَانًا، وَأَطْوَلَ أَعْمَارًا، وَأَفْضَلَ بِأَعْمَارِهِمْ لِلأَشْيَاءِ اِخْتِبَارًا. فَكَانَ صَاحِبُ الدِّيْنِ مِنْهُمْ أَبْلَغَ فِي أَمْرِ الدِّيْنِ عِلْمًا وَعَمَلاً مِنْ صَاحِبِ الدِّيْنِ مِنَّا، وَكَانَ صَاحِبُ الدُّنْيَا عَلى مِثْلِ ذٰلِكَ مِنَ الْبلاَغَةِ وَالْفَضْلِ.

وَوَجَدْنَاهُمْ لَمْ يَرْضَوْا بِمَافَازُوْا بِهِ مِنَ الْفَضْلِ الَّذِيْ قُسِمَ لَهُمْ لأَنْفُسِهِمْ حَتّٰى أَشْرَكُوْنَا مَعَهُمْ فِيمَا أَدْرَكُوا مِنْ عِلْمِ الأُولٰى

وَالآخِرَةِ، فَكَتَبُوا بِهِ الكُتُبَ البَاقِيَةَ، وَضَربُوا الأَمثالَ الشَّافِيةَ، وَكَفَوْنَا بِهِ مَؤُونَةَ التَّجارِبِ وَالفِطَنِةِ وَبلغَ مِن اِهتمامِهم بِذلكَ أَنَّ الرَّجلَ مِنهمْ كانَ يُفتَحُ لَه الْبابُ مِنَ العِلمِ، أَوِ الكلِمةِ مِن الصَّوابِ - وَهُو فِي الْبلَدِ غَيرِ المَأهُولِ - فَيَكْتُبُه على الصُّخُورِ، مُبادَرَةً لِلأَجلِ وَكَراهِيةً مِنهُ أَنْ يسقُطَ ذٰلكَ عَمَّنْ بعدَهُ.

فَكانَ صَنِيعُهُمْ فِي ذلكَ صَنِيعَ الْوَالِدِ الشَّفِيقِ عَلٰى وُلْدِه، اَلرَّحِيمِ البَرِّ بِهِمْ، الذي يَجْمعُ لَهُم الأَموَالَ وَالعُقَدَ: إِرادةَ أَن لاتكونَ علَيهِمْ مَؤُونةً فِي الطَّلبِ، وَخشيةَ عَجزِهِمْ، إِن هُمْ طَلَبُوْا.

فَمُنتهى عِلمِ عالِمِنَا فِي هذا الزَّمانِ أَن يَأْخُذَ مِن عِلمهِمْ، وَغايةُ إِحسانِ مُحسنِنَا أَن يَقتَدِيَ بِسِيرتِهِمْ، وَأَحسنَ مَايصيبُ مِن الحديثِ مُحَدِّثُنا أَن يَنظُرَ فِيْ كُتُبِهِمْ. فَيكونُ كَأَنَّه إِيَّاهُمْ يُحَاوِرُ، وَمِنهُم يَستَمِعُ، وَآثارَهُم يَتَّبِعُ، وعلٰى أفعالِهِمْ يَحتَذِيْ، وبِهِم يَقْتَدِيْ. غَيرَ أَنَّ الَّذِيْ نَجِدُ فِي كُتُبِهِمْ هُوَ الْمُنتَحَلُ مِن آرائِهِمْ والْمُنْتَقٰى مِن أَحادِيثِهِمْ.

وَلَم نَجِدْهُم غادَرُوا شَيئًا يَجِدُ واصِفٌ بلِيغٌ فِي صِفةٍ لَه غايةً لَم يَسبقُوهُ إِلَيها: لَا فِي تعظيمٍ لِلّٰه (عزّ و جل) وترغيبٍ فِيْمَا عِنْده، وَلا فِي تَصغِيرٍ لِلدُّنيَا وَتزهِيْدٍ فِيها، وَلا فِي تَحريرِ صُنوفِ الْعِلمِ وَتقسيمِ قِسَمِها وَتَجزِئَةِ أَجزائِها وَتوضِيحِ سُبُلِها وَتبيِينِ مآخِذِهَا، ولا فِي وَجهٍ مِن وُجوهِ الأَدبِ وَضُروبِ الأَخْلاقِ. فَلم يَبقَ فِي جَلِيلِ الأَمرِ ولا صَغِيرِه لِقائلٍ بَعدَهُم مَقالٌ. وَقدبَقِيَتْ أَشياء مِن لَطائفِ الأُمورِ فِيها مَواضِعُ لِغَوامِضِ الفِطَنِ، مُشْتَقَّةٌ مِن جِسامِ حِكَمِ الأَوَّلِينَ وَقولِهِمْ. فَمِن ذٰلكَ بَعضُ مَا أَنا كَاتِبٌ فِي كِتابِي هٰذا مِن أَبوابِ الأَدَبِ الَّتِي قديَحتاجُ إِلَيها النَّاسُ.

10.4 صاحب سبق کا تعارف

پورا نام ''ابومحمد عبداللہ بن المقفع''ہے، تاریخ وادب کی کتابوں میں بالعموم صرف 'ابن المقفع' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ عربی زبان کا بہت ہی مشہور ومعروف ادیب، دانشور، نثر نگار اور مترجم گزرا ہے۔ عربی ادب کی تاریخ اس کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ یہ پیدائشی اعتبار سے ایرانی النسل تھا اور مجوسی فکر وخیالات کا حامل تھا، پھر اسلام قبول کرلیا اور خلافتِ اموی وعباسی دونوں ادوار اس نے دیکھے۔ اس کا قدیم نام 'روزبہ' اور اس کے باپ کا قدیم نام 'داذویہ' ہے۔

اس کی پیدائش ایران کے ایک گاؤں میں ہوئی، خاندان شریفوں اور اصحابِ وجاہت لوگوں کا تھا، وطن میں رہ کر ہی اس نے فارسی اور پہلوی زبان میں تحریر وتقریر پر قدرت حاصل کی، اس کے والد عہد بنوامیہ میں حجاج بن یوسف کی ولایت کے زمانے میں فارس کے کسی نواحی صوبے میں محصلِ مالیات رہ چکے تھے، بعد میں انہیں بصرہ بھیج دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں کسی موقعے پر مالی خرد برد میں ملوث پایا گیا، جس کی بنا پر حجاج بن یوسف نے سخت سزا دی، ان کے ہاتھ اور انگلیوں پر خاص طور سے مارا گیا، جس کی وجہ سے ان کی انگلیاں شل ہوگئیں اور وہ ''المقفع'' کہلانے لگے، اسی مناسبت سے ان کے بیٹے کو ابن المقفع کہا گیا اور وہ علمی وادبی دنیا میں اسی سے مشہور ہوگیا۔

ابن المقفع جب سن شعور کو پہنچا، تو اس کے والد ان دنوں بصرہ میں مالیات کے شعبے میں سرکاری ملازم تھے، انھوں نے بیٹے کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی اور باقاعدہ استاذ رکھ کر اس کی تعلیم کا انتظام کیا۔ اسے مکمل طور پر پڑھنے لکھنے کے لیے فارغ کردیا، ابن المقفع پیدائشی طور پر ذہین تھا

اور طلب علم کا شوق رکھتا تھا؛ چنانچہ اس نے بہت جلد مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کر لی۔ اس نے یکے بعد دیگرے کئی اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، البتہ ان میں دو اساتذہ کا ذکر عام طور پر کتابوں میں آتا ہے: ایک ابوالغول اور دوسرے ثور بن یزید۔ عربی اس کی مادری زبان نہیں تھی، مگر اپنی توجہ اور محنت اور اساتذہ کی عنایت کی بہ دولت وہ بہت جلد اس زبان میں اس حد تک ماہر ہو گیا کہ عربی میں شاعری کرنے لگا، پھر شاعری بھی ہلکی پھلکی نہیں؛ بلکہ اعلیٰ درجے کی کرتا تھا؛ چنانچہ اس کے اشعار ابوتمام کی مشہور کتاب ''دیوان الحماسہ'' میں بھی نقل کیے گئے ہیں۔

10.4.1 عملی زندگی

ابن المقفع کی عملی زندگی زیادہ تر سرکاری ملازمتوں میں بسر ہوئی، ابتداءً وہ فارس کے ایک صوبے میں مسیح بن حواری نامی والی کے یہاں کاتب تھا۔ یہ عہدہ آج کل کے پرسنل سکریٹری یا ترجمان جیسا تھا۔ پھر کسی بنا پر مرکز سے مسیح بن حواری کی جگہ سفیان بن معاویہ بن یزید کو اس صوبے کا والی بنا کر بھیج دیا گیا۔ مسیح اپنا عہدہ چھوڑنے کو تیار نہ تھا؛ چنانچہ اس نے انکار کیا، ادھر سفیان بن معاویہ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا، بالآخر دونوں میں جنگ تک کی نوبت آ گئی اور سفیان کو شکست سے دوچار ہونا پڑا، ابن المقفع اس پورے سانحے میں مسیح بن حواری کے شانہ بہ شانہ رہا اور سفیان کی ہزیمت کے لیے اپنے طور پر اس نے مختلف حربوں اور پروپیگنڈوں سے کام لیا حتیٰ کہ سفیان کی خاندانی شرافت کو بھی نشانہ بنایا۔ کچھ دنوں بعد ابن المقفع کرمان میں داؤد بن یزید بن عمر بن ہبیرہ کا بھی کچھ مدت تک پرسنل سکریٹری رہا، اس کے بعد وہ بصرہ آ گیا اور دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے چچا عیسیٰ بن علی عباسی کے یہاں ملازم ہو گیا، اسی دوران وہ اسلام سے متاثر ہوا اور مجوسیت سے اسلام کی طرف منتقل ہو گیا۔ وہاں سے ترقی کر کے وہ سیدھے ابوجعفر منصور تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور اتنا ہی نہیں، دربارِ خلافت میں اعلیٰ منصب تک پہنچا اور خلیفہ کا ترجمان و سکریٹری بن گیا۔ اس کے شہرۂ آفاق ترجمہ ''کلیلہ ودمنہ'' کی تالیف کا یہی دور ہے۔ اس نے اپنی قابلیت اور خدمات کی بہ دولت علمی وادبی حلقوں کے علاوہ خلیفہ کے یہاں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔

10.4.2 قتل

136ھ میں جب خلیفہ ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا، تو اس کے ایک چچا عبداللہ بن علی العباسی نے بغاوت کر دی خلیفہ کی فوج سے مقابلہ ہوا، تو وہ شکست کھا گیا اور پناہ لینے پر مجبور ہوا، تو اپنے بھائی عیسیٰ بن علی العباسی اور سلیمان بن علی العباسی کو ساتھ میں بطور سفارشی لے کر ابوجعفر کے یہاں طلبِ امان کے لیے حاضر ہوا۔ چچا کی درخواست اور دوسرے چچاؤں کی سفارش سن کر خلیفہ نے کہا ٹھیک ہے، میں نے آپ لوگوں کی بات سن لی ہے اور حسبِ مرضی فیصلہ جلد ہی کروں گا؛ لیکن اس سے پہلے کہ خلیفہ کوئی فیصلہ سناتا، کسی مجلس میں ابن المقفع نے ایسی بات کہہ دی کہ خلیفہ امان دینے پر مجبور ہو گیا اور اپنی رضامندی ظاہر کر دی؛ لیکن خود اس سے سخت ناراض ہو گیا کہ اس نے ایسی سفارش کیوں کی؟ اب یہ خلیفہ کی نظر میں چڑھ گیا، مگر خلیفہ چوں کہ اس کا قدردان تھا؛ چنانچہ بجائے اس کے کہ خود اس کے خلاف کوئی قدم اٹھاتا، اسے اپنے یہاں سے ہٹا کر سفیان بن معاویہ، جو اس وقت بصرہ کا حاکم تھا، اس کی ماتحتی میں بھیج دیا۔ جیسا کہ مذکور ہوا مسیح بن حواری والے واقعے میں ابن المقفع نے کھل کر سفیان کی مخالفت کی تھی حتیٰ کہ اس کی خاندانی شرافت وغیرہ پر بھی سوال کھڑے کیے تھے؛ بلکہ تاریخ کی کتابوں میں تو اس کے تعلق سے عجیب عجیب باتیں لکھی ہیں، مثلاً یہ کہ ابن المقفع سفیان کے بارے میں کہتا تھا کہ وہ ایک بدچلن عورت کا بیٹا ہے، وہ اسے سامنے ہی نہایت بھدی اور ننگی گالیاں دیا کرتا تھا، سفیان اس سے اس

حد تک زچ ہوا کہ اس نے عہد کرلیا تھا کہ قابو پاتے ہی ابن المقفع کو نہایت دردناک طریقے سے قتل کرے گا اور اس کے ایک عضو کو کٹوا دے گا؛ چنانچہ اپنے یہاں ملازم ہونے کے بعد اس نے ابن المقفع کو کسی معاملے میں پھنسا دیا، جب اس کا پتا ابن المقفع کو چلا، تو اس نے پھر سفیان کو ماں کی گالی دی، اب اس کا غصہ ساتویں آسمان پر تھا۔ اس نے ملازمین سے کہا کہ ایک تندور میں آگ دہکائیں، پھر ابن المقفع کو بلوایا اور اس کا ایک ایک عضو کٹوا کر اس کے سامنے ہی اس آگ میں ڈلواتا رہا، حتی کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔ یہ واقعہ 142ھ میں پیش آیا، اس وقت ابن المقفع کی عمر کل 36 سال تھی۔ یہ خبر یقینا خلیفہ تک پہنچی ہوگی، مگر وہ تو پہلے ہی اس سے چڑا ہوا تھا؛ چنانچہ اس نے کوئی ایکشن نہیں لیا۔

10.4.3 سیرت واخلاق

ابن المقفع کی پوری زندگی پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ متضاد کرداروں کا مالک تھا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد پھر زندیق یعنی ملحد اور بے دین ہوگیا تھا، مگر یہ بات درست نہیں ہے، تھا تو وہ مسلمان ہی، البتہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اس کے عادات واطوار یا انفرادی واجتماعی زندگی پر کچھ خاص اثر نہیں پڑا تھا اور اس کی زندگی میں مذہبیت کے آثار کچھ زیادہ نہیں پائے جاتے تھے۔ ہاں البتہ انسانی جذبات اس کے یہاں بے پناہ پائے جاتے تھے؛ چنانچہ وہ ایک فیاض اور سخی انسان تھا، جذبۂ ایثار سے ہم کنار تھا، ضرورت مندوں اور مصیبت زدہ افراد کی مدد کرتا تھا، کئی بار اس نے اپنی جان پر کھیل کر دوسروں کو مصیبت سے نکالا اور انھیں نئی زندگی دی۔ اس نے جس قسم کی کتابوں کے ترجمے کیے ہیں، ان سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

10.4.4 زبان وبیان کی خوبی

ابن المقفع نے عموماً فارسی یا پہلوی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا ہے، کچھ اشعار بھی کہے ہیں، اس کی زبان میں سلاست وروانی، ایجاز واختصار، سہل نگاری خصوصاً مترادفات سے پرہیز کا وصف پایا جاتا ہے، جو اس دور کے عربی ادب میں عام طور پر رائج نہیں تھا، وہ مسجع عبارتوں کا استعمال تقریباً نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے بیان میں غموض وابہام ہوتا ہے، سچی بات یہ ہے کہ اس نے عربی ادب میں ترجمہ کے ایک بالکل نئے اور منفرد دور کا آغاز کیا اور اس کی بنا ڈالی، خلافت عباسیہ کے اوائل میں جب ترجمہ وتصنیف کا کام بڑے پیمانے پر سرکاری سرپرستی میں شروع ہوا، تو ابن المقفع اس تحریک کے سرخیلوں میں تھا اور اس نے علمی وعملی طور پر ترجمے کی تحریک کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

10.4.5 عربی ترجمے

ابن المقفع نے مختلف اہم کتابوں کا دوسری زبان سے عربی میں ترجمہ کیا ہے، ان میں مختلف موضوعات سے متعلق کتابیں شامل ہیں، بعض کتابوں کے نام اس طرح ہیں:

(1) **كليلة ودمنة** پہلوی سے عربی (حکیمانہ قصے واقوال)

(2) **كتاب الرسوم** پہلوی سے عربی (ایرانی آئین کا ترجمہ)

(3) **كتاب التاج** پہلوی سے عربی (نوشیرواں کی سوانح)

(4) **سير ملوك العجم** پہلوی سے عربی (عجمی بادشاہوں کی سوانح)

ارسطو اور فرفیوس صوری کی منطق و فلسفہ کی کتابوں کا فارسی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔

10.4.6 تالیفات

(1) الأدب الكبير — پندونصائح کا مجموعہ

(2) الأدب الصغير — پندونصائح کا مختصر مجموعہ

(3) الدرة اليتيمة — پندونصائح کا مختصر مجموعہ

(4) رسالة الصحابة

بعد میں کئی لوگوں نے اس کے اقوال، حکم، رسائل وغیرہ کو بھی کتابی شکل میں جمع کیا ہے۔

10.5 متن سبق کا ترجمہ

ہم سے پہلے کے لوگ جسمانی اعتبار سے عظیم ہونے کے ساتھ بڑی عقل والے بھی ہوتے تھے، طاقتور بھی ہوتے تھے، اپنی طاقت کا استعمال کر کے مختلف امور کو اچھی طرح انجام دیتے تھے، ان کی عمریں طویل ہوتی تھیں، وہ طویل العمر ہونے کے ساتھ چیزوں کی پہچان اور پرکھ کی صلاحیت بھی رکھتے تھے، ان میں سے جو مذہبی لوگ تھے، وہ ہمارے عہد کے مذہبی انسانوں سے علم و عمل میں بہتر تھے، اسی طرح اس زمانے کے جو اہلِ دنیا تھے، وہ بھی فضل و کمال میں ہمارے زمانے کے اہلِ دنیا سے فائق تھے۔

پھر جو علم و فضل اور کمالات انھیں مقدر کیے گئے تھے، وہ صرف انہی پر خوش نہیں ہو گئے؛ بلکہ انھوں نے حاصل کردہ دنیوی و اخروی علوم میں ہمیں بھی شریک کیا اور بہت سی باقی رہنے والی کتابیں لکھیں، تشفی بخش (عمدہ) مثالیں قائم کیں اور ہمیں تجربہ و ذہنی مشقت سے محفوظ رکھا۔ وہ اس بات کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر ان میں سے کسی پر علم کا کوئی دروازہ کھلتا یا کوئی درست بات معلوم ہوتی (اور وہ کسی غیر آباد مقام پر ہوتا) تو وہ اچانک موت کے اندیشے اور اس خیال سے کہ یہ بات آنے والی نسلوں تک پہنچنے سے رہ نہ جائے، اسے پتھروں یا چٹانوں پر لکھ لیتا۔ اس سلسلے میں ان کا رویہ ایک ایسے شفیق، مہربان و محسن باپ کی طرح تھا، جو اپنی اولاد کو محنت و مشقت اور تکلیف سے بچانے کے مقصد سے اموال و جائداد جمع کر کے رکھتا ہے۔

پس ہمارے عہد کے اہلِ علم کے علم کی انتہا یہ ہے کہ وہ ان کے علوم سے استفادہ کرے اور ہمارے دور کے نیکوکار کے حسنِ عمل کی غایت یہ ہے کہ وہ ان کے عمل کی پیروی کرے اور ہمارے عہد کے محدّث (یعنی بیان دینے والے واعظ) کی سب سے بہتر بات یہ ہے کہ وہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرے، یہ ایسا ہی ہے گویا وہ ان لوگوں سے بات چیت کر رہا ہے اور ان کی باتیں سن رہا ہے، ان کے نقشِ پا کی پیروی کر رہا ہے، ان کے اعمال کو اپنا رہا ہے اور ان کی اقتدا کر رہا ہے۔ البتہ ہم ان کی کتابوں میں جو کچھ پاتے ہیں، وہ ان کے منتخب آرا و افکار اور چنندہ باتیں ہیں۔

انھوں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی ہے، جس کی طرف کسی وقت پسند انسان کا ذہن جاتا ہو، چاہے اللہ عز و جل کی عظمت بیان کرنے اور اس کے پاس موجود نعمتوں کی ترغیب دلانے کی بات ہو یا دنیا کی تحقیر اور اس سے احتراز کرنے کی، چاہے علم کے انواع و اصناف کا بیان اور مختلف اقسام میں اس کی تقسیم، اس کی جزئیات کا بیان، اس کے ذرائع اور طریقوں کی وضاحت اور ماخذ و مصادر کی تشریح ہو یا ادب و اخلاق کی مختلف قسموں

کا بیان۔ کسی بھی بڑے چھوٹے معاملے یا موضوع پر کسی کے لیے کہنے کو کچھ نہیں بچا۔ کچھ ایسے دقیق امور ہیں، جو ذہین افراد کے کام کے ہیں اور وہ اسلاف کی بڑی بڑی حکمتوں اور اقوال سے مشتق ہیں، انہی میں سے بعض کو میں اس کتاب کے ابواب الأدب میں لکھ رہا ہوں، جن کی لوگوں کو ضرورت پڑ سکتی ہے۔

10.6 لغوی تحقیق

أوفر	:	زیادہ، بھرپور
أحلام(و)حِلم	:	عقل، بردباری
إتقان	:	کسی کام کو اچھی طرح رمضبوطی سے کرنا(أتقَنَ، يُتْقِنُ، إتْقَانًا: إفعال)
أعمار(و)عمر	:	زندگی، عمر
مَؤُونَةٌ	:	مشقت، محنت، بوجھ
التجارب	:	(و)تجربة، جس چیز کو بار بار آزمایا گیا
فِطَنٌ(وفطنة)	:	ذہانت، ذہنی صلاحیت، ہوشیاری، مہارت
اقتدی بأحد	:	پیروی کرنا(اقتدی،يقتدي،اقتداء ا:افتعال)
غيرُ المَأهُول	:	غیر آباد
صُخُوْر(و)صخر	:	پتھر
عُقَدٌ(و)عُقْدَةٌ	:	زمین، جائداد، قیمتی چیز
سقط	:	گرنا، ضائع ہونا(سقط،يسقُط،سقوطا:نصر)
صنيع	:	عمل، طرزِ عمل
حاور	:	بات چیت کرنا(حاور،يحاور،محاورة:مفاعلة)
احتذى على فعلِ أحد	:	کسی کی پیروی کرنا، کسی کے نقش قدم پر چلنا(احتذى،يحتذي،احتذاء ا:افتعال)
المنتحل	:	پسندیدہ، چنیدہ
المنتقى	:	منتخب کردہ، اخذ کردہ
غادر شيئا	:	چھوڑنا(غادر،يغادر،مغادرة:مفاعلة)
صغر شيئا	:	کسی چیز کو چھوٹا سمجھنا، حقیر جاننا(صغر،يصغر،تصغيرا:تفعيل)
سبل(و)سبيل	:	راستہ
ضُروب(و)ضرب	:	قسم

جلیل الأمر	:	بڑی چیز، قابلِ ذکر بات/معاملہ/چیز/قابلِ قدر کام
صغیر الأمر	:	معمولی چیز/معاملہ/بے قدر کام

10.7 ادبی صنف کا تعارف

"الأدب الکبیر" کا یہ مقدمہ اس مقدمے میں جو "فی فضل الأقدمین" سے موسوم ہے، اس میں ابن المقفع نے ادب کی ایک صنف یعنی علما، حکما، فلاسفہ، متقدمین کے اقوال اوران کے پند ونصائح، حکم وعبر کو نہایت فصیح وبلیغ اورادبی انداز میں پیش کیا ہے، جملے مختصر، الفاظ کی بندش بہت مضبوط، ادب کے اعلی نمونے محسوس ہوتے ہیں،، پیشکش اور طرز تحریر کا انداز بھی نہایت انوکھا، دل کو لبھاتا، نہایت سلیس عربی ادب کا ایک جامع نمونہ معلوم ہوتا ہے۔

10.7.1 صنف کی ہیئت وصورت

"فی فضل الأقدمین" جو دراصل "الأدب الکبیر" کا مقدمہ ہے، اس میں عبداللہ بن مقفع اپنے اچھوتے، البیلے طرزِ نگارش میں متقدمین کے اقوال اور پند ونصائح کی قیمت واہمیت اوراسلاف کے جواہر پاروں اوران کے تجربات، زرین اقوال کی اہمیت کو وافادیت کو بتانا چاہتے کہ متقدمین علما، حکما، فلاسفر کے جو اقوال وحکم ہیں جو انھوں نے اپنی زندگی کے تجربہ کی روشنی میں کہے ہیں۔ جسمانی ساخت وبناوٹ، ذہنی اُپج علمی اور عملی اعتبار سے سب سے لائق اور فائق تھے، انھوں نے ہمارے لیے تجربات اور ہدایات کا ایک ایسا قیمتی اور وقیع ذخیرہ چھوڑا ہے اور ہر بات کو محفوظ کرنے اوراپنے اخلاف کو بتانے کے لیے محفوظ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، پتھروں اوراس دور کے دریافت شدہ حفاظت علم کے اسباب میں اپنے پند ونصائح، حکم وعبر کو کندہ کر گئے جیسا شفیق باپ اپنے بچوں کے لیے مال ودولت اوراسباب وسامان چھوڑ جاتا ہے، ان اقوال کو محفوظ کرنا اوران کا مطالعہ کرنا اوران کو زندگی میں روبہ عمل لانے کی نصیحت کرتے ہوئے نہایت دلکش تحریر میں ان اقوال کو اس کتاب میں پیش کرتا ہے، جو اس صنف ادب کی ہیئت وصورت ہے۔

10.8 متن سبق کا موضوع

عبداللہ ابن المقفع عصرِ عباسی اول کے نمایاں نثر نگاروں، ادیبوں اوراہلِ دانش میں سے ایک ہے۔ اس نے علمی وادبی سطح پر جو کارنامے انجام دیے، وہ بے مثال ہیں اورآج بھی عربی ادب کی دنیا میں ان کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ اس کا ایک بڑا کام یہ ہے کہ اس نے ماضی بعید میں حکما و مصلحینِ اقوام کے تجربات، اقوال اوران سے منسوب اصلاحی کہانیوں اور واقعات کو عربی زبان میں منتقل کیا، اس کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ بعد کے لوگ بھی ان کے حکیمانہ اقوال اور کہانیوں سے فائدہ اٹھائیں اوران سے سبق لے کر اپنی زندگی اور اخلاق کو بہتری کے راستے پر ڈالیں۔ کلیلہ و دمنہ ایک ایسی کتاب ہے، جس میں ہندوستانی حکما سے منسوب مختلف حکیمانہ واقعات بیان کیے گئے ہیں، ابن المقفع نے اس کتاب کی اہمیت کو محسوس کیا اور پہلوی زبان سے اسے عربی میں منتقل کیا، اس سے جہاں اس کتاب کو بقائے دوام حاصل ہوگیا، وہیں عبداللہ ابن المقفع عربی ہی نہیں؛ بلکہ عالمی ادب میں زندہ وپایندہ ہوگیا۔ مذکورہ بالا عبارت بھی اس کی ایک ایسی ہی کتاب کا پیش لفظ ہے، کتاب کا نام "الأدب الکبیر" ہے، جس میں اس نے اگلوں کے اقوال وہدایات کو نقل کیا ہے اوران کے ذریعے سے شاہی درباروں کے آداب سے واقف کرانے کے ساتھ عام انسان کو بادشاہوں

کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے، اس حوالے سے قیمتی اقوال نقل کیے گئے ہیں، ساتھ ہی اس کے دوسرے حصے میں دوستی کے تعلق سے نہایت کارآمد اور مفید اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ پیش لفظ میں عبداللہ ابن المقفع نے اسلاف کی علمی برتری، ان کی حکمت و دانش مندی، ان کی دین داری، ان کے تدبر، علم اور حصولِ علم کے تئیں ان کی بے مثال دلچسپی ولگن اور پھر اس علم کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کے حوالے سے ان کے غیر معمولی جذبے کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ ہمارے اسلاف واکابر مختلف علوم وفنون پر پہلے اتنا کچھ کہہ اور لکھ گئے ہیں کہ اب بس اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے، اس کے علاوہ ہمیں تجربہ یا ذہنی مشقت اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم اگر محض عہدِ ماضی کے اربابِ علم و دانش کی کتابوں ہی سے کما حقہ استفادہ کریں، تو بھی اپنی علمی وعملی زندگی کو سنوار سکتے ہیں۔

10.9 متن سبق کی توضیح وتشریح

۱ - إنَّا وَجَدْنَاالنَّاسَ قَبْلَنَا كَانُوْا أَعْظَمَ أَجْسَامًا، وَأَوفَرَمَعَ أَجْسَامِهِمْ أَحْلَامًا، وَأَشَدَّ قُوَّةً، وَأَحْسَنَ بِقُوَّتِهِمْ للأمور إتْقَانًا، وَأَطْوَلَ أَعْمَارًا، وَأَفْضَلَ بِأَعْمَارِهِمْ لِلأَشْيَاءِ اخْتِبَارًا. فَكَانَ صَاحِبُ الدِّيْنِ مِنْهُمْ أَبْلَغَ فِي أَمْرِ الدِّيْنِ عِلْمًاوَعَمَلاً مِنْ صَاحِبِ الدِّيْنِ مِنَّا، وَكَانَ صَاحِبُ الدُّنْيَاعَلى مِثْلِ ذٰلِكَ مِنَ الْبَلَاغَةِوَ الْفَضْلِ.

ہم سے پہلے کے لوگ جسمانی اعتبار سے عظیم ہونے کے ساتھ بڑی عقل والے بھی ہوتے تھے (یعنی یہ لوگ جسمانی توانائی اور قوت کے حامل ہونے کے ساتھ عقل وفہم میں بھی لائق اور فائق تھے) طاقت ور بھی ہوتے تھے، اپنی طاقت کا استعمال کر کے مختلف امور کو اچھی طرح انجام دیتے تھے، (ان کی جسمانی طاقت وقوت کا یہ حال تھا اور اس کے استعمال کے تئیں وہ اس قدر حساس تھے کہ وہ ہر کام کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے) ان کی عمریں طویل ہوتی تھیں، وہ طویل العمر ہونے کے ساتھ چیزوں کی پہچان اور پرکھ کی صلاحیت بھی رکھتے تھے، (یعنی وہ طویل العمر ہونے کے ساتھ طویل التجربہ بھی تھے) ان میں سے جو مذہبی لوگ تھے، وہ ہمارے عہد کے مذہبی انسانوں سے علم وعمل میں بہتر تھے، اسی طرح اس زمانے کے جو اہلِ دنیا تھے، وہ بھی فضل وکمال میں ہمارے زمانے کے اہلِ دنیا سے فائق تھے۔ (قدیم زمانے کے مذہبی لوگ بھی ہمارے دور کے مذہبی علوم کے حامل لوگوں سے زیادہ علوم وفنون کے زیادہ حامل تھے، اہل دنیا کی بھی یہی حالت تھی)

أوفر: زیادہ، کثیر، أحلام (و) حِلم: عقل، بردباری، إتقان: کسی کام کو اچھی طرح مضبوطی سے کرنا (أتقن، يتقن، إتقانا: فعال)، أعمار (و) عمر: زندگی، عمر، اختبار: امتحان، جانچ، پرکھ، (اختبر يختبر اختبارا، افتعال) أبلغ: زیادہ بہتر، زیادہ بہتر انداز میں انجام دینا ۔(أبلغ يبلغ إبلاغا، إفعال)

۲ - وَلَم نَجِدْهُم غادَرُوا شَيئًا يَجِدُ واصِفٌ بليغٌ فِي صِفةٍ لَه غايةً لَم يَسبقُوهُ إليها: لَا فِي تعظيمٍ لله (عزّ وجل) وترغيبٍ فِيمَا عِندَه، وَلا فِي تَصغِيرٍ لِلدُّنيَاوَتزهِيدٍ فِيها، وَلا فِي تَحريرِ صُنوفِ الْعِلمِ وَتقسيمِ قِسَمِها وَتَجزئَةِ أجزائِها وَتوضِيحِ سُبُلِها وَتبيِينِ مآخِذِهَا، وَلا فِي وَجهٍ مِن وُجوهِ الأَدبِ وَضُروبِ الأَخلاقِ. فَلَم يَبقَ فِي جَلِيلِ الأَمرِ وَلا صَغِيرِه لِقائِلٍ بَعدَهُم مَقالٌ. وَقد بَقِيَتْ أشياء مِن لَطائِفِ الأُمورِ فِيها مَواضِعُ لِغَوامِضِ الفِطَنِ، مُشْتَقَّةٌ مِن جِسامِ حِكَمِ الأَوَّلِينَ وَقَولِهِمْ. فَمِن ذٰلِكَ بَعضُ مَا أَنا كَاتِبٌ فِي كِتابِي هٰذا مِن أَبوابِ الأَدبِ الَّتِي قد يَحتاجُ إِلَيها النَّاسُ.

انھوں نے کوئی ایسی چیز تک نہیں چھوڑی ہے،جس کی طرف صرف اعلی درجے کے قادر الکلام، بے نظیر بلیغ البیان انسان کا ذہن جاتا ہو، چاہے اللہ عزوجل کی عظمت بیان کرنے اوراس کے پاس موجود نعمتوں کی ترغیب دلانے کی بات ہو یا دنیا کی تحقیراوراس سے احتراز کرنے کی،(یعنی ان لوگوں نے امور آخرت مثلا اللہ عزوجل کی تعریف وتوصیف، جنت اوراس کی بے پایاں نعمتوں، دنیا اس کی حقارت، کم مائیگی اور بے بضاعتی کے بیان کے حوالے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی) چاہے علم کے انواع واصناف کا بیان اور مختلف اقسام میں اس کی تقسیم،اس کی جزئیات کا بیان،اس کے ذرائع اورطریقوں کی وضاحت اور مآخذ ومصادر کی تشریح ہو یا ادب واخلاق کی مختلف قسموں کا بیان ۔(یعنی تمام علوم وفنون کے حوالے سے انھوں نے لازوال اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، اس کی مختلف انواع واقسام اوراس کے جزئیات وفرعیات اور ذرائع وطریق، ومآخذ ومصار کی بھی نشاندہی کردی ہے،ادب واخلاق کے حوالے تمام اموراس کے کلیات اور جزئیات کے ساتھ بیان کردیے ہیں،)کسی بھی بڑے چھوٹے معالے یا موضوع پرکسی کے لیے کہنے کو کچھ نہیں بچا۔کچھ ایسے دقیق امور ہیں، جو ذہین افراد کے کام کے ہیں تو وہ بھی اس درجہ میں ہیں کہ وہ اسلاف کی بڑی بڑی حکمتوں اور اقوال سے مشتق ہیں،انہی میں سے بعض کو میں اس کتاب کے ابواب الأدب میں لکھ رہاہوں،جن کی لوگوں کوضرورت پڑسکتی ہے۔(آخیرش ابن المقفع کہتاہے، ہرچھوٹے بڑے معالے سے متعلق اسلاف کے اقوال اور پند ونصائح کلمات، وتجربات موجود ہیں، چند دقیق اور باریک اورنہایت لازوال امور ہیں،جس کو میں نے انہیں کے اقوال اور حکمت بھرے افکار سے کشید کیا یعنی حل کیاہے، سے مشتق کیاہے، وہ ادب اوراخلاق سے متعلق ہیں،جن کی ضرورت انسان کوزندگی کے گوناگوں مواقع اور لحاتمیں پڑتی ہے،اسی کا بیان کرر ہاہوں)

غادر شيئا : چھوڑنا (**غادر، يغادر، مغادرة:مفاعل**)، **سبق إليه: (ض)** : پالینا رسائی حاصل کرنا، **صغر شيئا**: کسی چیز کو چھوٹا سمجھنا،حقیر جاننا (**صغَّر، يُصَغِّر، تصغيرا: تفعيل**) **زهد في شيئ**: کسی چیز سے بے رغبتی اختیار کرنا، (**زهد يزهد زهدا، (ف)**، **تقسيم**: تقسیم کرنا، (**قسم يقسّم تقسيما(تفعيل)**، **جزّأ شيئا** : کسی چیز کا تجزیہ کرنا، حاصل بیان کرنا ، (**جزى يجزّى تجزئة(تفعيل)**، **سبل (و) سبيل**: راستہ، **ضروب (و) ضرب: قسم، مآخذ: (و) مأخذ**، مرجع ،مصدر، مآخذ، **وجه**: صورت ،صنف، **(ج) وجوه، ضروب: (و) ضرب**، نوع، قسم، **مقال : قول، لطائف: (و) لطيفة**: غریب اورنایاب چیزیں، **غوامض: (و) غامضة**: پوشیدہ اورچھپی چیزیں، یہاں اصناف علم مراد ہیں، **جليل الأمر**: بڑی چیز،قابلِ ذکر بات/معاملہ/چیز **صغير الأمر**: معمولی چیز/معاملہ

10.10 متن سبق کی خصوصیات

۱۔ اس صنف ادب کے تعلق سے ابن المقفع کی دو کتابیں ہیں: "**الأدب الصغير، الأدب الكبير**" یہاں ادب سے مراد اخلاق ہیں، یہاں ادب کے معنی زبان دانی کے نہیں ہیں، جیسا کہ اس حوالے سے یہ لفظ معروف ومشہور ہے، بلکہ یہاں ادب سے مراد تہذیب اخلاق ہے، ان دونوں کتابوں خصوصا ادب کبیر میں بے شمار اخلاقیات کے حوالے سے امور، اصول ومبادی بیان کیے گئے ہیں، ان کتابوں میں ابن المقفع بحیثیت معلم اخلاق کے نظر آتا ہے۔ادب واخلاق کے حوالے سے سیر حاصل، عقل ودانش پر مبنی گفتگو کرتا ہے۔

۲۔ اس کتاب کا ابن المقفع ناقل ہے،اس لیے کہ وہ فارسی علما، وحکما کے اقوال بکثرت نقل کرتا ہے یا اس کی حیثیت شارح کی ہے یا یہ مصنف اور مؤلف ہے،اس حوالے سے صحیح قول یہی ہے کہ اس کی حیثیت جہاں ناقل کی ہے وہیں اس کی حیثیت مؤلف کی بھی ہے، کیوں کہ یہ فارسی علما کے حکم

وامثال کو بکثرت نقل کرتا ہے کبھی کہتا ہے: "احفظ قول الحكيم الذي قال" (اس حکیم کے قول کو یاد کرلو) اور کبھی کہتا ہے "سمعت العلماء قالوا:" (میں نے علما کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے)''۔

۳۔ اس کتاب کو ابن المقفع نے دو قسموں پر منقسم کیا ہے، پہلی قسم میں دو حصے ہیں، پہلے حصے میں آدابِ سلطانی یعنی بادشاہ کی مصاحبت کے آداب وغیرہ بیان کیے ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں دوستوں کے ساتھ معاملہ، دوستوں کے انتخاب، دوستی کی اہمیت، اچھے اور برے دوستوں کے فرق کو مختلف ابواب کے تحت بیان کیا ہے۔

۴۔ ابن المقفع کی زندگی چونکہ بادشاہوں کے ساتھ گذری ہے، اس لیے اس تعلق سے وہ بکثرت نقل کرتا ہے، اس حوالے سے اس نے اسلاف اور اخلاف سے منقول اور ماثور اقوال کو نقل کیا ہے، نہایت دقتِ نظر اور حسنِ ارادہ کے ساتھ ان چیزوں کو پیش کیا ہے، دوسرے حصے میں دوستوں کے حوالے سے زرین اقوال وحکم کو بیان کرتا ہے، وہ دوستی کو زندگی کا نچوڑ اور خلاصہ سمجھتا ہے، آدمی دوستوں سے اپنے راز اور پوشیدہ امور کو بیان کرتا ہے، اس لیے اس نے دوستوں کے انتخاب کے حوالے سے نہایت دقیق اور باریک اصول بیان کیے ہیں، اس کے علاوہ اس نے اس میں معاشرہ میں پائے جانے والے عیوب، اپنے زمانے کے حکام کے ظلم وستم، عوام کے ساتھ ہونے والے مظالم، دین اور رائے میں نزاع اور اختلاف ان تمام امور کو پیش کیا ہے۔

۵۔ اس سبق میں بھی وہ دراصل اسلاف کے اقوال اور حکم اور ان کے پند ونصائح کی اہمیت وافادیت کو بتانا چاہتا ہے، اسلاف اور علما نے ہمارے علم کا بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے، صاحبِ دین اور صاحبِ دنیا دونوں اپنے امور میں نہایت چابک دست اور قابل لوگ تھے۔

۶۔ وہ کہتا ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں ہماری دنیا اور آخرت کے حوالے سے کامیابی وکامرانی کے تعلق سے تمام امور کو بیان کردیا ہے، اپنے تجربات کے نچوڑ اور خلاصہ کو پیش کیا ہے، ضرب الامثال اور حکمتیں بیان کی ہیں، ہمارے لیے کتابیں لکھی ہیں۔ بلکہ انھوں نے علوم کی حفاظت وصیانت کے حوالے سے اس قدر اہتمام اور التزام کیا کہ اگر وہ کسی ایسی جگہ ہوتے جہاں انہیں لکھنے کے آلات میسر نہ آتے تو وہ ان باتوں کو بعد والوں کے لیے مفید اور نفع بخش ہوتی ہیں، اس کو چٹانوں پر لکھ لیتے کہ تضییع کا شکار نہ ہوجائیں۔

۷۔ اس لیے اخلاف کو چاہیے کہ وہ اسلاف کے اس ذخیرہ کی قدر کریں، ان کے نقش پا پر چلیں، ان کے نشاناتِ راہ کو اختیار کریں، ان کو اپنا مقتدا اور قائد بنائیں، ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں، یہ ان سے بات کرنے اور ان سے براہ راست سننے، ان نقش قدم پر چلنے اور ان کے افعال کی اقتدا وپیروی کے مماثل ہے، اس لیے انھوں نے اپنی کتابوں میں اپنے تجربات اور زندگی کے نتائج کا ہی نچوڑ پیش کیا ہے۔

۸۔ اللہ عزوجل کی تعظیم وتکریم، اللہ عزوجل کی نعمتوں چاہت، دنیا کی حقارت، دنیا سے کنارہ کشی، اس طرح اور دیگر تمام علوم وفنون تمام اخلاق وآداب کو انھوں نے بیان کردیا ہے۔ انہیں میں سے بعض قیمتی اور نادر امور کو میں نے اپنی اس کتاب میں انتخاب کرکے پیش کیا ہے۔

10.11 اسلوبی خصوصیات

۱۔ عبداللہ بن مقفع کا طرز تحریر اس قدر نرالا اور انوکھا تھا کہ اس نے خود اعتمادی اور نخوت میں قرآن شریف کے جواب کی لکھنے کی ٹھانی، سوائے الزام الحاد کے کچھ ہاتھ نہ آیا، بعد میں عاجز ہوکر تائب ہوا۔

۲۔ اس کی تحریر میں فصاحت وبلاغت، طرزِ تحریر، اختراع معانی، اور جدت پسندی نظر آتی ہے، شیریں بیانی اس کی تحریر کا خاص وصف ہے ۔اس کی نگارشات کا یہ شیریں پہلو اس کی اس خاص تحریر" فی فضل الأقدمین" میں بھی نظر آتا ہے۔

۳۔ یہ عبارات کو نہایت سادہ اور مفہوم الفاظ میں نہایت حسن وخوبصورتی کے ساتھ اس طرح پیش کرتا ہے، وہ ادب کا اعلی نمونہ بن جاتے ہیں، ہر کس وناکس کے لیے اس کا سمجھنا آسان اور سہل تر ہوجاتا ہے، لیکن اس کی تحریر سہل ممتنع کے مصداق ایسی آسان ہونے کے باجود ادب، سجع وقافیہ بندی کو لیے ہوتی ہے، صوتی ہم آہنگی، چھوٹے چھوٹے جملوں کا استعمال، نامانوس اور غریب الفاظ سے احتراز اس کی اس تحریر کا خاص وصف ہے، الفاظ کی کوئی بھرمار نہیں ہوتی ہے، لیکن موتی کو دھاگے میں جس طرح جڑا جاتا ہے، ایسے جملوں کو نہایت خوبصورتی، قافیہ بندی اور صوتی ہم آہنگی کے ساتھ جوڑ دیتا ہے، یہی سادہ الفاظ عربی ادب کا شاہکار اور اعلی نمونہ نظر آنے لگتے ہیں۔

۴۔ ابن المقفع کے متن کی اسلوبی خصوصیات میں سہل اور آسان الفاظ کا نہایت صوتی ہم آہنگی کے ساتھ سجع بندی اور قافیہ کی رعایت کے ساتھ لانا ہے، إنّاوَجدْنَاالنّاسَ قبلَنَا كانُوْاأعْظَمَ أَجْسَامًا،وَأوفرَمعَ أَجْسَامِهِمْ أَحْلامًا،وَأشَدَّ قُوَّةً، وَأَحْسَنَ بِقُوَّتِهِمْ للأمور إتْقانًا،وَأَطْوَلَ أَعْمَارًا،وَأَفْضَلَ بِأَعْمَارِهِمْ لِلأَشْيَاءِاِخْتِبَارًا. فَكَانَ صَاحِبُ الدِّيْنِ مِنْهُمْ أَبْلَغَ فِيْ أَمْرِالدِّيْنِ عِلْمًاوَعَمَلاًمِنْ صَاحِبِ الدِّيْنِ مِنَّا.

اس عبارت میں صوتی ہم آہنگی، سجع بندی، قافیہ کی رعایت اور تحریر کی شستگی دیکھیے: "كانُوْا أَعْظَمَ أَجْسَامًا،وَأَوفرَ مَعَ أَجْسَامِهِمْ أَحْلامًا،وَأَشَدَّ قُوَّةً، وَأَحْسَنَ بِقُوَّتِهِمْ للأمور إتْقانًا، وَأَطْوَلَ أَعْمَارًا، وَأَفْضَلَ بِأَعْمَارِهِمْ لِلأَشْيَاءِاِخْتِبَارًا. فَكَانَ صَاحِبُ الدِّيْنِ مِنْهُمْ أَبْلَغَ فِيْ أَمْرِالدِّيْنِ عِلْمًاوَعَمَلاًمِنْ صَاحِبِ الدِّيْنِ مِنَّا" یہ عبارت کتنی سلیس، سہل الالفاظ، مفہوم اور مانوس ہونے کے ساتھ کتنی خوبصورت اور شیریں ہے۔

۵۔ اسی طرح ابن المقفع نہایت سلیس اور بہترین پیرایہ میں قریب المعنی اور بعید المعنی الفاظ کو یکجا استعمال کرتا ہے اور مترادفات کی بھرمار کر دیتا ہے، صوتی ہم آہنگی اور سجع بندی بھی باقی وبرقرار رہتی ہے، یہ کتنی سلیس اور پیاری صوتی ہم آہنگی اور الفاظ کے تتبع پر مشتمل عبارت ہے:

"فَمُنتهٰى عِلمِ عالِمِنَافِي هٰذاالزّمانِ أَن يَأْخُذَ مِن عِلمِهِمْ،وَغايةُ إحسانِ مُحسنِنَا أَن يَقتَدِيَ بِسِيرَتِهِمْ،وَأَحسَنَ مَايصيبُ مِن الحديثِ مُحَدِّثُنَا أَن يَنظُرَ فِيْ كُتُبِهِمْ. فَيكونُ كَأَنَّه إِيَّاهُمْ يُحَاوِرُ،وَمِنهُم يَستَمِعُ،وَآثارَهُم يَتَّبِعُ،وعلٰى أفعالِهِمْ يَحتَذِيْ،وبِهِم يَقْتَدِيْ" یہاں پر جملے کی انتہا "هم" پر ہوتی ہے اور یہ الفاظ: "يأخذ من علمهم"، "يقتدى بسيرتهم" اور "ينظر فى كتبهم" ایک معنی اور مفہوم میں نظر آتے ہیں۔

اور دوسری عبارت: "فَيكونُ كَأَنَّه إِيَّاهُمْ يُحَاوِرُ،وَمِنهُم يَستَمِعُ،وَآثارَهُم يَتَّبِعُ،وعلٰى أفعالِهِمْ يَحتَذِيْ،وبِهِم يَقْتَدِيْ" میں "يحاور"، "يستمع"، "يحتذي"، "يقتدي" ہم مثل ہم وزن، ہم معنی اور قریب الفہم الفاظ ہیں، یہ عبداللہ بن مقفع کا اسلوب نگارش اور اچھوتا تحریری وصف ہے، جو اس کو دیگر ادیبوں سے ممتاز کرتا ہے۔

۶۔ اسی طرح الفاظ کی بندش اور سجع کی برقراری، چھوٹے چھوٹے، مفہوم اور بامعنی الفاظ میں معانی کی ادائیگی یہ عبداللہ بن مقفع کا خصوصی فن ہے، جو سب کے لیے جاذب نظر، قلب ونگاہ کو موہ لینے والا ہوتا ہے "وَلَم نَجِدْهُم غادَرُواشيئايَجِدُواصِفٌ بلِيغٌ فِي صِفَةٍلَه غايةً لَم يَسبَقُوهُ إِلَيها:لَا فِي تَعظِيمِ لِلهِ (عزّ و جل) وترغيبٍ فِيمَا عِندَه، وَلا فِي تَصغِيرٍ لِلدُّنياوَتزهِيدٍ فِيها،وَلا فِي تَحرِيرِ صُنوفِ الْعِلمِ وَتقسيمِ

قِسَمِها وَتَجزِئَةِ أجزائِها وَتوضِيحِ سُبُلِها وَتبيينِ مآخِذِهَا، ولا فِي وَجهٍ مِن وُجوهِ الأدبِ وَضُروبِ الأخلاقِ." اس عبارت میں الفاظ: "تعظیم"، "تصغیر"، "تزهید"، "تحریر"، "تقسیم"، "تجزئة"، "توضیح" ان مختلف الفاظ کو تحریر میں کتنے خوبصورت اور دلکش انداز میں پرو دیا گیا ہے، جو فصاحت و بلاغت اور قافیہ بندی کا اعلیٰ نمونہ نظر آتا ہے۔

10.12 اکتسابی نتائج

یہ عبداللہ ابن المقفع کی مشہور کتاب ''الأدب الكبير'' کا مقدمہ ہے، جس میں اس نے ماضی کے کبار اہل علم وفن اور ارباب حکمت و دانش کے فضائل وکمالات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کی یہ کتاب انہی متقدمین اہلِ علم وحکمت کے اقوال پر مشتمل ہے، ابن المقفع نے ان کو یکجا کر دیا ہے۔ اس مقدمے میں وہ کہتے ہیں کہ پچھلے زمانے میں جو لوگ تھے، وہ ہم سے جسمانی اعتبار سے بھی مضبوط ہوتے تھے، ان کی زندگیاں بھی ہم سے لمبی ہوتی تھیں اور وہ علم وفن اور تجربہ وعقل کے اعتبار سے بھی ہمارے زمانے کے لوگوں سے برتر واعلیٰ ہوتے تھے؛ چنانچہ اس زمانے میں جو مذہب پسند یا مذہب پر عمل کرنے والے لوگ ہوتے تھے، وہ ہمارے زمانے کے مذہبی طبقات سے زیادہ باعمل اور مذہب پسند ہوتے تھے، جب کہ اس زمانے میں جو اہلِ دنیا یعنی دنیاوی امور میں مشغول رہنے والے لوگ ہوتے تھے، وہ بھی ہمارے زمانے کے اہلِ دنیا سے بہتر اور اعلیٰ ہوتے تھے۔ ابن المقفع نے اس مقدمے میں اسلاف کی علم دوستی وحکمت پسندی اور پھر اسے آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کے ان کے بے پناہ جذبے کا خصوصی تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ وہ لوگ علم حاصل کرنے میں نہایت اہتمام سے کام لیتے تھے اور اگر کبھی کسی ایسے مقام پر ہوتے، جہاں کوئی آبادی نہ ہوتی اور اس جگہ پر انھیں کوئی نئی بات معلوم ہوتی تو وہ اسے پتھروں پر لکھ دیتے تھے: اس لیے کہ وہ سوچتے تھے کیا پتا ہم یہاں سے اپنے گھر تک پہنچ پائیں یا نہیں اور ہماری زندگی کا سفر مکمل ہو جائے اور علم کی یہ نئی بات آنے والی نسلوں تک نہ پہنچ سکے، اسی لیے وہ اسے پتھروں پر لکھ کر ہی محفوظ کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تقریباً ہر علم وفن پر اتنا کام کیا اور اتنی معلومات اکٹھا کر دی ہیں کہ بعد کے لوگوں کو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ گئی ہے، بس اتنا کرنا ہے کہ انھوں نے جو کہا یا لکھا اور محفوظ رکھا ہے، اس سے استفادہ کر کے اسے اگلی نسلوں تک منتقل کرتے رہنا ہے۔ ابن المقفع کہتے ہیں کہ چاہے عقائد اور عظمتِ باری تعالیٰ کی توصیف وتوضیح کی بات ہو یا دنیا کی بے وقعتی کو بیان کرنے اور اس سے بچنے کی تلقین کرنے کی بات ہو یا علم وفن کے انواع واصناف کا ذکر، اس کی تقسیم، اس کے ذرائع ووسائل کا بیان اور آداب واخلاق کی مختلف قسمیں، ہر موضوع پر انھوں نے کام کیا اور ہمارے لیے تشفی بخش ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے علم وحکمت کو جمع کرنے کے سلسلے میں ایک ایسے شفیق باپ کا کردار ادا کیا ہے، جو یہ چاہتا ہے کہ آنے والی زندگی میں اس کے بیٹے کو رزق اور مال ودولت کے حصول میں کسی مشقت کا سامنا نہ کرنا پڑے؛ چنانچہ وہ خود ہر قسم کی تکلیفیں سہہ کر اپنی اولاد کے لیے اموال واسباب اور جائداد جمع کر دیتا ہے، بالکل اسی طرح ہمارے اہلِ علم وحکمت اسلاف نے ہمیں محنت ومشقت سے بچانے کے لیے ہر قسم کے علوم وفنون کا قیمتی سرمایہ جمع کر دیا ہے، بس ہمیں اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

اس کتاب کو ابن المقفع نے دو قسموں پر منقسم کیا ہے، پہلی قسم میں دو حصے ہیں، پہلے حصے میں آدابِ سلطانی کو بیان کیا ہے اور دوسرے حصے میں سلطان یعنی بادشاہ کی مصاحبت کے آداب وغیرہ بیان کیے ہیں، جب کہ دوسرے حصے میں دوستوں کے ساتھ معاملہ، دوستوں کے انتخاب، دوستی کی اہمیت، اچھے اور برے دوست کے فرق وغیرہ کو مختلف ابواب کے تحت بیان کیا ہے۔

10.13 نمونے کے امتحانی سوالات

۱۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگایئے اور اس کا ترجمہ کیجیے۔

فَمُنتهى عِلمِ عالِمِنَا فِي هذا الزَّمانِ أَن يَأْخُذَ مِن عِلمِهِمْ، وَغايةُ إِحسانِ مُحسنِنَا أَن يَقتَدِيَ بِسِيرَتِهِمْ، وَأَحسنَ مَايصيبُ مِن الحديثِ مُحَدِّثُنَا أَن يَنظُرَ فِي كُتُبِهِمْ. فَيكونُ كَأَنَّهُ إِيَّاهُمْ يُحَاوِرُ، وَمِنهُم يَستَمِعُ، وَآثارَهُم يَتَّبِعُ، وعلى أفعالِهِمْ يَحتَذِيْ، وبِهِم يَقْتَدِيْ.

۲۔ درج ذیل عبارت کی بحوالہ متن تشریح و توضیح کیجیے۔

وَلَم نَجِدْهُم غادَرُوا شَيئًا يَجِدُ واصِفٌ بليغٌ فِي صِفَةٍ لَه غايةً لَم يَسبقُوهُ إِلَيها: لَا فِي تَعظِيمِ اللهِ (عزّ و جل) وترغيبٍ فِيمَا عِندَه، وَلا فِي تَصغِيرٍ لِلدُّنيَا وَتزهِيدٍ فِيها، وَلا فِي تَحريرِ صُنوفِ العِلمِ وَتقسيمِ قِسَمِها وَتَجزِئَةِ أجزائِها وَتوضِيحِ سُبُلِها وَتبيِينِ مآخِذِهَا، ولا فِي وَجهٍ مِن وُجوهِ الأَدبِ وَضُروبِ الأَخْلاقِ. فَلم يَبقَ فِي جَلِيلِ الأَمرِ ولا صَغِيرِهِ لِقائلٍ بَعدَهُم مَقالٌ.

۳۔ ان الفاظ کے معانی بیان کیجیے۔

تزهيد	ضروب الأخلاق	مؤونة الفطن	العقد المنتقى	غادر	حاور	المنتحل	
وجوه الأدب	حلم	اقتداء	غاية				

۴۔ ابن المقفع کے حالات اور اس کے نگارشات پر روشنی ڈالیے۔

۵۔ فی فضل الأقدمين کا خلاصہ بیان کیجیے۔

۶۔ صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت و صورت کو تحریر کیجیے۔

۷۔ ''فی فضل الأقدمين'' کے متن کی خصوصیات اور اس کی اسلوبی امتیازات کو قلم بند کیجیے۔

10.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

۱۔ الأدب الكبير، ابن المقفع

۲۔ الرائد في الأدب العربي، إنعام الجندي

۳۔ الرائد في الأدب العربي، إحسان النص، خليل هنداوي، عمر يحى

۴۔ تاريخ الأدب العربي، أحمد حسن زيات

۵۔ تاريخ الأدب العربي، العصر العباسي، شوقي ضيف

اکائی 11 : ''بخیل حکیم'' از: الجاحظ

اکائی کے اجزا

11.1 مقصد

11.2 تمہید

11.3 متن سبق

11.4 صاحب سبق کا تعارف

11.4.1 بغداد کا سفر اور شہرت اور مقبولیت

11.4.2 بدصورتی

11.4.3 اچھے اوصاف

11.4.4 آخری عمر

11.4.5 مرض الموت اور سانحہء وفات

11.4.6 تصنیفات وتالیفات

11.5 متن کا ترجمہ

11.6 لغوی تحقیق

11.7 ادبی صنف کا تعارف

17.1 صنف کی ہیئت وصورت

11.8 متن سبق کا موضوع

11.9 متن سبق کی توضیح وتشریح

11.10 متن کی خصوصیات

11.11 اسلوبی خصوصیات

11.12 اکتسابی نتائج

11.13 نمونے کے امتحانی سوالات

11.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

11.1 مقصد

اس سبق کے ذریعہ طلبہ نثر کے ایک اہم پہلو کی جانکاری حاصل کریں گے جس کا بانی اور موجد جاحظ ہے۔ یہ سبق نثر کا نہایت اچھوتا اور جامع نمونہ ہے، جو "بخیل حکیم" سے معروف ہے۔ طلبہ اس سبق کے معانی ومفہوم کو جانیں گے، اس سبق کے ذریعے جاحظ کے زمانے کی تہذیب وثقافت کی جانکاری حاصل کریں گے اور جاحظ کے اس ادبی نمونہ سے استفادہ کرسکیں گے۔

اس سبق کے مشمولات اور اس کے انداز تحریر مختصر مفید تراکیب کو سمجھ سکیں گے، الفاظ کے استعمال کے مواقع معلوم ہوں گے اور بہت سارے الفاظ کے معانی ومطالب اور تعبیرات اور محل استعمالات سے واقف ہوسکیں گے۔ اس کے علاوہ جاحظ کی تحریر طرز نگارش، اس کی متن کی خصوصیات، اسلوبی خصوصیات اور صنف کی ہیئت وصورت کی جانکاری حاصل کریں گے اور اس کے اس ادبی نمونہ کی نثری خوبیوں سے واقفیت حاصل کریں گے۔

11.2 تمہید

عصر عباسی اول میں علوم وفنون کو خوب فروغ حاصل ہوا، ہر طرف علوم وفنون اور ادب کی مختلف اصناف پروان چڑھیں، کتابیں مرتب ہوئیں، خطابت، نظم اور خصوصا نثر کو بہت زیادہ ترقی ہوئی، بے شمار ادبا پیدا ہوئے، اس دور کی نثر نگاری میں قدیم راسخ الخیالی اور روایاتی طرز انشا سے ہٹ کر ذاتی رائے، نقد پسندی اور قوت تمیز آ گئی۔ حماد، اصمعی اور ابوعبیدہ تیمی کے یہاں سنی ہوئی روایت میں ایک لفظ کا حذف واضافہ کفر کے مترادف تھا۔ ان کی جگہ اب جاحظ اور ابن قتیبہ جیسے وسیع النظر نقادوں اور جدت پسند صاحبان قلم نے لے لی جن کے پیش نظر قدیم عربی ادب کے ساتھ فارسی، ہندی اور یونانی آداب کے ساتھ ساتھ منطق فلسفہ اور حکمت کی کتابوں کے ڈھیر تھے۔ پند ومواعظ اور زاہدانہ خیالات کا عنصر بھی اس دور کے ادب کا قابل لحاظ جز ہے، جنھوں نے نثر نگاری میں اپنے آثار وکتب چھوڑے، جس سے آج تک کی دنیا بھی استفادہ کر رہی ہے، ان کے ادب کے ہر سو چرچے اور شہرے ہیں، انہیں ادبا میں جن کی نثر کو خوب شہرت حاصل ہوئی، جنہیں لوگوں نے نثر میں اتار چڑھاؤ اور زیر وبم کے باجود ان کی نثر کو موجودہ دور میں نمونہ اور بے مثل قرار دیا ہے وہ جاحظ کی نثر نگاری ہے، اس نے محنت وتندہی کے ساتھ علم حاصل کیا، اتنی ہی محنت وجفاکشی کے ساتھ اپنی انشا پردازی کے ذریعہ عوام کو مستفید کیا۔

11.3 متن سبق

قَالَ مَعبدٌ: نَزَلنَا دارَ الكِندِيِّ أَكْثرَ مِن سَنةٍ، نُرَوِّج لَهُ الكَرَاء، وَنَقضِي لَهُ الْحوائِجَ، وَنَفِيْ لَهُ بِالشَّرطِ. قُلتُ: قَد فَهِمتُ تَروِيجَ الكَراء، وَقَضاء الْحَوائجِ، فَما مَعنىَ الْوفاءِ بِالشَّرطِ؟ قَالَ: فِي شَرطِه عَلَى السُّكَّانِ أَنْ يّكونَ لَه رَوثُ الدَّابَّةِ، وَ بَعرُ الشَّاةِ، وَنِشْوارُ العَلُوفَةِ، وَألَّا يُخرِجُوا عَظَماً، وَ لايُخرِجُوا كُسَاحَةً، وَأن يكُونَ لَه نَوَى التَّمرِ، وَقُشُورُ الرُّمَّانِ، وَالغُرفَةُ مِن كُلِّ قِدرٍ تُطبَخُ لِلحُبْلٰى فِي بَيته، وَ كانَ فِي ذٰلک يَتنزَّلُ عَليْهِمْ. فَكَانُوا لِطيبِه، وَإفراطِ بُخلِه، وَ حُسنِ حَدِيثِه يَحتَمِلُونَ ذٰلکَ.

قَالَ مَعبدٌ: فَبينا أَنَا كَذٰلکَ، إذ قَدِمَ ابنُ عَمّ لِي وَمَعه ابنٌ لَه، إذا رُقعةٌ مِنهُ قَد جَاءَتْنِي: "إِن كانَ مَقامُ هٰذَينِ القَادِمِين لَيلةً أَو لَيلَتَينِ اِحْتَملْنَا ذٰلکَ، وَ إِنْ كَانَ إِطماعُ السُّكانِ فِي اللَّيلَةِ الْواحِدَةِ يَجرُّ عَلَيْنَا الطَّمعَ فِي اللَّيالِي الْكَثِيرَةِ". فَكتَبتُ إِلَيهِ: "لَيسَ مَقامُهُما عِندَنَا إلا شَهرًا أَو نحوَه". فَكتَبَ إِلَيَّ: "إِنَّ داركَ بِثَلاثِينَ دِرهَمًا، وَأَنتم سِتةٌ، لِكُلِّ رَأْسٍ خمسةٌ، فَإِذا قَد زِدتَ رَجُلَينِ، فَلابُدَّ مِن

خَمْسَتين، فَالدَّارُ عَلَيكَ مِن يَومِكَ هٰذا بأَربعِينَ!".

فَكَتبتُ إِلَيهِ: "وَمايَضُرُّكَ مِن مَقامِهِمَا؟! ثِقلُ أَبْدانِهِمَا عَلَى الأرضِ الَّتِي تَحمِلُ الْجِبَالَ، وَثِقلُ مُؤُونتِهِمَا عَلَيَّ دُونَكَ؟ فَاكتُبْ إِلَيَّ بِعُذرِكَ لأَعرِفَهُ". ولَم أدرِ أَنِّي أَهجِم عَلى مَا هَجمتُ، وَإني أقعُ مِنه فِيما وَقَعتُ.

فَكتبَ إِليَّ: "الخِصالُ الَّتِي تَدعُو إِلى ذٰلكَ كَثِيرةٌ، وَهِي قائِمةٌ مَعرُوفةٌ: مِن ذٰلكَ سُرعةُ إمتلاءِ الْبالُوعة، وَمَا فِي تَنقيتِهَا مِن شِدَّةِ الـمَؤُونَةِ، وَمِن ذٰلِكَ أَنَّ الأَقدامَ إذا كَثُرتْ كَثُرَ الْمَشْيُ عَلى ظُهُورِ السُّطُوحِ الـمُطَيَّنَةِ وَعلى أَرضِ البُيوتِ الـمُجَصَّصةِ، وَالصُّعودُ على الدَّرجِ الكَثيرةِ، فَيَنقشِرُ لِذٰلكَ الطِّينُ، ويَنقلِعُ الجَصُّ، وينكَسِرُ العَتَبُ مَعَ اِنثِناءِ الأَجذَاعِ لِكثرةِ الوَطْءِ، وَتَكسِرُهَا لِفرطِ الثِّقْلِ، وَإذا كَثُرَ الدُّخُولُ وَالخُروجُ، والفَتحُ وَالإِغلاقُ، وَالإِقْفالُ وجَذبُ الأَقْفالِ تَهَشَّمتِ الأَبوابُ، وَتقلَّعتِ الرَّزَّاتُ، وَإذا كَثُرَ الصِّبيانُ، وَتضاعَفَتِ البَوشُ نُزعتْ مَساميرُ الأَبوابِ، وَقُلِعتْ كُلُّ ضَبَّةٍ، وَنُزعتْ كلُّ رَزَّةٍ، وَكُسِرتْ كُلُّ جَوزَةٍ، وَحُفرَ فِيها آبارُ الزَّدْوِ، وهشَمُوا بَلاطَهَا بِالمَداحِيْ. هٰذا مَعَ تَخريبِ الحِيطَانِ بِالأَوتادِ، وَخُشُبِ الرُّفوفِ، وَإذا كَثُرَ العِيالُ والزُّوَّارُ، وَالضِّيفانُ، وَالنُّدماءُ، احتِيجَ مِن صَبِّ الماءِ، وَاتِّخاذِ الحَبَبةِ القَاطِرةِ، وَالجِرارِ الرَّاشِحةِ، إِلى أَضعافِ مَا كَانُوا عَلَيهِ. فَكَم مِن حَائطٍ قَدتأَكَّلَ أَسفلُه، وتناثرَ أَعلاه، وَاسترخَى أَساسُه، وَتَداعى بُنيانُه، مِن قَطرِ حَبٍّ، ورَشحِ جَرٍّ، وَمِن فَضلِ ماءِ البِئرِ، وَمِن سُوءِ التَّدبيرِ، وَعلى قدرِ كَثرتِهِمْ يَحتاجُونَ مِنَ الخَبيزِ والطَّبِيخِ، وَمِن الوَقُودِ والتَّسخِين، والنَّارُ لاتُبقِي ولاتَذَرُ، وَإِنَّما الدُّورُ حُطَبٌ لَها، وَكلُّ شَيْءٍ فِيهَا مِن مَتاعٍ فَهُو أُكلٌ لَها. فَكَم مِن حَريقٍ قَد أَتَى على أَصلِ الْغَلَّةِ، فَكلَّفَتمْ أهلَها أَغلظَ النَّفقةِ. وَرُبما كانَ ذٰلكَ عِندَ غايةِ العُسرةِ، وَشِدَّةِ الحَالِ، وَربما تَعدَّتْ تِلكَ الجِنايةُ إِلى دُورِ الجِيرانِ، وإِلى مُجاوَرةِ الأَبدانِ والأَموالِ، فَلو تَركَ النَّاسُ حِينئِذٍ رَبَّ الدَّارِ - وَقدرَ بلِيَّتِه، ومِقدارَ مُصِيبَتِه - لَكانَ عَسى ذلكَ أن يكونَ مُحتمَلًا، ولٰكِنَّهم يَتَشَاءَمُون بِه، وَلا يَزالُونَ يَستثقِلُونَ ذِكْرَه، وَيُكثِرُونَ مِن لائِمَتِه وتعنِيفِه.

نعم! ثُمَّ يَتَّخِذُون المَطَابِخَ فِي العَلالِيِّ على ظُهورِ السُّطوحِ، وَإِنْ كانَ فِي أَرضِ الدَّارِ فَضْلٌ وفِي صَحنِها مُتَّسعٌ، مَعَ مَا فِي ذٰلكَ مِن الخِطارِ بِالأَنفسِ، والتَّغريرِ بِالأَموالِ، وتَعرُّضِ الحُرَمِ لِيلَةَ الحَرِيقِ لأَهلِ الفَسادِ، وَهُجومِهِم مَعَ ذلكَ على سِرٍّ مَكتومٍ، وخَبِيءٍ مَستُورٍ، مِنْ ضَيفٍ مُستَخفٍّ، وَربِّ دارٍ مُتوارٍ، وَمِن شَرابٍ مَكرُوهٍ، وَمِن كِتابٍ مُتَّهمٍ، وَمِن مالٍ جَمٍّ أُرِيدَ دَفنُه، فأَعجلَ الحَرِيقُ أَهلَه عَن ذٰلكَ فِيه، ومِن حالاتٍ كثيرةٍ، وأُمورٍ لا يُحبُّ النَّاسُ أن يُعرَفُوا بِها ثُمَّ لايَنصِبُونَ التَّنانِيرَ، ولا يُمَكنُون لِلقُدورِ، إلا على مَتنِ السَّطحِ، حَيثُ لَيسَ بَينها وبَين القَصبِ وَالخَشبِ إلا الطِّينُ الرَّقِيقُ، وَالشَّيءُ لايَقِيْ، هٰذا مع خِفَّةِ المؤنةِ فِي إِحكامِهَا وَأَمنِ القُلوبِ مِن الـمَتالِفِ بِسَبَبِهَا. فإِن كُنتُمْ تُقدِمُون على ذلكَ مِنَّا ومِنكم وأَنتم ذاكرُونَ، فَهٰذا عَجب، وإِن كُنتُم لَم تَحفِلُوا بِما عَليكُم فِي أَموالِنا، وَنَسِيتُم مَا عليكُم فِي أَموالِكُم، فَهٰذا أَعجبُ.

ثُمَّ إنَّ كَثِيرًا مِنكُم يُدافِعُ بِالكراءِ، ويُماطِلُ بِالأَداءِ. حَتى إذا اجتَمعَتْ أَشهرٌ عَلَيهِ، فَرَّ وخَلَّى أربابَهَا جِياعًا، يَتندَّمُونَ على مَا كَانَ مِن حُسنِ تَقاضِيهِم وإِحسانِهِمْ. فكانَ جَزاؤُهم وشكرُهم اقتِطاعَ حُقوقِهِمْ، والذَّهابَ بِأَقواتِهِمْ. ويسكنُها السَّاكنُ حِينَ يَسكنُها، وَقد كَسَحنَاهَا ونَظَّفْناها، لِتَحسُن فِي عينِ الـمُستأجِرِ، ولِيرغَبَ فِيها النَّاظرُ. فإذا خَرجَ، تركَ فِيها مَزبلةً وخَرابًا، لا

تُصلحه إلا النّفقةُ المُوجِعةُ، ثم لا يَدَ عُ مُتَرَسًا إلا سَرقه، ولا سُلّمًا إلا حَملَه، ولا نِقْضًا إلا أخذَه، ولا بَرادةً إلا مضى بِها مَعه، وَلا يدَ عُ دَقّ الثّوبِ، والدَقّ فِي الهاوَنِ والمِنحازِ فِي أرضِ الدّارِ. ويَدُقّ على الأجذاعِ والحواضنِ والرواشنِ، وإن كانتِ الدارُ مُقرمَدةً أو بالآجُرّ مَفرُوشةً، وَقد كانَ صاحبُها جعَلَ فِي ناحيةٍ مِنها صَخرةً، لِيكونَ الدّقُّ علَيها، ولتكونَ واقيةً دُونَها دَعاهُم التّهاوُنُ، والقَسوةُ، وَالغِشُّ، وَالفُسولَةُ إلى أن يَدُقُّوا حَيثُ جَلَسُوا، وَإلى ألّا يحفِلوا بما أَفسَدُوا. لَم يُعطِ قطُّ لِذلك أَرشًا، ولا استَحَلّ صَاحبَ الدّارِ، ولا استغفَرَ اللهَ مِنه فِي السِّرّ ثمّ يَستكثِرُ مِن نَفسِه فِي السَّنة إخراجَ عَشرةِ دَراهِم، ولا يَستكثِرُ مِن ربّ الدّارِ ألفَ دِينارٍ فِي الشّهرِ. أَيذكُر ما يَصِيرُ إلينا مَع قِلّتِه، ولا يذكُر ما يَصِيرُ إلَيه مَع كثرته؟

هٰذا والأيامُ الّتي تنقضُ الـمُبرمَ، وتُبلِي الجِدّةَ، وتُفرّقُ الجَميعَ الـمُجتمعَ، عامِلةٌ فِي الدُّورِ كما تعملُ فِي الصُّخورِ، وتأخذُ مِنَ المَنازلِ كَما تَأخذُ مِن كُلّ رطبٍ ويابسٍ، وَكما تَجعلُ الرّطبَ يابِسًا، واليابسَ هَشِيمًا، والهشِيمَ مُضمحِلًا.

ولِانهِدام المنازلِ غَايةٌ قَرِيبَةٌ، ومُدّةٌ قصيرةٌ، والسّاكنُ فِيها هُو الـمُتمتّعُ بها، والـمُنتفِعُ بِمَرافِقِها وهُو الّذِي أبلٰى جِدّتَها وذَهَبَ بِحُلاها، وبِه هَرُمت وذَهبَ عُمرُها، لِسُوءِ تَدبيرِه. فإذا قَسمنا الغُرمَ عِند انهدامِها بإعادتِها، وبعدَ ابتدائِها، وغُرمَ ما بَين ذلك مِن مَرمّتِها وإصلاحِها، ثُمّ قابَلنا بذلك مَا أخذنا مِن غلّاتِها، وارتَفقْنا بِه مِن إكرائِها، خَرجَ على الـمُسكنِ مِن الخُسرانِ، بِقَدرِ ما حصَلَ لِلسّاكنِ مِن الرّبحِ إلا أنّ الدّراهمَ الّتي أخرَجْناهَا مِنَ النّفقةِ كَانت جُملة، وَالّتي أَخذناهَا علٰى جِهة الْغَلّةِ جَاءت مُقَطّعة. وهذا مع سُوءِ القَضاءِ، والإحواجِ إلى طولِ الِاقتِضاءِ، ومعَ بُغضِ السّاكنِ لِلمُسكِنِ، وحبِّ الـمُسكنِ للسّاكنِ. لأنّ المسكِنَ يُحبُّ صحّةَ بَدنِ السّاكنِ، ونِفاقَ سُوقِهِ إن كانَ تاجِرًا، وتَحرّكَ صناعتِه إن كان صانِعًا. ومحبةُ الساكنِ أن يَشغَلَ اللهُ عنه الـمُسكنَ كيف شاءَ، إن شاءَ شَغله بِعَينِه، وإن شاءَ بِزمانِه، وإن شَاءَ بحَبسٍ، وإن شاءَ بمَوتٍ. ومدارُ مُناهُ أن يَشغَلَ عَنه ثم لا يبالي كَيف كان ذلك الشُّغلُ، إلا أنه كُلّما كانَ أشدّ كان أحبّ إلَيه، وكان أجدرَ أن يأمَنَ، وأخلقَ لأن يَسكُنَ. وعلى أنه إن فَترتْ سوقُه أو كَسدَتْ صِناعتُه، ألحّ فِي طلبِ التّخفيفِ مِن أصلِ الغَلّةِ، والحطِيطةِ مِمّا حصلَ عليه من الأُجرةِ، وعلى أنّه إن أتاه اللهُ بالأرباحِ فِي تجارتِه، والنّفاقِ فِي صِناعتِه، لم يَرَ أن يَزيدَ قِيراطًا فِي ضَرِيبتِه، ولا أن يُعَجّلَ فلسًا قبلَ وقتِه".

11.4 صاحب متن کا تعارف

عصرِ عباسی اپنی بے مثال علمی وادبی اور فکری وفنی خوبیوں کی وجہ سے ممتاز سمجھا جاتا ہے اوراس دور کی یہ خوبیاں ان عظیم افراد کی وجہ سے ہیں، جو اس دور میں پائے گئے اور انھوں نے اپنے نتائج فکر سے اسلامی وعربی ادب وفکر کو مالا مال کیا۔ ایسے ہی عظیم لوگوں میں سے ایک جاحظ بھی ہے، ایک جلیل القدر ادیب، نثر نگار، دانشور اور صاحب اسلوب انشاپرداز، اس کی کنیت ابوعثمان ہے اور نام عمرو بن بحر بن محبوب ہے، اس کا خاندان بنوکنانہ سے تعلق رکھتا ہے، جاحظ کی پیدایش بصرہ میں 160ھ میں ہوئی اور جاحظ کے نام سے اس لیے اس کی شہرت ہوئی کہ اس کی آنکھوں کا ڈھیلا باہر کی طرف نکلا ہوا تھا۔ جاحظ کا گھرانہ ایک معمولی گھرانہ تھا، اس کے والدین مفلوک الحال اور معاشرے کے معمولی لوگ تھے، شاید اسی وجہ سے تاریخ میں اس کے ماں باپ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، البتہ بعض مؤرخین نے اس کے دادا کا ذکر کیا ہے، جو بنوکنانہ کے یہاں اونٹ چراتا تھا، جاحظ کے

والد کا انتقال اس کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا، پھر اس کی والدہ نے بڑی مشقت اور پریشانی کے ساتھ اس کی پرورش کی۔ گھر کی خستہ حالی کی وجہ سے جاحظ کو بچپن سے ہی حصول معاش میں لگنا پڑا؛ چنانچہ وہ بصرہ میں نہرِ سیحان کے کنارے روٹیاں اور مچھلیاں بیچنے لگا، مگر چوں کہ فطری طور پر وہ ایک ذہین اور حصولِ علم کا شوق رکھنے والا بچہ تھا؛ اس لیے اس نے اپنا گھر چلانے کے ساتھ وقت نکال کر بعض مدرسوں میں بھی آمد و رفت شروع کر دی اور اسی طرح اس نے اپنے حصولِ علم کا سفر جاری رکھا، حتی کہ مختلف اوقات میں اس نے اخفش، اصمعی، ابوعبیدہ، ابوزید انصاری، ابراہیم بن سیار وغیرہ جیسے اصحابِ فکر و ادب سے استفادہ کیا اور رفتہ رفتہ خود ایک عظیم ادیب و نثر نگار کی حیثیت سے آسمانِ ادب پر چھا گیا۔ اس کے بعض اساتذہ معتزلی الفکر تھے، جس کا جاحظ پر بھی اثر پڑا اور وہ بھی معتزلی ہو گیا، اس کی اس فکر کا اثر اس کی کتابوں میں بھی واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

11.4.1 بغداد کا سفر اور شہرت و مقبولیت

کچھ ہی دنوں بعد اس نے بصرہ کو خیر باد کہہ کر بغداد کی طرف کوچ کر لیا، جو اس کے لیے ایک وسیع میدانِ عمل ثابت ہوا اور وہیں پہنچنے کے بعد اس کی ادبی صلاحیتیں نکھر کر اور ابھر کر سامنے آئیں، بہت جلد وہ اربابِ ادب کے حلقوں میں مقبول و مشہور ہو گیا، اس کی مقبولیت دیکھتے ہی دیکھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ بہت سے پرانے اصحابِ ادب و قلم اس سے حسد کرنے لگے، کچھ لوگوں نے اپنی تحریروں میں اس کا اسلوب اختیار کرنا چاہا، جب کہ بعض لوگوں نے اسے مختلف حیلوں سے بدنام کرنے کی کوشش کی، مگر کسی کو کامیابی نہ ملی اور جاحظ روز بہ روز نئی بلندیوں کو چھوتا گیا۔ اس نے امامت (خلافت) کے سلسلے میں ایک کتاب لکھی تھی، جو اس وقت کے عباسی خلیفہ مامون رشید تک پہنچی، اس نے پڑھا تو اسے بہت اچھی لگی، فوراً جاحظ کو دربارِ خلافت میں طلب کیا، انعامات سے نوازا اور اپنا کاتب (سکریٹری، منشی) مقرر کر دیا، مگر جاحظ کی طبعِ آزاد کے لیے یہ عہدہ موزوں نہ تھا؛ چنانچہ اس نے بہت جلد استعفا دے دیا، اس دوران کئی سرکاری اہل کاروں، وزیروں اور رئیسوں سے اس کے روابط مضبوط ہو گئے، انھی میں سے ایک محمد بن عبدالملک زیات تھا، جو خلیفہ معتصم کا وزیر تھا، جب جاحظ نے کتاب الحیوان لکھی، تو اسے بھی ہدیتاً پیش کیا، یہ کتاب اسے اتنی اچھی لگی کہ اس نے جاحظ کو بہ طور انعام پانچ ہزار دینار سے نوازا۔ مرفہ الحال ہونے کے بعد جاحظ نے مختلف علاقوں کے دورے کیے اور دمشق، انطاکیہ و مصر کے چکر لگاتا رہا۔ جب متوکل نے خلافت سنبھالی تو زیات پر مصیبت آ پڑی، جس کا اثر جاحظ پر بھی پڑا، وہ ڈر کے مارے فرار ہو گیا، مگر پکڑا گیا اور چوں کہ متوکل کے قاضی محمد بن ابوداؤد اس سے واقف تھے؛ چنانچہ انھوں نے اس کی علمی و ادبی صلاحیت کی تعریف کی؛ اس لیے متوکل نے اسے اپنے پاس رکھ کر اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر لگا دیا، مگر وہاں بھی زیادہ دن نہ رہ سکا اور جلد ہی اس ذمے داری سے فارغ کر دیا گیا۔

جاحظ نے اپنی بے مثال علمی صلاحیت اور ادبی ہنرمندی کے عوض نہ صرف شہرت حاصل کی؛ بلکہ دنیا بھی خوب کمائی۔ جس امیر، رئیس یا خلیفہ سے ملتا، اس کی خدمت میں اپنی کوئی نئی تصنیف پیش کر دیتا اور چوں کہ اس زمانے میں امرا و رؤسا بھی علم دوست و ادب شناس ہوتے تھے؛ چنانچہ وہ جاحظ کو جی بھر کے نوازتے؛ چنانچہ اپنے علم و قلم کی بہ دولت جاحظ نے دونوں ہاتھوں سے دولت و شہرت سمیٹی، ان تمام محرومیوں کا بدلہ نکالا، جو اس نے بچپن میں جھیلی تھیں یا جن محرومیوں سے اس کے خاندان اور گھر والے گزرتے آ رہے تھے۔

11.4.2 بدصورتی

تمام تر علمی وجاہت، ادبی امتیاز اور فکری و ذہنی تفوق کے ساتھ جاحظ ظاہری اعتبار سے نہایت بدہیئت، بدصورت اور قبیح انسان تھا، عربی

ادب کی تاریخ میں اس کی بدصورتی سے متعلق بے شمار کہانیاں مذکور ہیں۔اس کی بدہیئتی کی انتہا یہ ہے کہ کسی شاعر نے کہا:

لو یمسخ الخنزیر مسخا ثانیا

ما کان إلا دون قبح الجاحظ

اگر خنزیر کو بھی دوبارہ مسخ کر دیا جائے،تو وہ بھی جاحظ سے کم ہی بدصورت ہوگا۔

جاحظ کو خود اپنی بدصورتی کا احساس تھا؛چنانچہ اس نے خود بیان کیا کہ متوکل نے اسے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے اس لیے الگ کر دیا کہ وہ بدشکل تھا اور اس کے بچے اسے دیکھ کر ڈر جاتے تھے،اسی طرح ایک مشہور واقعہ ہے کہ جاحظ ایک جگہ کھڑا تھا کہ ایک عورت اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے کہا کہ فلاں پینٹر کی دکان تک چلو،وہ اس کے ساتھ گیا،وہ عورت جاحظ کو لے کر اس دکان دار کے پاس پہنچی اور اس سے کہا کہ:اس کے جیسی۔جاحظ کو سمجھ نہیں آیا کہ اس نے کیا کہا؛چنانچہ اس نے دکان دار سے پوچھا کہ بھئی اس عورت کے یہ کہنے کا کیا مطلب تھا؟تو اس نے کہا کہ دراصل وہ عورت مجھ سے شیطان کی پینٹنگ بنانے کو کہہ رہی تھی،تو میں نے اس سے کہا تھا کہ کوئی نمونہ ہونا چاہیے،جس کی روشنی میں میں وہ تصویر تیار کر سکوں،تو وہ تمھیں لے کر آ گئی اور اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اسے تمھارے جیسی تصویر بنا کر دوں۔

11.4.3 اچھے اوصاف

البتہ وہ بدصورت تو تھا،مگر اس کے جسم کی ساخت سڈول اور بھلی تھی،باتیں اچھی کرتا تھا،مضبوط شخصیت کا مالک تھا،دل کا صاف تھا،واقعیت پسند تھا،دلچسپ اوصاف کا مالک تھا،لوگوں سے خوش طبعی کے ساتھ ملتا اور خندہ پیشانی سے بات کرتا،ان سب کے ساتھ وہ ایک نہایت ذہین،دانش مند،قوتِ مشاہدہ سے ہم کنار اور باریک بیں قسم کا انسان تھا۔وہ کبھی مایوس نہیں ہوتا تھا،نہ کسی کو مایوس دیکھ سکتا تھا،ہمیشہ پر امید رہتا اور دوسروں کو بھی حوصلہ دیتا۔اس طرح اس کی ذات میں دو متضاد قسم کی شخصیتیں جمع تھیں،ایک کو لوگ حد درجہ ناپسند کرتے تھے،جب کہ دوسری شخصیت کو لوگ دل سے چاہتے اور پسند کرتے تھے۔اس کے پسند کیے جانے کی ایک اہم ترین اور مسلم وجہ اس کی علمی و ادبی برتری تو تھی ہی۔

11.4.4 آخری عمر

اخیر عمر میں اس کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہوگئی تھی،مختلف بیماریوں کا شکار ہو گیا تھا،متوکل نے اس کی قدر شناسی کے جذبے سے اسے بلا بھیجا،تو اس نے جواب دیا:امیر المؤمنین ایک ایسے شخص کو کیوں یاد فرماتے ہیں،جو از کار رفتہ ہو چکا ہے،اس کے کندھے جھک گئے ہیں،اس کے منہ سے لعاب گرتا رہتا ہے اور اس کا رنگ نہایت بھدا ہے''۔مبرّد ایک بار اسی زمانے میں اس سے ملنے گئے اور حال دریافت کیا،تو اس نے کہا:وہ شخص کیسا ہوگا،جس کے جسم کا آدھا حصہ مفلوج ہو چکا ہے،اگر اس پر آرا بھی چلوا دیا جائے،تو کچھ اثر نہیں ہوگا اور دوسرا آدھا حصہ ایسا زخم آلود ہے کہ اگر اس کے قریب سے بھی مکھی گزرے،تو تکلیف ہوتی ہے''۔

11.4.5 مرض الموت اور سانحۂ وفات

اس کی تکلیف روز بروز بڑھتی گئی،مگر اس حال میں بھی کتابوں سے اس کا عشق کم نہیں ہوا؛بلکہ مزید بڑھ گیا؛چنانچہ وہ اپنے شب و روز کتابوں کے درمیان گزارتا،حتی کہ ایک دن وہ کتابوں کے نیچے دب کر ہی وفات پا گیا۔یہ سانحہ 255ھ میں پیش آیا۔

11.4.6 تصنیفات وتالیفات

کہتے ہیں کہ جاحظ نے اپنی زندگی میں چھوٹی بڑی لگ بھگ ایک سوستر کتابیں تصنیف کیں، مگران میں سے زیادہ تر کتابیں زمانے کی دست بردکی نذر ہوگئیں۔اس کی جو کتابیں عام طور پر دستیاب ہیں، ان میں کتاب الحیوان، البیان والتبیین اور البخلاء ہیں۔ یہ تینوں کتابیں موضوع کے اعتبار سے مختلف ہیں؛ چنانچہ اول الذکر کتاب میں جاحظ ایک ماہر طبیعیات کے طور پر نظر آتا ہے، دوسری کتاب میں وہ عربی کا ایک دیدہ ور نقاد ہے، جب کہ تیسری کتاب میں وہ سماج اور معاشرے کے اخلاق وسلوک کا مبصر اور مصلح نظر آتا ہے۔ بہرکیف جاحظ عربی ادب کے ان درخشندہ ستاروں میں سے ہے، جن کی روشنی رہتی دنیا تک عالمِ ادب کو منور کرتی رہے گی۔

11.5 متن کا ترجمہ

معبد نے کہا: ہم کندی کے گھرایک سال سے زائد رہے، اس کے مکان کی تعریف وتشہیر کرتے اور کرایہ دار فراہم کرتے اور کرایہ میں اضافہ کرواتے ہوئے اس کی ضروریات کی تکمیل کرتے اوراس کی شرطیں بھی پوری کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا: کرایہ میں اضافہ کروانا، کرایہ دار مہیا کرنا اورضروریات کی تکمیل توسمجھ گیا؛ لیکن شرطیں پوری کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو اس نے کہا: گھر میں رہنے والے کرایہ داروں پر اس کی ایک شرط یہ تھی کہ جانور کی لید، بکری کی مینگنیاں اور چوپایے کے چھوڑا ہوا چارہ اس کے ہوں گے اور وہ کوئی ہڈی اور کوڑا کرکٹ باہر نہیں ڈالیں گے، کھجور کی گٹھلیاں اور انار کے چھلکے بھی اس کے ہوں گے، ہر پکائی جانے والی دیگچی میں اس (کرایہ دار) کے گھر کی حاملہ عورت کے لیے پکائی جانے والی ہر ہانڈی میں سے بھی ایک دوئی یا ایک چلّو اس کا حصہ ہوگا، کبھی کبھی وہ ان شرطوں میں ڈھیل بھی کردیتا تھا اور وہ لوگ اس کے صدق دل، خلوص اور شیریں کلامی کی وجہ سے اس کی شرطوں کو جھیلتے رہتے تھے۔

معبد نے کہا: ہم اسی طرح اپنے دن گزار رہے تھے کہ اسی دوران میرا چچازاد بھائی اپنے بیٹے کے ساتھ ہمارے پاس پہنچ گیا اوراس کے پہنچتے ہی کندی کے پاس میرے نام کی ایک چھٹی آئی۔ اگر یہ دونوں نو وارد ایک دوراتوں کے لیے آئے ہیں، تو ہم برداشت کرسکتے ہیں، اگرچہ رہنے والوں کو ایک رات کی خواہش دلانا بہت سی رات ٹھہرنے کی لالچ کا سبب ہوسکتا ہے'' ۔تو میں نے اسے لکھا: یہ لوگ ہمارے پاس ایک ماہ یا چند ماہ رہیں گے'' ۔تو اس نے مجھے لکھا: تمھارے گھر کا کرایہ تیس درہم ہے اور ابھی تم چھ لوگ رہتے ہو، گویا ہر بندے کا کرایہ پانچ درہم ہے، اب چوں کہ تم دو اور لوگوں کو بڑھا رہے ہو، تو دس درہم کی بڑھوتری لازمی ہے، پس آج سے اس گھر کا کرایہ چالیس درہم ہوگا''۔

میں نے اسے لکھا: اگر وہ دو لوگ اس گھر میں رہیں، تو اس سے آپ کا کیا نقصان ہوگا؟ حالاں کہ ان کا بوجھ تو اس زمین کو اٹھانا ہے، جس نے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنی پشت پر اٹھا رکھا ہے اور ان کا خرچہ تو میں اٹھاؤں گا، آپ نہیں اٹھائیں گے، مجھے بتائیں آپ کے پاس کرایہ بڑھانے کی کیا وجہ ہے؟'' ۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں بے فائدہ کوشش کررہا ہوں اور یہ خود میرے لیے ہی مصیبت ثابت ہونے والی ہے۔

اس نے مجھے لکھا: میں نے جو تمھارے کرایے میں دس درہم کا اضافہ کیا ہے، اس کی کئی وجہیں ہیں، جو معروف ہیں، عام طور پر پائی جاتی ہیں، مثلاً: نالوں کا جلدی بھر جانا، پھر اسے صاف کرنے میں محنت ومشقت اٹھانی پڑتی ہے، اسی طرح جب پاؤں زیادہ ہوں گے، تو مٹی سے پوتی گئی چھتوں اور گچ سے پختہ کی گئی گھر کی زمین پر چلنا پھرنا زیادہ ہوگا، سیڑھیوں پر چڑھنا بھی زیادہ ہوگا، جس کی وجہ سے مٹی اکھڑ جائے گی اور گچ

ادھڑ جائیں گے، چوکھٹ ٹوٹ جائے گی، زیادہ چلنے کی وجہ سے چھت کی شہتیریں ٹیڑھی ہوجائیں گی اور زیادہ بوجھ پڑنے پر ٹوٹ جائیں گی۔ جب گھر میں آمدورفت، کھولنا اور بند کرنا زیادہ ہوگا اور بند کرتے وقت تالا کو کھینچا جائے گا، تو دروازے کمزور ہو جائیں گے اور کنڈی (وہ حلقہ جس میں تالا یا زنجیر ڈالا جاتا ہے) اکھڑ جائے گی اور اگر گھر میں بچے زیادہ ہوں گے، لوگوں کی بھیڑ بھاڑ ہوگی، تو دروازے کی کیلیں اکھاڑ دی جائیں گی، ہر تالا، ہر کنڈی اور اخروٹ کا درخت اکھاڑ دیا جائے گا، گھر میں گڈھے کھود دیے جائیں گے اور وہ گھر کے صحن کو برباد کردیں گے، دوسری طرف دیواروں کو کیل ٹھونک کر اور ریگ لٹکا کر خراب کردیا جائے گا، جب گھر کے لوگ، آنے جانے والے، مہمان اور دوست احباب کی کثرت ہوگی، تو پھر بہت سارا پانی بھی بہایا جائے گا، پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑے بڑے بھرے ہوئے مشکیزوں کی ضرورت ہوگی اور مشکیزوں سے ٹپکنے والے قطرات، کنویں کے پانی اور بدانتظامی کی وجہ سے کتنی ہی دیواروں کا نچلا حصہ بیکار ہوگیا، بالائی حصہ پھٹ گیا، اس کی بنیادیں ہل گئیں اور ان کا ڈھانچہ کمزور ہوگیا۔ پھر جب آدمیوں کی تعداد زیادہ ہوگی، تو کھانے پکانے، ایندھن جلانے اور چیزوں کو گرم کرنے کی بھی زیادہ ضرورت پڑے گی اور آگ ایسی چیز ہے، جو کسی بھی چیز کو صحیح سلامت نہیں رہنے دیتی اور گھر تو اس کے ایندھن ہیں، گھر میں موجود ہر ساز وسامان کو وہ کھا جاتی ہے، کئی بار آتش زدگی کی وجہ سے گھر کا سارا سامان جل جاتا ہے اور گھر والوں کو زبردست خسارے اور خرچے سے دوچار ہونا پڑتا ہے، بسا اوقات ایسے واقعات سخت تنگی اور سختی کی حالت میں رونما ہوجاتے ہیں، کبھی کبھی یہ مصیبت پڑوسیوں کے گھروں تک پہنچ جاتی ہے اور ان کے جان ومال کو نقصان پہنچا دیتی ہے، ایسے وقت میں اگر لوگ مکان مالک کو چھوڑ دیتے ہوں، تو اس مصیبت کو برداشت بھی کیا جا سکتا ہے، مگر نہیں، لوگ تو اسے ہی برا بھلا کہتے اور بہت زیادہ لعنت ملامت کرتے ہیں۔

ہاں! یہ لوگ مطبخ بھی چھت کے اوپر کے کمرے میں بناتے ہیں، بھلے ہی گھر کے نچلے حصے میں جگہ بچی ہو اور صحن میں اس کی گنجایش موجود ہو؛ حالاں کہ اس میں جان ومال اور عزت وآبرو کو خطرہ بھی ہوتا ہے، کہ اگر کبھی آگ لگ گئی تو فسادی لوگ گھر میں گھس کر حملہ کرسکتے ہیں، وہ کسی پوشیدہ راز، چھپائی گئی اشیا، مثلاً: کوئی مہمان، گھر والا، کوئی پینے کی ناپسندیدہ چیز، کوئی نامناسب کتاب وغیرہ کو عام کرسکتے ہیں، آگ لگنے کی وجہ سے دفن کرنے کے لیے رکھا گیا مال برباد ہوسکتا ہے، اسی طرح اور بھی بہت سے احوال وامور ہیں، جنھیں لوگ عام نہیں کرنا چاہتے۔ پھر لوگ تندور لگانے اور ہانڈیاں پکانے کا کام بھی چھت پر کرتے ہیں، جہاں مٹی اور ان کے درمیان محض پتلی سی لکڑی ہوتی ہے اور کوئی چیز نہیں ہوتی، اسے بھی مضبوطی سے نہیں باندھا جاتا اور اس کی وجہ سے جو بربادیاں ہوسکتی ہیں، ان کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اگر تم جانتے ہوئے اپنے یا ہمارے گھر میں ایسا کرتے ہو، تو یہ تعجب خیز بات ہے اور اگر تمھیں اپنے یا ہمارے مال واسباب کے سلسلے میں اپنی ذمے داریوں کا ہی احساس نہیں ہے، تو پھر یہ زیادہ ہی حیرت انگیز ہے۔

پھر تم میں سے بہت سے لوگ کرایہ دیتے وقت مالک مکان سے بحث مباحثہ کرتے اور کرایہ دینے میں ٹال مٹول کرتے ہیں، حتی کہ جب کئی ماہ ہوجاتے ہیں، تو وہ مکان مالک کو بھوکا ننگا چھوڑ کر بھاگ نکلتے ہیں، پھر وہ اپنی شرافت واحسان پر اظہارِ ندامت کرتے رہتے ہیں، جس کے بدلے انھیں یہ ملتا ہے کہ کرایہ دار ان کا حق اور روزی روٹی لے کر بھاگ جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کوئی کرایہ دار آنے والا ہوتا ہے، تو ہم گھر کی صاف صفائی کردیتے ہیں؛ تاکہ اسے اچھا لگے اور اس کا دل گھر میں رہنے پر آمادہ ہوجائے؛ لیکن جب وہی شخص گھر چھوڑ کر جاتا ہے، تو وہ کوڑوں اور گندگی کا ڈھیر چھوڑ کر جاتا ہے، جسے صاف کروانے میں اچھا خاصا خرچہ برداشت کرنا پڑتا ہے، وہ دروازے پر اوٹ کے لیے استعمال کی جانے والی

لکڑی، سیڑھی، مکان کی ٹوٹی پھوٹی چیزیں اور پانی ٹھنڈا کرنے والا برتن تک چرا کر لے جاتا ہے۔ گھر کے فرش پر رکھ کر کپڑوں کو پیٹ پیٹ کر صاف کرتا، ہاون دستہ استعمال کرتا اور چھت کے ستونوں اور دیوار کے کھمبوں پر کو پیٹتا رہتا ہے، بھلے ہی فرش گچ اور اینٹوں سے پلاسٹر کیا گیا ہو اور مکان مالک نے کوٹنے اور ٹھونکنے کے لیے الگ سے گھر میں ایک پتھر رکھ چھوڑا ہو؛ تاکہ اس طرح کا کام اسی پتھر پر کیا جائے اور گھر کی دوسری چیزوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے، مگر سستی، سخت دلی، دھوکہ دہی اور کمینگی کی وجہ سے وہ جہاں بیٹھتے ہیں، وہیں کھود کرید اور ٹھوکنا بجانا شروع کر دیتے ہیں اور کبھی بھی اپنی بد معاشی پر اظہار افسوس تک نہیں کرتے، نہ نقصان کا کوئی بدلہ دیتے ہیں، نہ مالک مکان سے معافی مانگتے ہیں اور نہ تنہائی میں خدا کے سامنے ہی نادم ہوتے ہیں، پھر سال بھر دس درہم نکالنا اسے زیادہ لگتا ہے، جب کہ مالک مکان کے نقصان کی ہوئی چیزوں کو خریدنے میں ہزاروں دینار خرچ ہو جائیں، تو وہ کچھ زیادہ نہیں۔

ہمیں ہونے والے معمولی فائدے کو تو وہ یاد رکھتا ہے، مگر اس کے کرتوت کی وجہ سے جو ہمارا بہت سا مال خرچ ہوا، اسے یاد نہیں رکھتا۔

پھر روز وشب کی گردشیں مضبوط چیزوں کو بھی کمزور کر دیتی ہیں، نئے کو پرانا کر دیتی ہیں، اکٹھی چیزوں کو منتشر کر دیتی ہیں، ان کا اثر گھروں پر بھی ہوتا ہے اور پتھروں پر بھی، ہر خشک وتر کی طرح گھروں کو بھی نقصان پہنچاتی ہیں

اور بہت کم مدت میں مکانات منہدم ہو جاتے ہیں۔ جو شخص گھر میں رہتا ہے، وہی اس سے متمتع ہوتا اور فائدہ اٹھاتا ہے، وہی اس مکان کو نئے سے پرانا کرتا، اس کی خوبصورتی کو ختم کرتا اور اسی کی بد انتظامی کی وجہ سے اس مکان کی زندگی ختم ہوتی ہے۔ جب مکان کے انہدام اور تعمیر نو کے بعد اس کی مرمت اور اصلاح پر ہونے والے خرچے کو ہم تقسیم کرتے ہیں اور اس کا تقابل ہم اس منافع سے کرتے ہیں، جو ہمیں اسے کرایے پر لگانے سے حاصل ہوئے، تو پتا چلتا ہے کہ مکان مالک کو اتنا ہی نقصان ہوا ہے، جتنا کہ مکان میں رہنے والے کو فائدہ ہوا ہے،

ہم نے اس پر جو درہم خرچ کیے، وہ تو یکمشت تھے، جب کہ ہمیں جو فائدہ ہوا، وہ تھوڑا تھوڑا اور قسط وار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ (کئی بار) مکان مالک کو کرایہ دار کے غلط فیصلوں سے دوچار ہونا پڑتا اور بسا اوقات (کرایے کے لیے) لمبی مدت تک تقاضا کرنا پڑتا ہے، اسی طرح مکان مالک تو کرایہ دار سے محبت کرتا ہے؛ لیکن کرایہ دار مکان مالک سے بغض رکھتا ہے، مکان مالک تو یہ چاہتا ہے کہ کرایہ صحت مند رہے، اگر وہ دار تاجر ہے، تو اس کی تجارت اچھی طرح چلے اور اگر وہ صنعت کار ہے، تو اس کی صنعت فائدے میں رہے، جب کہ کرایہ دار یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان مالک کو اس سے دور ہی رکھے یا تو اسے اپنے آپ میں الجھائے رکھے یا کسی مصیبت میں مبتلا کر دے یا قید میں ڈلوا دے یا موت ہی دے دے۔ بہر کیف اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ مکان مالک اس سے دور رہے، چاہے وہ جس الجھن میں بھی مبتلا ہو، ہاں وہ الجھن جس قدر شدید ہو، وہ اسے زیادہ پسند ہوتی ہے؛ تاکہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ محفوظ رہے اور اسے زیادہ سے زیادہ اس مکان میں رہنے کا موقع ملے اور اگر اس کی تجارت نہیں چل رہی ہے یا اس کا کاروبار مندی کا شکار ہے، تو اس کا اصرار ہوتا ہے کہ اصل کرایے میں تخفیف کر دی جائے اور جو معاوضہ اسے دینا ہے، اس میں کمی کر دی جائے، جب کہ اگر اسے تجارت نفع ہو رہا ہے اور کاروبار اچھا چل رہا ہے، تو وہ اپنے کرایے میں ایک قیراط کا بھی اضافہ کرنا گوارہ نہیں کرتا اور نہ وقت سے پہلے ایک پیسہ دینا چاہتا ہے۔

11.6 لغوی تحقیق

روّج	:	رواج دینا، بڑھانا (روج، یروج ترویجا: تفعیل)

روث(و)روثة	:	لید
بعر(و)بعرة	:	مینگنی
نشوار	:	جانور کا چھوڑا ہوا چارہ
علوفة	:	چارہ
کساحة	:	کوڑا، کچرا
نواة(ج)نوی	:	گٹھلی
قشر(ج)قشور	:	چھلکا
تنزّل علی	:	وقفے وقفے سے کسی جگہ آنا، مہلت دینا (تنزل، یتنزل، تنزلا: تفعل)
بالوعة	:	نالی/موری
تنقیة	:	صاف کرنا (نقی، ینقیۃ: تفعیل)
طیّن	:	مٹی سے لیپنا، پوتنا (طین، تطیینا: تفعیل)
جصّص	:	گچ یا سرخی سے پوتنا، پلاسٹر کرنا (جصص، تجصیصا: تفعیل)
جصّ	:	گچ، سرخی
درج(و)درجة	:	سیڑھی
انقشر	:	ادھڑنا (انقشر، انقشارا: انفعال)
انقلع	:	اکھڑنا (انقلع، انقلاعا: انفعال)
عتب(و)عتبة	:	چوکھٹ
انثناء	:	مڑجانا (انثنی، انثناءا: انفعال)
أجذاع(و)جذع	:	شہتیر
تهشّم	:	کمزور ہونا (تہشم، تہشما: تفعل)
رزات(و)رزة	:	کنڈی
البوش	:	بھیڑ
مسامیر(و)مسمار	:	کیل
ضبة	:	تالے کی ایک قسم، چوڑا لوہا جس سے دروازہ بند کیا جاتا ہے
جوزة	:	اخروٹ، اخروٹ کا درخت۔ اس زمانے میں رواج تھا کہ لوگ اپنے گھر کے آنگن میں اخروٹ کا درخت لگایا کرتے تھے۔

آبار الزّدو	:	ایسے گڑھے،جنھیں بچے کھیلنے کے لیے کھودتے ہیں،مجازی طور پرانھیں کنواں کہہ دیا جاتا ہے۔
هشم	:	توڑنا(ہشم،ہشما:ضرب)
بلاط	:	چکنی،مسطح زمین
مداحي(و)مدحاة	:	ایسی مضبوط،موٹی لکڑی،جسے زمین کو برابر کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
رفوف(و)رف	:	ریگ،جو دیوار پر چھوٹی لکڑی یا کیل کے سہارے لٹکائے جاتے ہیں۔
ندماء(و)نديم	:	ساتھی،دوست
حببة(و)حُب	:	بڑا مشکیزہ
جرار(و)جرة	:	مشکیزہ
رشح	:	ٹپکنا(باب:فتح)
تأكل	:	کھوکھلا ہوجانا(باب:تفعل)
تداعى	:	پھٹ جانا(باب:تفاعل)
غلة	:	کرایہ یا زمین وغیرہ سے ہونے والی آمدنی
تعدّت	:	حد سے تجاوز کرجانا(تعدی،تعدیا:تفعل)
لائمة	:	ملامت،لعن طعن
علالي(و)عليّةٌ	:	اوپر کا کمرہ
خطار	:	خاطر کا مصدر ہے،خوف وخطر میں پڑنا(باب:مفاعلة)
تغرير	:	ہلاکت میں ڈالنا،برباد کرنا(غرر،تغریرا:تفعیل)
الحرم(و)حرمة	:	محترم،جس کی بے حرمتی حرام ہو
قصب	:	بانس،نرکل
متالف(و)متلفة	:	تلف ہونے والی چیزیں
ماطل	:	ٹال مٹول کرنا(ماطل،مماطلة:مفاعلة)
كسح	:	صاف کرنا(کسح،کسحا:فتح)
مزبلة	:	کوڑا ڈالنے کی جگہ،گندگی
مَتْرس	:	وہ لکڑی جو دروازے کے پیچھے بہ طور اوٹ استعمال کی جاتی ہے،یہ اصل میں فارسی لفظ ہے،ترسیدن مصدر سے فعل نہی،صیغہ واحد حاضر،جس کے معنی ہیں مت ڈر۔

نُقض	:	ملبہ، گھر کے ٹوٹے ہوئے اجزا
برّادة	:	پانی ٹھنڈا کرنے کا برتن
هاون (ج) هواوين	:	جس میں دوا وغیرہ کوٹی جاتی ہے
منحاذ	:	ہاون
حواضن (و) حاضنة	:	وہ لکڑی یا ستون جو چھت کو سہارا دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
رواشن (و) روشن	:	گھر کی دیوار سے نکلی ہوئی لکڑی، جو سامنے کی دیوار تک نہیں پہنچتی، روشن دان۔
مقرمدة	:	سرخی، گچ وغیرہ سے پوتنا، پلاسٹر کرنا (باب: فعللة)
آجر (و) آجرة	:	اینٹ
فسولة	:	بے مروتی، خست
أرش (ج) أروش	:	دیت، معاوضہ
مَرافق	:	منافع
غرم	:	وہ مال جسے ادا کرنا لازم ہو، تاوان، بدلہ
ارتفق به	:	فائدہ اٹھانا (باب: افتعال)
مقطّعة	:	حصہ بخرہ کرکے، قسط وار (باب: تفعیل)
حطيطة	:	کم کیا ہوا حصہ/مال
نفقت السوق	:	گرم بازاری، کاروبار کا چل پڑنا
فترت السوق	:	کاروبار میں گراوٹ آجانا، مندی پڑ جانا
ألح	:	اصرار کرنا (ألح، إلحاحا: إفعال)
فلس (ج) فلوس	:	پیسہ

11.7 ادبی صنف کا تعارف

جاحظ اپنے وقت کا بہت بڑا ادیب گذرا ہے، اس نے ادبی اسلوب نگارش اور واقعات میں حسیت اور واقعیت اور معاشرہ کی خوبیوں اور خرابیوں کی عکاسی کر کے بعد کے ادبا کے لیے نہایت اونچا اور بلند تر طرز تحریر اپنے پیچھے چھوڑا ہے، اس کی نثر نگاری کا کوئی ثانی نہیں، عبداللہ بن المقفع کے بعد جاحظ ہی وہ شخص ہے، جو نہایت رواں، دل نشیں اور خوب تر اور سہل اور واقعیت پر مبنی نثر لکھتا ہے، جس میں چھوٹے چھوٹے جملے، مربوط عبارتیں، بے تکلف آورد، سجع بندی، خودکار صنعت گری، تکلف برطرف اسلوب نظر آتا ہے، غیر مانوس اور شاذ و نادر الفاظ کا استعمال بہت کم ہوتا ہے، نثر نگاری کا یہ قطعہ اپنے فن کا شاہکار ہے، اس میں مزاح اور ہزل کی شوخیاں بھی ہیں، نثر نگاری میں علمی مباحث اور فلسفیانہ موشگافیوں کے اظہار کی

متانت بھی ہے، نثر نگاری کا یہ نمونہ اس کے زور قلم اور زود قلم کا شاہکار ہے، انداز تحریر فطری، الفاظ کا استعمال نہایت عامیانہ، حوار اور گفتگو کا انداز اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جس میں بخیلوں کی حکایات اور قصوں کو بیان کیا گیا ہے، وہ انسانی طبائع اور بشری فطرت کو بیان کرتے ہیں، اس میں بہت سارے مشاہیر کا نام آتا ہے، ملکوں اور شہروں کے ناموں کا ذکر ہے، وہاں کے رہن سہن اور طرز حیات، مختلف مفید اشعار موضوع اور محل کے لحاظ سے بیان کیے ہیں۔

11.7.1 صنف کی ہیئت وصورت

جاحظ اپنے وقت کا بہت بڑا ادیب گذرا ہے، اس کی کتاب "البخلاء" میں "البخیل الحکیم" نام سے ایک حکایت ہے، جس میں اس نے ایک بخیل مکاندار کی حکایت بیان کی ہے، معبد راوی کی زبانی وہ بیان کرتا ہے، اس کا مالک مکان کندی ایک نہایت بخیل اور کنجوس شخص تھا، ہم اس کے پاس ایک سال تک رہے، اس کی کنجوسی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے، وہ اپنے کرایہ داروں سے کہتا کہ گھر کی مینگنیاں، لید اور کوڑا کرکٹ بھی باہر نہ پھینکے جائیں، کھجور کی گٹھلیاں اور انار کے چھلکے بھی اس کے حوالے کیے جائیں، اس طرح کے شرائط کے ساتھ وہ اپنے مکان میں رہنے دیتا، ایک دفعہ یوں ہوا کہ میرے چچا اور چچا زاد بھائی میرے مہمان ہوئے، تو اس نے پوچھا کہ کتنے دن رہیں گے، دو دن رہتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ تمہیں ان کے مزید دس درہم دینے ہوں گے، اس لیے تم چھ لوگوں کے تیس درہم ہیں، ان دو کے دس، معبد نے کہا: ہم ان کے کھانے کا نظم کریں گے تو کرایہ کس بات کا؟ تو اس نے کہا: یہ گھر میں چلے پھریں، گھر کی گچ اور مٹی اکھڑے گی، سیڑھی استعمال کریں گے، آمد و رفت کی کثرت سے گھر کی مٹی خراب ہوجائے گی، دروازے بند کرنے اور کھولنے میں ان کے ٹوٹنے اور ان کے کواڑوں کے کمزور ہونے کا بھی اندیشہ ہے، پھر مشکیزوں میں پانی زیادہ بھر کر رکھا جائے گا تو پھر یہ پانی اوپر اور نیچے کی دیواروں میں رس بھی سکتا ہے، جس سے دیوار کمزور ہوسکتی ہیں، زیادہ لوگ رہیں گے تو پکانا بھی زیادہ پڑے گا، اگر چھت پر پکائیں تو بہت سارے اندیشے ہیں، جان و مال، گھر بار، اسباب اور عزت وآبرو کا نقصان ہوسکتا ہے، اس طرح اس نے اپنے کرایہ بڑھانے کے وجوہات کا ذکر کیا، الغرض اس صنف کے ذریعے جاحظ کا مقصد اس دور کے خراسان اور وہاں کے لوگوں کی بود و باش، رہن سہن اور طرز زندگی اور آپس کی گفتگو اور کرایہ داروں مکانداروں کے لب ولہجہ اور طرز تکلم اور ان کی کنجوسی اور بخالت وغیرہ کو بیان کرنا ہے، یہ صنف کی ہیئت وصورت ہے۔

11.8 متن سبق کا موضوع

یہ عصر عباسی کے معروف ادیب و نثر نگار ابوعثمان عمرو بن بحر بن محبوب کنانی لیثی جو جاحظ کے نام سے مشہور تھا، اس کی مشہور کتاب ''البخلاء'' کا ایک واقعہ ہے۔ اس کتاب میں جاحظ نے اپنے عہد کے مختلف بخیلوں کے واقعات مکالماتی انداز میں بیان کیے ہیں اور ان سے حاصل ہونے والے مختلف سماجی، اخلاقی واصلاحی سبق پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف ان بخیلوں کی بری خصلتوں کا ہی ذکر نہیں کیا گیا؛ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کی بعض خوبیوں اور اچھائیوں کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔ انہی واقعات میں سے ایک یہ واقعہ ہے، جو ایک بخیل مالک مکان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا نام کندی ہے اور مکان کرایے پر لگانے کے سلسلے میں اس کی اپنی شرطیں ہیں، وہ ایسے ہی لوگوں کو اپنے مکان میں رہنے کی اجازت دیتا ہے، جو اس کی شرطوں پر پورا اترتا ہو، کہ وہ اپنی گھر کا کوڑا کرکٹ، مینگنیاں اور لید وغیرہ اسی کو دیں گے،

معبد کہتا ہے کہ میں ایک سال تک اس کے یہاں کرایہ سے رہا، اس کا کرایہ بھی ادا کرتا رہا، اس کے بعد ایک دفعہ میرے چچا اپنے بیٹے کے ساتھ آئے، تو کندی نے کہا کہ اگر وہ دو دن ٹھہرتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ تم چھ لوگوں کا کرایہ تیس درہم ہے، ان دونوں کے اضافہ سے ان کا کرایہ دس ملا کر چالیس درہم ہوجائے گا تو معبد نے کہا: دو مہینے تو وہ میرے پاس ٹھہریں گے، خرچ تو میرا ہوگا تو کندی نے کرایہ بڑھانے کے وجوہات واسباب کا ذکر کرتے ہوئے تفصیلا بیان کیا کہ زیادہ لوگوں کے رہنے سے گھر کو مختلف طرح سے نقصان ہوسکتا ہے، نالیاں جلد بھر جائیں گی، جن کو صاف کرنا ہوگا، زیادہ لوگ ہوں گے تو زیادہ چلیں گے پھریں گے، جس کی وجہ سے مٹی کی چھت اور فرش کمزور ہوجائے گا، سیڑھیاں بھی کمزور پڑ جائیں، بار بار کھولنے بند کرنے سے چوکھٹ اور دروازے کمزور ہوں گے، لوگ زیادہ ہوں گے تو بچے بھی زیادہ ہوں گے، دیواروں میں کیلیں ٹھونکی جائیں گی، بچے کھلینے کے لیے گڈھے کھودیں گے، پانی کا استعمال بھی زیاہ ہوگا، جس کی وجہ سے پانی اور مٹکوں کا استعمال زیادہ ہوگا، جس کا پانی رس کر دیواروں کو کمزور کر دے گا، جب گھر میں زیادہ رہنے والے ہوں گے تو کھانے پکانے کے لیے آگ زیادہ جلائی جائے گی تو اس سے گھر کو خطرہ بھی ہوسکتا ہے، کبھی آگ بھی لگ سکتی ہے، پھر یہ آگ آس پاس کے گھروں کو بھی کبھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے، کرایہ دار گھر میں صحن اور نیچے جگہ ہونے کے باوجود اپنا مطبخ بالائی خانے پر بناتے جس سے نقصانات زیادہ ہوتے ہیں۔

اسی طرح بعض کرایہ داروں سے جب ان سے وقت پر کرایہ دینے کو کہا جاتا ہے مالک مکان سے جھگڑ پڑتے ہیں، ٹال مٹول کرتے ہیں، اس طرح وہ کرایہ باقی رکھ کر بھاگ جاتے ہیں، بلکہ جاتے وقت گھر سے بہت ساری چیزیں اٹھا کر چل دیتے ہیں، اسی طرح کرایہ دار کپڑے صاف کرنے یا دوا اور مسالحے پیسنے کے لیے گھر کے کسی بھی حصے میں ہاون دستہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں، جب گھر کو نقصان پہنچتا ہے تو کرایہ دار تو ٹال مٹول کے ساتھ مختلف اوقات میں کرایہ دیتا ہے؛ لیکن مکاندار کو یکمشت سارے خرچ مرمت کے اٹھانے پڑتے ہیں، اسی طرح کرایہ داروں کی ایک خامی یہ ہوتی ہے کہ مالک مکان تو کرایہ داروں کی صحت کے لیے دعا کرتا ہے، لیکن وہ لوگ مالک مکان کے لیے بددعا؛ بلکہ موت کی بھی دعا کرنے سے نہیں جھجکتے، اگر ان پر کوئی کاروباری آفت آن پڑتی ہے تو کرایہ میں تخفیف کے خواہی ہوتے ہیں، اگر تجارت میں نفع ہوتا ہے تو کرایہ بڑھانے کی انہیں فکر دامن گیر نہیں ہوتی۔

11.9 متن سبق کی توضیح وتشریح

قصہ کا پس منظر یہ ہے کہ معبد کہتا ہے کہ ہم کندی کے گھر میں ایک سال سے رہا کرتے، یہ نہایت کنجوس شخص تھا، یہ کرایہ کے علاوہ لوگوں کے گھروں کی مینگنیا کرایہ دار کے گھر کی حاملہ خواتین کے خصوصی کھانوں میں سے اپنا کچھ حصہ مانگتا اور انار کے چھلے اور کھجور کی گٹھلیوں کا بھی وہ مطالبہ کرتا، ہر کھانے میں اپنی حاملہ بیوی کا کچھ حصہ مانگتا، اس کی زود طبع، حسن کلام زیادتی بخل کی وجہ سے لوگ اس کے ناز ونخرے برداشت کرتے تھے، ایک دفعہ میرے یہاں، میرے چچا اور چچازاد بھائی آئے تو اس نے کہا: یہ دو دن ٹھہرتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ تم چھ لوگوں کا کرایہ جب تیس درہم ہے تو اس طرح دو اشخاص کے دس درہم ملا کر چالیس درہم ہوجائیں گے۔ پھر معبد کہتا ہے: کھانا تو میں کھلا رہا ہوں، پھر یہ کرایہ کی زیادتی کس وجہ سے؟ رہی زمین تو جس طرح ہم چھ اشخاص کو سنبھال رہی تھی، یہ اسی طرح دو زائد اشخاص کو بھی سنبھال سکتی ہے، جب کہ وہ بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہے۔

۱۔ ذٰلک سُرعةُ اِمتلاء الْبالُوعة، وَمَا فِي تَنقيتِهَا مِن شِدّةِ الـمَؤُونَة، وَمِن ذٰلک أنَّ الأَقدامَ إذا كَثُرتْ كَثُرَ الْمَشْيُ عَلٰى ظُهُور السُّطُوْحِ الـمُطَيَّنَةِ وَعلى أَرضِ البيوتِ الـمُجَصَّصةِ،وَالصُّعودُ عَلى الدَّرجِ الكَثير، فَينقشِرُ لِذٰلک الطِّينُ، ويَنقلِعُ الجَصُّ، وَينكسِرُ العَتَبُ مَع اِنثِناء الأَجذَاعِ لِكثرةِ الوَطْء، وَتَكسِرُهَا لِفرطِ الثِّقْلِ، وَإذَاكَثُرَ الدُّخولُ وَالخُروجُ، والفَتحُ وَالإغلاقُ، وَالإقْفالُ وجَذبُ الأَقْفالِ تَهَشَّمتِ الأَبوابُ، وَتقلّعتِ الرَّزّاتُ، وَإذاكثُرَ الصِّبيانُ، وَتضاعَفَتِ البوشُ نُزعتْ مَسامِيرَ الأَبوابِ، وَقُلعتْ كُلُّ ضَبَّةٍ، وَنُزعتْ كلُّ رَزَّةٍ، وَكُسرتْ كُلُّ جوزَةٍ، وَحُفِرَ فِيها آبارَ الزَّدْوِ، وهشَمُوا بَلاطَهَا بِالمَداحِيْ. هٰذا معَ تَخريبِ الحِيطانِ بِالأَوتادِ، وَخُشُبِ الرُّفوفِ، وَ إذا كَثُرَ العِيالُ والزُّوَّارُ، وَالضِّيفانُ، وَالنُّدماءُ، احتِيجَ مِن صَبِّ الماءِ،وَاتّخاذِ الحَببةِ القَاطِرةِ، وَالجِرارِ الرَاشِحةِ، إلى أَضعافِ مَاكَانُوا عَلَيهِ. فَكَم مِن حَائطٍ قَدتَأَكّلَ أسفلُه، وتناثرَ أَعلاه، وَاسترخى أَساسه،وَتَداعٰى بُنيانُه، مِن قَطرِ حَبٍّ، ورَشحِ جَرّ، وَمِن فَضلِ ماءالبِئرِ، وَمِن سُوءالتّدبير۔

اس نے مجھے لکھا: میں نے جو تمھارے کرایے میں دس درہم کا اضافہ کیا ہے، اس کی کئی وجہیں ہیں، جو معروف ہیں، عام طور پر پائی جاتی ہیں، مثلاً: نالوں کا جلدی بھر جانا، پھر اسے صاف کرنے میں محنت ومشقت اٹھانی پڑتی ہے، اسی طرح جب پاؤں زیادہ ہوں گے، تو مٹی سے پوتی گئی چھتوں اور گچ سے پختہ کی گئی گھر کی زمین پر چلنا پھرنا زیادہ ہوگا، سیڑھیوں پر چڑھنا بھی زیادہ ہوگا، جس کی وجہ سے مٹی اکھڑ جائے گی اور گچ ادھڑ جائیں گے، چوکھٹ ٹوٹ جائے گی، زیادہ چلنے کی وجہ سے چھت کی شہتیریں ٹیڑھی ہوجائیں گی اور زیادہ بوجھ پڑنے پر ٹوٹ جائیں گی۔ جب گھر میں آمدورفت، کھولنا اور بند کرنا زیادہ ہوگا اور بند کرتے وقت تالا کو کھینچا جائے گا، تو دروازے کمزور ہوجائیں گے اور کنڈی (وہ حلقہ جس میں تالا یا زنجیر ڈالا جاتا ہے) اکھڑ جائے گی اور اگر گھر میں بچے زیادہ ہوں گے، لوگوں کی بھیڑ بھاڑ ہوگی، تو دروازے کی کیلیں اکھاڑ دی جائیں گی، ہر تالا، ہر کنڈی اور اخروٹ کا درخت اکھاڑ دیا جائے گا، گھر میں گڈھے کھود دیے جائیں گے اور وہ گھر کے صحن کو برباد کردیں گے، دوسری طرف دیواروں کو کیل ٹھونک کر اور ریگ لٹکا کر خراب کردیا جائے گا، جب گھر کے لوگ، آنے جانے والے، مہمان اور دوست احباب کی کثرت ہوگی، تو پھر بہت سارا پانی بھی بہایا جائے گا، پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑے بڑے بھرے ہوئے مشکیزوں کی ضرورت ہوگی اور مشکیزوں سے ٹپکنے والے قطرات، کنویں کے پانی اور بدانتظامی کی وجہ سے کتنی ہی دیواروں کا نچلا حصہ بیکار ہوگیا، بالائی حصہ پھٹ گیا، اس کی بنیادیں ہل گئیں اور ان کا ڈھانچہ کمزور ہوگیا۔ (خلاصہ یہ کہ مالک مکان نہایت کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف دو اشخاص کی زیادتی پر مختلف بہانے سے کرایہ بڑھانے کی مانگ کرتا ہے، کہ ان کے رہنے سے گھر کے نالی بھر جائیں گ، اسے صاف کرنا ہوگا، پاؤں سے چلنا زائد ہوگا چھتوں کی مٹی اور گھر کی زمین کی گچ اکھڑے گی، سیڑھیوں پر چڑھنا اور اترنا بھی بکثرت ہوگا، جس کی وجہ سے بھی مٹی جھڑے گی، گچ اکھڑے گی، چوکھٹ کے ٹوٹنے کا بھی امکان ہے، زیادہ بوجھ کی وجہ سے گھر کی شہتیر بھی ٹیڑھی ہوسکتی ہے، گھر میں زیادہ آمدورفت کی وجہ سے دروازوں کو کھولنا بند کرنا اور تالوں کا کھینچنا بھی زیادہ ہوگا، جس کی وجہ سے دروازے اور کنڈیاں کمزور ہوجائیں گی، بچے زیادہ ہوں گے گھر میں گڈھے کھودیں گے، مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے پانی کے مشکیزے بکثرت رکھے جائیں، پانی زیادہ بہہ جائے گا، جس سے قطرات رسنے کی وجہ سے نچلی دیواروں ڈھیلی ہوجائے گی، اوپر کا حصہ پھٹ جائے گا، یعنی بنیادیں کمزور پڑ جائیں گی)استرخاء، استفعال)

۲۔ اس دوسرے پیراگراف میں کہتا ہے، مزید کرائے بڑھائے جانے کی وجوہات کو بیان کرتا ہے:

نعم! ثُمَّ يتّخِذُون المَطَابِخَ فِي العَلالِيّ على ظُهورِ السُطوحِ، وَإنْ كانَ فِي أرضِ الدّارِ فَضْلٌ وفِي صَحنِها مُتّسعٌ، مَع مَا فِي ذٰلک مِن الخِطارِ بِالأنفُسِ، و التّغريرِ بِالأموالِ، وتعرُّضِ الحُرَمِ لِيلَةَ الحَريقِ لأَهلِ الفَسادِ، وَهُجومِهِم مَع ذلک على سِرٍّ مَكتومٍ، و خَبِيءٍ مَستُورٍ، مِنْ ضَيفٍ مُستَخِفٍّ، وَرَبِّ دارٍ مُتوارٍ، وَمِن شَرابٍ مَكرُوهٍ، وَمِن كِتابٍ مُتّهمٍ، وَمِن مالٍ جَمٍّ أُرِيدَ دَفنُه، فأَعجلَ الحَرِيقُ أهلَه عَن ذلک فِيه، ومِن حالاتٍ كثيرةٍ، وأمورٍ لا يُحبُّ النَّاسُ أن يُعرَفُوا بِها ثُمَّ لا يَنصِبُونَ التّنانِيرَ، ولا يُمَكتّون لِلقُدورِ، إلا على مَتنِ السَّطحِ، حَيثُ لَيسَ بَينها و بَين القَصبِ وَ الخَشبِ إلا الطِّينُ الرَّقِيقُ، وَ الشَّيءُ لا يَقِيْ، هذا مع خِفَّةِ المؤنةِ فِي إحكامِهَا وَأَمنِ القُلوبِ مِن الـمَتَالِفِ بِسَبَبِهَا. فإن كُنتُمْ تُقدِمُون على ذلک مِنّا ومِنكم وأنتم ذاكرُونَ، فهذا عَجب، و إن كُنتُم لَم تَحفِلوا بِما عَليكُم فِي أَموالِنا، وَ نَسِيتُم مَا عليكُم فِي أموالِكُم، فَهذَا أعجبُ.

ہاں! یہ لوگ مطبخ بھی چھت کے اوپر کے کمرے میں بناتے ہیں، بھلے ہی گھر کے نچلے حصے میں جگہ بچی ہو اور صحن میں اس کی گنجایش موجود ہو؛ حالاں کہ اس میں جان و مال، گھر بار اور عزت وآبرو کو خطرہ بھی ہوتا ہے، کہ اگر کبھی آگ لگ گئی تو فسادی لوگ گھر میں گھس کر حملہ کرسکتے ہیں، وہ کسی پوشیدہ راز، چھپائی گئی اشیا، مثلاً: کوئی مہمان، گھر والا، کوئی پینے کی ناپسندیدہ چیز، کوئی نامناسب کتاب وغیرہ کو عام کرسکتے ہیں، آگ لگنے کی وجہ سے دفن کرنے کے لیے رکھا گیا مال برباد ہوسکتا ہے، اسی طرح اور بھی بہت سے احوال وامور ہیں، جنھیں لوگ عام نہیں کرنا چاہتے۔ پھر لوگ تندور لگانے اور ہانڈیاں پکانے کا کام بھی چھت پر کرتے ہیں، جہاں مٹی اور ان کے درمیان محض پتلی سی لکڑی ہوتی ہے اور کوئی چیز نہیں ہوتی، اسے بھی مضبوطی سے نہیں باندھا جاتا اور اس کی وجہ سے جو بربادیاں ہوسکتی ہیں، ان کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اگر تم جانتے ہوئے اپنے یا ہمارے گھر میں ایسا کرتے ہو، تو یہ تعجب خیز بات ہے اور اگر تمھیں اپنے یا ہمارے مال واسباب کے سلسلے میں اپنی ذمے داریوں کا ہی احساس نہیں ہے، تو پھر یہ زیادہ ہی حیرت انگیز ہے۔ (صحن اور کھلی جگہ بھی وہاں کھانا بنایا جاسکتا ہے، اوپر گھر میں کھانا بنانے سے مال، جان، عزت وآبرو کو خطرہ درپیش ہوسکتا ہے، آگ کے شرارے گھر کو جان مال کو بھسم کرسکتے ہیں، اگر آگ لگ جائے تو فسادی گھر میں گھس کر حملہ کرسکتے ہیں، عزت وآبرو سے تہی دست ہونا پڑسکتا ہے، اس کے علاوہ جب ان کو گھر میں آنے کا موقع ملے گا تو یہ گھر پوشیدہ راز، یہاں کے مخفی اشیا، کسی مہمان، گھر والے، کوئی نامناسب مشروب یا نامناسب کتاب وغیرہ ان کو گھر میں مل سکتی ہے، اس کے علاوہ بے حد وحساب نقصانات کا امکان ہے، اسی پر بس نہیں یہ کرایہ دار تندور اور ہانڈیاں لگانے کے لیے بھی گھر کی چھت کو استعمال کرتے ہیں، جب کہ چھت نہایت نازک، تھوڑی سی مٹی گارے اور چند لکڑیوں پر مشتمل ہوتا ہے، وہاں پر آگ لگے گی تو اس کے نقصانات اور بربادیوں کے اندازے بھی نہیں کیے جاسکتے۔)

11.10 متن کی خصوصیات

ا۔ اس واقعے میں بظاہر تو ایک بخیل مکان مالک کا واقعہ بیان کرکے اس کی طبیعت کی تنگی کو بیان کیا گیا ہے، مگر اس کی باتیں نہایت دانش مندانہ ہیں اور اسی وجہ سے یہ واقعہ ''بخیل حکیم'' کے نام سے مشہور ہے، اس کے ذریعے جاحظ نے ایک بہت ہی عمدہ پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ جہاں مکان مالک کو اپنے کرایہ داروں کے تئیں نرم دل، مخلص، ہمدرد ہونا چاہیے، وہیں کرایہ دار کو بھی چاہیے کہ وہ کرایے کے مکان میں اس طرح نہ رہے کہ وہ دوسرے کا مکان ہے؛ بلکہ ایسے رہے گویا یہ اس کا اپنا مکان ہے اور اس کی اسی طرح حفاظت کرے، جس طرح وہ اپنے مکان کی حفاظت کرتا ہے اور

اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیتا۔

۲۔ یہ واقعہ عام انسانی فطرت کو بیان کرتا ہے اور جو لوگ شہری زندگی میں کرایے کے مکان میں رہتے ہیں، انھیں اس کا صحیح اندازہ ہوگا۔ نہ تو ہر مکان مالک برا ہوتا ہے اور نہ ہر کرایہ دار ہی اچھا ہوتا ہے۔ بہت سے مکان مالک اپنے کرایہ دار کے لیے ہمدرد و مخلص ثابت ہوتے ہیں، جب کہ بہت سے کرایہ دار بھی اپنے مکان مالک کے خیر خواہ ہوتے ہیں، اسی طرح بہت سے مکان مالک اور کرایہ دار اس کے برعکس بھی ہوتے ہیں۔

۳۔ اس واقعے کو بیان کرنے سے جاحظ کا مقصد محض تفریحِ طبع نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مقصد اس وقت کے معاشرے کی عکاسی کرنے کے ساتھ سماج کو بہترین سبق دینے کی کوشش ہے کہ اگر کسی شخص کو ضرورت کے وقت کہیں کسی کے مکان پر بہ طور کرایہ دار رہنا پڑے، تو اس گھر کو اپنا مکان سمجھتے ہوئے اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنی چاہیے، صاف ستھرا رکھنا چاہیے، گنجایش سے زیادہ لوگوں کو وہاں نہیں ٹھہرانا چاہیے، کرایہ وقت پر ادا کرنا چاہیے اور مناسب مدت کے بعد اگر مکان مالک کرایے میں اضافے کا خواہش مند ہو، تو اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے۔

۴۔ اسی طرح مکان کو خالی کرتے وقت کرایہ لے کر نہیں بھاگنا چاہیے، نہ گھر کو نقصان پہنچانا چاہیے۔ مکان مالک کے لیے اس میں نصیحت ہے کہ کرایہ دار کو غیر سمجھنے کے بجائے اپنے گھر کا ممبر سمجھے، اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے، اس کے حالات کی خبر رکھے اور اگر وہ سختی و تنگی سے گزر رہا ہو، تو کرایے میں تخفیف بھی کر دے۔ الغرض اس واقعے کے ذریعے جاحظ نے نہ صرف قاری کے لیے تفریح کا سامان کیا ہے؛ بلکہ اپنے وقت سے لے کر آج تک کے اور ہر دور کے سماج کے لیے ایک بہترین اور قیمتی سبق و نصیحت بیان کی ہے۔

۵۔ اسی طرح اس قسم کے واقعات کے ذریعے جاحظ لوگوں کی نفسیات، ان کے اجتماعی، اقتصادی، ان لوگوں کے تربیتی پہلو کو بھی اجاگر کرنا چاہتا ہے جو اس کے اردگرد شہر خراسان میں رہا کرتے تھے، اس نے اس میں ان کے واقعی اور حقیقت پسندانہ صورتحال کو اجاگر کیا ہے، ان کے نفسیاتی، معاشرتی پہلوؤں کو ظریفانہ انداز میں پیش کیا ہے، ان کی بخل اور کنجوسی کو اجاگر کیا ہے، ان کے حرکات وسکنات ان کے اقوال وافعال کو نقل کر کے ان کے نفسیاتی، معاشرتی احوال کی تعبیر اور عکاسی کی، ان کی پرسکون یا پریشان کن طبیعت کی جانب اشارہ کیا، ان کے گھروں کے اسرار واحوال کو بیان کیا ہے، ان کی آپس کی گفتگو، طرز رہائش، انداز وسلوک کی منظر کشی کی ہے۔

11.11 اسلوبی خصوصیات

۱۔ جاحظ کی نثر نگاری کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس نے انشا پردازوں کو پرانی طرز سے نکالنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے کلام میں اشارہ کا بعد، عبارت کا قرب اور استعارہ کی قلت ہے۔ وہ نہایت سادہ اور عام فہم انداز میں اپنی نگارشات کو پیش کرتا ہے، تسلسل اور آورد اس کی تحریر میں ہوتا ہے، تکلف اور تصنع اور سجع بندی کی بھرمار اس کی تحریر میں نہیں ہے، وہ ناموس اور غیر مالوف الفاظ کا استعمال نہیں کرتا، نہایت باریک بینی اور دقت نظر کے ساتھ نہایت بہترین اور خوشنما اور واقعی صورتحال کی منظر کشی کرنے والی اس کی سلیس اور حقیقت پسندانہ تحریر ہوتی ہے۔

۲۔ جاحظ کی نثر کی ایک خوبی یہ ہے وہ نہایت سہل، واقعیت پر مبنی، شیرینی اور مٹھاس، ظرافت اور مزاح کو لیے ہوتی ہے، قاری کو اکتاہٹ اور بوریت محسوس نہیں ہوتی، الفاظ کا بھی ذخیرہ ہوتا ہے، نظر کی گہرائی وگیرائی، اثر انگیز اسلوب، نہایت چھوٹے جملے، جاحظ کی تحریر میں صنعت، سجع بندی، الفاظ کا اختیار، ایک معنی کی ادائیگی کے لیے مختلف الفاظ کا لانا، اس طرح اس کا اسلوب عموماً اس کے مقدمات کتب اور ابتدائی فصول میں ہوتا ہے، پھر

یہ عام، سہل انگیز اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے موضوع کا احاطہ کرتا جاتا ہے۔

۳۔ جاحظ کا اسلوب تحریر فصیح و بلیغ الفاظ، مضبوط تراکیب، بے تکلفی، واقعیت اور مزاج کو لیا ہوتا ہے، وہ کبھی اپنے اس اسلوب عام سے ہٹ کر دوسرے قریب یا بعید اسلوب کو بھی اختیار کرتا ہے، جس طرح ابن المقفع کا انداز تحریر "کلیلة ودمنة " میں ہے، لیکن جاحظ کا اسلوب نہایت قوی تر اور نہایت پراثر ہوتا ہے، یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ہمیں کبھی کسی عام بات لکھنی ہو یا علمی محاضرہ پیش کرنا، کسی مجلہ یا جریدہ کے لیے کسی موضوع پر لکھنا ہو تو ہمیں ابن المقفع کے اسلوب کار کو اختیار کرنا پڑے گا، جب کسی کتاب کا مقدمہ یا کسی بات کو طول دینا ہو، خواہ کتابت میں یا خطابت میں تو ہمیں ایسے وقت جاحظ کے اسلوب نگارش کی ضرورت پڑتی ہے، چھوٹی تحریروں کے لیے ابن المقفع کا اسلوب مناسب ہے اور طویل تحریروں اور خطبوں کے لیے جاحظ کا انداز نگارش ہمارے لیے نمونہ بن سکتا ہے۔

۴۔ خصوصا کتاب "البخلاء" میں جاحظ کا اسلوب جیسا کہ مذکورہ قصہ میں بھی ہے کہ وہ ذہن سے قریب تر الفاظ گرچہ وہ عامی الفاظ ہی کیوں نہ ہو پہلے استعمال کرتا ہے، اس کی کتاب میں متوازن اور مترادف الفاظ کی بھر مار ہوتی ہے جیسا کہ یہاں نظر آتا ہے: "وَمِن ذٰلک أنَّ الأَقدامَ إِذا كَثُرتْ كَثُرَ الْمَشْيُ عَلٰى ظُهُورِ السُّطُوحِ الْـمُطَيَّنَةِ وَعلى أَرضِ البيوتِ الْـمُجَصَّصةِ، وَالصُّعودُ على الدَّرجِ الكَثيرة، فَينقشِرُ لِذٰلک الطِّينُ، ويَنقلِعُ الجَصُّ، وَينكسِرُ العَتَبُ مَعَ انثِناءِ الأَجذَاعِ لِكثرةِ الوَطْءِ، وَتَكسِرُهَا لِفرطِ الثِّقْلِ" یہاں ان الفاظ اور ان کی صوتی ہم آہنگی اور باہمی ربط اور معنی کی قربت و وحدت پر غور کیا جائے۔ "فينقشر" "ينقلع"، "ينكسر".

۵۔ کبھی جاحظ لفظ اور اس کے معنی کے درمیان میں بھی مطابقت کی کوشش کرتا ہے، اس کا اسلوب نہایت دقیق، الفاظ معانی سے قریب تر استعمال کرتا ہے، پھر دوران تحریر لفظ کی آواز، ایقاع، تاثیر و دلنشینی اور اس کی قوت دلالت کو بھی ملحوظ رکھتا ہے، اس کے پیش نظر زبان سے ادائیگی میں الفاظ کی مٹھاس ملحوظ ہوتی ہے، وہ کان کی سماعت کی شیرینی کا بھی خاص طور پر خیال رکھتا ہے، الفاظ کے اصلی معانی ہی مراد ہوتے ہیں، مجازی اور کنائی الفاظ کا استعمال بہت کم کرتا ہے، اس کی تحریر و نگارش قاری کی عقل و فہم اور حواس کو براہ راست بغیر کسی تاویل اور تفسیر کے مخاطب کرتی ہے۔ فَكَم مِن حَائطٍ قَد تأَكَّلَ أَسفلُهُ، وتناثرَ أَعلاهُ، وَاسترخى أَساسُهُ، وَتَداعى بُنيانُهُ، مِن قَطرِ حَبٍّ، ورَشحِ جَرٍّ، وَمِن فَضلِ ماءِ البِئرِ، وَمِن سُوءِ التَّدبيرِ،

اس عبارت میں غور کیجیے کہ ہم معانی الفاظ اور صوتی ہم آہنگی والے الفاظ کیسے ترتیب اور سجع کے ساتھ استعمال کرتا ہے "تأكل أسلفه، وتناثر أعلاه، واسترخى اسأسه، وتداعى بنيانه" پھر آگے دیکھیے: "من قطر حبٍ، ورشح جرّ، ومن فضل ماء البئر، ومن سوءالتدبير " وغیرہ۔

۶۔ اس کی طرز نگارش کی خاص خوبی یہ ہوتی ہے وہ موقع و محل کی اعتبار سے تعبیرات اور الفاظ کا استعمال کرتا ہے، تراکیب بھی حسب موضع اور مناسبت کے لاتا ہے، الفاظ میں ہم آہنگی ہوتی ہے، بعد اور تنافر سے اس کی تحریر دور ہوتی ہے، الفاظ کی صوتی ہم آہنگی بھی بغیر کسی خلل اور کمی کے باقی و برقرار رہتی ہے۔ اس کے اسلوب میں ساتھ ہی ساتھ، الفاظ کی ہم آہنگی اور معانی کی قرا اور دارسین کے دلوں میں جاگزیں کرنا ہوتا ہے، جس کے لیے وہ ہم لفظی تکرار کا سہارا لیتا ہے، یہ لفظی تکرار کبھی صوتی ہم آہنگی کو باقی و برقرار رکھنے کے لیے ہوتی ہے تو کبھی قاری کے ذہن میں معانی کو بٹھانا اور جاگزیں کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مَعَ مَا فِي ذٰلک مِنَ الخِطارِ بِالأَنفُسِ، وَالتَّغريرِ بِالأَموالِ، وَتَعرُّضِ الحُرَمِ لَيلَةَ الحَرِيقِ لأَهلِ الفَسادِ،

وَهُجومِهِم مَع ذلک علی سِرٍّ مَکتومٍ، وخَبیئٍ مَستُورٍ، مِنْ ضَیفٍ مُستَخِفٍّ، وَربِّ دارٍ مُتوارٍ، وَمِن شَرابٍ مَکرُوهٍ، وَمِن کِتابٍ مُتَّهمٍ، وَمِن مالٍ جَمٍّ أُرِیدَ دَفنُه،

یہاں پر بھی آپ کو بے شمار الفاظ قریب المعنی، قریب اللفظ اور صوتی ہم آہنگی کے حامل نہایت سجع بندی کے ساتھ نظر آئیں گے ''الخطار''، ''التغریر''، ''تعرض'' یہ الفاظ قریب اللفظ والمعنی ہونے کے ساتھ صوتی ہم آہنگی بھی رکھتے ہیں، پھر یہ آگے کے الفاظ بھی صوتی ہم آہنگی اور لفظی اور معنوی قربت کے ساتھ سجع کی کیفیت بھی رکھتے ہیں ''سر مکتوم''، ''خَبیئٍ مستور''، ''ضیف مستخف''، ''ربّ دار متوارٍ'' شراب مکروہ'''' کتاب متھم'' وغیرہ۔

۷۔ اس کی تحریر کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے وہ کلام کو طول دیتا ہے، قصے کے کردار کو نمایاں کرتا ہے، مزاح اور ظرافت پیدا کرتا ہے، قرآن کریم، احادیث نبویہ، شعر اور امثال سے استشہاد کرتا ہے۔

اس میں عبارت کے درمیان قرآن کے الفاظ ''لا تبقی ولا تذر'' (سورۃ مدثر: ۲۹) کی یہ آیت استعمال کرتا ہے، اسی طرح موقع بموقع بکثرت آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ، حکم و امثال کا استعمال کرتا ہے۔

11.12 اکتسابی نتائج

زیر نظر واقعہ عربی کے مشہور اور عصرِ عباسی کے ممتاز ادیب و نثر نگار جاحظ کی شہرہ آفاق کتاب البخلاء سے ماخوذ ہے، جس میں مصنف نے ایک بخیل مکان مالک اور کرایہ دار کے درمیان ہونے والی تحریری بات چیت کا ذکر کیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ واقعہ ایک بخیل مکان مالک سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا نام کندی ہے اور مکان کرایے پر لگانے کے سلسلے میں اس کی اپنی شرطیں ہیں، وہ ایسے ہی لوگوں کو اپنے مکان میں رہنے کی اجازت دیتا ہے، جو اس کی شرطوں پر پورا اترتے ہوں؛ چنانچہ جاحظ کہتا ہے کہ معبد نے مجھے بتایا کہ اس نے اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ تقریباً ایک سال کندی کے مکان میں ایک کرایہ دار کے طور پر گزارا، اس دوران وہ مکان مالک کے لیے کرایہ دار بھی فراہم کرتے تھے، اس کی دیگر ضروریات بھی پوری کرتے تھے اور اس کی دوسری شرطیں بھی پوری کرتے تھے۔ اس کی شرطیں مثلاً یہ تھیں کہ گھر میں رکھے جانے والے جانور کی لید اور مینگنیاں اس کی ہوں گی، اسی طرح استعمال کیے جانے والے پھل مثلاً کھجور کی گٹھلیاں اور انار کے چھلکے بھی اس کے ہوں گے، وہ گھر کا کوڑا یا ہڈیاں گھر کے باہر نہیں پھینک سکتے، اسی طرح گھر میں اگر کچھ اچھا پکا ہے، تو اس میں اس کا بھی حصہ ہونا چاہیے، وہ آدمی چوں کہ بخیل ہونے کے ساتھ ایک دلچسپ اور خوش گفتار انسان تھا؛ اس لیے ہم اس کی یہ شرطیں بھی پوری کرتے تھے۔

پھر اس نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک بار ہمارے اس کرایے کے گھر پر میرا ایک چچازاد بھائی اپنے بیٹے کے ساتھ مہمان ہوا، جب مکان مالک کو اس کا علم ہوا، تو اس نے ہمیں ایک رقعہ لکھ کر بھیجا کہ اگر یہ مہمان ایک دو دن ٹھہرتے ہیں، تو اس کی اجازت ہوگی؛ لیکن اس سے زیادہ کی نہیں، تو میں نے اسے لکھا کہ وہ لوگ چند ماہ کے لیے آئے ہیں، پھر لوٹ جائیں گے، جس کے جواب میں اس نے لکھا کہ ابھی اس گھر میں آپ چھ لوگ رہتے ہو اور کرایہ تیس درہم ہے، یعنی فی کس پانچ درہم، اب چوں کہ دو لوگ مزید آ گئے ہیں؛ لہٰذا تمھیں دس درہم مزید دینا ہوں گے، ہمیں اس کی یہ بات عجیب لگی؛ چنانچہ ہم نے کہا کہ وہ تو اتنی ہی جگہ میں رہیں گے، جتنی جگہ میں ہم چھ لوگ پہلے سے ہیں، پھر یہ کہ ان کے کھانے پینے کا خرچہ بھی

تو ہم برداشت کر رہے ہیں، تو کرایے میں اضافے کا کیا مطلب ہے؟ ان کے رہنے سے آپ کا کیا نقصان ہوگا؟ تو اس مکان مالک نے اپنے مطالبے کو درست ٹھہرانے کے لیے انھیں ایک تفصیلی جواب دیا، جس میں اس نے کہا کہ زیادہ لوگوں کے رہنے کی وجہ سے اس کے گھر کو کئی طرح کا نقصان پہنچ سکتا ہے، مثلاً یہ کہ گھر کے موریاں اور نالے جلد بھر جائیں گے، جنھیں صاف کروانے میں پیسہ خرچ ہوگا، اسی طرح جب گھر میں زیادہ لوگ ہوں گے تو چلنا پھرنا زیادہ ہوگا، جس کی وجہ سے مٹی کی چھت اور فرش کمزور ہو جائیں گے، مٹی اکھڑنے لگے گی اور فرش کا پلاسٹر ادھڑ جائے گا، بار بار کھولنے اور بند کرنے کی وجہ سے کواڑ اور چوکھٹ کمزور ہوں گے اور ٹوٹ جائیں گے، گھر میں لوگ زیادہ ہوں گے تو بچے بھی زیادہ ہوں گے، پھر دیواروں میں کیلیں ٹھونکی جائیں گی، ریگ لگائے جائیں گے، بچے کھیلنے کے لیے ادھر ادھر گڑھا کھودیں گے، لوگ زیادہ ہوں گے، تو پانی کا استعمال بھی زیادہ ہوگا؛ چنانچہ ایک سے زائد مشکیزے اور پانی کے برتن گھر میں رکھے جائیں گے اور اس میں سے رسنے والے پانی کے قطروں سے دیوار کی جڑیں کمزور ہوں گی، اس کی بنیاد ہل جائے گی اور پھر وہ گر بھی سکتی ہے۔ جب گھر میں رہنے والے آدمی زیادہ ہوں گے، تو کھانے پکانے کا سلسلہ بھی زیادہ ہوگا، بار بار آگ جلانے کی ضرورت ہوگی اور یہ گھر کے لیے خطرے سے خالی نہیں ہے؛ کیوں کہ کبھی بھی آگ لگ سکتی ہے اور سارا مکان برباد ہو سکتا ہے، جس کی بھرپائی کے لیے مجھے اچھا خاصا خرچہ برداشت کرنا پڑے گا۔ پھر اگر کبھی کسی مکان میں آگ لگتی ہے، تو وہ ایک ہی گھر تک محدود نہیں رہتی؛ بلکہ آس پاس کے گھروں میں بھی پہنچ جاتی ہے، اس صورت میں لوگ مالک مکان کو برا بھلا کہتے ہیں، اس کو جو نقصان پہنچا ہے، اسے نہیں دیکھتے۔ بعض کرایہ دار ایسے بھی ہوتے ہیں، جو گھر میں نیچے اور صحن میں جگہ ہونے کے باوجود اپنا باورچی خانہ چھت پر بناتے ہیں، اس صورت میں اور بھی کئی نقصانات کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد اس نے کرایہ داروں کی بعض خامیوں کی طرف اشارے کیے ہیں کہ بہت سے کرایہ دار جب کرایہ دینے کا وقت ہوتا ہے، تو مکان مالک سے لڑنے جھگڑنے لگتے ہیں یا کرایہ دینے میں ٹال مٹول کرتے ہیں، بہت سے لوگ تو ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اسی طرح ٹال مٹول کرتے ہوئے گھر میں کئی ماہ گزار دیتے ہیں اور پھر ایک دن اچانک رفو چکر ہو جاتے ہیں، اب بے چارہ مکان مالک حیران و پریشان رہ جاتا ہے، کرایہ دار گویا اس کے پیٹ پر لات مار کر بھاگ جاتا ہے، حتی کہ کئی ایسے لوگ ہوتے ہیں، جو مکان خالی کرتے وقت گھر کی مختلف چیزیں اٹھا کر چلتے بنتے ہیں۔ گھر میں رہتے ہوئے کپڑا صاف کرنے کے لیے یا دوا اور مسالہ وغیرہ کوٹنے کے لیے صحن یا گھر کے کسی بھی حصے میں ہاون دستہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں، حالاں کہ گھر میں اس کام کے لیے الگ انتظام ہوتا ہے، بعض کرایہ دار تو اتنے کمینے اور سخت دل ہوتے ہیں کہ جہاں بیٹھیں، اسی جگہ کو خراب کرنے میں لگ جاتے ہیں اور انھیں اپنے کیے پر کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا، نہ تو مکان مالک سے معافی مانگتے ہیں اور نہ ہی اللہ سے ہی اپنی غلطی پر توبہ واستغفار کرتے ہیں، سال میں اگر کرایے میں دس درہم کا اضافہ کر دیا جائے، تو انھیں بہت زیادہ لگتا ہے؛ لیکن ان کی وجہ سے گھر کو ہونے والے نقصانات کی بھرپائی کے لیے مکان مالک نے جو ہزاروں دینار خرچ کیے، ان کی کوئی اہمیت ہی نہیں۔ گھر میں رہتے رہتے جب مکان پرانا ہو جاتا یا اسے منہدم کر کے از سر نو بنانے کی نوبت آتی ہے، تو اس صورت میں گھر کو بنانے اور مرمت کروانے میں جو خرچہ ہوتا ہے، اس میں جتنا حصہ وہ ادا کرتے ہیں، وہ نہایت معمولی ہوتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ کرایہ دار کو اس گھر سے جتنا نفع ہوا ہے، اسی قدر مکان مالک کو نقصان پہنچا ہے، دوسری مصیبت یہ بھی ہے کہ مکان مالک تو گھر کو بنانے اور مرمت کروانے کے وقت سارا خرچہ یکمشت برداشت کرتا ہے، جب کہ کرایہ دار اپنا حصہ قسطوں میں ادا کرتے ہیں۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مکان مالک کے ساتھ کرایہ داروں کا رویہ اچھا نہیں ہوتا، ایک تو کرایہ وصول کرنے کے لیے بار بار تقاضا کرنا پڑتا ہے، دوسرے یہ کہ مکان مالک تو یہ چاہتا ہے کہ اس کا کرایہ دار صحت مند رہے اور جس کام میں لگا ہوا ہے، اس میں اسے فائدہ پہنچے، مگر کرایہ دار یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان مالک کو ہمیشہ کسی نہ کسی مصیبت میں پھنسائے رکھے کہ وہ ہماری طرف متوجہ ہی نہ ہو اور ہم اطمینان سے بغیر کرایہ دیے اس گھر میں ٹکے رہیں، حتی کہ وہ مکان مالک کی موت یا کسی کیس میں پھنس جانے کی بھی تمنا کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح اگر کبھی اس کا کاروبار اچھا نہ چل رہا ہو یا تجارت میں خسارہ ہوا ہو، تو وہ کرایے میں تخفیف کروانے کے لیے مکان مالک کے سر ہو جاتا ہے؛ لیکن اگر تجارت یا کاروبار میں نفع ہو رہا ہو، تو اسے توفیق نہیں ہوتی کہ مقررہ کرایے میں کچھ اضافہ کر دے یا وقت سے پہلے مکمل کرایہ نہ سہی، کچھ ہی ادا کر دے۔

11.13 نمونے کے امتحانی سوالات:

۱۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگایئے اور اس کا ترجمہ کیجیے۔

ثُمَّ إِنَّ كثِيرًا مِنكم يُدافعُ بِالكَراء، ويُماطِلُ بِالأَداء. حَتى إذا اجتمعَتْ أَشهرٌ عليهِ، فرَّ وخلّى أربابَها جِياعًا، يَتنَدَّمُونَ علىٰ مَا كَانَ مِن حُسنِ تَقاضِيهِم وإِحسانِهِمْ. فكانَ جَزاؤُهم وشكرُهم اقتِطاعَ حُقوقِهِمْ، والذَّهاب بأَقواتِهِمْ. ويسكُنُها السَّاكنُ حِينَ يَسكنُها، وَقد كَسَحنَاهَا ونظَّفْناها، لتَحسُن فِي عين الـمُستأجِرِ، ولِيرغَبَ فِيها النَّاظِرُ. فإذا خَرجَ، تركَ فِيها مَزبلةً وخَرابًا، لا تُصلحُه إلا النَّفقةُ المُوجِعةُ، ثم لا يَدَعُ مُتَرَسًا إلا سَرقَه، ولا سُلَّمًا إلا حَملَه، ولا نِقْضًا إلا أخذَه، ولا بَرّادةً إلا مضى بِهامَعه

۲۔ درج ذیل عبارت کی بحوالہ متن تشریح وتوضیح کیجیے۔

وَ إذا كثُرَ العِيالُ والزُّوَّارُ، وَالضِّيفانُ، وَالنُّدماء، احتِيجَ مِن صَبِّ الماءِ، وَاتِّخاذِ الحَببةِ القَاطِرةِ، وَالجِرارِ الرَاشِحةِ، إِلى أَضعافِ مَا كَانُوا عَلَيهِ. فَكَم مِن حائطٍ قَد تأَكَّلَ أسفلُه، وتناثرَ أَعلاه، وَاستَرخى أَساسُه، وَتداعىٰ بُنيانُه، مِن قَطرِ حَبٍّ، ورَشحِ جَرٍّ، وَمِن فَضلِ ماءِ البِئرِ، وَمِن سُوءِ التَّدبيرِ، وَعلىٰ قدرِ كَثرتِهِمْ يَحتاجُونَ مِنَ الخبيزِ والطَّبيخِ، وَمِن الوَقُودِ والتَّسخِينِ، والنّارُ لاتُبقِي ولا تَذَرُ، وَإِنَّما الدُّورُ حُطَبٌ لَها، وَكلُّ شَئٍ فِيهَا مِن مَتاعٍ فهُو أُكلٌ لَها، فكَم مِن حَرِيقٍ قدأَتىٰ على أصلِ الْغَلَّةِ، فكَلَّفتمْ أهلَها أَغلظَ النَّفقةِ. وَرُبما كانَ ذلك عِندَ غايةِ العُسرةِ، وَشِدَّةِ الحَالِ، وَربما تَعدَّتْ تِلك الجِنايةُ إِلٰى دُورِ الجِيرانِ، وإِلى مُجاوَرةِ الأَبدانِ والأموالِ، فَلو تَركَ النَّاسُ حِينئذٍ رَبَّ الدَّارِ - وَقدرَ بلِيَّتِه، ومِقدارَ مُصِيبَتِه - لَكانَ عَسى ذلك أن يكونَ مُحتمَلًا، ولٰكِنَّهُم يَتَشَائَمُون بِه، وَلا يَزالُونَ يَستَثقِلُونَ ذِكْرَه، وَيُكثِرُونَ مِن لائِمَتِه وتعنِيفِه.

۳) مندرجہ ذیل الفاظ کے معانی بتایئے:

۱)كساحة ۲)مترس ۳)سلم ۴)برّادة ۵)جرّة ۶)وقود ۷)خبيز ۸)غلة ۹)روث

۱۰)بعر ۱۱)نشوار ۱۲)العلوفة ۱۳)نواة ۱۴)قشر الجص ۱۵)العتب ۱۶)رزٌّ

۱۷)البوش ۱۸)مسمار ۱۹)وتد ۲۰)رف ۲۱)قِدر ۲۲)متن السطح ۲۳)المؤونة

۴۔ جاحظ کے حالات اور اس کے نگارشات پر روشنی ڈالیے۔

۵۔ "**بخيل حكيم**" اس حکایت کا خلاصہ بیان کیجیے۔

۶۔ صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت وصورت کو قلم بند کیجیے۔

۷۔ "**بخيل حكيم**" کے متن کی خصوصیات اور اس کے اسلوبی امتیازات کو تحریر کیجیے۔

11.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

۱) **كتاب البخلاء (جاحظ)**

۲) **تاريخ الأدب العربي (أحمد حسن زيات)**

۳) **تاريخ الأدب العربي (عمر فروخ)**

۴) مختصر تاریخ ادب عربی (مقتدی حسن ازہری)

اکائی 12: ''کتاب ینوب عن الکتائب'' از: ابن العمید

اکائی کے اجزا

12.1 مقصد

12.2 تمہید

12.3 متن سبق

12.4 صاحب سبق کا تعارف

12.4.1 عملی زندگی

12.4.2 نثر و رسالہ نگاری

12.4.3 تالیفات

12.4.4 وفات

12.5 متن کا ترجمہ

12.6 لغوی تحقیق

12.7 ادبی صنف کا تعارف

12.7.1 صنف کی ہیئت وصورت

12.8 متن سبق کا موضوع

12.9 متن سبق کی توضیح وتشریح

12.10 متن کی خصوصیات

12.11 اسلوبی خصوصیات

12.12 اکتسابی نتائج

12.13 نمونے کے امتحانی سوالات

12.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

12.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبا عصر عباسی اول میں رسالہ نگاری (خطوط) کی حقیقت، تبدیلی، اسالیب میں تنوع ،لفظوں اور جملوں کا انتخاب اور ساخت میں تبدیلی کی جانکاری حاصل کر سکیں گے، یہاں پر طلبہ دور عباسی کے ایک اہم نثر نگار اور رسالہ نگار یعنی ابن العمید کی رسالہ نگاری کا ایک نمونہ، رسالہ یعنی خطوط نویسی میں استعمال ہونے والے نثر کے نمونے ، الفاظ میں ترادف کے بکثرت استعمال ،لفظوں کی بندش اور تراکیب کے استعمال سے انہیں واقفیت وقدرت حاصل ہو سکے گی اور ابن العمید کی خوبصورت اور لفظی سجع بندیوں اور تکلف سے خالی، واقعیت اور حقیقت پر مبنی نثر نگاری اور رسالہ نگاری سے واقفیت حاصل ہوگی۔ انہیں رسالہ نگاری کے طریقہ کار کا علم ہوگا کہ رسالہ نگاری (خطوط) کو کس انداز سے اس دور میں لکھا جاتا تھا، اس کی تمہید کیا ہوتی تھی، اصل موضوع اور مضمون سے لے کر اختتام تک اس کی کیفیت کے متعلق معلومات حاصل ہوگی۔

12.2 تمہید

اس زمانے کی نثر نگاری کی ایک صنف رسالہ نگاری، خطوط نگاری کے فن میں غیر معمولی اضافہ ہوا، خطوط کا دائرہ کار بڑھ گیا، اسلوب میں تنوع ،لفظوں کے انتخاب، جملوں کی ساخت وبناوٹ میں تبدیلیاں رونما ہوئیں، تراکیب ،تعبیرات ماقبل کے زمانے سے زیادہ پرکشش ہوئے، اس عہد کی رسالہ نگاری میں سجع موزونیت کا وصف بھی خاص طور پر پایا جاتا ہے، ایک ہی مضمون کو مختلف پیرایہ میں پیش کیا جاتا ہے، یعنی اختصار کی جگہ طویل نویسی خطوط میں جگہ لے لی، خطوط کے شروع میں القاب وآداب کا کبھی اضافہ ہوتا تو کبھی کمی واقع ہوتی، عباسی دور میں ایرانیوں، فارسیوں اور ترکوں کا غیر معمولی اثر ورسوخ رہا، جس کی وجہ سے عربی زبان وادب پر اس کے اثرات نمایاں ہوئے، عربی زبان وادب میں نثر نگاری کی طرح خطوط اور رسائل میں خالص الفاظ کا استعمال شروع ہوگیا، ابتداءً یہ رسائل وخطوط نجی ہوتے، پھر اس کے موضوعات میں تنوع ہوا، ان خطوط میں جہاں نجی معاملات ومسائل چھیڑے گئے ہیں، وہیں علمی موضوعات بھی ان رسائل میں بکثرت پائے جاتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ یہ تاریخی معلومات کی وافر مقدار کو بھی شامل ہیں، یہاں درج ذیل تحریر میں ابن العمید کی رسالہ نگاری کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے۔

12.3 متن سبق

كِتابِي وأنا مُترجِحٌ بين طمَعٍ فِيكَ ويأسٍ مِنكَ، وإقبالٍ علَيكَ وإعراضٍ عنكَ؛ فَإنَّكَ تُدِلُّ بسابقِ حُرمة، وتمُتُّ بسالفِ خدمةٍ أَيسرُهما يُوجبُ رِعايةً ويَقتضِي مُحافظةً وعِنايةً، ثُمَّ تَشفعُهما بحادثِ غُلولٍ وخيانةٍ، وتُتبعهُما بآنفِ خلافٍ ومَعصيةٍ، وأدنى ذلك يُحبطُ أعمالَك، ويُمحقُ كلَّ مايُرعىٰ لك.

لا جَرَم أني وقفتُ بَين مَيلٍ إليكَ ومَيلٍ علَيكَ، أُقدِّمُ رِجلا لِصَدمِك، و أُؤَخِّرُ أُخرىٰ عن قَصدِك، وأبسُطُ يدًا لاصطِلامك، وأَثنِي ثانيةً لِاستبقائك واستِصْلاحِك، وأَتوقَّفُ عَن اِمتثالِ بَعضِ الـمَأمورِ فِيكَ ضَنًّا بالنِّعمةِ عِندَك، وَمُنافسةً فِي الصَّنيعةِ لَدَيك، وتأميلاً لَفيئتِك وانصرافِك، ورجاءً لِـمُراجعتِك وانعطافِك، فقد يعزُبُ العقلُ ثم يؤُوب، ويعزُبُ اللُّبُّ ثم يَثُوبُ، وَيذهبُ الحزمُ ثم يعودُ، وَيفسُدُ العَزمُ ثم يَصلُحُ، وَيُضاعُ الرَّأيُ ثم يُستَدرَكُ، ويَسكَرُ الـمَرءُ ثم يَصحُو، وَيَكدَرُ الماءُ ثم يَصفُو. وكلُّ ضِيقةٍ إلى رَخاءٍ، وَكل غَمرةٍ فإلى انجِلاء.

وكما أنّكَ أتيتَ مِن إساءَتِك بِما لم تَحتَسِبهُ أولياؤُك، فلابدّ أن تأتيَ مِن إحسانِك بِما لم تَرتقِبهُ أعداؤُك، وكما استمَرّتْ بِك الغَفلَةُ حتى ركِبتَ ما ركبتَ، واخترتَ ما اخترتَ، فلا عجبَ أن تنتبِهَ انتباهةً تَبصُرُ فِيها قبحَ ما صنعتَ، وسوءَ ماأثرتَ. وسأقِيم على رسمِي في الإبقاءِ والـمُماطلةِ ما صلُحَ، وعلى الاستناءِ والمطاولةِ ما أمكنَ؛ طمعًا في أنانيّتِك، وتحكِيمًا لحُسنِ الظّنِ بِك، فلستُ أعدَمُ فيما أظاهِرُه من أعذارٍ، وأُرادفُه مِن إنذارٍ؛ احتِجاجًا عليك واستدراجًا لك. فإن يشأِ اللهُ يرشدْك، ويأخذْ بك إلى حظك ويسدّدْك، فإنه على كل شيئٍ قديرٌ، وبالإجابةِ جديرٌ.

وزعمتَ أنّكَ في طرفٍ من الطّاعةِ بعدَ أن كنتَ مُتوسِّطَها، وإذا كنتَ كذٰلك فقد عَرَفتَ حالَيها، وحَلَبتَ شَطرَيها، فنشدتُكَ اللهَ لـمَا صدقتَ عما أسألك:

كيفَ وجدتَ ما زلتَ عنه؟ وكيف تجدُ ما صرتَ إليه؟ ألم تكُن من الأولِ في ظلٍّ ظليلٍ، ونسيمٍ علِيلٍ، وريحٍ بليلٍ، وهواءٍ غَذيٍّ، وماءٍ رويٍّ، ومِهادٍ وطيٍّ، وكِنٍّ كَنِينٍ، ومكانٍ مَكينٍ، وحِصنٍ حصينٍ يَقيك الـمَتالِفَ، ويُؤمنُك الـمَخاوِفَ، ويَكنفُك مِن نوائبِ الزمانِ، ويحفَظُك من طوارقِ الحدَثانِ؛ عُزّزتَ به بعد الذِلّةِ، وكثُرتَ بعد القِلّةِ، وارتفعْتَ بَعد الضَّعَةِ، وأيسرتَ بعد العُسرةِ، وأثريتَ بعد الـمَتربةِ، واتسعتَ بعد الضِّيقةِ، وظفِرتَ بالولاياتِ، وخفقتْ فوقَك الرّاياتُ، ووطِىءَ عَقِبك الرجالُ، وتعلّقتْ بك المآلُ. وصِرتَ تُكاثِرُ ويُكاثَرُ بك، وتُشيرُ ويشارُ إليك، ويُذكَرُ على المنابرِ اسمُك، وفي المَحاضِرِ ذكرُك. فَفِيمَ الآن أنتَ من الأمرِ؟ وما العِوضُ عَمّا عَدوتَ والخلفُ مِمّا وصفتَ؟ وما استفدتَ حين أخرجتَ من الطاعة نفسَك، ونفضتَ منها كفَّك، وغمستَ في خلافها يدَك؟ وما الذي أظلَّك بعد انحسارِ ظلّها عنك؟ أظلٌّ ذو ثلاثِ شُعَبٍ لا ظليلٌ ولا يُغني من اللّهبِ؟! قل: نعم، كذلك. فهو - والله - أكثفُ ظلالِك في العاجلة، وأروحها في الآجلة؛ إن أقمتَ على المحايدةِ والعُنُودِ، ووقفتَ على المُشاقّةِ والجُحودِ.

تأمّلْ حالَك وقد بلغتَ هذا الفصلَ مِن كتابي فَستُنكرُها، والمسْ جسدَك وانظرْ هل يُحِسُّ؟! واجسُسْ عرقَك هل ينبضُ؟! وَفَتِّشْ ما حَنا علَيك هل تجِدُ فِي عَرضِها قلبَك؟ وهل حَلِيَ بصدرك أن تظفَر بفَوتٍ سريحٍ أو مَوتٍ مُريحٍ؟ ثم قِسْ غائبَ أمرِك بشاهِدِه، وآخرَ شأنِكَ بأوّلِه.

12.4 صاحب متن کا تعارف

ابن العمید کا اصل نام محمد بن حسین بن محمد ہے، ابوالفضل کنیت اور ابن العمید لقب ہے، فارسی النسل تھا اور اس کی پیدایش ''قم'' کی تھی، فکری اعتبار سے شیعی امامی تھا۔ اس کا باپ چوں کہ خود ایک اچھا ادیب، انشا پرداز، خوش بیان مقرر اور خوش نویس قلم کار تھا اور گورنر بخاریٰ نوح بن نصر سامانی کا سکریٹری تھا۔ اس لیے اس نے اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ رکھا اور اہلِ علم وادب کے بیچ اس کی پرورش وپرداخت کی، انشا پردازی کی مشق کروائی اور ادب وفکر کی عمدہ تعلیم دی، حتی کہ ابن العمید بہت جلد عربی انشا پردازی اور خطوط نویسی میں ماہر ہوگیا۔ اس کے علاوہ فلسفہ اور علم نجوم بھی حاصل کیے۔ ان خصوصیات اور علمی وادبی خوبیوں کی وجہ سے ہی اسے ''استاذ''، ''الکاتب'' اور ''الجاحظ الثانی'' جیسے القاب وخطابات دیے گئے۔

12.4.1 عملی زندگی

جب اس نے حصول علم و ادب سے فراغت حاصل کر لی اور اس کی ذہنی، علمی وفکری استعداد پختہ ومضبوط ہوگئی، تو اس نے بخارا کو خیر باد کہا اور بنو بویہ کی مملکت بلادِ ''رے'' میں آ گیا، وہاں اس نے اپنی لیاقت وقابلیت سے کئی بڑی سرکاری نوکریاں حاصل کیں اور ترقی کرتے کرتے وزارت کے عہدے تک پہنچ گیا اور 328ھ میں اسے رکن الدولہ ابوعلی حسن بن بویہ نے اپنا وزیر بنالیا۔ اس نے وزارت کے جملہ فرائض اور ذمے داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا، امورِ مملکت کو اچھی طرح چلایا اور جود وسخاوت میں بنو برمک کے موروثی طریقے پر کاربند رہا۔ چوں کہ وہ خود صاحبِ علم وادب تھا، شعر کہتا بھی تھا اور شعر شناسی کے نہایت ستھرے ذوق کا مالک بھی تھا؛ چنانچہ مختلف علاقوں کے شعرا وادبا اس کے پاس پہنچتے، اپنا کلام سناتے اور انعامات واکرامات سے سرفراز ہوتے تھے۔ متنبی جیسا عظیم شاعر بھی اس کی تعظیم کرتا اور اس کی شان میں قصیدہ خوانی کرتا تھا۔ ایک بار اس نے ابن العمید کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا تو اس نے خوش ہوکر اسے تین ہزار دینار سے نوازا۔

اس دور میں ابن العمید اور صاحب بن عباد وغیرہ ادبی تحریک کے روح رواں اور سرخیلوں میں تھے۔ فلسفہ اور علم نجوم میں تو ابن العمید کو مہارت حاصل ہی تھی، مگر ادب اور رسالہ نگاری میں بھی اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ثعالبی نے لکھا ہے کہ: ''رسالہ نگاری عبد الحمید سے شروع ہوئی اور ابن العمید پر ختم ہوگئی، اسے اس فن میں مکمل سربراہی وسیادت حاصل تھی''۔ اس کے بہت سے شاگرد بھی ہوئے، جن میں صاحب بن عباد سب سے مشہور ہے، اسی کی صحبت کی وجہ سے صاحب کو ''صاحب'' کا خطاب ملا اور ابن العمید کو اسی کی تعلیم ومدرّسی کی وجہ سے ''استاذ'' کہا جانے لگا۔ صاحب بن عباد نے ایک مرتبہ بغداد کا سفر کیا، جب واپس آیا تو اس سے ابن العمید نے پوچھا کہ بغداد کو کیسا پایا، تو اس نے کہا بغداد دنیا کے شہروں میں ایسا ہی ہے، جیسے میرے استاد دنیا بھر کے انسانوں میں۔ ابن مسکویہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''وہ اپنے زمانے میں سب سے بڑا انشا پرداز اور اسالیبِ انشا پر قادر انسان تھا، اسے لغت اور غریب الفاظ پر دسترس حاصل تھی، نحو وعروض میں کمال حاصل تھا، الفاظ کے مشتقات و استعارات اس کے ذہن میں محفوظ تھے، جاہلی واسلامی شعرا کے بے شمار دیوان اسے حفظ تھے، قرآن کریم کا نہ صرف وہ حافظ تھا؛ بلکہ اس کے مشکل مقامات ومتشابہات اسے از بر تھے، مختلف مقامات کے فقہا کے مسالک کا عالم تھا اور خود بھی اعلیٰ درجے کا فقیہ تھا، منطق اور فلسفے میں تو کوئی اس کا ہمسر ہی نہیں تھا، ان موضوعات پر اس سے کسی کو بات کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوتی تھیں یا تو لوگ اس سے استفادہ کرنے کے لیے بات کرتے تھے یا اس کے شاگردان موضوعات پر اس سے گفتگو کرتے تھے''۔ ابن مسکویہ نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ ابن العمید اس زمانے کے بعض نہایت مشکل علم وفن مثلاً طبیعیات، انجینئر نگ، میکانیکی علوم وغیرہ میں بھی ماہر تھا۔

12.4.2 نثر ورسالہ نگاری

اس کی نثر جیسا کہ مذکورہ بالا خط سے واضح ہے، مسجع نثر ہے، وہ اپنی تحریر میں مترادف الفاظ کا بہ کثرت استعمال کرتا ہے، لفظوں کو برتنے میں اور تراکیب کے استعمال میں وہ ایک خاص قسم کی ہم آہنگی وموزونیت کو پیش نظر رکھتا ہے، حالاں کہ مسجع نثر عام طور پر مغلق اور پیچیدہ ہوتی، مگر اس کی نثر مسجع ہونے کے باوجود پیچیدہ نہیں ہے، واضح ہے اور خوبصورت بھی ہے۔ یہ اوصاف صرف اس کے خطوط کے نہیں ہیں، اس کی دوسری نثر میں بھی یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

12.4.3 تالیفات

اس کی کتابوں میں صرف ایک کتاب ''بناء المدن'' کا تذکرہ ملتا ہے، جس میں اس نے فن تعمیر کے نکات واسرار سے بحث کی ہے، کہتے ہیں کہ اس کا اصلی نسخہ مخطوطہ کی شکل میں اسطنبول کے ایک کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ رسائل ابن العمید خاصے کی چیز ہے اور اس سے اس کی رسالہ نگاری ونثر نویسی کا عمدہ نمونہ سامنے آتا ہے۔

12.4.4 وفات

ابن العمید اپنی تمام تر علمی وادبی اور فکری وجاہت کے باوجود اپنے مخدوم رکن الدولہ کے تئیں نہایت مخلص تھا اور اس کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا تھا، جب رکن الدولہ کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد اس کے بیٹے عضد الدولہ نے تخت سلطنت سنبھالا، تو ابن العمید کی وفاداری بھی اس کے بیٹے کی طرف منتقل ہو گئی۔ وہ فوج کی قیادت خود کرتا تھا اور عضد الدولہ کی حکومت کا دائرہ عراق و بغداد تک پہنچانے میں اس کا رول تھا۔ اخیر عمر میں بھی وہ علم وادب کی خدمت کے ساتھ سپہ سالاری سے دلچسپی رکھتا تھا، چنانچہ اس نے اپنی قیادت میں ایک لشکر تیار کیا اور صفر 360ھ میں کردی رہنما حسنو یہ کی سرکوبی کے ارادے سے نکلا، مگر راستے ہی میں اس کی وفات ہو گئی۔ اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی۔

12.5 متن کا ترجمہ

میں تمھیں یہ خط لکھ رہا ہوں، جب کہ میں تم سے پر امیدی و مایوسی اور تمھارا خیال کرنے اور تم سے اعراض کرنے کے مابین متذبذب ہوں؛ کیوں کہ تم اپنی گزشتہ عزت وحرمت پر اتراتے ہو اور سابقہ خدمت گزاری کے حوالے دیتے ہو، ان کا ادنیٰ سا حصہ بھی رعایت، پاس ولحاظ اور محافظت وعنایت کا تقاضا کرتا ہے، جب کہ ان کے ساتھ تم نے حالیہ عرصے میں خیانت، فریب اور غبن کو ملا دیا ہے اور ان کے بعد تم نے نافرمانی و سرکشی کی ہے اور ان کا معمولی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ تمھاری ماضی کی تمام کارگزاریاں کالعدم ہو جائیں اور تمھارے ساتھ کی جانے والی ہر قسم کی رعایت ختم ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ میں تمھارے متعلق کسی حتمی فیصلے تک پہنچنے میں شش و پنج کا شکار ہوں، تم پر رحم کھانے اور تمھارے خلاف اقدام کرنے میں تذبذب سے دوچار ہوں، ایک قدم تمھیں کچلنے اور ختم کرنے کے لیے اٹھاتا ہوں، تو دوسرا قدم تمھیں باقی رکھنے کے لیے پیچھے ہٹا لیتا ہوں، ایک ہاتھ تمھیں مٹانے کے لیے اٹھاتا ہوں، تو دوسرا تمھیں بچانے اور اصلاح کے لیے کھینچ لیتا ہوں، میں ماضی کے تمھارے احسانات اور حسن برتاؤ کی وجہ سے تمھارے سلسلے میں اپنی ذمے داری سے توقف اختیار کرتا ہوں، اس امید کی وجہ سے کہ تم اپنے اس رویے سے رجوع کر لوگے اور اس آرزو میں کہ تم اپنے موجودہ طریقۂ کار کو بدلو گے؛ کیوں کہ انسان کی عقل کبھی کبھی اس کا دامن چھوڑ دیتی ہے، پھر واپس آ جاتی ہے، فہم ودانش کبھی غائب ہو جاتی اور پھر لوٹ آتی ہے، کبھی حزم واحتیاط ہاتھ سے نکل جاتا، پھر واپس آ جاتا ہے، کبھی عزم وارادہ فساد کا شکار ہو جاتا، پھر ٹھیک ہو جاتا ہے، کبھی انسان کی فکر اور رائے بے کار ورائیگاں کر دی جاتی ہے، پھر اس کی تلافی کی جاتی ہے، انسان کبھی نشے میں ہوتا ہے، پھر ہوش میں آ جاتا ہے، پانی کبھی گدلا ہو جاتا، پھر صاف ہو جاتا ہے، ہر تنگی کے بعد کشادگی آتی ہے اور ہر تاریکی چھٹتی ہے۔

جس طرح تم نے ایسی بداطواری کا مظاہرہ کیا، جس کی تمھارے محسنوں کو قطعاً کوئی امید نہیں تھی، اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ایسے اچھے

برتاؤ کا مظاہرہ کرو، جس کی تمھارے دشمنوں کو توقع بھی نہ ہو، جس طرح تم پر غفلت طاری رہی اور اس کے زیرِ اثر تم نے غلط راستے کو اختیار کیا اور نامناسب طرزِ عمل اپنایا، کوئی عجب نہیں کہ اسی طرح تم اپنے کیے پر متنبہ ہو جاؤ اور اپنے طرزِ عمل کی قباحت اور اپنی پسند کی غلطی کو دیکھ سکو اور میں اپنی اس روایت پر بھی قائم رہوں گا کہ جو درست ہو، اسے باقی رکھا جائے اور جہاں تک ممکن ہو، اسے برقرار رکھا جائے، یہ دراصل تم سے خودشناسی کی امید اور تمھارے تئیں حسن ظن کی وجہ سے ہے، لہٰذا میں جس چیز کے بارے میں مختلف اسباب بیان کرتا ہوں اور ڈراتا دھمکاتا ہوں، اس کو تمھارے خلاف احتجاج اور تمھیں ڈھیل دینے کی وجہ سے پوری طرح ختم نہیں کر سکتا۔ پس اگر اللہ چاہے، تو تمھیں ہدایت دے گا، تمھیں تمھاری پرانی روش پر لوٹا دے گا اور تمھیں ٹھیک کر دے گا؛ کیوں کہ وہ ہر چیز پر قادر اور دعاؤں کو سننے والا ہے۔

تمھارا خیال ہے کہ تم اطاعت و فرماں برداری کے وسط میں چلنے کے بعد اب اس کے کنارے میں آ گئے ہو، اگر واقعی تمھارا یہی حال ہے، تو تم اطاعت گزاری کے دونوں حالات سے واقف ہو گئے ہوں گے اور ان کے نفع و نقصان کو جان گئے ہوں گے؛ لہٰذا میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میں تم سے جو سوالات کروں، ان کا درست جواب دینا: جس حال میں تم پہلے تھے، وہ کیسا تھا؟ اور جس حال میں تم اب ہو، وہ کیسا ہے؟ کیا پہلی صورت میں تم گھنے سایے، ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں، تروتازہ فضا اور غذا بخش آب و ہوا، سیراب کن پانی، آرام دہ بستر، محفوظ مسکن، معزز گاہ، مضبوط قلعہ میں نہیں تھے، جو تمھیں ہلاکتوں سے بچاتا، خوف اور اندیشوں سے محفوظ رکھتا، زمانے کی گردشوں سے حفاظت کرتا اور حوادثِ دہر سے بچاتا تھا؟ تم نے اس کی وجہ سے ذلت کے بعد عزت، قلت کے بعد کثرت، زوال کے بعد عروج، تنگی کے بعد آسانی، فقیری کے بعد مال داری، تنگ حالی کے بعد کشادگی پائی، تمھیں سرکاری نوکریاں ملیں، تمھارے سر پر جھنڈے لہرانے لگے، تمھارے پیچھے لوگ چلتے تھے، تم سے امیدیں باندھی جاتی تھیں، تم سے قوت و کثرت حاصل کی جاتی اور تم دوسروں کے ذریعے قوت و کثرت حاصل کرتے تھے، تمھاری طرف لوگ (عزت و احترام سے) اشارے کرتے اور تم (خوشی یا ناراضگی میں) لوگوں کی طرف اشارے کرتے تھے، منبروں پر تمھارے نام کا چرچا تھا، مجلسوں میں تمھارا ذکر ہوتا تھا۔ اب تم جو کچھ کر رہے ہو، اسے کیسا محسوس کر رہے ہو، جو تم نے چھوڑا، اس کا بدلہ کیسا ہے؟ اور فرماں برداری سے نافرمانی کی طرف آنے سے تمھیں کیا حاصل ہوا؟ اور جو تم نے اطاعت سے اپنی ہتھیلی کو جھاڑا اور اپنے ہاتھ کو اس کی مخالفت میں ڈبویا، اس سے کیا فائدہ ہوا؟ اس (اطاعت) کے سایے کے تنگ پڑنے کے بعد تمھیں کس چیز نے سایہ عطا کیا؟ کیا (جہنم کے) تین شاخوں والے سایے (دھوئیں) نے، جو نہ سایہ کرتا ہے اور نہ آگ کی تپش سے بچاتا ہے، کہو کیا تمھاری حالت ایسی ہی نہیں ہے؟ وہ بخدا عاجل (دنیاوی اعتبار سے) تو سایہ دار ہے لیکن آجل (نتیجہ کے اعتبار سے) بے سایہ ہے، اگر تم اپنے بغض و عناد پر اڑے رہے اور انکار اور مشقت کے راستے پر چلتے رہے۔

میرے خط کی اس فصل (مقام) پر پہنچ کر اپنی حالت پر غور کرو، یقیناً تم اپنی حالت سے نفرت کرو گے، اپنے جسم کو چھو کر دیکھنا، کیا اس میں حس (شعور) باقی ہے؟ اپنی رگ کو ہاتھ رکھ کر ٹٹولو، کہ آیا وہ پھڑک رہی ہے؟ اپنے پہلو کو ٹٹولنا، کیا وہاں دل موجود ہے؟ کیا تمھارے دل کو اچھا لگے گا کہ تم جلد ہی ناکامی سے دوچار ہو جاؤ یا مر جاؤ؟ پھر تم اپنی موجودہ حالت کا سابقہ حالت سے تقابل اور آخری حالت کا پہلی حالت سے موازنہ کرو!

12.6 لغوی تحقیق

ترجّح : ہلنا، ہچکولے کھانا، تذبذب میں پڑنا، حیران ہونا (ترجح، ترجحا: تفعل)

أقبل علی	:	متوجہ ہونا(أقبل،إقبالا:إفعال)
أدلّ	:	اِترانا(أدل،إدلالا:إفعال)
مال إلی	:	متوجہ ہونا(مال،میلا:ضرب)
مال علی	:	کسی سے نفرت کرنا، ناراض ہونا، بے توجہی کرنا
اصطلم	:	برباد کرنا،ختم کرنا(اصطلم،اصطلاما:افتعال)
استبقی	:	باقی رکھنا، چھوڑ دینا(استبقی،استبقاء ا:استفعال)
توقّف عن	:	رکنا (توقف،توقفا:تفعل)
کدر	:	گدلا ہونا(کدر، کدورۃ:سمع)
غمرۃ(ج)غمر وغمار	:	سختی،مصیبت،بھیڑ،کثرت،موت کے وقت کی تکلیف
صنیعۃ(ج)صنائع	:	بھلائی،نیکی،سلوک،احسان،برتاؤ،رویہ
نوائب(و)نائبۃ	:	مصیبت،حادثہ
غلول	:	دھوکہ دینا،فریب کرنا،خیانت کرنا(غل،غلولا:نصر)
مماطلۃ	:	ٹال مٹول کرنا،ڈھیل دینا(ماطل،مماطلۃ:مفاعلۃ)
مطاولۃ	:	مہلت دینا،طول دینا(طاول،مطاولۃ:مفاعلۃ)
کِنٌّ	:	مضبوط گاہ/مکان/عمارت
کَنِینٌ	:	چھپا ہوا،پوشیدہ
خفقت الرأیۃ	:	جھنڈا لہرانا
نبض	:	حرکت کرنا،دھڑکنا(نبض،نبضا:ضرب)
رادف	:	ساتھ چلنا(رادف،مرادفۃ:مفاعلۃ)

12.7 ادبی صنف کا تعارف

رسائل نگاری بھی ایک ادبی صنف ہے جس کو عصر عباسی میں بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا، رسائل اور خطوط نگاری میں علم وادب کے مختلف موضوعات کے علاوہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے بارے میں اساسی اور اہم معلومات شامل ہوتی ہیں، ان کے اوصاف حمیدہ، افتادِ طبع، اسلوب فکر، طرزِ نگارش، علمی وادبی دلچسپیاں اور خاص مباحث وغیرہ کے بارے میں آگاہی حاصل ہوتی ہے، ان مکتوبات میں رسائل دیوانی حکومتی خطوط ورسائل اور عوامی رسائل اور علمی مباحث اور نکات پر بحث ومباحثہ اور نقاش مکالمہ شامل ہوتا ہے، مکتوبات فی البدیہہ، برجستہ، بے ساختہ، برمحل اور اپنے دل میں چھپے احساسات بالفاظِ دیگر دل کی باتیں لکھی جانی والی تحریر پر مشتمل ہوتے ہیں۔ خطوط نگاری کو ''دلی خیالات وجذبات کا روزنامچہ اور

اسرار حیات کا صحیفہ'' بھی کہا جاتا ہے، اس طرح عربی ادبا کے رسائل وخطوط عربی ادب کے اعلی نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جنھوں نے عربی ادب کے فروغ میں بڑا کردار ادا کیا ہے، یہ صنف ادب بھی لوگوں کی توجہ کا باعث رہی ہے۔ ابتدا میں یہ خطوط اور رسائل نجی ہوتے تھے، اخوانی اور دیوانی بھی، ان خطوط میں نجی معاملات کا تذکرہ بھی ملتا ہے، دیگر علمی موضوعات کو بھی یہ حاوی ہوتے، تاریخی مواد اور معلومات کا بھی گنجینہ اور سرمایہ ہوتے، اس دور کے اہم رسائل نگاروں میں ابن العمید اور صاحب بن عباد کی رسائل نگاری ہے۔

12.7.1 صنف کی ہیئت وصورت

عباسی دور کے اوائل میں انشا پردازی اور رسائل نگاری کا طرز وانداز عبد الحمید کے اسلوب پر ہی برقرار رہا، خصوصا رسائل نگاری کا فن اپنے بلوغ اور کمال کو پہنچا جس میں اختصار کو مدنظر رکھا جاتا اور مبالغہ اور عبارت کی تزئین وترتیب میں میانہ روی کا لحاظ رکھا جاتا، جعفر بن یحییٰ تو رسائل نگاری میں اختصار کو اتنا پسند کرتا تھا کہ وہ کہتا تھا کہ 'اگر تم اپنے تمام خطوط کو توقیعات کی طرز پر لکھ سکو تو ایسے ہی لکھو'' جب عربوں میں خوشحالی کا دور دورہ ہوا اور ان کا ایرانیوں کے ساتھ میل ملاپ بڑھا تو وہ خطوط نویسی میں تکلف اور طوالت اختیار کرنے لگے، زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی اس میں ترقی کرتے رہے، حتی کہ انھوں نے قدیم اسالیب کو ترک کر دیا اور ایک مطلب بیان کرنے کے لیے لگاتار کئی جملے لکھنے لگے، ان کا خیال تھا کہ تکرار سے معنی ومطلب زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور مفہوم جلد ذہن نشیں ہو جاتا ہے؛ ابن العمید کی رسائل نگاری کا طرز وانداز بھی اس طوالت کا حامل ہے جس میں چھوٹے چھوٹے مسجع جملے، تجنیس (ہم شکل وہم جنس الفاظ) تاریخ اور دیگر علوم کے لطائف کی آمیزش، نفس مضمون کی عمدگی اور سلامتی کے ساتھ ساتھ تشبیہ وتخیل میں وسعت پیدا ہوئی۔ ابن العمید انشا پردازی اور خطوط نویسی کے تمام اقسام میں اس قدر سبقت لے گیا تھا کہ لوگ کہتے '': ''انشا پردازی عبد الحمید سے شروع ہوئی اور ابن العمید پر ختم ہوگئ'' جس کا نمونہ اس کا یہ رسالہ ہے، جس میں اس نے بلکا کو رکن الدولہ کی حکم عدولی پر تنبیہ کرتے ہوئے یہ خط لکھا، جو علم وادب کا خزینہ، الفاظ وتراکیب کا گنجینہ اور معانی اور اسالیب، تعبیرات ادائیگی اور عربی لب ولہجہ کا شاہکار اور شہہ پارہ ہے۔

12.8 متن سبق کا موضوع

اس خط میں ابن العمید نے ابن بلکا نامی سرکاری اہلکار کی سرکشی ونافرمانی پر اس کی تنبیہ کی ہے اور اسے بادشاہ کے پرانے احسانات یاد دلاتے ہوئے اپنے اس رویے سے توبہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ ابن العمید اس شخص کی پرانی وفاداری کا قائل بھی ہے، مگر ساتھ ہی اس کی سرکشی سے نالاں بھی؛ چنانچہ خط میں اس نے واضح طور پر اس شخص کو لکھا ہے کہ تمھاری پہلے والی حالت کا تقاضا ہے کہ میں تمھیں معاف کر دوں، مگر تمھاری موجودہ سرکشی اور نافرمانی اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ میں تمھیں سزا دوں، میں سخت کش مکش میں ہوں اور سمجھ نہیں آ رہا کہ تمھارے ساتھ کیا کیا جائے۔ ابن العمید کو چوں کہ امید ہے کہ وہ شخص اپنے رویے سے تائب ہو کر پھر سے بادشاہ کا وفادار بن جائے گا؛ اس لیے وہ اسے اپنے مخصوص انداز میں ان تمام آسائشوں اور راحت وآرام کی یاد دلاتا ہے، جو اسے پہلے حاصل تھے، پھر اسے کہتا ہے کہ اب تم خود ہی غور کرو کہ تمھاری پہلے والی حالت بہتر تھی یا موجودہ حالت بہتر ہے؟ پہلے تم عیش کی زندگی گزارتے تھے، اب تمھیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، حتی کہ تمھاری حالت ایسی ہو چکی ہے کہ یا تو تمھارے سامنے ہولناک ناکامی وبے چارگی ہے یا پھر موت، اگر تم نے اپنی نافرمانی وسرکشی سے توبہ نہیں کی تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو تمھیں اختیار کرنا پڑے گا، جب کہ اگر تم پھر سے بادشاہ کے وفادار ہو جاؤ، تو پہلے جیسی نعمتیں تمھیں پھر حاصل ہو سکتی ہیں۔

۱۔ جب وزیر ابن بلکا نے رکن الدولہ کی حکم عدولی کی تو ابن العمید اس کی جانب سے ابن بلکا کو مخاطب کرتے ہوئے یہ خط لکھا، جس میں اس نے اس کی سابقہ خدمات، موجودہ نا امیدی اور امید و یاس کی مابین حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ تمہاری سابقہ خدمات تو تمہیں انعام کا مستحق بناتی ہیں، موجودہ حالت تمہاری جس میں خیانت اور دھوکہ دہی ملی ہوئی، اس معمولی سی بھی انحراف کا تقاضا یہ ہیکہ تمہاری خدمات کو ضائع کر دیا جائے اور تمام رعایتیں ختم کر دی جائیں، انہیں احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

لا جَرَم أني وقفتُ بَين مَيلٍ إليک ومَيلٍ عليک، أُقدِمُ رِجلا لِصَدمِک، و أؤَخِرُ أُخرى عن قَصدِک، وأبسُطُ يدًا لاصطِلامکَ، وأَثنِي ثانِيةً لِاستِبقائِک واستِصلاحِک، وأَتَوقَّفُ عَن امتِثالِ بَعضِ الـمَأُمورِ فِيکَ ضَنًّا بِالنِّعمةِ عِندَک، وَمُنافَسةً فِي الصَّنيعةِ لَدَيک، وتأميلاً لَفيئتِک وانصرافِک، ورجاءً لِـمُراجعتِک وانعطافِک. فقد يعزُبُ العقلُ ثم يؤُوبُ، ويغرُبُ اللُّبُّ ثم يَثُوبُ، وَيذهبُ الحَزمُ ثم يعُودُ، وَيفسُدُ العَزمُ ثم يَصلُحُ، وَيُضاعُ الرَّأيُ ثم يُستَدرَکُ، ويَسكَرُ الـمَرءُ ثم يَصحُو، وَيَكدَرُ الماءُ ثم يَصفُو. وكلُّ ضِيقةٍ إلى رَخاءٍ، وَكلُ غَمرةٍ فإلى انجلاء.

حقیقت یہ ہے کہ میں تمھارے متعلق کسی حتمی فیصلے تک پہنچنے میں شش و پنج کا شکار ہوں، تم پر رحم کھانے اور تمھارے خلاف اقدام کرنے میں تذبذب سے دوچار ہوں، ایک قدم تمھیں ختم کرنے کے لیے اٹھاتا ہوں، تو دوسرا قدم تمھیں باقی رکھنے کے لیے پیچھے ہٹا لیتا ہوں، ایک ہاتھ تمھیں مٹانے کے لیے اٹھاتا ہوں، تو دوسرا تمھیں بچانے اور اصلاح کے لیے کھینچ لیتا ہوں، میں ماضی کے تمھارے احسانات اور حسن برتاؤ کی وجہ سے تمھارے سلسلے میں اپنی ذمے داری سے توقف اختیار کرتا ہوں، اس امید کی وجہ سے تم اپنے اس رویے سے رجوع کر لوگے اور اس آرزو میں کہ تم اپنے موجودہ طریقۂ کار کو بدلوگے؛ کیوں کہ انسان کی عقل کبھی کبھی اس کا دامن چھوڑ دیتی ہے، پھر واپس آ جاتی ہے، فہم و دانش کبھی غائب ہو جاتی اور پھر لوٹ آتی ہے، کبھی حزم و احتیاط ہاتھ سے نکل جاتا، پھر واپس آ جاتا ہے، کبھی عزم و ارادہ فساد کا شکار ہو جاتا، پھر ٹھیک ہو جاتا ہے، کبھی انسان کی فکر اور رائے گم ہو جاتی اور پھر واپس آ جاتی ہے، انسان کبھی نشے میں ہوتا ہے، پھر ہوش میں آ جاتا ہے، پانی کبھی گدلا ہو جاتا، پھر صاف ہو جاتا ہے، ہر تنگی کے بعد کشادگی آتی ہے اور ہر تاریکی چھٹتی ہے۔

۲۔ اس کے بعد ابن العمید ابن بلکا کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تمہارا کیا خیال ہے تم اطاعت کے وسط میں چلنے کے بعد ان کنارے پر آ گئے ہو، اگر واقعتا تمہارا یہی حال ہے تم اطاعت گزاری کے دونوں حالات سے واقف ہو گئے اور اس کے نفع و نقصان کو جان گئے، تو میں تجھے خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میں جو آپ سے سوال کروں گا آپ مجھے اس کا صحیح جواب دیں گے۔

كيفَ وجدتَ ما زلتَ عنه؟ وكيف تجدُ ما صرتَ إليه؟ ألم تكُن من الأولِ في ظلٍّ ظليلٍ، ونسيمٍ عليلٍ، وريحٍ بليلٍ، وهواءٍ غذيٍّ، وماءٍ رويٍّ، ومِهادٍ وطيٍّ، وكِنٍّ كَنينٍ، ومكانٍ مَكينٍ، وحِصنٍ حصينٍ يَقيکَ الـمَتالِفَ، ويُؤمنُک الـمَخاوِفَ، ويَكنفُک مِن نوائبِ الزمانِ، ويحفظُک من طوارقِ الحدَثانِ؛ عُزِّزتَ به بعد الذِّلّةِ، وكَثُرتَ بعد القِلّةِ، وارتفعتَ بَعد الضَّعَةِ، وأيسرتَ بعد العُسرةِ، وأثريتَ بعد الـمَتربةِ، واتسعتَ بعد الضِّيقةِ، وظفِرتَ بالولاياتِ، وخفقتْ فوقَک الرَّاياتُ، ووطِىءَ عَقِبَک الرجالُ،

وتعلَّقتْ بک الآمالُ. وصِرتَ تُکاثِرُ ویُکاثَرُ بک، وتُشیرُ ویشارُ إلیک، ویُذکَرُ علی المنابرِ اسمُک، وفي المَحاضِرِ ذکرُک.

جس حال میں تم پہلے تھے، وہ کیسا تھا؟ اور جس حال میں تم اب ہو، وہ کیسا ہے؟ کیا پہلی صورت میں تم گھنے سایے، ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں، تروتازہ وغذابخش آب وہوا، سیراب کن پانی، آرام دہ بستر، محفوظ مسکن، مضبوط رہائش گاہ، مضبوط قلعہ میں نہیں تھے، جو تمھیں ہلاکتوں سے بچاتا، خوف اور اندیشوں سے محفوظ رکھتا، زمانے کی گردشوں سے حفاظت کرتا اور حوادثِ دہر سے بچاتا تھا؟ تم نے اس کی وجہ سے ذلت کے بعد عزت، قلت کے بعد کثرت، زوال کے بعد عروج، تنگی کے بعد آسانی، فقیری کے بعد مال داری، تنگ حالی کے بعد کشادگی پائی، تمھیں سرکاری نوکریاں ملیں، تمھارے سر پر جھنڈے لہرانے لگے، تمھارے پیچھے لوگ چلتے تھے، تم سے امیدیں باندھی جاتی تھیں، تم سے قوت وکثرت حاصل کی جاتی اور تم دوسروں کے ذریعے قوت وکثرت حاصل کرتے تھے، تمھاری طرف لوگ (عزت واحترام سے) اشارے کرتے اور تم (خوشی یا ناراضگی میں) لوگوں کی طرف اشارے کرتے تھے، منبروں پر تمھارے نام کا چرچا تھا، مجلسوں میں تمھارا ذکر ہوتا تھا۔

12.10 متن کی خصوصیات

۱۔ یہ رسالہ اور خط ابن العمید نے ابن بلکا کو جو رکن الدولہ کا وزیر معتمد اور خاصان خاص اشخاص میں سے تھا، رکن الدولہ سے اس کی روگردانی، انحراف، اطاعت شعاری اور وفاداری کو ترک کر کے علم بغاوت بلند کرنے پر لکھا ہے، جس میں ابن العمید نے اپنے اسلوب نگارش میں پہلے ابن بلکا اور رکن الدولۃ کے مابین مضبوط، استوار اور پائیدار تعلقات کا ذکر کیا ہے، پھر اس کو ان دنوں کی یاددہانی کراتا ہے جن کو انھوں نے ایک ساتھ گذارا ہے، یہ تمام گذشتہ تعلقات اور احوال کا تذکرہ ابن العمید نے ابن بلکا کو دوبارہ پرانی روش اور دوستی پر عود کرنے کے لیے لکھا ہے، دوری، کنارہ کشی، انحراف سے پرہیز کی دعوت دی ہے، یعنی ابن العمید ابن بلکا کے سامنے دو مناظر اور مشاہد رکھتا ہے، ایک وہ تمھارا شاندار ماضی ہے اور دوسرا تمھارا تاریک مستقبل ہے اور اس کو تقابل کی دعوت دیتا ہے کہ تمہارا وہ شاندار ماضی بہتر تھا؟ یا تمہارا یہ تاریک مستقبل تمہیں اچھا نظر آتا ہے۔

۲۔ پھر اس کو اس کی ماضی کی بلندی، رفعت، مقام ومرتبت، اس کی رکن الدولہ کے ساتھ مصاحبت ومرافقت، اس کے دور بام عروج وشہرت کو یاد دلاتا ہے، پھر اسی درمیان ابن العمید اس سے سوال کرتا ہے، یہ خروج اور بغاوت کا سبب کیا ہے؟ بلکہ ابن بلکا کو دوبارہ عود کر آنے اور اپنی غلطی اور خطا سے رجوع کرنے کی دعوت دیتا ہے، کہتا ہے: عقل کبھی چلی جاتی ہے پھر عود کر آتی ہے، دانش مندی کبھی غائب ہوجاتی پھر واپس آجاتی ہے، کبھی عزائم اور ارادے فساد اور بگاڑ کا شکار ہوجاتے پھر راہ راست اور درستگی کو بھی اختیار کر لیتے ہیں، اس طرح وہ اس کو اطاعت شعاری اور وفاداری اور بادشاہ کی حرمت اور عزت میں آنے کی دعوت دیتا ہے اور اصلاح حال کے لیے بلاتا ہے۔

۳۔ اس مکالمانہ گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بیان اور کلام کی عمدگی اور درستگی اور اس کے ذریعے مخاطب کے ذہن ودماغ کو براہ راست مخاطب کرنا یہ انسان پر تلوار کی وار سے زیادہ اثر کن ہوتا ہے، ابن العمید اپنے اس رسالہ میں مخاطب کے نفسیات کو مہمیز دیا ہے، اس کے احساسات اور خیالات کو جگایا ہے، اس کی سابقہ خوبیوں اور موجودہ روش کے درمیان موازنہ کر کے اس کو بادشاہ کے حضور اطاعت شعار بن کر آنے اور باعزت زندگی گذارنے کا حکم کرتا ہے۔

12.11 اسلوبی خصوصیات

۱۔ یہ رسالہ رسائل دیوانیہ سے تعلق رکھتا ہے، یہ ایک نامہ اور خط ہے جس میں ابن العمید ابن بلکا کو، انحراف، بے وفائی، روگردانی سے رکن

الدولہ کی اطاعت شعاری، وفاداری کی طرف دعوت دے رہا ہے، اس کو اس نے ایک بہترین تمہید کے ساتھ شروع کیا ہے، جس میں گفتگو اور مکالمہ کا انداز ہے، اس رسالہ کا انداز تحریر، طرز نگارش، اسلوب اس قدر مضبوط ہے کہ یہ ابن العمید کی اسلوب ادب کی علوشان کا تاج اور ہیرا معلوم ہوتا ہے، اس میں اس نے "طباق" کا بکثرت استعمال کیا ہے، جس سے تحریر کی بندش نہایت مضبوط تر نظر آتی ہے مثلا کہتا ہے: "بین طمع فیک، ویأس منک" اور کہتا ہے "میل إلیک"، "میل علیک"، "تأمیلا لفیئتك وانصرافک" اور "رجاء لمراجعتک وانعطافک"

۲۔ ابن العمید نے معنی کے اعتبار سے طباق کا بکثرت استعمال کیا ہے، یعنی ایک ہی لفظ کا ایک ایجابی پہلو ہے اور دوسرا منفی پہلو، ایجابی پہلو کو منفی پر مقدم رکھا ہے، یہ ایسا نہایت رقت انگیز پر اثر اسلوب ہے جو مخاطب کے دل کو موہ لیتا ہے، کہتا ہے: "بین طمع فیک" یہ ایجابی جملہ ہے، "ویأس منک" یہ سلبی اور منفی جملہ ہے۔

۳۔ ابن العمید کے اس رسالہ اور خط کا نہج نہایت اونچا اور بلند تر ہے، اس نے موزون عبارات کو اس طرح استعمال کیا ہے جیسے ان میں سے ہر ایک کو ترازو میں تول کر یہاں فٹ کر دیا ہے، ساری عبارتیں طول اور قصر میں مساوی اور ہم آہنگ ہیں، ان کی صرفی اعتبار سے وزنی جہت باقی و برقرار ہے، جیسے استعمال کرتا ہے "إقبال وإعراض" اِفعال کے وزن پر اور "سابق، سالف" فاعل کے وزن پر "استبقاء، استصلاح" استفعال کے وزن پر، "انصراف، انعطاف" انفعال کے وزن پر، اسی طرح سجع اور قافیہ بندی کا لحاظ بھی اس نے اپنی دوسری تحریروں کے مثل یہاں بھی کیا ہے، اس کی وجہ سے کلام قاری کی نفسیات پر اثر پذیر ہوتا ہے، خاص طور سے یہاں پر فواصل قرآنیہ کا استعمال قابل دیدنی ہے "ظل ظلیل"، "نسیم علیل"، "وریح بلیل"، "هواء عذي"، "ماء روي"، "ومهاد وطي" ان جملوں میں صوتی ہم آہنگی اور بنا کسی تکلف اور تصنع کے موسیقی نظر آتی ہے لحنی ہم آہنگی، رنگ برنگی نوعیت کی وجہ سے یہ جملہ فن ادب کا ایک شاہکار ٹکڑا نظر آتا ہے۔

۴۔ اور ایک چیز جو ابن العمید کی رسالہ نگاری کی اہمیت وافادیت کے لیے پیمانہ بنتی ہے، اس کی عربی زبان سے کمال واقفیت ہے، یہ جانتا ہے کہاں فعل ماضی کا استعمال ہو اور کہاں فعل مضارع استعمال کیا جائے، دیکھیے وہ گفتگو کے پیرایہ اور انداز کو کیسے بدل دیتا ہے، کہتا ہے: "وأنا مترجح بین طمع فیک" پھر ماضی کے صیغے استعمال کرتا ہے، کہتا ہے: "وتمت بسالف خدمة" پھر نہایت اچھوتے انداز میں مضارع کا استعمال کرتا ہے کہتا ہے: "وأثنی ثانیة لاستباقک واستصلاحک" اس کے علاوہ حروف جر کا خوبصورت سجع بندی اور طباق کی صورت میں استعمال کرتا ہے "طمع فیک، یأس منک، إقبال علیک، إعراض عنک".

۵۔ پورے رسالہ میں طباق کا بکثرت استعمال، جس نے اس رسالہ کی اہمیت کو دوگنا کر دیا ہے، کبھی وہ دو فعل میں اور کبھی دو اسم میں طباق پیدا کرتا ہے، بلکہ حروف جر میں بھی، جس کی وجہ سے کلام کے حسن و جمال میں نکھار آجاتا ہے اس نے محسنات بدیع میں سے "جناس" کا بھی بکثرت استعمال کیا ہے، "جناس اشتقاق" کا استعمال ہوا ہے، اس خط کے پانچویں فقرہ میں یہ نمایاں اور جلی ہو کر نظر آتا ہے، یہ کہتا ہے: "وصرت تکاثر ویکاثر بک، وتشیر ویشار إلیک" یہ محسنات لفظیہ سے تعلق رکھنے والے امور ہیں۔

٦۔ اس خط میں میں محسنات بدیع کے جو نمونے نظر آتے ہیں اُن میں "ترصیع" بھی شامل ہے، یعنی الفاظ میں بھی توازن ہو اور آواز میں بھی توافق ہو جیسے "یغرب العقل ثم یؤوب، ویغزب اللب ثم یثوب" او ر"علی المنابر اسمک، وفي المحاضر ذکرک" یہ محسنات لفظیہ سے تعلق رکھنے والے امور ہیں۔

یہ رسالہ آل بویہ کے بادشاہ رکن الدولہ کے وزیر اور معروف رسالہ نگار، انشا پرداز و ادیب ابن العمید کا ایک سرکاری اہل کار ابن بلکا کے نام لکھا ہوا خط ہے۔اس نے کسی وجہ سے بادشاہ کے خلاف سرکشی کی اور اس کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا، ابن العمید نے یہ خط لکھ کر اس کی تنبیہ کی اور اسے بادشاہ کی عنایتیں، افضال و انعامات یاد دلائے اور اسے اپنی حالت پر غور کر کے دوبارہ بادشاہ کی اطاعت قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔

وہ ابن بلکا کو لکھتا ہے کہ ایک طرف ماضی میں تمھاری حد درجہ اطاعت شعاری و وفاداری کا منظر میرے سامنے ہے اور دوسری طرف تمھاری موجودہ سرکشی و بغاوت ہے، ایک کا تقاضا ہے کہ میں تمھیں معاف کر دوں اور سدھرنے کا موقع دوں، جب کہ دوسری کا تقاضا ہے کہ تمھیں سخت سزا دی جائے، میں عجیب کش مکش میں ہوں، میں تمھیں سزا دینے کا ارادہ کرتا ہوں، تو تمھاری پرانی اچھی عادتیں یاد آ جاتی ہیں، میں تمھیں نوکری سے نکالنا چاہتا ہوں، تو تمھاری پچھلی وفاداریاں سامنے آ جاتی ہیں، میں تمھیں برباد کرنے کا سوچتا ہوں، مگر پھر یہ امید جاگ اٹھتی ہے کہ تم اپنی عادت ٹھیک کر لوگے اور سرکشی و بغاوت سے باز آ جاؤ گے۔میرے ذہن میں یہ بات آ جاتی ہے کہ انسان کبھی کبھی، بعض حالات کے زیر اثر عقل و شعور کا دامن چھوڑ دیتا ہے، مگر پھر کچھ دیر یا کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آ جاتا ہے اور وہ اپنے پچھلے غلط کاموں سے توبہ کر لیتا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ پانی ، جو کبھی گندگی کی وجہ سے گدلا ہو جاتا ہے، جب اس کی گندگی کو دور کر دیا جائے، تو صاف شفاف ہو جاتا ہے یا جیسے کہ تنگ حالی، کہ انسان اپنی محنت و مشقت سے اسے خوشحالی و کشادگی میں بدل دیتا ہے یا جیسے تاریکی، کہ اس کے بعد روشنی ضرور آتی ہے۔

ابن العمید اسے نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے امید ہے کہ جس طرح تم نے اپنی نافرمانی و سرکشی سے اپنے محسنوں کے دلوں کو تکلیف پہنچائی جس کی انھیں امید بھی نہیں تھی، بالکل اسی طرح تم ان کی احسان شناسی کا ثبوت دے کر اپنے دشمنوں کو حیرت میں ڈال دو گے، جو نہیں چاہتے کہ تم بادشاہ کے قریب رہو اور اس کے الطاف و عنایات سے لطف اندوز ہو۔مجھے امید ہے کہ تمھیں جلد ہی اپنے رویے پر شرمندگی ہوگی اور تم پر یہ واضح ہو جائے گا کہ تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے، وہ غلط ہے، برا ہے اور نقصان دہ ہے۔میں تو تمھیں ڈھیل دینا چاہتا ہوں، میں تم سے ناراض بھی ہوں، مگر تمھارے اندر جو خوبی دیکھ چکا ہوں، اس کی وجہ سے پر امید بھی ہوں کہ تم اپنے رویے میں تبدیلی لاؤ گے۔اب یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ تمھیں سیدھی راہ دکھائے؛ کیوں کہ دلوں کو بدلنے کی قوت اور اختیار تو اسی کے پاس ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔

اس کے بعد ابن العمید اُس شخص کو اس کی موجودہ حالت اور ماقبل کی حالت پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور اپنے دلچسپ اسلوب میں اس کے دونوں احوال کو ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تمھارا خیال ہے کہ پہلے تم اطاعت و فرماں برداری کے وسط میں تھے اور اب اس کے کنارے میں ہو، یعنی پہلے تم مطیع تھے، اب باغی ہو اور دونوں حالتوں کا تجربہ کر چکے ہو، تو اب تم بتاؤ کہ جس حال میں تم پہلے تھے، وہ کیسا تھا اور جس حال میں تم اب ہو، وہ کیسا ہے؟ پہلے تم نہایت پر تکلف زندگی گزار رہے تھے، خوب صورت مکان، خوب صورت رہائش اور کھانے پینے کی آسائشیں میسر تھیں، کسی قسم کا خوف نہیں تھا، تم ایک باعزت انسان تھے، صاحبِ ثروت انسان تھے، تمھارے پاس سرکاری عہدہ تھا، تمھارے سر پر سرکاری جھنڈے لہراتے تھے، تم جدھر سے گزرتے، تمھارے ساتھ انسانوں کی ایک فوج ہوتی تھی، لوگ تنہائیوں میں اور مجلسوں میں تمھارا ذکر کرتے تھے، منبروں پر تمھارا نام لیا جاتا تھا، تم جس طرف سے گزرتے، لوگ عزت و احترام سے تمھاری طرف اشارے کرتے تھے اور تمھارے ایک

اشارے سے کچھ بھی ہوسکتا تھا۔مگراب جب کہ تمھاری حالت بدل گئی ہے،توتم کچھ بھی نہیں ہو،تم نے بادشاہ سلامت کی نافرمانی کرکے اپنے آپ کوایسے سایے کی پناہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے، جوحقیقت میں سایہ نہیں دھواں ہے،جس کے نیچے آرام تونہیں مل سکتا،البتہ آگ کی لپٹوں سے جھلنے کا اندیشہ ضرور ہے؛لہٰذا تمھیں اپنی اس حالت پرغوروفکر کرنا چاہیے،ذراتم گہرائی سے سوچواور اپنے گریبان میں جھانکو،پھراپنے جسم کو چھوکر دیکھو،ایسا لگے گا کہ تمھارے اندر قوت حس ہی نہیں رہی،تمھاری رگیں تھم گئی ہیں،تمھارا دل سینے سے نکل گیا ہے اور تمھیں کچھ سمجھ نہیں آئے گا کہ تم اپنے سامنے کھڑی ناکامی کو برداشت کرسکو گے یا یہ چاہو گے کہ تمھیں موت آجائے اور چھٹکارا مل جائے،تمھیں حاضر کا ماضی سے تقابل کرنا چاہیے اور آخری حالت کا پہلی حالت سے موازنہ کرنا چاہیے۔اس خط کے مضمون میں چوں کہ مکتوب نگار نے مکتوب الیہ کی ایسی تنبیہ کی ہے کہ اگر وہ حساس اور باشعور انسان ہوگا،توضرور اپنے کیے پر پچھتائے گا اور سابقہ غلطیوں سے توبہ کرے گا؛اسی لیے اس خط کو''کتاب ینوب عن الکتائب'' کے عنوان سے جانا جاتا ہے،یعنی ایسا خط، جومخاطب پر اثر کرنے کے اعتبار سے کئی فوجی دستوں کے قائم مقام ہے۔ابن العمید کا یہ خط اس کی عمدہ ترین نثر نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہے اور تب سے اب تک تاریخ ادب کا شاہکار رہے۔

12.13 نمونے کے امتحانی سوالات

۱۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگایئے اور اس کا ترجمہ کیجیے۔

لا جَرَم أني وقفتُ بَين مَيلٍ إليک ومَيلٍ علَيک، أُقدِمُ رِجلا لِصَدمِک، و أؤَخِّرُ أُخرى عن قَصدِک، وأبسُطُ يدًا لاصطِلامک، وأثني ثانيةً لِاستبقائِک واستِصلَاحِک، وأتوقَّفُ عَن امتِثالِ بَعضِ المَأمورِ فيک ضَنًّا بالنِّعمةِ عِندَک، وَمُنافسةً فِي الصَّنيعةِ لَدَيک، وتأميلاً لفَيئتِک وانصرافِک، ورجاءً لِمراجعتِک وانعطافِک. فقد يعزُبُ العقلُ ثم يؤُوبُ، ويغرُبُ اللُّبُّ ثم يَثُوبُ، وَيذهبُ الحَزمُ ثم يعُودُ، وَيفسُدُ العَزمُ ثم يَصلُحُ، وَيُضاعُ الرَّأيُ ثم يُستَدرَکُ، ويَسكَرُ المَرءُ ثم يَصحُوُ، وَيَكدَرُ الماءُ ثم يَصفُو. وكلُّ ضِيقةٍ إلى رَخاءٍ، وَكل غَمرةٍ فإلى انجلاء.

۲۔ درج ذیل عبارت کا بحوالہ متن تشریح وتوضیح کیجیے۔

كيفَ وجدتَ ما زلتَ عنه؟ وكيف تجدُ ما صرتَ إليه؟ ألم تكُن من الأولِ في ظلٍّ ظليلٍ، ونسيمٍ عليلٍ، وريحٍ بليلٍ، وهواءٍ غذيٍّ، وماءٍ رويٍّ، ومِهادٍ وطيٍّ، وكِنٍّ كَنينٍ، ومكانٍ مَكينٍ، وحِصنٍ حصينٍ يَقيک المَتالِفَ، ويُؤمنُک المَخاوِفَ، ويَكنُفُک مِن نوائبِ الزمانِ، ويحفَظُک من طوارقِ الحدَثانِ؛ عُزِّزتَ به بعد الذِّلَّةِ، وكَثُرتَ بعد القِلَّةِ، وارتفَعتَ بَعد الضَّعَةِ، وأيسرتَ بعد العُسرةِ، وأثريتَ بعد المَتربةِ، واتسعتَ بعد الضِّيقةِ، وظفِرتَ بالولاياتِ، وخفقتُ فوقَک الرَّاياتُ، ووطِیءَ عَقِبَک الرجالُ، وتعلَّقتُ بک الآمالُ. وصِرتَ تُكاثِرُ ويُكاثَرُ بک، وتُشيرُ ويشارُ إليک، ويُذكَرُ على المنابرِ اسمُک، وفي المَحاضِرِ ذكرُک.

۳۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے:

الصنيعة	الحزم	رخاء	غمرة	مهاد	حصن	حصين	نوائب
المتربة	الضيقة	الرايات	غلول				

۴۔ ابن العمید کے حالات اور اس کے نگارشات پر روشنی ڈالیے۔

۵۔ ”کتاب ینوب عن الکتائب“ کا خلاصہ بیان کیجیے۔

۶۔ صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت وصورت کو قلم بند کیجیے۔

۷۔ ”رسالة-ابن العمید“ کے متن کی خصوصیات اور اس کی اسلوبی امتیازات کو تحریر کیجیے۔

12.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

۱)	رسائل ابن العميد دراسة فنية،	ابن العميد، تحقيق، رامي عثمان المرابطة
۲)	تاريخ الأدب العربي	أحمد حسن زيات
۳)	تاريخ الأدب العربي	عمر فروخ
۴)	مختصر تاریخ ادب عربی	مقتدی حسن ازہری

اکائی 13 : البحر از: صاحب ابن عباد

اکائی کے اجزا

13.1 مقصد
13.2 تمہید
13.3 متن سبق
13.4 صاحب سبق کا تعارف
13.4.1 حصول علم اور عملی زندگی
13.4.2 مقبولیت اور عظمت
13.4.3 بے مثال سخاوت وحسن اخلاق
13.4.4 علمی وادبی مقام
13.4.5 تصانیف
13.5 متن کا ترجمہ
13.6 لغوی تحقیق
13.7 ادبی صنف کا تعارف
13.7.1 صنف کی ہیئت وصورت
13.8 متن سبق کا موضوع
13.9 متن سبق کی توضیح وتشریح
13.10 متن کی خصوصیات
13.11 اسلوبی خصوصیات
13.12 اکتسابی نتائج
13.13 نمونے کے امتحانی سوالات
13.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

13.1 مقصد

اس سبق کے ذریعے طلبا صاحب بن عباد کے رسائل میں سے ایک رسالہ اور خط سے شناسائی حاصل کریں گے، جس میں اس نے اپنے استاد سے تخاطب کیا ہے۔ صاحب بن عباد اپنے دور کا بہت بڑا ادیب، انشا پرداز اور شاعر گذرا ہے، اس کے اس مختصر رسالہ کے ذریعے اس کے ادبی وانشا پردازی اور طرز تحریر کو جان سکیں گے، الفاظ وتعبیرات کی جانکاری ہوگی، وہ انشا پردازی اور خطوط نویسی کے ایک عربی نمونہ اور اس نادر شہہ پارہ سے مستفید ہوں گے، اس کے اپنے استاذ کو رسائل میں تخاطب اور استاذ کے ادب واحترام کے متعلق بھی ان کو جانکاری حاصل ہوگی۔

13.2 تمہید

صاحب بن عباد کے رسائل (خطوط) بھی نہایت دلچسپ ہیں، وہ ابوبکر خوارزمی اور بدیع الزماں ہمدانی کی طرح گھریلو قسم کے خطوط نہیں ہیں؛ بلکہ دیوانی خطوط ہیں، اس وجہ سے اس کی دوخصوصیتیں اہم ہیں، ایک تو ادبی اور دوسری تاریخی۔ تاریخی اہمیت اس طرح ہے کہ ان خطوط میں بنوبویہ کی بہت ساری جنگوں، حکمرانوں، قائدین اور قاضیوں کا تذکرہ ہے، بعض معاہدوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ رعایا کے ساتھ بادشاہ کے برتاؤ اور اس زمانے کے عام معاشرے کی بھی عکاسی کی گئی ہے۔ اس طرح یہ خطوط مملکت بنوبویہ کے سیاسی وسماجی حالات کی دستاویز ہو گئے ہیں۔

13.3 متن سبق

وَصلَ كتَابُ الأستاذِ الرَّئيسِ صادِراً عن شطِّ البحرِ بوصفِ مَا شاهَدَ مِن عجائبِه، وعايَن مِن مَراكبِه، ورآه من طاعةِ آلاتِها لِلرِّياحِ كيف أرادَتْها، واستجابةِ أَدَواتِها لَها مَتى نادَتْها، ورُكوبِ النَّاسِ أشباحَها، والخوفُ بمَرأًى ومَسمعٍ، والـمَنونُ بِمَرقبٍ ومطلعٍ، والدَّهرُ بينَ أخذٍ وتركٍ، والأرواحُ بين نَجاةٍ وهُلكٍ، إذا أفكَروا في الـمَكاسبِ الخطيرةِ هَانَ عليهم الخَطرُ، وإذا لاحَتْ لهم غُرَرُ الـمَطالبِ الكثيرةُ حُبِّبَ إليهم الغَرَرُ. وعَرفتُ ما قاله مِن تَمنّيه كَوني عِند ذلك بِحَضرتِه، وحُصوليْ علٰى مُساعدتِه. ومن رأى بحرَ الأستاذِ كَيف يزخَرُ بالفضلِ وتَتلاطم فِيه أمواجُ الأدبِ والعلمِ، لَم يَعتَب علَى الدَّهرِ فِيما يُفتيه مِن مَنظرِ البَحرِ، ولا فَضيلةَ عِندي أعظمُ مِن إكبارِ الأستاذِ لأَحوالِه، واستِعظامِه لأَهوالِه، كَما لا شَيءَ أبلغُ فِي مَفاخِره، وأنفَسُ فِي جَواهِره مِن وصفِ الأستاذِ لَه، فإني قَرأتُ مِنهُ الـمَاءَ السَّلسالَ، لا الزِّلزالَ، والسِّحرَ الحرامَ؛ لا الحَلالَ، وقَد علِمتُ أنه كَتبَ ولَمَا أخطَرَ بفِكرِه سعةَ صَدرِه، فَلَو فَعلَ ذٰلكَ لرأَى البَحرَ وشلًا لا يَفضُلُ عنِ التَّبرُّضِ وثَمدًا لا يكثُر عنِ التَرشُّفِ:

وكَم مِن جبالٍ جئتَ تشهَدُ أنَّكَ

الجبالُ وبَحرٍ شاهدٍ أنَّكَ البَحرُ

13.4 صاحب سبق کا تعارف

چوتھی صدی ہجری کے معروف ادیب، شاعر، رسالہ نگار، سیاست داں اور علم وادب سے بے پناہ شغف رکھنے والے اس انسان کا اصل نام اسماعیل بن عباد ہے، کنیت ابوالقاسم ہے، ایک لقب صاحب ہے اور دوسرا کافی الکفاۃ۔ صاحب کے لقب سے اس کی شہرت ہونے کی ایک وجہ تو یہ

بتائی جاتی ہے کہ وہ ہر وقت اپنے استاذ ابن العمید کے ساتھ رہا کرتا تھا؛اس لیے اسے صاحب کہا جانے لگا،ایک دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بچپن سے ہی مؤیدالدولہ بادشاہ کی خدمت میں رہنے لگا تھا؛اس لیے اسے صاحب کے لقب سے یاد کیا جانے لگا اور کافی الکفاۃ اسے اس کی سخاوت کی وجہ سے کہا جاتا تھا۔اس کی پیدائش 326ھ کو ہوئی اور وفات 385ھ کو ہوئی،اسی سال اس کے والد عباد کی بھی وفات ہوئی تھی۔اس کا خاندان فارسی ہے،قزوین اور ابہر کے مابین پائے جانے والے طالقان نامی علاقے سے اس کا تعلق ہے۔اس کا باپ بھی ذی عقل اور عالم فاضل انسان تھا،رکن الدولہ کا وزیر رہا اور احکام القرآن پر اس نے ایک کتاب بھی لکھی تھی،فکری اعتبار سے اس کا میلان معتزلہ کی طرف تھا۔صاحب بن عباد کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ شیعی اثناعشری ہے،مگر اس کے رسائل کے مضامین ومشمولات سے پتا چلتا ہے کہ وہ بھی فکری اعتبار سے اعتزال کی طرف مائل تھا۔تاریخ میں صاحب کی ماں کا زیادہ تذکرہ نہیں ملتا،صرف ایک واقعے کا ذکر ہے کہ بچپن میں جب صاحب پڑھنے کے لیے مسجد جایا کرتا تھا،تو اس کی ماں اسے روزانہ ایک دینار اور ایک درہم دیا کرتی تھی اور کہتی تھی کہ گھر سے نکلنے کے بعد جس فقیر پر سب سے پہلے تمھاری نظر پڑے،اسے صدقہ کر دینا اور وہ روز ایسا ہی کیا کرتا تھا۔

13.4.1 حصولِ علم اور عملی زندگی

صاحب بن عباد نے متعدد اساتذہ سے اکتسابِ علم کیا،مگر ان میں ابن العمید کا نام سب سے نمایاں ہے،خود صاحب بھی اپنے اساتذہ میں سے زیادہ تر اسی کا ذکر کرتا تھا،عموماً اپنی تحریروں میں اسے ''الأستاذ الرئیس'' کے لقب سے یاد کیا ہے۔دورانِ حصولِ علم اسے واقعتاً ابن العمید کی خصوصی توجہات حاصل رہیں،اس نے صاحب کی خوب حوصلہ افزائی کی یہاں تک کہ اصفہان میں اپنی امارت کے زمانے میں اسے مؤیدالدولہ کا وزیر مقرر کروا دیا اور وہیں سے صاحب کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔مؤیدالدولہ کی وفات کے بعد اس کے بھائی فخرالدولہ کا وزیر رہا۔اس کی حیثیت بنوبویہ کی حکومت میں محض ایک ادیب کی نہ تھی؛ بلکہ وہ بادشاہ کا سکریٹری،ترجمان،وزیر اور امورِ مملکت کا منتظم ونگراں بھی تھا اور اپنی ساری ذمے داریاں بحسن وخوبی انجام دیتا تھا؛اسی وجہ سے ملوکِ بنوبویہ کے نزدیک اس کا بڑا مرتبہ تھا،سب اس کی عزت کرتے تھے،حتی کہ یاقوت نے روایت کیا ہے کہ اگر کسی مسئلے میں صاحب کی رائے کچھ ہوتی اور بادشاہ فخرالدولہ کی رائے کچھ اور ہوتی،تو عمل صاحب بن عباد کی رائے پر کیا جاتا تھا۔

13.4.2 مقبولیت وعظمت

اس حکومت میں دن بہ دن صاحب کی عظمت ومنزلت بڑھتی گئی،حتی کہ مملکتِ بویہ کے سرکاری کارندے،افسران اور وزرا اس کے دربار میں پہنچنے کے لیے اس کے گھر کے باہر قطار میں کھڑے رہتے تھے،جسے اندر داخل ہونے کی اجازت مل جاتی،وہ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا،گویا اس کی دنیا وآخرت دونوں بن گئی ہوں،صورتِ حال یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ جسے اندر داخل ہونے کی جازت ملتی،وہ گھر میں داخل ہونے کے بعد پہلے کئی بار زمین کو جھک کر بوسے دیتا،پھر صاحب کے سامنے جا کر بیٹھتا،اسی طرح جب لوٹتا،تو کئی بار زمین کو چومتا اور پھر واپس ہوتا،کہتے ہیں کہ مختلف ماہ وسال میں پانچ سو شعرا نے اس کے لیے مدحیہ قصائد لکھے۔اسی طرح جب اس کا انتقال ہوا،تو پورا ''رے'' شہر بند کر دیا گیا،لوگ اس کے محل کے

سامنے جمع ہو گئے اور جب اس کا جنازہ گھر سے باہر نکلا، تو لوگوں نے اس کے جنازے کے سامنے جھک کر پہلے زمین کو چوما پھر مارے غم کے اپنے اپنے کپڑے پھاڑ لیے، سینہ کوبی کرنے اور چیخنے چلانے لگے اور اس کی تعزیت میں کئی شعرانے نہایت غم انگیز مرثیے کہے۔

13.4.3 بے مثال سخاوت وحسن اخلاق

اس کی اس غیر معمولی عظمت اور لوگوں میں مقبولیت کی وجہ اس کا بے مثال حسن اخلاق، عوام الناس کے ساتھ برتی جانے والی اس کی نرمی و مہربانی اور جود وعطا کی اس کی غیر معمولی صفت تھی۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ میرا گھر ہر شخص کی پناہ گاہ ہے، چاہے وہ میرا وفادار ہو یا خائن وغدار۔ ایک واقعہ مشہور ہے کہ اس نے ایک بار شربت بنوایا اور جب پینے لگا، تو اس کے معتمد خاص نے کہا کہ اسے نہ پئیں؛ کیوں کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے، تو صاحب نے کہا: تمھارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ تو اس نے کہا کہ: جس نے آپ کو یہ شربت پیش کیا ہے، اس پر تجربہ کر کے دیکھ لیں، تو اس نے کہا: میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا اور نہ میں اسے حلال سمجھتا ہوں، تو اس نے کہا کہ: پھر مرغی کو پلا کر دیکھ لیں، تو اس نے کہا کہ: کسی بھی حیوان کے ساتھ ایسا کرنا ناجائز ہے، پھر اس نے شربت کو پھینکنے کا حکم دیا، شربت بنانے والے کو بلایا اور اسے کہا کہ: تم میرے گھر سے نکل جاؤ، پھر کبھی ادھر نظر نہ آنا اور ساتھ ہی اس کا ماہانہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔ اس کے دل میں مخصوص قسم کی نرمی و ہمدردی کے جذبات پائے جاتے تھے، وہ کہا کرتا تھا کہ: ہم دن میں بادشاہ ہیں اور رات میں بھائی۔ اسی طرح وہ شگفتہ مزاج بھی تھا اور اپنے ساتھیوں اور ملازموں کے ساتھ گھل مل کر رہتا تھا۔

اس کی بے مثال سخاوت کی وجہ سے دنیا کے مختلف خطوں کے اہلِ علم وادب اس کے دربار میں حاضر ہوتے اور اپنے علم وفن کی قدر پاتے تھے۔ یاقوت حموی کی تاریخ میں ہے کہ وہ علما، ادبا اور اشراف پر سال بھر میں ایک لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔ ثعالبی نے لکھا ہے کہ: ''علما، اصحابِ فضل وکمال وشعرانے اس کے گرد دائرہ بنا رکھا تھا''۔ وہ سبھوں کو ان کے علمی وادبی مرتبہ ومقام کے مطابق نوازتا تھا اور چوں کہ وہ خود اعلیٰ درجے کا ادیب، عالم وفاضل اور دانشور تھا؛ اس لیے اس سلسلے میں کسی قسم کی جانب داری یا تعصب کو برداشت نہیں کرتا تھا۔ حالاں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے تھے، جنھیں نہیں نوازا جاتا یا انھیں لگتا کہ ان کی صلاحیت کے مطابق ان کے ساتھ برتاؤ نہیں کیا گیا، تو ایسے لوگ صاحب کے پاس سے نکل کر اس کی برائیاں بیان کیا کرتے تھے، انھی میں سے ایک ابوحیان توحیدی بھی تھا، جسے ادیب الفلاسفۃ اور فیلسوف الأدب بھی کہا جاتا ہے، اسے صاحب بن عباد سے سخت بغض ہو گیا؛ چنانچہ اس نے صاحب اور اس کے استاذ ابن العمید دونوں کو لپیٹا اور ''أخلاق الوزیرین'' لکھ دی، اس کے علاوہ اپنی دیگر کتابوں میں بھی صاحب بن عباد کے خلاف برا بھلا لکھتا رہا۔

13.4.4 علمی وادبی مقام

اس سب کے ساتھ صاحب کا اپنا علمی وادبی مقام ومرتبہ نہایت بالا بلند تھا، اس نے امور مملکت سنبھالنے کے باوجود اپنے پیچھے بہت سی تصنیفات وتالیفات چھوڑیں، جن سے اس کی جلالتِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسے کتابوں سے بے پناہ محبت تھی، اپنے کتب خانے پر وہ خاص توجہ

دیتا تھا اورنئی کتابوں کے صحیح ترین نسخے جمع کرکے رکھتا تھا۔ ابن الاثیر نے نقل کیا ہے کہ اس کے کتب خانے میں جو کتابیں تھیں، انھیں اٹھانے کے لیے چارسواونٹوں کی ضرورت پڑتی۔ ایک واقعہ مشہور ہے کہ سامانی بادشاہ نے اسے وزیر بنانے کی پیش کش کی، تو اس نے یہ کہہ کرمنع کردیا کہ میرے کتب خانے کو منتقل کرنے کے لیے چارسواونٹوں کی ضرورت ہوگی۔

13.4.6 تصانیف

صاحب بن عباد کی تصانیف کی تعداد اچھی خاصی ہے، جس میں المحیط نامی عربی لغت کے علاوہ **الکشف عن مساوئ المتنبي، الإبانة عن الإمامة، القضاء والقدر، الفصول المهذبة، الشواهد، عنوان المعارف في التاريخ، الوزراء، أسماء الله وصفاته، جوهرة الجمهرة، الأعياد، دیوان شعر اور دیوان رسائل** خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

13.5 متن سبق کا ترجمہ

ساحلِ سمندر سے استاذِ محترم صدر المدرّسین کا خط موصول ہوا ہے، جس میں انھوں نے سمندر کے عجائبات، اس کی سطح پر چلنے والی سواریوں، ہوا کی مرضی اور اس کے رُخ کی تعمیل کرنے والے اس کے آلات اور اس کی طاعت کرنے والی چیزوں اور اس میں سفر کرنے والے لوگوں کا ذکر کیا ہے، جنھیں انھوں نے دیکھا اور مشاہدہ کیا۔ انھوں نے تذکرہ کیا ہے کہ آس پاس خوف و دہشت اور موت منڈلا رہی تھی، کچھ لوگ مصیبت میں گرفتار ہو رہے تھے، تو کچھ بچ جا رہے تھے، روحیں نجات و ہلاکت کے مابین تھیں، جب وہ اپنی متوقع زبردست کمائی کے سلسلے میں سوچتے، تو سمندر کے خطرات انھیں معمولی لگنے لگتے اور جب انھیں اپنے مطلب کے بہت سے موتی نظر آتے، تو ہلاکت بھی انھیں محبوب لگنے لگتی۔ مجھے استادِ محترم کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استاذِ محترم کی یہ آرزو تھی کہ اس موقعہ پر میں ان کے پاس موجود ہوتا اور انھیں میری معاونت حاصل ہوتی۔ جو شخص میرے استاذ کے سمندر کا مشاہدہ کرے گا، جو فضل وکمال سے معمور ہے اور اس میں علم وادب کی لہریں موج مار رہی ہیں، تو انھوں نے جو سمندر کا منظر بیان کیا ہے اس پر زمانے سے ناراض نہیں ہوگا۔ میرے نزدیک اس سمندر کی کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے اس کے کہ میرے استاذ نے اس کے احوال کو بڑا جانا اور بتایا ہے اور اس کی ہولناکی کو عظیم محسوس کیا ہے، اسی طرح میری نگاہ میں اس سمندر کی کوئی قابلِ فخر خصوصیت یا کوئی جوہرِ نفیس نہیں، سوائے اس کے میرے استاذ نے اس کا ذکر کیا ہے، کیوں کہ میں نے ان سے شیریں وصاف پانی حاصل کیا ہے، طوفان وہنگامہ نہیں اور حرام جادو کو، حلال کو نہیں۔ مجھے پتا ہے کہ یہ لکھتے ہوئے انھیں اپنی وسعتِ علم کا احساس نہیں تھا، اگر ایسا ہوتا تو وہ دیکھتے کہ سمندر کا پانی تو بہت محدود ہے اور اس کی سیراب کرنے کی صلاحیت بہت کم ہے:

بہت سے پہاڑ ایسے ہیں کہ انھیں دیکھ کر تمھیں لگے گا تم ہی پہاڑ ہو اور بہت سے سمندر خود گواہ ہیں کہ تم ہی سمندر ہو۔

13.6 لغوی تحقیق

شط البحر	:	ساحلِ سمندر
عاين	:	دیکھنا **(عاين، معاينة: مفاعلة)**

مراکب(و)مرکب	سواری
أشباح(و)شبح	سایہ، دور سے نظر آنے والی پرچھائیں، بلند وبالا دروازہ
الـمَنون	موت
المکاسب الخطیرۃ	زبردست کمائی، بڑی حصولیابی
غُرر(و)غرۃ	موتی
غَرر	دھوکہ، ہلاکت
عتب علی	ناراضگی کا اظہار کرنا، فہمایش کرنا(نصر، ضرب)
أکبر	کسی چیز/انسان کو بڑا سمجھنا(أکبر، إکبارا: إفعال)
استعظم	کسی چیز/انسان کو عظیم سمجھنا(استعظم، استعظاما: استفعال)
الماء السلسال	شیریں پانی، عمدہ پانی
وشَل	تھوڑا پانی/لگاتار برسنے والے قطرات/ابتدائی بارش
تبرَّض	کم ہوجانا/ختم ہوجانا/تھوڑی چیز پر گذر بسر کرنا/تھوڑا تھوڑا لینا(تبرض، تبرضا: تفعل)
ثَـمْدٌ(ج)أثماد	تھوڑا پانی، وہ جگہ جہاں پانی اکٹھا ہوجائے
ترشف	پانی پینا/گھونٹ لینا(ترشف، ترشفا: تفعل)

13.7 ادبی صنف کا تعارف

خطوط ورسائل کی اہمیت مسلم ہے، جہاں یہ رسائل ادبی حیثیت سے اپنا مقام ومرتبہ رکھتے ہیں، وہیں یہ نثر نگاری کا ایک اعلی وارفع نمونہ ہوتے ہیں، یہ رسائل شخصی اور اخوانی بھی ہوتے ہیں اور تاریخی اور دیوانی بھی اور علمی بھی، تمام جہات اور مختلف پہلوؤں پر ان کے مشتمل ہونے کی وجہ سے شخصیت کا تعارف اور اس کے مقام ومرتبہ، اس کی علمی لیاقت وصلاحیت، اس کی تحریر ونگارش سے واقفیت حاصل ہوتی ہے، مختلف اصناف، تعزیت، تہنیت اور مبارک بادی وغیرہ پر جہاں یہ مشتمل ہوتے ہیں اور خصوصا دیوانی رسائل کے ذریعہ اس دور کے بادشاہوں کے احوال اور ان کے طرز حیات اور ان کے رعایا کے ساتھ سلوک اور ان کی ذوقِ ادبی کا بھی پتہ چلتا ہے، اس علاقہ کی تاریخ، جغرافیہ وغیرہ سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور علمی رسائل میں مختلف علوم اور فنون پر واقفیت حاصل ہوتی ہے، اس طرح یہ رسائل اور خطوط عربی ادب کا ایک شاہکار اور نمونہ اور معلومات کا گنج گرانمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ، یہ عربی ادب ونثر نگاری کا ایک اعلی وارفع نمونہ بھی ہوتے ہیں۔

13.7.1 صنف کی ہیئت وصورت

صاحب بن عباد کے خطوط ورسائل نہایت دلچسپ اور مختلف پہلوؤں اور گھریلو خطوط، تہنیت، تبریک، تعزیت کے ساتھ ساتھ، دیوانی خطوط کو بھی حاوی ہیں، یہ مجموعہ رسائل صاحب بن عباد سے مشہور ہے، جس کو عبد الوہاب بن عزام اور شوقی ضیف نے جمع کیا ہے، اس میں بے شمار دیوانی

خطوط ہیں، ان رسائل کی ہیئت اوران کی اصناف یہ ہیں کہ ایک طرف تو یہ ادبی حیثیت رکھتے ہیں اور دوسری طرف تاریخی حیثیت کے بھی حامل ہوتے ہیں، تاریخی اہمیت اس طرح ہے کہ ان خطوط کے ذریعہ آل بویہ جس کا یہ وزیر اور حکمراں تھا اس میں بہت ساری جنگوں، حکمرانوں، قائدین اور قاضیوں وغیرہ کا تذکرہ شامل ہے، اس کے ذریعہ اس دور کے عام معاشرے بادشاہوں کے عوام کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کی بھی منظر کشی ہوتی ہے۔ ادبی اعتبار سے صاحب کے خطوط میں مخصوص قسم کی شیرینی اور جاذبیت پائی جاتی ہے۔ بسا اوقات وہ مسجع مقفی عبارت پر بھی زور دیتا ہے۔ زبان و الفاظ پر اس کی قدرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے بعض نہایت خشک اور سرکاری کام کاج سے تعلق رکھنے والے موضوع پر خط لکھتے ہوئے بھی زبان کی حلاوت اور انداز واسلوب کی عمدگی وخوبصورتی کو قائم رکھا ہے۔

13.8 متن سبق کا موضوع

مذکورہ بالا خط صاحب بن عباد نے اپنے استاذ ابن العمید کے ایک خط کے جواب میں لکھا ہے۔ ابن العمید نے اس خط میں ایک سمندر کی منظر کشی کی تھی اور سمندری سفر کی ہولناکیوں، سمندری ہوا اور سمندر میں غوطے لگا کر موتیاں ڈھونڈنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی جانوں کو درپیش خطرات کی نشان دہی کی تھی۔ مجموعی طور پر ابن العمید نے اپنے اس خط میں سمندر کی ہیبت ناکی، اس کی عظمت اور اس کی ہولناکی کا نقشہ کھینچا تھا، اس کے جواب میں اس کے شاگرد صاحب بن عباد نے یہ لکھا ہے کہ سمندر کی عظمت تو کچھ بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ اس سے زیادہ عظیم تو میرے استاذ کا علمی وادبی سرمایہ ہے اور وسیع ہونے کے ساتھ مفید ونفع بخش بھی ہے، اُس سمندر میں ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے، مگر اِس علمی سمندر کا سفر کرتے ہوئے یا اس سے استفادہ کرتے ہوئے ہلاکت یا نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں، اس کے پانی میں طغیانی اور طوفان انگیزی نہیں، شیرینی اور حلاوت ہے اور اس کی وسعت اتنی زیادہ ہے کہ اس کے مقابلے میں سمندر کی وسعت کچھ بھی نہیں ہے۔

13.9 متن سبق کی توضیح وتشریح

ا۔ وَصلَ كتَابُ الأستاذِ الرَّئيسِ صادِراً عن شطِّ البحرِ بوصفِ مَا شاهَدَ مِن عجائبِه، وعايَن مِن مَراكِبِه، ورآه من طاعةِ آلاتِها لِلرِّياحِ كيف أرادَتْها، واستجابةِ أَدَواتِها لَها مَتى نادَتْها، ورُكوبِ النَّاسِ أشباحَها، والخوفُ بمَرأًى ومَسمعٍ، والـمَنونُ بِمَرقبٍ ومطلعٍ، والدَّهرُ بَينَ أخذٍ وتركٍ، والأرواحُ بَين نَجاةٍ وهُلكٍ، إذا أفكَرُوا فِي الـمَكاسبِ الخطيرةِ هَانَ عليهم الخَطرُ، وإذا لاحَتْ لهم غُرَرُ الـمَطالِبِ الكثيرةُ حُبِّبَ إليهم الغَرَرُ. وعَرفتُ ما قاله مِن تَمنِّيهِ كَونِي عِند ذلك بِحَضرتِه، وحُصولِيَ علَى مُساعِدتِه.

ساحلِ سمندر سے استاذِ محترم صدر الاساتذہ کا خط موصول ہوا ہے، جس میں انھوں نے سمندر کے عجائبات، اس کی سطح پر چلنے والی سواریوں، ہوا کی مرضی کی تعمیل کرنے والے اس کے آلات اور اس کی طاعت کرنے والی چیزوں اور اس میں سفر کرنے والے لوگوں کا ذکر کیا ہے، جنھیں انھوں نے دیکھا اور مشاہدہ کیا۔ انھوں نے تذکرہ کیا ہے کہ آس پاس خوف ودہشت اور موت منڈلا رہی تھی، کچھ لوگ مصیبت میں گرفتار ہو رہے تھے، تو کچھ بچ جا رہے تھے، روحیں نجات وہلاکت کے مابین تھیں، جب وہ اپنی متوقع زبردست کمائی کے سلسلے میں سوچتے، تو سمندر کے خطرات انھیں معمولی لگتے اور جب انھیں اپنے مطلب کے بہت سے موتی نظر آتے، تو ہلاکت بھی انھیں محبوب لگتی۔ مجھے اس خط سے یہ بھی معلوم

ہوا کہ استاذِ محترم کی یہ آرزو تھی کہ میں ان کے پاس موجود ہوتا اور انہیں میری معاونت حاصل ہوتی۔

شط البحر: ساحلِ سمندر، شاهد, مشاهدة: (مفاعلة): مشاہدہ کرنا دیکھنا، أشباح (و) شبح، سایہ۔ بمرأى و مسمع: آنکھوں اور کانوں کے سامنے۔ منون: موت۔ مرقب: انتظار، (رقب يرقب)، هان يهون هونا: (ن): آسان ہونا، لاح يلوح لوحا: ظاہر ہونا، (ن)، عاين: دیکھنا (عاين، معاين: مفاعلة). مراكب (و) مركب: سواری أشباح (و) شبح: سایہ، دور سے نظر آنے والی پرچھائیں، بلند و بالا دروازہ المنون: موت المكاسب الخطيرة: زبردست کمائی، بڑی حصولیابی، غَرَز: موت/ ہلاکت۔ غُرَرٌ (و) غرة: خوبصورتی/ چہرے کا نکھار

۲۔ ومن رأى بحرَ الأستاذِ كيفَ يزخَرُ بالفضلِ وتَتلاطم فِيه أمواجُ الأدبِ والعلمِ، لَم يَعتَب على الدَّهرِ فِيما يُفتيهِ مِن مَنظرِ البَحرِ، ولا فَضيلةَ عِندي أعظمُ مِن إكبارِ الأستاذِ لأحوالِه، واستِعظامِه لأَهوالِه، كَما لا شَيءَ أبلغُ فِي مَفاخِره، وأنفَسُ فِي جَواهِرِه مِن وصفِ الأستاذِ لَه، فإنِي قَرأتُ مِنهُ الـماءَ السَّلسالَ، لا الزّلزالَ، والسِحرَ الحَرامَ، لا الحَلالُ، وقَدعلِمتُ أنه كَتبَ ولَمَا أخطَرَ بفِكرِه سَعةُ صَدرِه، فلو فَعلَ ذٰلِكَ لرأَى البَحرَ وشلًا لا يَفضُلُ عنِ التَبرُّضِ وثَمدًا لا يكثُرُ عنِ التَرشُّفِ.

جو شخص میرے استاذ کے سمندر کا مشاہدہ کرے گا، جو فضل وکمال سے معمور ہے اور اس میں علم و ادب کی لہریں موج مار رہی ہیں جو انھوں نے سمندر کا منظر بیان کیا ہے اس پر زمانے سے ناراض نہیں ہوگا۔ میرے نزدیک اس سمندر کی کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے اس کے کہ میرے استاذ نے اس کے احوال اور اس کی ہولناکی کو عظیم محسوس کیا ہے، اسی طرح میری نگاہ میں اس سمندر کی کوئی قابل فخر خصوصیت یا کوئی جوہر نفیس نہیں، سوائے اس کے میرے استاذ نے اس کا ذکر کیا ہے، کیوں کہ میں نے اس سے شیریں اور صاف پانی حاصل کیا ہے، طوفان و ہنگامہ نہیں اور جادو حرام ہے، حلال نہیں ہے۔ مجھے پتا ہے کہ یہ لکھتے ہوئے انھیں اپنی وسعتِ علم کا احساس نہیں تھا، اگر ایسا ہوتا، تو وہ دیکھتے کہ سمندر کا پانی تو بہت محدود ہے اور اس کی سیراب کرنے کی صلاحیت بہت کم ہے۔

يزخر: ٹھاٹیں مارنا (ف)- تتلاطم، حرکت پذیر ہونا، موجوں کا نکلنا (التفاعل). عتب على: ناراضگی کا اظہار کرنا، فہمایش کرنا (نصر، ضرب). أكبر: کسی چیز انسان کو بڑا سمجھنا (أكبر، إكبارا: إفعال). استعظم: کسی چیز/ انسان کو عظیم سمجھنا (استعظم، استعظاما: استفعال). الماء السلسال: شیریں پانی۔ وشل: تھوڑا پانی۔ تبرض: کم ہوجانا، ختم ہوجانا (تبرض، تبرضا: تفعل). ثمد (ج) اثماد: تھوڑا پانی، وہ جگہ جہاں پانی اکٹھا ہوجائے۔ ترشف: پانی پینا۔

13.10 متن کی خصوصیات

۱۔ خطوط و رسائل کی اہمیت مسلم ہے، جہاں یہ رسائل ادبی حیثیت سے اپنا مقام و مرتبہ رکھتے ہیں، وہیں یہ نثر نگاری کا ایک اعلیٰ وارفع نمونہ ہے، یہ رسائل شخصی اور اخوانی بھی ہوتے ہیں اور تاریخی اور دیوانی بھی اور علمی بھی، تمام جہات اور مختلف پہلوؤں پر ان کے مشتمل ہونے کی وجہ سے اس سے شخصیت کا تعارف اور اس کے مقام و مرتبہ، اس کی علمی لیاقت وصلاحیت، اس کی تحریر و نگارش سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ مختلف اصناف، تعزیت، تہنیت اور مبارک بادی وغیرہ پر جہاں یہ مشتمل ہوتے ہیں، یہ رسائل شخصی اور اخوانی کہلاتے ہیں۔

۳۔ خصوصا دیوانی رسائل کے ذریعہ اس دور کے بادشاہوں کے احوال اور ان کے طرز حیات اور ان کے رعایا کے ساتھ سلوک اور ان کی ذوقِ ادبی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

۴۔ اس علاقہ کی تاریخ، جغرافیہ وغیرہ سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

۵۔ اور علمی رسائل میں مختلف علوم اور فنون پر واقفیت حاصل ہوتی ہے، اس طرح یہ رسائل اور خطوط عربی ادب کا ایک شاہکار اور نمونہ اور معلومات کا گنج گرامایہ ہونے کے ساتھ ساتھ، یہ عربی ادب ونثر نگاری کا ایک اعلی وارفع نمونہ بھی ہوتے ہیں۔

۶۔ یہ مختصر اور مفید رسالہ استاذ کے احترام اور ان علو مرتبت اور شان کا اظہار کرتا ہے، جب استاذ نے شاگرد کے سامنے سمندر وہاں خطرات، کشتیوں کے ہواؤں کے حوالے ہونا، جانوں کے لیے خطرہ اور لوگوں کے موتی ومونگے نکالنے کے جدو جہد وغیرہ کا شاگرد کے ساتھ ذکر کیا تو شاگرد استاذ کے ذکرہ بحر کو ان کی علم بحر کے ذریعے تقابل کیا کہ استاذ محترم کے علوم کا بحر اس میں صرف موتیاں اور صدف ہیں، شاگرد کے لیے علوم وفنون کے نگینے ہیں، یہ بحر دراصل بحر علمی بحر بے کنار ہے، اس کی اتھاہ اور گہرائی کا انداز نہیں لگایا جاسکتا ہے، یہ بحر سلاسل ہے، بحر زلزال (حرکت پذیر) سمندر نہیں، یہ سحر حرام ہے، حلال نہیں، ورنہ تو استاذ گرامی کے سامنے سمندر کی بھی کوئی حیثیت اور شان نہیں، اس لیے کہ سمندر کا پانی بھی بہر حال محدود ہے، اس کی سیراب کرنے کی صلاحیت بھی کم ہے، جب کہ میرے استاذ محترم کے علم کا جو اتھاہ سمندر ہے، جس کی گہرائی گیرائی اور وسعت اور کشادگی کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا، اس لیے بہت سے پہاڑ کو دیکھ اور بہت سے سمندروں کو جو معنوی سمندری ہوتے ہیں، ان کو دیکھ کر ان کی علمی شموخ اور بلندی اور سمندر کی اتھاہ اور گہرائی وگیرائی کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

13.11 اسلوبی خصوصیات

۱۔ صاحب بن عباد کی تحریر اور نگارش اور خصوصا اپنی رسائل نگاری میں وہ نہایت چابک دست اور فصیح وبلیغ نظر آتا ہے، الفاظ صحیحہ کا استعمال، مضبوط برموقع تراکیب کا استعمال، معنی اور لفظی ہر دو اعتبار سے نہایت مضبوط بندش، محسنات لفظیہ اور معنویہ کے استعمال کے حوالے سے وہ نہایت ماہر نظر آتا ہے، اس لیے وزیر کی حیثیت سے اس کو وہ شہرت حاصل نہیں ہوئی جتنی شہرت اس کو ادیب وانشا پرداز اور رسالہ نگار کی حیثیت سے ہوئی ہے ،الفاظ کی جادوگری میں اس کو ید طولی حاصل تھا، اس کے رسائل عربی ادب وتحریر کا اعلی نمونہ ہیں۔

۲۔ ابن العباد کے رسائل عربی ادب کے اعلی نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جس طرح یہ مختلف الفاظ اور مترادفات اور تعبیرات وتراکیب کا استعمال کرتا ہے، اسی طرح اس کی تحریر مقفع ومسجع بھی ہوتی ہے اور کئی بار مبتدا خبر کے درمیان، اسی طرح معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان ایک یا اس سے بھی زائد جملے حائل ہو جاتے ہیں اور اس طرح اس کا ایک جملہ بسا اوقات چار پانچ سطروں پر مشتمل ہوتا ہے، مگر وہ لفظوں کے انتخاب میں ایسا چابک دست ہے کہ قاری کو گرانی محسوس نہیں ہوتی۔

۳۔ "وَصلَ كتَابُ الأستاذِ الرَّئيسِ صادِراً عن شطِّ البحرِ بِوصفِ مَا شاهَدَ مِن عجائبِه، وعايَنَ مِن مَراكبِه، ورآه من طاعةِ آلاتِها لِلرِّياحِ كيف أرادَتْها، واستجابةِ أَدَواتِها لَها مَتى نادَتْها، ورُكوبِ النَّاسِ أشباحَها، والخوفُ بمَرأًى ومَسمعٍ، والـمَنونُ بِمَرقبٍ ومطلعٍ، والدَّهرُ بينَ أخذٍ وتركٍ، والأرواحُ بين نَجاةٍ وهُلكٍ" اس جملہ کی ساخت پر غور کیجیے یہ سارا جملہ مکمل جار مجرور، صلہ موصول اور فعل

اور متعلقات سے مل کر اخیرش وصل کا متعلق بنتا ہے، جس میں کئی ایک جملے ہیں، جن میں الفاظ، تراکیب اور سجع بندی پائی جاتی ہے جیسے: ''کیف أرادَتُها، واستجابةِ أَدَواتِها لَها مَتی نادَتْها، ورُکوبِ النّاسِ أشباحَها، والخوفُ بمَرأَى ومَسمعٍ، والـمَنونُ بمَرقبٍ ومطلعٍ، والدَّهرُ بَينَ أخذٍ وتركٍ، والأرواحُ بَين نَجاةٍ وهُلكٍ'' اس طرح اخیر میں جو الفاظ ہیں، والخوف بمرأى ومسمع، والمنون بمرقب ومطلع، والدهر، بين أخذ وتركيب، والأرواح بين نجاةٍ وهُلك ''اس میں جہاں یہ چھوٹے چھوٹے مبتدا خبر پر مشتمل جملے ہیں، وہیں اس سجع بندی اور طباق کے اعلی درجے پر ہیں اور یہ الفاظ ''بمرأى ومسمع، وبمرى ومطلع، أخذ وتركيب، نجاة وهلك'' یہ سب الفاظ لفظی تطابق رکھنے کے باوجود معنوی اعتبار سے ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۴۔ وہ الفاظ کی بلند آہنگی کو باقی و برقرار رکھنے کے لیے غریب اور نامانوس الفاظ کا بھی استعمال کرتا ہے، یہ علم لغت پر گہری نظر رکھنے والا شخص تھا، اس کی تالیف بھی علم لغت کے تعلق سے بہت مشہور ہے اور دوسری طرف تاریخی حیثیت کے حامل بھی۔

''إني قَرأتُ مِنهُ الـماءَ السَّلسالَ، لا الزّلزالَ، والسِّحرَ الحَرامَ، لا الحَلالَ، وقَدعلِمتُ أنه كَتبَ ولَمّا أخطَرَ بفِكرِه سَعةُ صَدرِه، فلو فعَلَ ذلکَ لرأى البحرَ وشلًا لا يَفضُلُ عنِ التَّبرُّضِ وثَمدًا لا يكثُرُ عنِ التَّرَشُّفِ'' اس عبارت پر بھی غور کیجیے، محسنات لفظیہ کے استعمال استعارہ کا اور تشبیہات کا بکثرت استعمال ہے ''إني قَرأتُ مِنهُ الـماءَ السَّلسالَ، لا الزّلزالَ، والسِّحرَ الحَرامُ، لا الحَلالُ'' اس میں جہاں الفاظ میں تناسب، سجع بندی، طباق نظر آتا ہے، وہیں استعارہ اور تشبیہات کی بھی بھرمار ہے علم کو ماء سلسال سے، زلال سے نہیں، سحر حرام، حلال سے نہیں، تشبیہ دی جاری ہے، استعارہ اور کنایہ کی زبان علم کے لیے استعمال کی جارہی ہے، دیکھیے ''القليل'' کی جگہ ایک غیر مانوس لفظ ''وشل'' کا استعمال اور اسی طرح کم ہونے اور قلیل ہونے کے لیے ''تبرض'' کے لفظ کا برتنا، ''الماء القليل'' کے لیے ''ثمد'' جیسے غیر مانوس لفظ کا استعمال یہ لغت اور زبان پر عبور اور قدرت اور بے شمار وسعت اور کشادگی پر دلالت کرتا ہے۔

13.12 اکتسابی نتائج

صاحب بن عباد کی رسالہ نگاری بھی بہت دلچسپ اور ادبی، علمی و تاریخی خوبیوں کی حامل ہے۔ مذکورہ بالا عبارت اس کے ایک خط کا اقتباس ہے، جو اس نے اپنے استاذ ابن العمید کے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا۔ ابن العمید نے اسے ایک خط میں کسی سمندر کے مناظر کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اس کی مختلف خصوصیات پر روشنی ڈالی تھی، جن میں بعض خوفناک، تو کچھ اچھی امید افزا بھی تھیں، ابن العمید نے لکھا تھا کہ سمندر کی سطح پر بڑی بڑی کشتیاں چلتی ہیں، مگر سب ہوا کے تابع ہوتی ہیں، ہوا موافق ہو تو کشتی ٹھیک چلتی ہے؛ لیکن اگر ہوا سرکش اور باغی ہوگئی تو کشتیاں تباہ ہوجاتی ہیں، اس طرح سمندری سفر کرنے والے لوگ مسلسل خوف و دہشت میں مبتلا رہتے ہیں؛ بعض دفعہ ان کے سامنے کچھ لوگ ڈوب کر ہلاک ہوجاتے، جب کہ کچھ لوگ بچ نکلتے ہیں، گویا اس جگہ ہر وقت موت و حیات کی کش مکش جاری رہتی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو موتیوں کی تلاش میں سمندر کی غواصی کرتے ہیں، اندیشہ تو انھیں بھی ہوتا ہے ہلاکت کا، مگر ان کے ذہن میں جو مقصد ہوتا ہے وہ اس اندیشے سے کہیں زیادہ عظیم ہوتا ہے؛ اس لیے وہ بے خوف و خطر سمندر میں ڈبکیاں لگاتے اور موتی نکالتے ہیں۔ اس کے جواب میں صاحب ابن عباد کچھ الگ خیالات کا اظہار کرتا ہے، اس کی علمیت اور ادبی امتیاز و کمال میں ابن العمید کا بہت بڑا کردار تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنے استاذ سے بہت زیادہ متاثر تھا، خاص طور پر

ابن العمید کی علمی جلالت و برتری کا اس کے ذہن پر کچھ زیادہ ہی اثر تھا، اس خط میں بھی وہ اپنے اسی تاثر کو ظاہر کر رہا ہے، اس کے استاذ نے سمندر کی ظاہری طغیانی، ہولناکی اور عظمت کو بیان کیا تھا، مگر اس کا کہنا ہے کہ میرا استاذ علم و ادب کا سمندر ہے اور اس کے ذہن و دماغ میں معلومات کی لہریں جاری رہتی ہیں اور یہ سمندر اُس حقیقی سمندر سے کہیں زیادہ عظیم اور قابلِ فخر ہے، اس کے موتی، جواہرات اُس سمندر کے موتیوں سے زیادہ قیمتی ہیں، اِس کا پانی شیریں، شفاف و سبک ہے، ہنگامہ خیز وطوفان انگیز نہیں ہے۔ پھر وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میرے استاذ نے اُس سمندر کی عظمت اس لیے بیان کی ہے کہ خود اپنی اہمیت اور عظمت کی طرف ان کا دھیان نہیں گیا، اگر انھیں اپنی عظمت کا دھیان ہوتا، تو انھیں محسوس ہوتا کہ سمندر کا پانی تو بہت کم اور چند قطرات کا مجموعہ ہے، جب کہ ان کے ذہن و دماغ میں جو علم و ادب کا سمندر ہے، وہ لامحدود ہے، اسی بات کو مزید واضح کرنے کے لیے اس نے ایک شعر نقل کیا ہے، جس میں شاعر کہتا ہے کہ بہت سے پہاڑ ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں دیکھ کر تمھیں لگے گا کہ تم خود ہی پہاڑ ہو، اسی طرح بہت سے سمندروں کا مشاہدہ کر کے محسوس ہوگا کہ تم خود سمندر ہو۔

13.13 نمونے کے امتحانی سوالات

۱۔ درج ذیل عبارت پر اعراب لگائیے اور اس کا ترجمہ کیجیے۔

ومن رأى بحر الاستاذ كيف يزخر بالفضل وتتلاطم في أمواج الأدب والعلم؛لم يعتب على الدهر فيما يفتيه من منظر البحر، ولا فضيلة عندي أعظم من إكبار الأستاذ لأحواله واستعظامه لأهواله، كما لا شيئ أبلغ في مفاخره وأنفس في جواهره من وصف الأستاذ له، فإني قرأت منه الماء السلسال، لا الزلزال، والسحر الحرام، لاالحلال.

۲۔ درج ذیل عبارت کا بحوالہ متن تشریح وتوضیح کیجیے۔

وصل كتاب الأستاذ الرئيس صادراً عن شط البحر بوصف ما شاهد من عجائبه، وعاين من مراكبه ورآه من طاعه آلاتها للرياح كيف أرادتها، واستجابة أدواتها لها متى نادتها، وركوب الناس أشباحها والخوف بمرأى ومسمع، والمنون بمرقب ومطلع، والدهر بين أخذ وترك، والأرواح بين نجاة وهلك.

۳۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے:

شط البحر. إكبار. استعظام. مفاخر. الماءالسلسال. عاين. غُرر. غَرر. وشل. ثمد.

۴۔ صاحب بن عباد کے حالات اور اس کے نگارشات پر روشنی ڈالیے۔

۵۔ ''البحر'' کا خلاصہ بیان کیجیے۔

۵۔ صنف کا تعارف اور اس کی ہیئت و صورت کو قلم بند کیجیے۔

۷۔ ''البحر'' کے متن کی خصوصیات اور اس کی اسلوب امتیازات کو تحریر کیجیے۔

13.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

۱)	يتيمة الدهر في محاسن أهل العصر	:	أبو منصور عبد الملک الثعالبي
۲)	رسائل الصاحب بن عباد	:	عبد الوهاب عزام، شوقی ضيف
۳)	تاريخ الأدب العربي	:	أحمد حسن زيات
۴)	تاريخ الأدب العربي	:	عمر فروخ

اکائی 14: المقامة المضيرية از بدیع الزماں ہمذانی

اکائی کے اجزا

14.1 مقصد

14.2 تمہید

14.3 متن سبق

14.4 صاحب متن کا تعارف

14.4.1 اخلاق اور مذاق علمی

14.4.2 بدیع الزماں کے مقامات

14.5 متن کا ترجمہ

14.6 لغوی تحقیق

14.7 ادبی صنف کا تعارف

14.7.1 صنف کی ہیئت وصورت

14.8 متنِ سبق کا موضوع

14.9 متنِ کی توضیح وتشریح

14.9.1 الفاظ کی توضیح

14.10 متن کی خصوصیات

14.11 اسلوبی خصوصیات

14.12 اکتسابی نتائج

14.13 نمونے کے امتحانی سوالات

14.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

14.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ سے طلبہ کوفن ''مقامات'' کا تعارف حاصل ہوگا، اس کی اہمیت سے واقف ہوں گے، عبارت خوانی کرسکیں گے، رموز و اوقاف جانیں گے، انہیں صاحب سبق کا تعارف حاصل ہوگا، متن کا ترجمہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی، لغوی تحقیق کے ذریعہ ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوگا، علاوہ ازیں طلبہ متن سبق کی اہمیت، موضوع، خصوصیات، اسلوبی خصوصیات اور فنی محاسن سے روشناس ہوں گے، نیز خلاصہ کلام کے ذریعہ مقامہ کی ادبی گتھیوں کو سمجھ سکیں گے، آخر میں طلبہ دیے گئے سوالات کے جوابات کو حل کرسکیں گے۔

14.2 تمہید

ادب کی مختلف اصناف ہیں، دور عباسی میں ایسی نثری صنف وجود میں آئی جو اپنے اندر کئی خوبیوں کو رکھتی ہے، جس کے مطالعہ سے قاری الفاظ کے سمندر میں غوطہ زنی کرتا ہے اور ادبی جواہر سے مالا مال ہوتا ہے، تعبیرات اور فصاحت و بلاغت کے موتیوں کو حاصل کرتا ہے جس کے ذریعہ کلام میں ندرت اور اسلوب میں چاشنی پیدا ہوتی ہے، محسنات لفظیہ ومعنویہ کے میدان میں اپنے جواہر ریزے بکھیرتا ہے، بدیع و بیان سے عبارت میں خوبصورتی اور دل کو موہ لینے والی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ کوئی اور فن نہیں؛ بلکہ اُسے مقامہ کہا جاتا ہے۔

14.3 متن سبق

حَدَّثَنا عِيسَى بْنُ هِشامٍ قَالَ: كُنْتُ بِالبَصْرَةِ، وَمَعِي أَبُو الفَتْحِ الإِسْكَنْدَرِيُّ رَجُلُ الفَصَاحَةِ يَدْعُوهَا فَتُجِيبُهُ، وَالبَلاغَةِ يَأْمُرُهَا فَتُطِيعُهُ، وَحَضَرْنَا مَعَهُ دَعْوَةَ بَعْضِ التُّجَّارِ، فَقُدِّمَتْ إِلَيْنَا مَضِيرَةٌ، تُثْنِي على الحَضَارَةِ، وَتَتَرَجْرَجُ في الغَضَارَةِ، وَتُؤْذِنُ بِالسَّلامَةِ، وَتَشْهَدُ لِمعَاوِيَةَ رَحِمَهُ اللهُ بِالإِمَامَةِ، فِي قَصْعَةٍ يَزِلُّ عَنْهَا الطَّرْفُ، وَيَمُوجُ فِيهَا الظَّرْفُ، فَلَمَّا أَخَذَتْ مِنَ الخِوانِ مَكانَهَا، وَمِنَ القُلُوبِ أَوْطَانَهَا، قَامَ أَبُو الفَتْحِ الإِسْكَنْدَرِيُّ يَلْعَنُهَا وَصَاحِبَهَا، وَيَمْقُتُهَا وَآكِلَهَا، وَيَثْلِبُهَا وَطَابِخَهَا، وَظَنَنَّاهُ يَمْزَحُ فَإِذَا الأَمْرُ بِالضِّدِّ، وَإِذَا المِزَاحُ عَيْنُ الجِدِّ، وَتَنَحَّى عَنِ الْخِوَانِ، وَتَرَكَ مُسَاعَدَةَ الإِخْوَانِ، وَرَفَعْنَاهَا فَارْتَفَعَتْ مَعَهَا القُلُوبُ، وَسَافَرَتْ خَلْفَهَا العُيُونُ، وَتَحَلَّبَتْ لَهَا الأَفْوَاهُ، وَتَلَمَّظَتْ لَهَا الشِّفَاهُ، وَاتَّقَدَتْ لَهَا الأَكْبَادُ، وَمَضَى فِي إِثْرِهَا الفُؤَادُ، وَلكِنَّا سَاعَدْنَاهُ على هَجْرِهَا، وَسَأَلْنَاهُ عَنْ أَمْرِهَا، فَقَالَ: قِصَّتِي مَعَهَا أَطْوَلُ مِنْ مُصِيبَتِي فِيهَا، وَلَوْ حَدَّثْتُكُمْ بِهَا لَمْ آمَنِ المَقْتَ، وَإِضَاعَةَ الوَقْتِ-

قُلْنَا: هَاتِ: قَالَ: دَعَانِي بَعْضُ التُّجَّارِ إِلَى مَضِيرَةٍ وَأَنَا بِبَغْدَادَ، وَلَزِمَنِي مُلازَمَةَ الغَرِيمِ، وَالكَلْبِ لأَصْحابِ الرَّقِيمِ، إِلَى أَنْ أَجَبْتُهُ إِلَيْهَا، وَقُمْنَا فَجَعَلَ طُولَ الطَّرِيقِ يُثْنِي عَلَى زَوْجَتِهِ، وَيُفَدِّيهَا بِمُهْجَتِهِ، وَيَصِفُ حِذْقَهَا فِي صَنْعَتِهَا، وَتَأَنُّقَهَا فِي طَبْخِهَا وَيَقُولُ: يَا مَولايَ لَوْ رَأَيْتَهَا، وَالخِرْقَةُ فِي وَسَطِهَا، وَهْيَ تَدُورُ فِي الدُّورِ، مِنَ التَّنُّورِ إِلَى القُدُورِ وَمِنَ القُدُورِ إِلَى التَّنُّورِ تَنْفُثُ بِفِيهَا النَّارَ، وَتَدُقُّ بِيَدَيْهَا الأَبْزَارَ، وَلَوْ رَأَيتَ الدُّخَانَ وَقَدْ غَبَّرَ في ذَلِكَ الوَجْهِ الجَمِيلِ، وَأَثَّرَ فِي ذَلِكَ الخَدِّ الصَّقِيلِ، لَرَأَيْتَ مَنْظَراً تَحارُ فِيهِ العُيُونُ: وَأَنَا أَعْشَقُهَا لأَنَّهَا تَعْشَقُنِي، وَمِنْ سَعَادَةِ المَرْءِ أَنْ يُرْزَقَ المُسَاعَدَةَ مِنْ حَلِيلَتِهِ، وَأَنْ يَسْعَدَ بِظَعِينَتِهِ، وَلاَ سِيَّمَا إِذَا كانَتْ مِنْ طِينَتِهِ، وَهْيَ ابْنَةُ عَمِّي لَحًا، طِينَتُهَا طِينَتِي، وَمَدِينَتُهَا مَدِينَتِي، وَعُمُومَتُهَا عُمُومَتِي، وَأَرُومَتُها أَرُومَتِي، لَكِنَّها أَوْسَعُ مِنِّي خُلْقاً، وَأَحْسَنُ خَلْقاً وَصَدَّعَنِي بِصِفَاتِ زَوْجَتِهِ، حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى مَحَلَّتِهَا.

ثُمَّ قَالَ: يَا مَوْلايَ تَرَى هَذِهِ المَحَلَّةَ؟ هِيَ أَشْرَفُ مَحَالِّ بَغْدَادَ، يَتَنَافَسُ الأَخْيَارُ فِي نُزُولِهَا، وَيَتَغَايَرُ الكِبَارُ فِي حُلُولِهَا، ثُمَّ لاَ يَسْكُنُهَا غَيْرُ التُّجَّارِ، وَإِنَّمَا المَرْءُ بِالْجَارِ وَدَارِي فِي السِّطَةِ مِنْ قِلادَتِهَا، وَالنُّقْطَةِ من دَائِرَتِهَا، كَمْ تُقَدِّرُ يَا مَوْلايَ أُنْفِقَ عَلى كُلِّ دَارٍ مِنْهَا؟ قُلْهُ تَخْمِيناً إِنْ لَمْ تَعْرِفْهُ يَقِيناً، قُلْتُ: الكَثِيرُ، فَقَالَ: يَا سُبْحَانَ اللهِ! مَا أَكْبَرَ هَذَاالغَلَطَ! تَقُولُ الكَثِيرَ فَقَطْ؟ وَتَنَفَّسَ الصُّعَدَاءَ، وَقَالَ: سُبْحَانَ مَنْ يَعْلَمُ الأَشْيَاءَ، وَانْتَهَيْنَا إِلَى بَابِ دَارِهِ، فَقَالَ: هَذِهِ دَارِي، كَمْ تُقَدِّرُ يَا مَوْلايَ أَنْفَقْتُ على هذِهِ الطَّاقَةِ؟ أَنْفَقْتُ واللهِ عَلَيْهَا فَوْقَ الطَّاقَةِ، وَوَرَاءَ الفَاقَةِ، كَيْفَ ترى صَنْعَتَهَا وَشَكْلَهَا؟ أَرَأَيْتَ باللهِ مِثْلَهَا؟ انْظُرْ إِلَى دَقَائِقِ الصَّنْعَةِ فِيهَا، وَتَأَمَّلْ حُسْنَ تَعْرِيجِهَا، فَكَأَنَّمَا خُطَّ بِالبِرْكَارِ وَانْظُرْ إِلى حِذْقِ النَّجَّارِ فِي صَنْعَةِ هذَا البَابِ، اتَخَذَهُ مِنْ كَمْ؟ قُلْ: وَمِنْ أَيْنَ أَعْلَمُ، هُوَ سَاجٌ مِنْ قِطْعَةٍ وَاحِدَةٍ لا مَأْرُوضٌ وَلا عَفِنٌ، إِذَا حُرِكَ أَنَّ، وَإِذَا نُقِرَ طَنَّ، مَنِ اتَّخَذَهُ يا سَيِّدِي؟ اتَّخَذَهُ أَبُو إِسْحَاقَ بْنُ مَحَمَّدٍ البَصْرِيُّ، وَهُوَ واللهِ رَجُلٌ نَظِيفُ الأَثْوَابِ، بَصِيرٌ بِصَنْعِةِ الأَبْوَابِ خَفِيفُ اليَدِ فِي العَمَلِ، للهِ دَرُّ ذَلِكَ الرَّجُلِ! بِحَيَاتِي لا اسْتَعَنْتَ إِلا بِهِ عَلى مِثْلِهِ، وَهَذِهِ الحَلَقَةُ تَرَاهَا اشْتَرَيْتُهَا فِي سُوقِ الطَّرَائِفِ مِنْ عِمْرَانَ الطَّرَائِفِيِّ بِثَلاثَةِ دَنَانِيرَ مُعِزِّيَّة، وَكَمْ فِيهَا يَا سَيِّدِي مِنَ الشَّبَهِ؟ فِيهَا سِتَّةُ أَرْطَالٍ، وَهِيَ تَدُورُ بِلَوْلَبٍ فِي البَابِ، بِاللهِ دَوِّرْهَا، ثُمَّ انْقُرْهَا وَأَبْصِرْهَا، وَبِحَيَاتِي عَلَيْكَ لا اشْتَرَيْتَ الحَلَقَ إِلاَّ مِنْهُ، فَلَيْسَ يَبِيعُ إِلاَّ الأَعْلاَقَ.

ثُمَّ قَرَعَ البَابَ وَدَخَلْنَا الدِّهْلِيزَ، وَقَالَ: عَمَّرَكِ اللهُ يَا دَارُ وَلاَ خَرَّبَكِ يَا جِدَارُ، فَمَا أَمْتَنَ حِيطَانَكِ، وَأَوْثَقَ بُنْيَانَكِ، وَأَقْوَى أَسَاسَكِ، تَأَمَّلْ بِاللهِ مَعَارِجَهَا، وَتَبَيَّنْ دَوَاخِلَهَا وَخَوَارِجَهَا، وَسَلْنِي: كَيْفَ حَصَّلْتَهَا؟ وَكَمْ مِنْ حِيلَةٍ احْتَلْتَهَا، حَتَّى عَقَدْتَهَا؟ كَانَ لِي جَارٌ يُكْنى أَبَا سُلَيْمَانَ يَسْكُنُ هَذِهِ المَحَلَّةَ، وَلَهُ مِنَ المَالِ مَا لا يَسَعُهُ الخَزْنُ، وَمِنَ الصَّامِتِ مَا لاَ يَحْصُرُهُ الوَزْنُ، مَاتَ رَحِمَهُ اللهُ وَخَلَّفَ خَلَفاً أَتْلَفَهُ بَيْنَ الخَمْرِ وَالزَّمْرِ، وَمَزَّقَهُ بَيْنَ النَّرْدِ وَالقَمْرِ، وَأَشْفَقْتُ أَنْ يَسُوقَهُ قَائِدُ الاضْطِرَارِ، إِلَى بَيْعِ الدَّارِ، فَيَبِيعَهَا فِي أَثْنَاءِ الضَّجَرِ، أَوْ يَجْعَلَهَا عُرْضَةً لِلْخطَرِ، ثُمَّ أَرَاهَا، وَقَدْ فَاتَنِي شِرَاهَا، فَأَتَقَطَّعُ عَلَيْهَا حَسَرَاتٍ، إِلَى يَوْمِ المَمَاتِ، فَعَمِدْتُ إِلَى أَثْوَابٍ لا تَنِضُّ تِجَارَتُهَا فَحَمَلْتُهَا إِلَيْهِ، وَعَرَضْتُهَا عَلَيْهِ، وَسَاوَمْتُهُ عَلَى أَنْ يَشْتَرِيهَا نَسِيَّةً، وَالمُدْبِرُ يَحْسَبُ النَّسِيَّةَ عَطِيَّةً، والمُتَخَلِّفُ يَعْتَدُّهَا هَدِيَّةً، وَسَأَلْتُهُ وَثِيقَةً بِأَصْلِ المَالِ، فَفَعَلَ وَعَقَدَهَا لِي، ثُمَّ تَغَافَلْتُ عَنِ اقْتِضَائِهِ، حَتَّى كَادَتْ حَاشِيَةُ حَالِهِ تَرِقُّ، فَأَتَيْتُهُ فَاقْتَضَيْتُهُ، واسْتَمْهَلَنِي فَأَنْظَرْتُهُ، وَالْتَمَسَ غَيْرَهَا مِنَ الثِّيَابِ فَأَحْضَرْتُهُ، وَسَأَلْتُهُ أَنْ يَجْعَلَ دَارَهُ رَهِينَةً لَدَيَّ، وَوَثِيقَةً فِي يَدَيَّ، فَفَعَلَ، ثُمَّ دَرَّجْتُهُ بِالمُعَامَلاتِ إِلَى بَيْعِهَا حَتَّى حَصَلَتْ لِي بِجَدٍّ صَاعِدٍ، وَبَخْتٍ مُسَاعِدٍ، وَقُوَّةِ سَاعِدٍ، وَرُبَّ سَاعٍ لِقَاعِدٍ، وَأَنَا بِحَمْدِ اللهِ مَجْدُودٌ، وَفِي مِثْلِ هَذِهِ الأَحْوَالِ مَحْمُودًا.

وَحَسْبُكَ يَا مَوْلاَيَ أَنِّي كُنْتُ مُنْذُ لَيَالٍ نَائِماً فِي البَيْتِ مَعَ مَنْ فِيهِ إِذْ قُرِعَ عَلَيْنَا البَابُ، فَقُلْتُ: مَنِ الطَّارِقُ المُنْتَابُ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مَعَهَا عِقْدُ لآلٍ، فِي جِلْدَةِ مَاءٍ وَرِقَّةِ آلٍ، تَعْرِضُهُ لِلْبَيْعِ، فَأَخَذْتُهُ مِنْهَا إِخْذَةَ خَلْسٍ، وَاشْتَرَيْتُهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ، وَسَيَكُونُ لَهُ نَفْعٌ ظَاهِرٌ، وَرِبْحٌ وَافِرٌ، بِعَوْنِ اللهِ تَعَالَى وَدَوْلَتِك، وَإِنَّمَا حَدَّثْتُك بِهَذَا الحَدِيثِ لِتَعْلَمَ سَعَادَةَ جَدِّيَ فِي التِّجَارَةِ، وَالسَّعَادَةُ تُنْبِطُ المَاءَ مِنَ الحِجَارَةِ، اللهُ أَكْبَرُ لاَ يُنْبِئُكَ أَصْدَقُ مِنْ نَفْسِك، وَلاَ أَقْرَبُ مِنْ أَمْسِك، اشْتَرَيْتُ هَذَا الحَصِيرَ فِي المُنَادَاتِ، وَقَدْ أُخْرِجَ مِنْ دُورِ آلِ الفُرَاتِ، وَقْتَ المُصَادَرَاتِ، وَزَمَنَ الغَارَاتِ وَكُنْتُ أَطْلُبُ مِثْلَهُ مُنْذُ الزَّمَنِ الأَطْوَلِ فَلا أَجِدُ، وَالدَّهْرُ حُبْلَى لَيْسَ يُدْرَ بِمَا يَلِدُ، ثُمَّ اتَّفَقَ أَنِّي حَضَرْتُ بَابَ الطَّاقِ، وَهَذَا يُعْرَضُ بِالأَسْوَاقِ، فَوَزَنْتُ فِيهِ كَذَا وَكَذَا دِينَاراً، تَأَمَّلْ بِاللهِ دِقَّتَهُ وَلِينَهُ، وَصَنْعَتَهُ وَلَوْنَهُ، فَهُوَ عَظِيمُ القَدْرِ، لا يَقَعُ مِثْلُهُ

إلاّ فِي النَّدْرِ، وَإِنْ كُنْتَ سَمِعْتَ بِأَبِي عِمْرَانَ الحَصِيرِيِّ فَهُوَ عَمَلُهُ، وَلَهُ ابْنٌ يَخْلُفُهُ الآنَفِي حَانُوتِهِ لاَيُوجَدُ اعْلاَقُ الحُصُرِ إِلاَّ عِنْدَهُ، فَبِحَيَاتِي لاَ اشْتَرَيْتَ الحُصُرَ إِلا مِنْ دُكَّانِهِ، فَالمُؤْمِنُ نَاصِحٌ لإِخْوَانِهِ، لاَسِيَّما مَنْ تَحَرَّمَ بِخُوَانِهِ.

وَنَعُودُ إِلَى حَدِيثِ المَضِيرَةِ، فَقَدْ حَانَ وَقْتُ الظَّهِيرَةِ، يَا غُلاَمُ الطَّسْتَ وَالمَاءَ فَقُلْتُ: اللهُ أَكْبَرُ، رُبَّمَا قَرُبَ الفَرَجُ، وَسَهُلَ المَخْرَجُ، وَتَقَدَّمَ الغُلاَمُ، فَقَالَ: تَرى هذَا الغُلاَمَ؟ إِنَّهُ رُومِيُّالأَصْلِ، عِرَاقِيُّ النَّشْءِ. تَقَدَّمْ يَا غُلاَمُ وَاحْسِرْ عَنْ رَأْسِكَ، وَشَمِّرْ عَنْ سَاقِكَ، وانْضُ عَنْ ذِرَاعِكَ، وَافْتَرَّ عَنْ أَسْنَانِكَ، وَأَقْبِلْ وَأَدْبِرْ، فَفَعَلَ الغُلاَمُ ذَلِكَ، وَقَالَ: التَّاجِرُ: بِاللهِ مَنِ اشْتَرَاهُ؟ اشْتَرَاهُ وَاللهِ أَبُو العَبَاسِ، مِنَ النَّخَاسِ، ضَعِ الطَّسْتَ، وَهَاتِ الإِبْرِيقَ، فَوَضَعَهُ الغُلاَمُ، وَأَخَذَهُ التَّاجِرُ وَقَلَّبَهُ وَأَدَارَ فِيهِ النَّظَرَ ثُمَّ نَقَرَهُ، فَقَالَ: انْظُرْ إِلى هَذَا الشَّبَهِ كَأَنَّهُ جِذْوَةُ اللَّهَبِ، أَوْ قِطْعَةٌ مِنَ الذَّهَبِ، شَبَهُ الشَّامِ، وَصَنْعَةُ العِرَاقِ، لَيسَ مِنْ خُلْقَانِ الأَعْلاَقِ، قَدْ عَرَفَ دُورَ المُلُوكِ وَدَارَهَا، تَأَمَّلْ حُسْنَهُ وَسَلْنِي مَتَى اشْتَرَيْتُهُ؟ اشْتَرَيْتُهُ وَاللهِ عَامَ المَجَاعَةِ، وَادَّخَرْتُهُ لِهَذِهِ السَّاعَةِ، يَا غُلاَمُ الإِبْرِيقُ، فَقَدَّمَهُ وَأَخَذَهُ التَّاجِرُ فَقَلَّبَهُ ثُمَّ قَالَ وَأُنْبُوبُهُ مِنْهُ لاَيَصْلُحُ هَذَا الإِبْرِيقُ إِلاَّ لِهَذَا الطَّسْتِ، وَلاَ يَصْلِحُ هَذَا الطَّسْتُ إِلاَّ مَعَ هَذَا الدَّسْتِ، وَلاَ يَحْسُنُ هَذَا الدَّسْتُ إِلاَّ فِي هَذَا البَيْتِ، وَلاَ يَجْمُلُ هذَا البَيْتُ إِلاَّ مَعَ هَذَا الضَّيْفِ.

أَرْسِلِ المَاءَ يَا غُلاَمُ، فَقَدْ حَانَ وَقْتُ الطَّعَامِ، بِاللهِ تَرى هَذَا المَاءَ مَا أَصْفَاهُ أَزْرَقُ كَعَيْنِ السِّنَّوْرِ، وَصَافٍ كَقَضِيبِ البِلَّوْرِ، اسْتُقِيَ مِنَ الفُرَاتِ، وَاسْتُعْمِلَ بَعْدَ البَيَاتِ، فَجَاءَ كَلِسَانِ الشَّمْعَةِ، فِي صَفَاءِ الدَّمْعَةِ، وَلَيْسَ الشَّأْنُ فِي السَّقَّاءِ، الشَّأْنُ فِي الإِنَاءِ، لاَ يَدُلُّكَ عَلَى نَظَافَةِ أَسْبَابِهِ، أَصْدَقُ مِنْ نَظَافَةِ شَرَابِهِ، وَهذَا المِنْدِيلُ سَلْنِي عَنْ قِصَّتِهِ، فَهُوَ نَسْجُ جُرْجَانَ، وَعَمَلُ أَرَّجَانَ، وَقَعَ إِلَيَّ فَاشْتَرَيْتُهُ، فَاتَّخَذَتْ امْرَأَتِي بَعْضَهُ سَرَاوِيلاً، وَاتَّخَذْتُ بَعْضَهُ مِنْدِيلاً، دَخَلَ فِي سَرَاوِيلِهَا عِشْرُونَ ذِرَاعاً، وانْتَزَعْتُ مِنْ يَدِهَا هَذَا القَدَرَ انْتِزَاعاً، وأَسْلَمْتُهُ إِلى المُطَرِّزِ حَتَّى صَنَعَهُ كَمَا تَرَاهُ وَطَرَّزَهُ، ثُمَّ رَدَدْتُهُ مِنَ السُّوقِ، وَخَزَنْتُهُ فِي الصُّنْدُوقِ، وَادَّخَرْتُهُ لِلظِّرَافِ، مِنَ الأَضْيَافِ لَمْ تُذِلَّهُ عَرَبُ العَامَّةِ بِأَيْدِيهَا، وَلاَ النِّسَاءُ لِمَآقِيهَا، فَلِكُلِّ عِلْقٍ يَوْمٌ، وَلِكُلِّ آلَةٍ قَوْمٌ، يَاغُلاَمُ الخُوَانَ، فَقَدْ طَالَ الزَّمَانُ، وَالقِصَاعَ، فَقَدْ طَالَ المِصَاعُ، والطَّعَامَ، فَقَدْ كَثُرَ الكَلاَمُ، فَأَتَى الغُلاَمُ بِالخُوَانِ، وَقَلَّبَهُ التَّاجِرُ عَلَى المَكَانِ، وَنَقَرَهُ بِالبَنَانِ، وَعَجَمَهُ بِالأَسْنَانِ، وَقَالَ: عَمَرَ اللهُ بَغْدَادَ فَمَا أَجْوَدَ مَتَاعَهَا، وَأَظْرَفَ صُنَّاعَهَا، تَأَمَّلْ بِاللهِ هَذَا الخِوَانَ، وَانْظُرْ إِلَى عَرْضِ مَتْنِهِ، وَخِفَّةِ وَزْنِهِ، وَصَلاَبَةِ عُودِهِ، وَحُسْنِ شَكْلِهِ، فَقُلْتُ: هَذَا الشَّكْلُ، فَمَتى الأَكْلُ؟ فَقَالَ: الآنَ، عَجِّلْ يَاغُلاَمُ الطَّعَامَ، لَكِنَّ الخِوَانَ قَوَائِمُهُ مِنْهُ.

قَالَ أَبُو الفَتْحِ الإِسْكَنْدَرِيُّ فَجَاشَتْ نَفْسِي وَقُلْتُ قَدْ بَقِيَ الخَبْزُ وَآلاتُهُ وَالخُبْزُ وَصِفَاتُهُ وَالحِنْطَةُ مِنْ أَيْنَ اشْتُرِيَتْ أَصْلاً، وَكَيْفَ اكْتُرِيَ لَهَا حَمْلاً، وَفِي أَيِّ رَحىً طَحَنَ، وَإِجَّانَةٍ عَجَنَ، وَأَيَّ تَنُّورٍ سَجَرَ، وَخَبَّازٍ اسْتَأْجَرَ، وَبَقِيَ الحَطَبُ مِنْ أَيْنَ احْتُطِبَ، وَمَتى جُلِبَ؟ وَكَيْفَ صُفِّفَ حَتَّى جُفِّفَ؟ وَحُبِسَ، حَتَّى يَبِسَ، وَبَقِيَ الخَبَّازُ وَوَصْفُهُ، وَالتِّلْمِيذُ وَنَعْتُهُ، وَالدَّقِيقُ وَمَدْحُهُ، وَالخَمِيرُ وَشَرْحُهُ، وَالمِلْحُ ومَلاَحَتُهُ، وَبَقِيَتِ السُّكُرَّجَاتُ مَنِ اتَّخَذَهَا، وَكَيْفَ انْتَقَذَهَا، وَمَنِ اسْتَعْمَلَهَا؟ وَمَنْ عَمِلَهَا؟ والخَلُّ كَيفَ انْتُقِيَ عِنَبُهُ، أَوْ اشْتُرِيَ رُطَبُهُ، وَكَيفَ صُهْرِجَتْ مِعْصَرَتُهُ؟ وَاسْتُخْلِصَ لُبُّهُ؟ وَكَيفَ قُيِّرَ حُبُّهُ؟ وَكَمْ يُسَاوِي دَنُّهُ؟ وَبَقِيَ البَقْلُ كَيفَ احْتِيلَ لَهُ حَتَّى قُطِفَ؟ وَفِي أَيِّ مَبْقَلَةٍ رُصِفَ؟ وَكَيفَ تُؤُنِّقَ حَتَّى نُظِّفَ؟ وَبَقِيَتِ المَضِيرَةُ كَيفَ اشْتُرِيَ لَحْمُهَا؟ وَوُفِّيَ شَحْمُهَا؟ ونُصِبَتْ قِدْرُهَا، وَأُجِّجَتْ نَارُهَا، وَدُقَّتْ أَزَارُهَا، حَتَّى أُجِيدَ طَبْخُهَا وَعُقِدَ مَرَقُهَا؟ وَهذَا خَطْبٌ يَطُمُّ، وَأَمْرٌ لاَ يَتِمُّ.

فَقُمْتُ، فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ فَقُلْتُ: حَاجَةً أَقْضِيها، فَقَالَ:يَامَوْلايَ تُرِيدُ كَنِيفاً يُزْرِي بِرَبِيعِيِّ الأَمِيرِ، وَخَرِيفِيِّ الوَزِيرِ، قَدْ جُصِّصَ أَعْلاهُ، وَصُهْرِجَ أَسْفَلُهُ، وَسُطِّحَ سَقْفُهُ، وَفُرِشَتْ بِالمَرْمَرِ أَرْضُهُ، يَزِلُّ عَنْ حائِطِهِ الذَّرُّ فَلاَيَعْلَقُ، وَيَمْشِي عَلَى أَرْضِهِ الذُّبَابُ فَيَنْزَلِقُ، عَلَيْهِ بَابٌ غِيرانُهُ مِنْ خَلِيطَيْ ساجٍ وَعاجٍ، مُزْدَوِجَينِ أَحْسَنَ ازْدِواجٍ، يتمنّى الضَّيْفُ أَنْ يَأْكُلَ فِيهِ، فَقُلْتُ: كُلْ أَنْتَ مِنْ هَذا الجِرابِ، لَمْ يَكُنِ الكَنِيفُ فِي الحِسابِ، وَخَرَجْتُ نَحْوَ البَابِ، وَأَسْرَعْتُ فِي الذَّهَابِ، وَجَعَلْتُ أَعْدُو وَهُوَ يَتْبَعُنِي وَيَصِيحُ: يَاأَبَا الفَتْحِ المَضِيرَةَ، وَظَنَّ الصِّبْيَانُ أَنَّ المَضِيرَةَ لَقَبٌ لِي فَصاحُوا صِياحَهُ، فَرَمَيْتُ أَحَدَهُمْ بِحَجَرٍ، مِنْ فَرْطِ الضَّجَرِ، فَلقِيَ رَجُلٌ الحَجَرَ بِعِمامَتِهِ، فَغاصَ فِي هامَتِهِ، فَأُخِذْتُ مِنَ النِّعَالِ بِما قَدُمَ وَحَدُثَ، وَمِنَ الصَّفْعِ بِما طَابَ وَخَبُثَ، وَحُشِرْتُ إِلَى الحَبْسِ، فَأَقَمْتُ عامَيْنِ فِي ذَلِكَ النَّحْسِ، فَنَذَرْتُ أَنْ لا آكُلَ مَضِيرَةً ماعِشْتُ، فَهَلْ أَنَا فِي ذا ياأهل همدان ظَالِمٌ؟.

قَالَ عِيسَى بْنُ هِشَامٍ: فَقَبِلْنا عُذْرَهُ، وَنَذَرْنا نَذْرَهُ، وَقُلْنا: قَدِيماً جَنَتِ المَضِيرَةُ عَلَى الأَحْرَارِ، وَقَدَّمَتِ الأَرَاذِلَ على الأَخْيارِ.

14.4 صاحب متن کا تعارف

ابوالفضل احمد بن حسین بدیع الزمان ہمذان میں پیدا ہوا، وہیں نشو ونما پائی۔ فارسی اور عربی میں مہارت کاملہ حاصل کی۔ ہمذان کا کوئی ادیب ایسا نہیں تھا جس نے اس سے کسب فیض نہ کیا، پھر وہ ترک وطن کر کے صاحب بن عباد کے پاس چلا گیا۔ وہاں رہ کر اپنے علوم ومعارف میں اضافہ کیا۔ پھر جرجان کا قصد کیا اور اکناف اسماعیلیہ میں رہا اور اپنے آپ کو ابو سعید محمد بن منصور کی خدمت میں وقف کر دیا۔ ۳۸۲ھ میں نیشا پور آ گیا جہاں اس کی قابلیت کے جوہر آشکارا ہوئے اور لوگوں میں اس کی شہرت عام ہوئی۔ وہاں اس نے چار سو مقالے املا کروائے، پھر ابوبکر خوارزمی سے مناظرہ ہوا جو اس سے عمر رسیدہ اور مشہور شخص تھا، شروع شروع میں ان کے مابین خط وکتابت کا سلسلہ رہا، پھر یہ بڑھتا گیا، بدیع کی جوانی، خوش بیانی اور خود نمائی نے اس کی مدد کی۔ اس نے ان خوبیوں کی بنا پر خوارزمی پر واضح برتری حاصل کی، اس کی تشہیر ہوگئی اور بادشاہوں اور امرا کے ہاں اس کی قدر ومنزلت بہت بڑھ گئی اور اس کے حریف نے داعی اجل کو لبیک کہا تو اس کے لیے میدان صاف ہوگیا اور زمانہ اس کے لیے خوشگوار ہوگیا، پھر یہ ایران کے امرا سے داد ودہش طلب کرنے کے لیے شہر شہر پھرتا رہا یہاں تک کہ اس کے نصیب نے اسے ہرات میں پہنچایا، اس کا شمار وہاں کے معززین اور علما میں ہونے لگا، وہاں اس نے فارغ البالی اور خوشحالی کی زندگی بسر کی۔ اس کا انتقال ۳۹۸ھ میں ہوا۔

اس کی موت کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسے زہر دے کر مارا گیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس پر سکتہ طاری ہوا اور مردہ سمجھ کر جلدی دفن کر دیا گیا اور قبر میں اس کو ہوش آ گیا اور اس کی آواز بھی سنی گئی لوگوں نے قبر کھولی تو اسے قبر کی ہولناکی کی بنا پر داڑھی پکڑے ہوئے مردہ پایا گیا۔

14.4.1 اخلاق اور مذاق علمی

بدیع خوبصورت، تیز روح، خوش مذاق، زیرک اور ذہین تھا۔ اس کے متعلق تاریخ نگار لکھتے ہیں کہ وہ غیر معروف کتاب کے اوراق پر نگاہ ڈالتا، پھر وہ لفظوں کے ہیر پھیر کے بغیر حرف بحرف سنا دیتا۔ اگر اس سے کسی مشکل عنوان پر مضمون لکھنے کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ اسی وقت بغیر سوچے مطلوبہ مضمون لکھ دیتا۔ بسااوقات وہ مضمون کو آخری سطر سے شروع کر کے ابتدا پر لا کر ختم کرتا اور وہ لفظوں کے باہمی ربط اور عبارت کے سیاق وسباق

کا بہت خیال رکھتا اور وہ مطالبہ پر فارسی اشعار کا عربی اشعار میں ترجمہ کر دیتا جس میں انوکھا پن اور برجستگی پائی جاتی تھی۔

14.4.2 بدیع الزماں کے مقامات

مقامات سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں جن میں سے ہر ایک کسی ایسے واقعہ پر مشتمل ہوتی ہے جو عموماً ایک ہی مجلس میں سنا دی جاتی ہیں اور اس کے آخر میں کوئی نصیحت یا مزاح پائی جاتی ہے، مقامہ میں پہلی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کی عبارت خوبصورت اور اسلوب دلکش ہوتا ہے، بدیع سب سے پہلا شخص ہے جس نے اس قسم میں جدت خیال پیدا کی، اس نے پہلے چالیس مقامے ۳۱۰ھ میں ابن درید کی زبان سے نقل کیے اور چار سو مقامے گداگری وغیرہ کے موضوعات پر لکھے، جنہیں ابوالفتح الاسکندری کی طرف منسوب کر کے عیسی بن ہشام کی زبان سے کہلوائے، جن میں صرف ترپین (۵۳) مقامات مل سکے ہیں۔ اس کا اسلوب نہایت دلنشیں اور دلچسپ ہے؛ لیکن کہانیوں کے اختصار اور سب کہانیوں میں ایک ہی خیال نے ان مقامات کو درجہ کمال سے گرادیا ہے، مقامات کے علاوہ بدیع کا مجموعہ "مکاتیب" اور اس کی شاعری کا ایک دیوان ہے اور یہ دونوں شائع ہو چکے ہیں۔

14.5 متن کا ترجمہ

عیسی بن ہشام نے ہم سے بیان کیا اور کہا: میں بصرہ میں تھا اور میرے ساتھ ابوالفتح الاسکندری (بھی) تھا، وہ ایسا صاحب فصاحت تھا جب فصاحت کو دعوت دے تو وہ اسے قبول کر لے اور بلاغت کو حکم دے تو وہ اس کی مطیع بن جائے۔ ہم اس کے ہمراہ ایک تاجر کی دعوت میں شریک ہوئے۔ ہمارے سامنے مضیرہ (اکھٹے دودھ میں پکایا ہوا گوشت) پیش کیا گیا جو تہذیب وثقافت کی ترجمانی کر رہا تھا۔ بڑے پیالے میں (زیادتی کی وجہ سے) حرکت پذیر تھا اور (کھانے والے کے لیے) اپنی سلامتی کی خبر دے رہا تھا اور (مختلف انواع کے کھانوں کے سلسلے میں) حضرت معاویہؓ کی امامت کی شہادت دے رہا تھا۔ ایک بڑے پیالے میں تھا جس سے آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ وہ اپنے حسن ہیئت کے ساتھ پیالہ میں بے چین تھا۔ جب میں دسترخوان پر اپنی جگہ براجمان ہو گیا اور دلوں میں اس کی خواہش رچ بس گئی، (ایسے میں) ابوالفتح الاسکندری مضیرہ اور صاحب مضیرہ پر لعن طعن کرتا، اس پر اور اس کے کھانے والے پر برہمی کا اظہار کرتا۔ اس کو اور اس کے پکانے والے کو برا بھلا کہتا اٹھ کھڑا ہوا، وہ اسے اور اس کے پکانے والے کو عیب لگانے لگا، ہم نے سمجھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے؛ لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا، یہ مذاق (نہیں) حقیقت تھی۔ وہ دسترخوان سے اٹھ گیا اور ساتھیوں کی معاونت ترک کر دی۔ ہم نے اس (مضیرہ) کو اٹھایا اور اس کے ساتھ دل روٹھ گئے، آنکھیں اس کے پیچھے سفر کرنے لگیں (ٹکٹکی لگانے لگیں)، منہ میں پانی آنے لگا، ہونٹ چاٹے جانے لگے اور کلیجے جل گئے، دل گرفتہ ہو گئے؛ لیکن ہم نے اس کے فراق پر ابوالفتح کی مدد کیا۔

ہم نے اس سے اس معاملہ کے متعلق دریافت کیا، تو اس نے کہا کہ میرا قصہ اس بارے میں میری مصیبت سے بڑھ کر ہے اور اگر بیان کروں تو ناراضگی اور بربادئی وقت کا اندیشہ دامن گیر ہے،، ایک تاجر نے مجھے مضیرہ کی دعوت دی، میں شہر بغداد میں تھا، اس نے میرا قرض خواہ کی طرح اور اصحاب کہف کے کتے کی طرح پیچھا کیا، ہم اٹھے وہ راستہ بھر اپنی بیوی کی تعریف کرتا رہا، اپنا دل وجان اس پر قربان کرتا رہا، اس کے کھانے پکانے میں مہارت اور کمال کا تذکرہ کرتا رہا اور کہتا تھا: میرے آقا، اگر آپ اس کو دیکھو گے تو اس کا کمر بند اس کی کمر پر ہوگا، وہ تنور سے ہانڈیوں تک اور ہانڈیوں سے تنور تک چکر لگاتی ہوگی، اپنے منہ آگ (چولہے) میں پھونکتی ہے اور اپنے ہاتھوں سے مسالے کوٹتی ہے، دھواں (بھی) اس حالت میں اس کے خوبصورت چہرے کو غبار آلود کر دیا ہوتا ہے اور اس کے چمکدار رخسار پر اثر انداز ہوتا ہے، تو (اس وقت) آپ کو ایک عجیب منظر نظر آئے گا،

جس سے آنکھیں حیرت میں پڑ جائیں گی، میں اس سے محبت اور عشق کرتا ہوں؛ اس لیے کہ وہ مجھ سے محبت اور عشق کرتی ہے اور انسان کی نیک بختی ہے کہ اس کو اس کے شوہر کی جانب سے مدد ملے اور اس کی بیوی کی جانب سے اس کو سعادت ملے، خصوصاً جب اسی کی خمیر سے ہو، وہ میری چچازاد بہن ہے، اس کی خمیر میرے خمیر سے وابستہ ہے، اس کا شہر میرا شہر، اس کے چچا میرے چچا اور اس کی جڑ میری جڑ ہے، لیکن وہ مجھ سے زیادہ بااخلاق ہے اور بہت زیادہ خوبصورت ہے، اس نے کھل کر اپنی بیوی کی تعریف کی یہاں تک کہ ہم اس کے محلے پہنچے۔

اس نے کہا: میرے آقا! اس محلے کو دیکھو، یہ بغداد کے اشراف کا محلہ ہے، یہاں رہنے کے لیے بڑے بڑے لوگ مسابقت کرتے ہیں، اس میں بسنے کے لیے بڑے بڑے لوگ منافست اور مقابلہ کرتے ہیں، پھر یہاں سوائے تاجروں کے کوئی نہیں رہتا اور انسان اپنے ہمسایہ سے ہوتا ہے اور میرا گھر ہار کا بیچ کا دانہ اور اس کے دائرے کا نقطہ ہے، میرے آقا! اندازہ سے بتاؤ کہ اس گھر پر کتنا صرفہ آیا ہے، اندازے سے بتاؤ اگرچہ یقینی طور سے نہ بتا سکو، میں نے کہا: بہت زیادہ، اس نے کہا: یا سبحان اللہ! یہ کتنی بڑی غلط بات ہے، آپ صرف بہت زیادہ کہتے ہیں اور اونچی سانس لیا اور کہا: سبحان اللہ! چیزوں کو کون جانتا ہے، ہم اس کے گھر کے قریب پہنچے، اس نے کہا: یہ میرا گھر ہے، میں نے اس عمارت پر کتنا خرچ کیا ہوگا؟ واللہ اس پر میں نے طاقت سے زیادہ خرچ کیا ہے، فاقہ سے بڑھ کر، تم کو اس کی بناوٹ اور شکل کیسی نظر آ رہی ہے؟ تو اللہ کے واسطے بتاؤ! کیا تم نے اس جیسی عمارت دیکھی ہے؟ تم اس کی نازک بناوٹ کو دیکھو اور اس کے جھکاؤ کے حسن کو دیکھو گویا پرکار سے بنایا گیا ہے اور بڑھئی کی مہارت اس کے دروازے کی بناوٹ میں دیکھو اسے میں نے کتنے میں بنایا ہوگا، میں نے کہا: میں کیسے جانوں گا؟ وہ ساگوان کا ایک ٹکڑا ہے نہ اسے دیمک کھا سکتی ہے نہ وہ سڑ سکتا ہے، جب ہلے تو آواز کرتا ہے اور جب کھر چا جائے تو ٹن ٹن کرتا ہے، میرے آقا! اسے کس نے بنایا، ابو اسحاق بن محمد بصری نے، اللہ کی قسم! وہ ایک نہایت صاف ستھرے کپڑوں کا حامل شخص ہے، دروازے بنانے میں ماہر اور ہنر میں یکتا ہے، اس کی خوبی اللہ ہی کے لیے ہے، میری حیات کی قسم! میں اس جیسے کام پر اسی سے مدد لیا اور یہ حلقہ آپ دیکھ رہے ہیں، میں اس کو نوادرات کے بازار سے عمران طرائفی سے تین معزی دینار پر خریدا ہے اور میرے آقا! اس میں کتنی پیتل ہے؟ اس میں چھ رطل ہے۔ دروازے کس کے قبضے پر پھرتا ہے؟ اللہ ہی اسے پھراتا ہے۔ تم اسے کھرچو اور تم پر میری حیات کی قسم! آپ بھی اس سے ہی خریدیں وہ نہایت نفیس اور اعلیٰ سامان بیچتا ہے، پھر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ہم اس کے دہلیز پر پہنچ گئے۔

اور کہا: اے مکان! اللہ تمہاری عمر دراز کرے اور اے دیوار! تجھے دیوار ویران نہ کرے، تمہاری دیواریں کتنی پائیدار اور تمہاری بنیادیں کتنی مضبوط ہیں، اللہ عزوجل کے لیے اس کی سیڑھیوں پر غور کرو اور اس کے اندر باہر دیکھو اور مجھ سے پوچھو کہ اسے میں نے کیسے حاصل کیا؟ اور کتنی تدبیریں کیں؟ میرا ایک پڑوسی ہے، جس کی کنیت ابوسلمان ہے، محلے میں ہی رہتا ہے، اس کے پاس اتنا مال ہے کہ خزانے نہیں سمو سکتے اور اتنا سونا چاندی ہے کہ وزن نہیں کر سکتے، اللہ اس پر رحم کرے اس کی موت ہوئی اور اس نے اپنے پیچھے ناخلف جانشیں چھوڑا اس نے اسے شراب اور موسیقی میں برباد کر دیا اور نرد اور جوئے میں پھاڑ (اڑا) دیا (لٹا دیا)، مجھے ڈر ہوا کہ کہیں لاچاری کا رہنما اس کو گھر بیچنے کی جانب/طرف ہانک دے (مجبور کر دے) اور تنگی میں اسے فروخت کر دے یا اسے یا اس کو خطرہ کا نشانہ بنا دے، پھر میں نے سوچا اور میں اس کے خریدنے سے رہ گیا، میں اس پر موت تک حسرت کرتا رہوں گا، میں نے ایسے کپڑوں کا ارادہ کیا جس کی تجارت میں نقصان نہیں، میں اس کے پاس لایا اور اس پر پیش کیا اور اس سے بھاؤ کیا کہ وہ اس کو ادھار خریدے اور بدنصیب ادھار کو عطیہ سمجھتا ہے اور پسماندہ حال اسے ہدیہ سمجھتا ہے، میں اس سے اس کے اصل مال کا ایک

وثیقہ طلب کیا اوراس نے یہ کام کیا، مجھ سے اس عقد کی تکمیل کی اوراس کے تقاضے سے لا پرواہ ہوگیا، یہاں تک اس کی حالت کا حاشیہ باریک ہوگیا، پھراس کے پاس آیا اوراس کا تقاضا کیا، اس نے مجھ سے مہلت چاہی اور دوسرے کپڑے طلب کیے، میں نے اسے دے دیے، اس سے کہا کہ: اپنا مکان میرے پاس رہن رکھ دے اور میرے یہاں اس کو بطور ضمانت دے دے، اس نے ایسے ہی کیا، پھر میں نے معاملات کے ذریعہ اسے اس کو بیچنے کے قریب لایا، یہاں تک کہ پورے طور پر معاون نصیب اور قوت بازو سے وہ میرا ہو گیا اور بہت سے کوشاں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور میں الحمد للہ ان تمام میں قابل تعریف اور خوش نصیب ثابت ہوا۔

میرے آقا! یہ بات آپ کے لیے کافی ہے کہ میں کچھ راتوں سے اس گھر میں اس کے ساز وسامان کے ساتھ سویا ہوں اور اے آقا! جب رات میں دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو میں دریافت کیا: کون ہے؟ تو یکایک وہ ایک عورت تھی جس کے ساتھ موتیوں کے ہار تھے اور جلد میں آب اور سراب کی رقت تھی، اسے بیچنے کے لیے پیش کر رہی تھی تو میں اس سے اسے جھپٹ لیا اور اسے میں نے معمولی قیمت میں خرید لیا، جلد اس کا نمایاں فائدہ اور بڑا نفع اللہ کی مدد اور آپ کی عزت کی وجہ سے حاصل ہوگا، میں نے یہ بات آپ سے اس لیے بتائی کہ آپ کو تجارت میں میری خوش بختی کا پتہ چل جائے خوش بختی پتھر سے پانی نکال دیتی ہے، اللہ اکبر، آپ سے یہ بات سب سے سچا اور سب سے قریبی شخص بھی نہیں بتا سکتا۔ یہ چٹائی میں نے نیلام میں خریدی، یہ آل فرات کے مکانوں سے جائداد کی ضبطی اور غارتوں کے زمانے میں برآمد ہوئی، میں اس جیسی چٹائی ایک طویل مدت سے ڈھونڈ رہا تھا اور مجھے نہیں مل رہی تھی، زمانہ حاملہ ہے پتہ نہیں کیا پیدا کر دے گا، پھر ایسا اتفاق ہوا کہ میں باب الطاق گیا، یہ بازاروں میں پیش کی جارہی تھی تو میں اتنے اتنے دینار وزن کیے، اللہ کے واسطے اس کی نزاکت، نرمی اس کی بناوٹ اور رنگ پر غور کرو؟ اس لیے کہ یہ بہت بلند رتبہ کی حامل ہے، ایسی شاذ و نادر ہی ملتی ہے، اگرچہ میں نے ابو عمران چٹائی ساز سے سنا کہ یہ اسی کی کاریگری ہے، اس کا ایک بیٹا اس کی دکان میں اس کا جانشین ہے اور نفیس چٹائی صرف اسی کے پاس ملتی ہے، تو میری زندگی کی قسم! میں چٹائیاں اسی کے مکان سے خریدتا ہوں اور مومن اپنے بھائیوں کا خیر خواہ ہوتا ہے، خصوصا جو اپنے اس کے دستر خوان پر ہو۔

اور ہم مضیرہ کی بات کی طرف لوٹ رہے ہیں؛ اس لیے کہ دوپہر کا وقت ہو گیا ہے، اے خادم! پلیٹ اور پانی لاؤ میں نے کہا: اللہ اکبر، چھٹکارا قریب ہوا، نکلنا آسان ہوا، خادم آیا تو کہا: آپ اس خادم کو دیکھ رہے ہیں، یہ نسلاً رومی اور اس کی پرورش و پرداخت عراقی ہے، اے خادم آؤ! اور اپنا سر کھولو اور اپنی پنڈلی کھولو اور اپنے بازو سے کپڑے ہٹاؤ اور اپنے دانت کھولو اور آگے پیچھے چلو، خادم نے ایسا ہی کیا، تاجر نے کہا: اے خدا! اسے کس نے خریدا! اللہ کی قسم اسے ابو العباس نے خریدا ہے، طشت رکھ دو، لوٹا لاؤ، خادم نے اسے رکھ دیا، تاجر نے اسے لے لیا اور پلٹا اور اس پر نظر ڈالی، پھر اسے کریدا اور کہا، اس پیتل کو دیکھو، جیسے شعلے کا ٹکڑا یا سونے کا ٹکڑا ہو، شام کا پیتل اور عراق کی صنعت ہے، یہ پرانا عمدہ سامان نہیں، جس کو بادشاہوں کے گھروں میں استعمال کیا گیا ہو، اس کے حسن پر غور کرو اور مجھ سے پوچھو میں اسے کہاں سے خریدا ہے؟ بخدا اسے میں نے بھکمری اور قحط کے سال خریدا ہے، اس وقت کے لیے ذخیرہ کر رکھا ہے، اے خادم لوٹا لاؤ اور اس نے پیش کیا اور تاجر نے اسے لیا اور پلٹا، پھر کہا: اس کی ٹوٹی بھی (اسی پیتل کی ہے) یہ لوٹا اسی طشت کے قابل ہے اور یہ طشت اسی صدر مجلس کے قابل ہے اور یہ صدر مجلس اسی مکان میں اچھی لگتی ہے اور یہ مکان اسی مہمان کے وجود سے اچھا لگتا ہے، اے خادم! پانی چھوڑ دو، کھانے کا وقت ہو گیا ہے، بخدا آپ اس پانی کو دیکھ رہے ہیں؟ کتنا صاف اور بلی کی آنکھوں کے مانند نیلگوں ہے اور شیشے کے چھڑی کی طرح فرات سے بھرا ہوا ہے، رات کے گزرنے کے بعد اس کا استعمال کیا گیا (صفائی کے بعد)؛

اس لیے موم بتی کی لو ورصفائی میں آنسو کے مانند ہوگیا، ساقی میں کوئی کمال نہیں۔خوبی میرے برتن میں ہے، یہ ضروری نہیں کہ میں تم کو اس کے صفائی کے اسباب بیان کروں جو اس کے پینے سے زیادہ جگ ظاہر (صادق) ہے اس رومال کا قصہ مجھ سے پوچھو، یہ جرجان کا بنا ہوا ہے اور ''ارجان'' کا کام ہے، میری حصہ میں آیا تو میں نے اسے خریدلیا، کچھ (حصہ سے) میری بیوی نے پاجامہ بنایا اور کچھ کا رومال اور اس کے پاجامہ میں بیس گز لگا اور میں نے خود سے باقی حصہ کو اس سے لے لیا اور میں نے اس کو کشیدہ کار کے حوالے کیا تو اس نے تیار کیا، جیسا آپ اس کی نقش ونگاری کو دیکھ رہے ہیں، پھر میں نے اسے بازار سے واپس لایا، اسے صندوق میں رکھا، اس کو اچھے انداز سے مہمانوں کے لیے رکھ دیا، اسے عام عربوں ہاتھوں سے پامال (استعمال) نہیں کیا اور نہ عورتوں نے اپنے آنکھوں کے کناروں کو پونچھا، اس لیے کہ ہر عمدہ چیز کا ایک دن اور ہر سامان کے لیے ایک قوم ہے (جو اسے استعمال کے قابل ہو)۔اے خادم! دسترخوان لگاؤ؛ کیوں کہ وقت بہت ہو چکا ہے اور پیالے (لگاؤ) کیوں کہ بحث ومباحثہ بہت ہوگیا اور کھانا لگاؤ کیوں کہ بات لمبی ہوگئی، غلام دسترخوان لایا اور اسے تاجر نے اسی جگہ پلٹا اور اسے انگلیوں کے پوروں سے کریدا اور دانتوں سے چبایا اور کہا: اللہ بغداد کی عمر دراز کرے، اس کا سامان کتنا عمدہ اور اس کی صنعت کتنی ظریف ہے، اللہ کی قسم اس دسترخوان پر غور تو کیجیے اور اس کی پشت کی چوڑائی اور اس کے وزن کی خفت اور اس کی لکڑی کی سختی اور اس کی شکل کی خوبصورتی کو تو دیکھیے، میں نے کہا: یہ شکل (ٹھیک ہے) کھانا کب؟ اس نے کہا: ابھی ۔اس نے کہا: خادم! کھانا جلد لگاؤ؛ لیکن دسترخوان کے پائے اسی کے ہیں (یعنی پورا دسترخوان، ٹیبل اور اس کے پائے)۔

ابوالفتح نے کہا: تو میرا نفس بھڑک اٹھا، میں نے سوچا روٹی اور اس کے سامان اور اس کی خوبیاں رہ گئیں، گیہوں کہاں سے خریدا گیا اور اس کے لادنے کا کرایہ کیسے دیا اور کس چکی میں پیسا گیا، لگن میں گوندھا گیا اور کس تنور میں تیار ہوئی اور نانبائی نے کتنی اجرت لی اور لکڑی کہاں سے آئی اور کب آئی اور کیسے رکھی گئی، کیسے خشک ہوگئی اور سوکھ گئی؟ نانبائی اور اس کی تعریف رہ گئی، اس کے شاگرد اور اس کی صنعت اور آٹا اور اس کی تعریف اور خمیرہ اور اس کی وضاحت اور نمک اور اس کی نمکینیت اور پلیٹ اور جس نے اسے بنایا اور کیسے اسے لیا اور کس نے اسے استعمال کیا اور کس نے اس سے کام لیا، سرکہ کیسے اپنے انگور سے نچوڑا گیا یا تازہ انگور خریدا گیا اور کیسے اس کا رس آمیز کیا گیا اور اس کا تخم نکالا گیا اور کیسے اس کا برتن دفنا گیا اور اس کے مٹکے (گھڑے) کی قیمت تھی، سبزیاں تو کیسے توڑی گئیں اور کس ترتیب سے رکھی گئیں اور کیسے خوبصورتی سے صاف کی گئیں اور رہا مضیرہ تو اس کا گوشت کیسے خریدا گیا اور چربیاں بھرپور رہیں اور اس کی ہانڈی چڑھائی گئی، کیسے اس کے لیے آگ سلگائی گئی، کیسے اس کے مسالے کو کوٹا گیا، اس کو عمدہ پکایا گیا اور اس کا شوربہ گاڑھا کیا گیا، یہ اہم چیزیں اور یہ ایسا معاملہ ہے جو مکمل نہیں ہوگا۔پھر میں اٹھ گیا، اس نے کہا، کہاں کا قصد ہے؟ میں کہا: ضرورت کے لیے جارہا ہوں، اس نے کہا: آقا تم ایسے چاہتے ہو جو امیر کے موسم بہار، وزیر کی موسم خریف کو بھی مات دے (یعنی امیر اور موسم بہار اور موسم خریف میں جنگل میں جو خوبصورت بیت الخلا بناتے ہیں)، اس کے اوپر اور نیچے چونے کا گِلاوہ کیا ہوا ہو اور اس کے چھت کے نیچے سے زمین تک سنگ مرمر بچھا ہو، اس کی دیوار سے چیونٹی سرک جاتی ہو اور لٹک نہ پاتی ہو، اس کی زمین پر مکھیاں چلیں تو پھسل جائیں اور اس کے دروازے کے دونوں بازو ساگوان اور ہاتھی کے دانت سے مل کر بنے ہوں اور اچھی طرح جوڑے ہوئے ہوں، مہمان اس میں بیٹھ کر کھانے کی تمنا کرے، میں نے کہا: تم اس تھیلے سے کھاؤ، بیت الخلا حساب کا حساب چھوڑ دو اور میں دروازے کی طرف نکل گیا اور تیزی سے چلا گیا، میں تیزی سے چلنے لگا تو وہ میرا پیچھا کرتا چلا آرہا تھا، اے ابوالفتح، مضیرہ! بچوں نے سمجھا کہ مضیرہ میرا لقب ہے، پھر ویسے ہی چیخنے لگے، میں نے ان میں سے ایک کو پتھر سے بڑے غصے میں آکر مارا اور پتھر اس کے عمامہ پر لگا، اس کی کھوپڑی میں دھنس گیا، پھر مجھ پر نئے پرانے جوتے اور اچھے برے تھپڑ پڑنے لگے اور

قید میں ڈال دیا گیااور دو سال کے اس نحوست میں پڑا رہا، میں نے نذر مانی کہ زندگی بھر مضیر یہ نہیں کھاؤں گا، تو اے آل ہمدان! کیا میں اس میں ظالم ہوں۔

عیسی بن ہشام نے کہا: ہم نے اس کا عذر قبول کیا اور اسی کی طرح نذر مان لی اور کہا: زمانۂ قدیم میں مضیرہ نے آزاد (لوگوں) پر زیادتی کی اور ذلیلوں کو شریف (لوگوں) پر آگے کیا۔

14.6 لغوی تحقیق

البصرة	:	یہ ایک مشہور شہر ہے۔
المضيرة	:	گوشت جو کھٹے دودھ میں پکایا جاتا ہے
الترجرج	:	بہت تیزی سے حرکت پذیر ہونا
الغضارة	:	بڑا پیالہ، جوز ور سے ملے
إيذانها بالسلامة	:	یعنی یہ مضیرہ صحت بخش، سہل الہضم، بیماریوں اور اضرار سے محفوظ ہوتا ہے۔
ظرف	:	حسن ہیئت
ظرف	:	پیالہ کی وسعت اور کشادگی
الخوان	:	دستر خوان، جمع أخونة
المقت	:	شدید برہمی
ثلب	:	برا بھلا کہنا۔
تحلب	:	دودھ دوہنا، یعنی مضيره کی وجہ سے ان کا رال ٹپکنے لگا۔
تنحی	:	دوری اختیار کرنا۔
تلمظ	:	چاٹنا۔
اتقد الأكباد	:	جگر کا جلنا (شدت افسوس میں)
أكباد	:	واحد، کبد، جگر، دل۔
مضى الفواد: فواد جمع أفئده	:	دل، دل بھی اس کے شوق میں چلے
أصحاب الرقيم	:	اصحاب کھف
الغريم	:	قرض خواہ
فداه (ض)	:	قربان کرنا
مهجة	:	دل کا خون

تدور (ن)	:	حرکت کرنا
القدور	:	جمع قدر، ہانڈی
حذق (س)	:	مہارت
تنفث (ن)	:	پھوکنا
دقّ (ن)	:	کوٹنا، پیسنا
غبّر (تفعیل)	:	غبار آلود کر دینا
التأنق (تفعیل)	:	کام اچھے انداز میں انجام دینا
أبازیر	:	ابزار، مسالے
مصقول	:	چمکدار (آئندہ کے مانند)
الظعینة	:	بیوی، جب وقت تک عورت ہودج میں موجود ہو،
ظعن (ن) جمع ظعائن	:	سفر کرنا، مراد: پردہ نشیں عورت
حلیلة جمع حلائل	:	بیوی، جس سے اولاد کا حاصل کرنا حلال ہو
لحا (ن)	:	چیک جانا
أرومة	:	اصل، نسب
خُلق	:	عادات، اخلاق
الخلق	:	جمال خلقت
یتغایرون (تفاعل)	:	ایک دوسرے پر حملہ آور ہونا
القلادة	:	ہار
واسطة القلادة	:	ہار کا درمیانی دانہ
تقدّر (تفعیل)	:	اندازہ کرنا۔
الطاقة	:	وسعت استطاعت
التعریج	:	میلان، جھکاؤ
عفن	:	بدبودار
الطارق	:	رات میں آنے والا
البرکار	:	دائرے کے اندازہ لگانے کا آلہ
تنفس الصعداء	:	غم، افسوس یا راحت والی سانس لینا۔ ٹھنڈی سانس لینا

الساج	:	ساگوان کا درخت
المأروض	:	جس کو دیمک نے کھالیا ہو
نقر (ن)	:	بجانا
طن (ض)	:	آواز نکلنا
بحیاتی	:	میری زندگی کی قسم
سوق الطرائف	:	یہ بغداد کا ایک بازار تھا جس میں نفیس اور قیمتی چیزیں بیچی جاتی
المعزیة	:	یہ معز الدین فاطمی کے جانب منسوب ہے
الشبه	:	پیلا پیتل
خلس	:	جھپٹنا
أعلاق	:	عمدہ اور نفیس سامان، واحد علق ۔
الأعلاق	:	واحد عِلق ، ہر نفیس اور قیمتی چیز
المعارج	:	واحد معراج ، سیڑھی
عقد (ض)	:	عقد کرنا، خرید وفروخت کرنا۔
الصامت	:	سونا چاندی اس طرح کے دیگر جواہرات، یعنی جانوروں جن کو "الناطق" کہا ہے اس کے مقابل استعمال ہوا ہے۔
الخمر والزمر	:	اس کا مطلب شراب، گانا اور لہو ولعب کی مجلس میں شرکت ۔
نرد	:	ایک قسم کا مشہور کھیل ہے، شطرنج
تنض (ن)	:	خسارہ میں ہونا
النسیّة	:	قیمت میں تاخیر کرنا، ادھار
المدبر	:	پچھڑا، غریب
المتخلف	:	فقیر، محتاج
الوثیقة	:	معاہدہ یا لین دین کی دستاویز
القمر	:	جوا
اقتضاء الدین	:	قرض کا مطالبہ
رقة الحاشیة	:	شدید فقر ومحتاجگی
انظرته	:	مہلت دینا، تاخیر کرنا

بجد صاعد : خوش بختی

رب ساع لقاعد : یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کلام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کوئی شخص محنت کرتا ہے لیکن اس کا نفع کسی کو بغیر محنت حاصل ہوتا ہے۔

مجدود : بڑے نصیب والا

المنتاب : جو قوم کے پاس بار بار آتا جاتا رہے

جلدة ماء : یعنی یہ موی صفائی میں پانی کی طرح ہیں

الآل : سراب

الخلس : اچک لینا

دولة : مدد، قوت

تنبط (افعال) : نکلنا، پھٹ پڑنا

المناداة : ہراج

نسج : بناوٹ

القصاع : پیالے، واحد، قصعة

الذر : چیونٹی

الصفع : تھپڑ مارنا

أل الفرات : یہ مشہور خاندان ہے اس کا ایک فرد مقتدر عباسی وزیر تھا، پھر اس کو ذلیل کر کے اس کے اموال سنہ ۳۱۲ھ میں سلب کر لیے گئے۔

الغارات : چھینے ہوئے اموال

باب الطاق : یہ بغداد کے ایک دروازہ کے نام ہے۔

تحرّم بخوانه : یعنی جو اس کے ساتھ کھانے پینے کی وجہ سے اس کا دوست ہو گیا، اس کو نصیحت کرنا چاہیے۔

نضا الثوب (ن) : نکالنا/ کپڑے اتارنا

افترّ (افتعال) : دانت ظاہر ہونے کے لیے ہنسنا

النخاس : غلاموں کا تاجر

الجذوة : آگ کا ٹکڑا

الخلقان جمع خلق : پرانا، پھٹا

دار (ن) : گھومنا، پھرنا

الدست	:	گھر کی بلند اور اشرف جگہ
السنور	:	بلی
البیات	:	رات گذارنا
جران، ارّجان	:	یہ عجمی شہر ہیں۔
اذّل (افعال)	:	ذلیل کرنا، تابع کرنا، استعمال کرنا
طرّز (تفعیل)	:	نقش ونگاری کرنا
المصاع (مفاعلة)	:	ایک دوسرے سے لڑنا
عجمه بالأسنان	:	دانتوں سے چبانا
المتن	:	سطح
جاشت (ض)	:	بھڑکنا، جوش مارنا
الإجانة	:	برتن جس میں آٹا گوندھا جاتا ہے۔
سجر	:	گرم کرنا
السکّرجات	:	وہ برتن جس میں انواع واقسام کھانے رکھے جاتے ہیں۔
اتخذ	:	بنانا
انتقذ	:	چھین لینا، یعنی خرید کے ذریعہ حاصل کرنا۔
الرطب	:	پکے کھجور
صهرجت	:	امتزاج اور اختلاط کرنا۔
قیّر	:	جس کی ڈانبر طلائی کیا گیا ہو۔
اجحت	:	آگ لگانا، شعلہ بھڑکانا
الخطب	:	بڑے معاملات
طمّ (ض)	:	بڑھنا، حد سے اوپر ہو جانا
یزری	:	کمی ہونا
الغیران جمع غار	:	دروازوں کے پٹوں کے درمیان کا فاصلہ
العاج	:	ہاتھی کے بڑے دانت
الجراب	:	برتن، تھیلا یہاں مراد بیت الخلا
الهامة	:	سر

فهل أنا فی ذا یالمذان ظالم	:	یہ معروف شعر کا ٹکڑا ہے۔
ندر	:	نادر ہونا
الزی النظیف	:	کپڑے اور بدن
الماقی	:	جمع ماق: آنکھ کے کنارے
البنان	:	انگلیوں کے پور
الحب	:	بڑا تھیلا
رصف	:	ایک دوسرے میں ملانا
عقد المرق تعقیدا	:	جب سالن پک کر گاڑھا ہو گیا۔
حسر	:	کھولنا

14.7 ادبی صنف کا تعارف

''مقامہ'' قام یقوم سے ہے، اس سے مراد مجلس اور اصحاب مجلس ہیں، ان سے گفتگو کی جاتی یا ان کے سامنے قصہ بیان کیا جاتا ہے یا وعظ ونصیحت یا خطبہ دیا جاتا ہے، اخیر میں اس کا استعمال ایسے کلام میں ہونے لگا جس میں مزاح اور مذاق ہو، اس طرح اس کو ادب کی ایک صنف بنایا گیا۔

''مقامہ'' قصے کی شکل میں ایک لغوی سبق ہوتا ہے، مقامے کا مقصد یہ ہوتا ہے، اس کے ذریعہ طلبہ کو لغت سکھایا جائے، ان الفاظ کی حقیقت ہیئت مختلف شکل میں آتی ہے، مقامہ زبان کے اسلوب اور تعبیر سے بھرا ہوتا ہے، الفاظ کے مفرد اور جمع کو بیان کرنا، ان الفاظ کا ان کے اصلی معانی یا مجازی معنی میں استعمال، الفاظ کو مختلف جملوں میں مختلف معانی میں ادا کرنا، ایک ہی بات کو بتانے کے لیے مختلف جملے لے آنا۔ یہ تمام چیزیں مقامہ میں ہوتی ہیں۔

14.7.1 صنف کی ہیئت وصورت

اس میں بیان، بدیع، فصاحت، بلاغت، علم الاوزان وقوافی کا خزانہ ہوتا ہے۔ الفاظ کی ہیر پھیر، کلام کے اچھوتے نمونے، سجع، جناس، طباق، مقابل اور نظائر وغیرہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے، جس میں نحو وصرف کے قواعد اس سے متعلق دیگر اجتہادات ایجاز، استفاضہ شرح وغیرہ کو بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی شکل قصہ کے انداز میں ہوتی ہے۔ اس کا مقصود طلبہ کے لیے لغت کے سکھانے میں آسانی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ قصہ گوئی میں لغت کے اصول اور اسالیب تعبیر مختلف فرضی حادثات کی شکل میں قاری کو شوق دلانے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

14.8 متنِ سبق کا موضوع

مقامہ مضیر یہ ہمذانی کا ایک مقامہ ہے، اس مقامے کے تمام حوادث اور مواقع فرضی ہیں، ہوسکتا ہے کچھ سچ بھی ہو؛ لیکن بہت کم اور شاذ ونادر ہیں؛ لیکن صاحب مقامہ فرضی واقعات کو مقامہ میں شامل کرتا ہے، مقصود تعلیم ہوتی ہے۔ صاحب مقامہ واقعہ کی محل اور مناسب پر دھیان نہیں

دیتا، جس قدر اس کا دھیان تعبیر کے اسلوب اور قواعد لغت کے بیان کرنے پر ہوتا ہے۔

اس متن کا موضوع بحث یہ ہے کہ عیسی بن ہشام کہتا ہے کہ اسے اور ابوالفتح الاسکندری کو ایک دفعہ دعوت دی گئی انہیں دعوت میں مضیر یہ پیش کیا گیا ابوالفتح نے یہ قسم کھائی کہ وہ اس کو بالکل نہیں چکھے گا، اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے اپنے ساتھ پیش آنے والے ایک واقعہ کو بتایا کہ ایک مرتبہ کسی تاجر نے اسے کھانے پر مدعو کیا، اس نے طویل گفتگو سے اکتاہٹ پیدا کردی اور پریشان کردیا، رات میں پیش آنے والا ہر واقعہ، گھر میں نظر آنے والی ہر چیز کی تفصیل بتاتا جاتا جس کی وجہ سے ابوالفتح اس سے تنگ آکر وہاں سے نکل کھڑا ہوا، تاجر نے اس کو مضیر یہ کہہ کر پکارا بچوں نے سمجھا کہ یہ اس کا لقب ہے، وہ مضیرہ مضیرہ پکارنے لگے، ان بچوں میں سے کسی کو اس نے پتھر سے مارا۔ ایک شخص کو پتھر آلگا، لوگوں نے مل کر ابوالفتح کو خوب پیٹا اور اس کو قید کردیا، اس نے قسم کھائی کہ میں کبھی دوبارہ ''مضیرہ نہیں کھاؤں گا''۔

14.9 متن سبق کی توضیح وتشریح

(۱) دَعَانِي بَعْضُ التُّجَارِ إِلَى مَضِيرَةٍ وَأَنَا بِبَغْدَادَ، وَلَزِمَنِي مُلَازَمَةَ الغَرِيمِ، وَالكَلْبِ لِأَصْحَابِ الرَّقِيمِ، إِلَى أَنْ أَجَبْتُهُ إِلَيْهَا، وَقُمْنَا فَجَعَلَ طُولَ الطَّرِيقِ يُثْنِي عَلَى زَوْجَتِهِ، وَيُفَدِّيهَا بِمُهْجَتِهِ، وَيَصِفُ حِذْقَهَا فِي صَنْعَتِهَا، وَتَأَنُّقَهَا فِي طَبْخِهَا وَيَقُولُ: يَا مَوْلَايَ لَوْ رَأَيْتَهَا، وَالخِرْقَةُ فِي وَسَطِهَا، وَهِيَ تَدُورُ فِي الدُّورِ، مِنَ التَّنُّورِ إِلَى القُدُورِ وَمِنَ القُدُورِ إِلَى التَّنُّورِ تَنْفُثُ بِفِيهَا النَّارَ، وَتَدُقُّ بِيَدَيْهَا الأَبْزَارَ، وَلَوْ رَأَيْتَ الدُّخَانَ وَقَدْ غَبَّرَ فِي ذَلِكَ الوَجْهِ الجَمِيلِ، وَأَثَّرَ فِي ذَلِكَ الخَدِّ الصَّقِيلِ، لَرَأَيْتَ مَنْظَراً تَحَارُ فِيهِ العُيُونُ: وَأَنَا أَعْشَقُهَا لِأَنَّهَا تَعْشَقُنِي، وَمِنْ سَعَادَةِ المَرْءِ أَنْ يُرْزَقَ المُسَاعَدَةَ مِنْ حَلِيلَتِهِ، وَأَنْ يَسْعَدَ بِظَعِينَتِهِ، وَلَا سِيَّمَا إِذَا كَانَتْ مِنْ طِينَتِهِ، وَهِيَ ابْنَةُ عَمِّي لَحًا، طِينَتُهَا طِينَتِي، وَمَدِينَتُهَا مَدِينَتِي، وَعُمُومَتُهَا عُمُومَتِي، وَأَرُومَتُهَا أَرُومَتِي، لَكِنَّهَا أَوْسَعُ مِنِّي خُلُقاً، وَأَحْسَنُ خَلْقاً وَصَدَّعَنِي بِصِفَاتِ زَوْجَتِهِ، حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى مَحَلَّتِهِ۔

عیسی بن ہشام کہتا ہے کہ ابوالفتح الاسکندری کو ایک دفعہ مضیرہ (جو ایک قسم کا گوشت کو دودھ کی آمیزش سے ملا کر کھانا ہوتا ہے) دعوت دی گئی تو ابوالفتح الاسکندری نے مضیر یہ کے کھانے سے انکار کردیا، حالاں کہ دیگر ساتھی مضیر یہ کی دسترخوان پر آمد کی وجہ سے اس کی خوش مذاقی کے گرویدہ ہو چکے تھے؛ لیکن جو ابوالفتح الاسکندری نے اس کے کھانے سے انکار کیا تو سب ساتھیوں نے ہاتھ اٹھالیے، پھر ابوالفتح الاسکندری نے مضیر یہ نہ کھانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا:

ایک تاجر نے مجھے مضیرہ کی دعوت دی، میں شہر بغداد میں تھا، اس نے میرا قرض خواہ کی طرح پیچھا کیا، اصحاب کہف کے کتے کی طرح، (یعنی وہ شخص مجھے اپنے گھر لے جانے پر ایسا تلا ہوا تھا جیسا میں اس کا قرضدار ہوں اور وہ قرض خواہ، جس طرح اصحاب کہف کا کتا اس کے پیچھے ہولیا تھا، اسی طرح وہ میرے پیچھے لگ گیا، یعنی اس نے مجھے اپنے گھر مضیرہ کی دعوت میں شرکت کے لیے نہایت اصرار کیا) ہم اٹھے وہ راستہ بھر اپنی بیوی کی تعریف کرتا رہا، اپنا دل وجان اس پر قربان کرتا رہا، اس کے کھانے پکانے میں مہارت اور کمال کا تذکرہ کرتا رہا اور کہتا تھا: میرے آقا، اگر آپ اس کو دیکھو گے تو اس کا کمر بند اس کی کمر پر ہوگا، وہ تنور سے ہانڈیوں تک اور ہانڈیوں سے تنور تک چکر لگاتی ہوگی، اپنے منہ سے آگ (چولہا) میں پھونکتی ہے اور اپنے ہاتھوں سے مسالے کوٹتی ہے، دھواں (بھی) اس حالت میں اس کے خوبصورت چہرے کو غبار آلود کردیا ہوتا ہے اور اس کے چمکدار

رخسار پر اثر انداز ہوتا ہے،تو (اس وقت) آپ کو ایک عجیب منظر نظر آئے گا،جس سے آنکھیں حیرت میں پڑ جائیں گے، میں اس سے محبت اور عشق کرتا ہوں؛ اس لیے کہ وہ مجھ سے محبت اور عشق کرتی ہے اور انسان کی نیک بختی ہے کہ اس کو اس کے شوہر کی جانب سے مدد ملے اور اس کی بیوی کی جانب سے اس کو سعادت ملے، (یعنی مجموعی طور پر وہ بتلانا چاہتا ہے کہ میری بیوی نہایت چست، پھرتیلی، کئی ایک کام بیک وقت انجام دے لیتی ہے ،اس کو خادم کی بھی ضرورت نہیں ہے، ایک طرف سالن بناتی ہے،تو دوسری طرف تنور میں روٹی بناتی ہے، ایک کام اسے دوسرے کام سے عاجز نہیں کرتا، مصالحے بھی خود اپنے ہاتھوں سے پیستی ہے، چولہے میں پھونک بھی اپنے منہ سے مارتی ہے، پھونکنی نہیں استعمال کرتی ہے، اس کی خوبصورت رخسار دھوئیں سے تر بتر ہوتے ہیں؛ لیکن اس کی بھی پرواہ نہیں کرتی، وہ شوہر کی پوری خدمت خود بخود انجام دیتی ہے) خصوصاً جب اسی کی خمیر سے ہو، وہ میری چچا زاد بہن ہے، اس کی خمیر میری خمیر سے وابستہ ہے، اس کا شہر میرا شہر، اس کے چچا میرے چچا اور اس کی جڑ میری جڑ ہے (یعنی میری بالکل قریبی رشتہ دار ہے) لیکن وہ مجھ سے زیادہ بااخلاق ہے اور بہت زیادہ خوبصورت ہے، (یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ نسب وحسب کے ایک ہونے اور قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے اس کے اخلاق اور اس کے خدوخال اور چال وڈھال بھی میرے ہی جیسے ہیں، بلکہ وہ نہایت خوبصورت، نہایت اخلاق مند واقع ہوئی ہے، جس سے میں عاری ہوں) اس نے کھل کر اپنی بیوی کی تعریف کی یہاں تک کہ ہم اس کے محلے پہنچے۔

14.9.1 الفاظ کی توضیح

الغریم: قرض خواہ، یعنی بالکل پیچھے پڑنے پر یہ ضرب المثل مشہور ہوگئی کہ کہا جاتا ہے یہ میرے قرض خواہ کی طرح پیچھے پڑا ہوا ہے کہ جب تک ابوالفتح اس کو اس کا قرض نہیں چکائے گا، وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ **اصحاب الرقیم:** سے مراد اصحاب کہف ہیں، جن کا قصہ قرآن میں مذکور ہے کہ ان کا کتا بھی ان کے ساتھ تھا، وہ بھی ہمیشہ ان کے ساتھ رہا کرتا تھا، پہلے جملے کے ذریعے تاجر کی دعوت کے قبول کرنے پر مجبور کرنے اور دوسرے جملے کی ذریعے اس تاجر کی ذلت اور خست کو بیان کیا ہے۔ **الغریم:** قرض خواہ۔ **فداہ:** (تفعیل) قربان کرنا **مھجة:** دل کا خون **فدّاہ بمھجتہ** کے ذریعے یعنی خون دل میرا اس پر قربان یعنی وہ اس کے ذریعے اپنی بیوی سے حد سے زیادہ محبت کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے۔ **وصف الحذق فی صنعتہ:** یعنی اس کے ہنر اور پکانے میں مہارت اس کو دوسرے جملے میں یوں تعبیر کیا ہے، **وتأنقھا (تفعل) فی العمل:** یعنی کام کو بہترین اور اچھے طریقے سے انجام دینا۔ **الخرقة:** سے باورچی کا وہ کپڑا مراد ہے جسے وہ کمر کے دونوں جانب سے اپنے پنڈلیوں تک چھوڑا ہوتا ہے ، جو کمر بند کے مشابہ ہوتا ہے، وہ اسے اپنے کپڑوں کی حفاظت کے لیے اس طرح لٹکاتا ہے۔ **تدور (ن)** :حرکت کرنا، اس کے بعد "الدّور" یہ 'دار' کی جمع ہے، یعنی وہ کام میں ہر وقت مستعد گھر میں ادھر ادھر دوڑتی رہتی ہے، **تنوّر:** وہ انگھیٹی ہے جس میں روٹی پکائی جاتی ہے، **القدور: جمع قدر**، ہانڈی، یعنی اس کی بیوی بیک وقت کئی ایک کام انجام دیتی ہے، یعنی ہانڈیوں میں مختلف بنتے ہوئے سالن اور تندور میں پکتی ہوئی روٹیاں اس کے دھیان کو باٹتی نہیں ہیں، وہ ہر دم چست وپھرت ہانڈیوں اور تنور کے بیچ دوڑتی پھرتی ہے، تنور میں منہ سے پھونکتی ہے، پھونکنی کی بھی ضرورت اس کو نہیں ہوتی ہے، بجائے "نفخ" کے "نفث" کو استعمال کر کے یہ بتلانا چاہتا ہے کہ تھوڑی سی اس کی پھونک سے آگ بھڑک جاتی ہے، اسے خادمہ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ہے ومسالجات بھی خود کوٹ لیتی ہے، "ابزاز": مصالحے، جمع أبازیر اور مصالحے بھی کوٹتی رہتی ہے جملوں کی بندش بھی قابل دید ہے، سجع بندی کے اعلی درجہ پر ہے "وھی تدور فی الدور، من التنور إلی القدور، ومن القدور إلی التنور" **حذق:** مہارت (س) **تنفث (ن)** پھوکنا، **دقّ:** (ن) کوٹنا، پیسنا۔ **غبر (تفعیل)**: غبار آلود کر دینا، **مصقول:** چمکدار (آئینہ کے مانند) اس میں "صقیل" کہتے ہیں، تلوار کی

طرح چمکدار جس کی روشنی اور چمک بالکل ظاہر ہو، گالوں کی سفیدی کو بتانے کے لیے ”الصقیل“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اس کے مقابل ”الأسیل“ جس کے معنی نرم اور لمبے ہونے کے آتے ہیں، یعنی دھواں اس کے خوبصورت، چمکدار، آئینہ کے مانند رخساروں کو غبار آلود کرتا ہے لیکن وہ اس کی کوئی پروہ نہیں کرتی ہے، عجیب اس کی حرکت اور نشاط اور اس کی جدو جہد اور کوشش کا اندازہ نہیں کر سکتے، میں اس سے اس بے انتہا عشق ومحبت کرتا ہو، الظعینة: بیوی، جب وقت تک عورت ہودج میں موجود ہو، ظعن (ن) سفر کرنا، مراد: پردہ نشیں عورت، جمع ظعائن حلیلة: بیوی، جس سے اولاد کا حاصل کرنا حلال ہو، جمع حلائل، یہاں زوجہ کے بجائے الفاظ کی سجع بندی زوج کی جگہ دوسرے الفاظ کے استعمال کے موقع کو بتلانے کے لیے یہ الفاظ لائے ہیں ”من سعادة المرء أن یرزق المساعدة من حلیلته وأن یسعد بظعینته“ یعنی آدمی یہ خوش بختی ہے کہ اس کی بیوی گھر کے کاموں میں اس کی معین ومددگار ہو، اس کے گھر کے تمام امور کو انجام دے، خصوصا گھر میں رہ کر شوہر کے لیے لذیذ کھانے اور مشروبات تیار کرے، کام خود سے کر کے خادم کی ضرورت سے بے نیاز کردے۔ لحا(ن): چپک جانا، کہتے ہیں: ”لحت القرابة بیننا لحا“ بالکل قریبی رشتہ داری جو چپکی اور چمٹی ہوئی ہو، پھر اس رشتہ داری کا اظہار کرتا ہے، وہ میری چچازاد بہن ہے، میری اور اس کی مٹی ایک ہے، یعنی دونوں قریب النسب ہیں، چچازاد بہن ہونے کی وجہ سے دونوں کا شہر بھی ایک ہے، أرومة: اصل، نسب، یعنی وہ بالکل ہم نسب ہے، وہاں سے یہاں تک بس اس بیوی سے اس کی قربت کو بتانا مقصود ہے، پھر آگے کہتا ہے: ”لکنھا اوسع منی خلقا، وأحسن خَلقًا“ یعنی اس کی خوبصورتی اور حسن اخلاق میرے سے کہیں زیادہ ہیں، یعنی نسب کی قربت کی وجہ سے کوئی یہ تصور نہ کرے کہ وہ حسن وخوبصورتی، خدوخال، چال ڈھال، اخلاق وعادات میں بھی میرے مثل ہے؛ بلکہ وہ خوبصورتی، حسن اخلاق میں مجھ سے بالکل جداگانہ ہے۔ خُلق: عادات، اخلاق۔

(۲) فَقَدْ حَانَ وَقْتُ الظَّهِيرَةِ، يَا غُلاَمُ الطَّسْتَ وَالمَاءَ فَقُلْتُ: اللهُ أَكْبَرُ، رُبَّمَا قَرُبَ الفَرَجُ، وَسَهُلَ المَخْرَجُ، وَتقَدَّمَ الغُلاَمُ، فَقَالَ: تَرى هذَا الغُلاَمَ؟ إِنَّهُ رُومِيُّ الأَصْلِ، عِرَاقِيُّ النَّشْءِ. تَقَدَّمْ يَا غُلاَمُ وَاحسِرْ عَنْ رَأْسِكَ، وَشَمِّرْ عَنْ سَاقِكَ، وانْضُ عَنْ ذِرَاعِكَ، وَافْتَرَّ عَنْ أَسْنَانِكَ، وَأَقْبِلْ وَأَدْبِرْ. فَفَعَلَ الغُلاَمُ ذَلِكَ، وَقَالَ: التَّاجِرُ: بِاللهِ مَنِ اشْتَرَاهُ؟ اشْتَرَاهُ وَاللهِ أَبُو العَبَّاسِ، مِنَ النَّخَّاسِ، ضَعِ الطَّسْتَ، وَهَاتِ الإِبْرِيقَ، فَوَضَعَهُ الغُلاَمُ، وَأَخَذَهُ التَّاجِرُ وَقَلَّبَهُ وَأَدَارَ فِيهِ النَّظَرَ ثُمَّ نَقَرَهُ، فَقَالَ: انْظُرْ إِلى هَذَا الشَّبَهِ كَأَنَّهُ جِذْوَةُ اللَّهَبِ، أَوْ قِطْعَةٌ مِنَ الذَّهَبِ، شَبَهُ الشَّامِ، وَصَنْعَةُ العِرَاقِ، لَيْسَ مِنْ خُلْقَانِ الأَعْلاَقِ، قَدْ عَرَفَ دُورَ المُلُوكِ ودَارَهَا، تَأَمَّلْ حُسْنَهُ وَسَلْنِي مَتَى اشْتَرَيْتُهُ؟ اشْتَرَيْتُهُ واللهِ عَامَ المَجَاعَةِ، وَادَّخَرْتُهُ لِهَذِهِ السَّاعَةِ، يَا غُلاَمُ الإِبْرِيقُ، فَقَدَّمَهُ وَأَخَذَهُ التَّاجِرُ فَقَلَّبَهُ ثُمَّ قَالَ وَأُنْبُوبُهُ مِنْهُ لاَ يَصْلُحُ هَذَا الإِبْرِيقُ إِلاَّ لِهَذا الطَّسْتِ، وَلاَ يَصْلحُ هَذا الطَّسْتُ إِلاَّ مَعَ هَذَا الدَّسْتِ، وَلاَ يَحْسُنُ هَذا الدَّسْتُ إِلاَّ فِي هَذا البَيْتِ، وَلاَ يَجْمُلُ هَذا البَيْتُ إِلاَّ مَعَ هَذا الضَّيْفِ.

اے خادم! پلیٹ اور پانی لاؤ میں نے کہا: اللہ اکبر، چھٹکارا قریب ہوا، نکلنا آسان ہوا، (یعنی ابو الفتح الاسکندری نے جب یہ سنا کہ پانی اور پلیٹ لاؤ، تو سوچا کہ اب اس کی باتوں سے چھٹکارا ملے گا اور فورا سے کھانا کھانے کو ملے گا، لیکن اس تاجر نے پھر بات کو طول دی، غلام کی طشت وغیرہ کی تعریف میں لگ گیا) خادم آیا تو کہا: آپ اس خادم کو دیکھ رہے ہیں، یہ نسباً رومی اور اس کی پرورش وپرداخت عراقی ہے، اے خادم آؤ! اور اپنا سر کھولو اور اپنی پنڈلی کھولو اور اپنے بازو سے کپڑے ہٹاؤ اور اپنے دانت کھولو اور آگے پیچھے چلو، (یعنی خادم کے حسن وخوبصورتی اور اس کے عجمیت

اورعربیت کے جامع ہونے اورحسن وکمال کے اعلی درجے پر ہونے کو بیان کرنے کے لیے اس کے سر، پنڈلی، بازو، دانت کھلوانے لگا تا ہے، اس کو آگے پیچھے کر کے اس کی مضبوطی اور قوت کو بتانا چاہتا ہے) خادم نے ایسا ہی کیا، تاجر نے کہا: اے خدا! اسے کس نے خریدا! اللہ کی قسم اسے ابوالعباس نے خریدا ہے، طشت رکھ دو، لوٹا لاؤ، خادم نے اسے رکھ دیا، تاجر نے اسے لے لیا اور پلٹا اور اس پر نظر ڈالی، پھر اسے کریدا اور کہا، اس پیتل کو دیکھو، جیسے شعلے کا ٹکڑا یا سونے کا ٹکڑا ہو، شام کا پیتل اور عراق کی صنعت ہے، یہ پرانا عمدہ سامان نہیں، جس کو بادشاہوں کے گھروں میں استعمال کیا گیا ہو، اس کے حسن پر غور کرو اور مجھ سے پوچھو میں اسے کہاں سے خریدا ہے؟ بخدا اسے میں نے بھکمری اور قحط کے سال خریدا ہے، اس وقت کے لیے ذخیرہ کر رکھا ہے، (لوٹے کی خوبصورتی، اس کی اصل شام کی اور صنعت عراق کی ہے، اس کو دیکھنے پر یہ انگارا یا سونے کا ڈلا لگتا ہے، اس کو پرانا نہ خیال کیا جائے یا یہ بادشاہوں کے ہاتھوں سے ہو کر یہاں آیا ہے، اس کو اپنے پاس رکھنے پر ہر بادشاہ نے فخر کیا ہے، اس کی ٹوٹی بھی نہایت مضبوط ہے، جب ٹوٹی مضبوط ہے تو لوٹے کی مضبوطی کا کیا کہنا، پھر کہتا ہے یہ لوٹا اسی طشت اور طشت اسی صدر مجلس اور صدر مجلس اسی گھر کے لائق ہے) اے خادم لوٹا لاؤ اور اس نے پیش کیا اور تاجر نے اسے لیا اور پلٹا، پھر کہا: اس کی ٹوٹی بھی (اسی پیتل کی ہے) یہ لوٹا اسی طشت کے قابل ہے اور یہ طشت اسی صدر مجلس کے قابل ہے اور یہ صدر مجلس اسی مکان میں اچھی لگتی ہے، اور یہ مکان اسی مہمان کے وجود سے اچھا لگتا ہے۔

(یعنی وہ غلام کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے، اس کی خوبیوں کو گناتے ہوئے کہتا ہے، یہ غلام دراصل رومی الاصل ہے اور اس کی پرورش وپرداخت ملک عراق میں ہوئی ہے، یعنی یہ عجمی ہے لیکن اس کا نشوونما عربی ماحول میں ہوا ہے، پھر غلام سے کہتا ہے "احسر": (ن) کھولنا، شمر: (تفعیل) سمیٹنا، یعنی اپنی پنڈلی سے کپڑا ہٹاؤ پھر اسی تعبیر کو دوسرے انداز میں کہتا ہے "وانض عن ذراعک" (ن) ہٹانا، کھولنا، افتر عن اسنانك: (افتعال) دانت ظاہر ہونے کے لیے ہنسنا، "أقبل" (افعال) "أدبر" (افعال) آگے پیچھے ہونا، یعنی غلام کی حسن وخوبصورتی، اس کی طاقت وقوت کو ظاہر کرنے کے لیے اس کے سر، پنڈلی، دانت کو کھولنے کہتا ہے اور آگے پیچھے چلنے کو کہتا ہے تو غلام آقا کے حکم پر ایسے ہی کرتا ہے، ابوالفتح الاسکندری غلام سے متاثر ہو کر کہتا ہے کہ کس سے خریدو ہو تو اس نے کہا: ابوالعباس غلام فروش سے میں نے خریدا ہے "النخاس" غلام فروش، پھر غلام طشت رکھ کر چلا گیا تو اس سے لوٹا لانے کو کہا: وہ لوٹا لے کر آیا تو تاجر لوٹے کو ہاتھ میں لے کر "قلب" (تفعیل) لوٹے کو الٹ پلٹ کرتا ہے، "ادار نظره فيه" لوٹے کو الٹ پلٹ کر اس کے ہر جانب نظر پر نظر ڈالنے لگتا ہے، یعنی اس کو الٹ پلٹ کر اس کو بجایا اور اس پر اپنی نظر دوڑائی ۔"نقر" (ن) بجانا، "الجذوة" کہتے ہیں آگ کا شعلہ، آگ کا ٹکڑا، "شبه" زرد تانبا، یعنی یہ لوٹا پیتل کا ہے، دیکھنے میں ایسے لگتا ہے جیسے یہ انگارا یا شعلہ ہو یا سونے کا ایک ٹکڑا ہو، "شبه الشام" یعنی اس کا پیتل ملک شام کا ہے، جہاں کا پیتل اچھا اور رنگ میں صفائی کا حامل ہوتا ہے، لیکن اس کی بناوٹ عراق کی ہے، خلقان: (و) خلق، پرانا، استعمال کیا ہوا، أعلاق: (و) علق، نفیس اور قیمتی، کہنا چاہتا ہے یہ پرانا استعمال شدہ نہیں ہے ،یعنی ایسا نہیں ہے کہ اس قیمتی لوٹے کو بادشاہوں نے استعمال کیا ہو، پھر کہتا ہے "تأمل حسنه" یعنی اس لوٹے کی خوبصورتی پر غور تو کیجیے یا یہ کہنا چاہتا ہے کہ یہ قیمتی لوٹا بادشاہوں کے ہاتھ در ہاتھ ہوتے ہوئے یہاں آیا ہے، وہ اس لوٹے کو اس کے قیمتی ہونے کی وجہ سے اپنے پاس اس کو رکھتے ہوئے آئے، اس لیے اس کی حسن وخوبصورتی اور اس کی مضبوطی پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر کہتا ہے: جانتے ہیں میں نے اس قیمتی لوٹے کو کیسے

خریدا ہے؟ "عام المجاعة" یعنی یہ نفیس لوٹا اگر اس کے مالک پر بھوک مری اور قحط کا زمانہ نہ آیا ہوتا وہ اس کو نہ بیچتا، رزق کی تلاش نے اس کے مالک کو اس کے بیچنے پر مجبور کیا، "ادخر" (افتعال) جمع کرنا، اکٹھا کرنا، پھر لوٹے کو لے کر اس کو الٹتا اور پلٹتا ہے اور کہتا ہے: "انبو به منه" یعنی لوٹے کی ایک خصوصیت اس کی ٹوٹی ہے جہاں سے پانی نکلتا ہے، وہ بھی پیتل کی ہے، یعنی یہ کوئی علاحدہ چیز نہیں ہے، اس کی ٹوٹی میں بھی کاریگر کی مہارت اور مضبوطی لوٹے کے مثل موجود ہے، یعنی پہلے خرابی ٹوٹی میں آتی ہے، جب ٹوٹی اتنی مضبوط ہے تو پورے لوٹے کی مضبوطی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے اور کہتا ہے یہ لوٹا اسی طشت میں رکھے جانے کے قابل ہے اور یہ طشت اسی (گھر کا اونچا اور اشرف مقام) کے قابل ہے اور یہ اونچی اور اشرف جگہ اسی گھر کے قابل اور گھر ان جیسے مہمانوں سے ہی اچھا لگتا ہے۔

14.10 متن کی خصوصیات

ا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس مقامہ کا اور اس کے علاوہ ہمذانی تمام مقامات کا مقصود لغوی درس اور سبق ہے، صرف قصہ گوئی تو وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

۲۔ اس مقامہ میں مزاح دیگر مقامات کے مقابلہ بہت کم ہے، شروع سے ہم دیکھتے ہیں کہ ابوالفتح ایک فصیح و بلیغ اور جلیل القدر شخص ہے، جس کو اس کے احترام اور قدر و منزلت کی وجہ سے لوگوں کے گھر پر بلایا جاتا ہے، وہاں وہ اپنا موقف اور مدعا اور واقعہ کی حقیقت کو رکھتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے ساتھی مضیرہ کھانے سے رک جاتے ہیں۔

۳۔ ابوالفتح کی شخصیت مقامہ کے شروع سے ظاہر و باہر ہے، یہ کوئی دوسری ہیئت اختیار نہیں کرتا، جس طرح دیگر مقامات میں وہ بہروپیہ بن جاتا ہے، عیسی بن ہشام اس کی شخصیت کو اجاگر کرتا ہے۔

۴۔ ہمذانی تاجر کی گفتگو مختلف امور کے سلسلے میں، مختلف انداز، پیرایہ اور تعبیر میں بیان کرتا ہے، اس کے ذریعے وہ مختلف تعبیرات سے طلبہ کو واقف کرنا چاہتا ہے، یہ تعبیرات مواقع اور مناسبات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔

۵۔ اس کے ساتھ اس مقامہ میں معاشرہ کی بھی تصویر کشی کی گئی ہے یہ تاجر مالدار تاجروں کے ایک طبقہ کی نمائندگی کرتا ہے، یہ لوگ ایسے محلے میں رہتے ہیں جہاں ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں رہ سکتا، یہ بات بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ معاشرہ دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا، ایک امیروں کے محلے الگ تھے، دوسرا غریبوں کے محلے تھے۔

۶۔ اسی طرح تاجر اس مالدار طبقہ کے حصول اموال کے ذرائع کو بھی بتاتا ہے، یہ استحصال کر کے بڑھائے جاتے ہیں، عام لوگوں کے اموال اور املاک کو ہڑپ کرنے کے حیلے اور تدبیریں کرتے ہیں، یہ عام لوگوں کے ذریعہ معاش کو تک اپنی تدبیروں سے ختم کر کے ان کو قلاش اور کنگال کرنے سے نہیں چوکتے۔

۷۔ اس تاجر طبقہ کو بس اپنی مصلحت اور منفعت مقصود ہوتی ہے، یہ قرض دار کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، نہ اس پر دست شفقت رکھتے ہیں اور نہ ہی اس ضرورت مند شخص کے خلاف حیلے اور تدبیریں کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ غربت اور فقر و محتاجگی کی آخری انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔

۸۔ اس میں تاریخی اقدار کو بھی بیان کیا گیا ہے، یہ تو طائرانہ صورتحال ہے، البتہ ان کا رہن سہن، تعمیری اور تکنیکی اعتبار سے اعلی درجہ کا حامل ہوتا ہے، مقامہ میں گھر کے اندرون، اس کے دروازے، ان اغنیا کے نادر چیزوں کو جمع کرنے کا شوق، اس کی پُرتعیش زندگی، غلام اور خدم وحشم ساری چیزوں کو بیان کرتا ہے۔

۹۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ نہایت حریص اور لالچی ہوتے ہیں، تاجر ہر چیز کی باریکی کو بیان کرتا ہے، کھود تا کر دیتا ہے، اس کی قسم اور اس اس کی قیمت بیان کرتا ہے، کم قیمت میں نفیس اور بہترین چیزوں کو خریدنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی لالچ کی حد یہ ہے کہ اس کے مالدار ہونے کے باوجود اس کی گھر والی اس گھر میں دن بھر کام کرتی رہتی ہے، یہ صرف مال کو جمع کرتا ہے، عقد وبیع اور معاملات کے ذریعہ جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ اسے اپنی خوش بختی تصور کرتا ہے۔

۱۰۔ تاجر استحصال کے طریقوں کی خوب واقفیت رکھتا ہے، اس کی حس شامہ بہت بڑھی ہوئی ہے، یہ غریب محتاج کو تلاش کرتا ہے، اس کو معاملات میں آگے بڑھاتا ہے، اس طرح اس کے مال اور املاک پر قابض ہوجاتا ہے۔

14.11 اسلوبی خصوصیات

☆ اس مقامہ کی اسلوبی خصوصیت یہ ہے کہ ہمذانی نے اس میں الفاظ کی انفرادی اور اجتماعی ترکیب پر زور دیا ہے، اس کے انفرادی حالت میں کچھ معنی ہوتے ہیں، ترکیب کے اعتبار سے وہ جملے ذومعنی دوجہت ہوجاتے ہیں، پہلے جملے کے الفاظ کو اس کے اصلی معنی میں استعمال کرتا ہے، پھر اس کے بکثرت مرادفات کو لے آتا ہے، تاکہ طالب علم کو ان مترادفات کا طریقہ استعمال معلوم ہوجائے جیسے یہ جملہ ہے: "یلعنها و صاحبها، و یمقتها و اکلها، و یثلبها و طابخها" حالانکہ "لعن"، "مقت"، ثلث"، تمام کے تمام سب وشتم (گالی گلوچ) کے معنی میں آتے ہیں، اس کو تین جملوں میں اس کے مترادفات کی جانکاری کے لیے لایا ہے، ان میں سے ہر جملہ دوسرے جملہ کے مقام پر فٹ ہوسکتا ہے، یہاں پر ہمذانی ایک صاحب معجم کا سا عمل کیا ہے، لفظ کے اصلی معنی، اس کے استعمال کے مواقع اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ طالب علم ایک ہی مطلب کو مختلف جملوں میں کیسے ادا کر سکتا ہے۔

☆ ہمذانی غریب کلام کو بکثرت استعمال نہیں کرتا، لیکن بعض بعض مواقع سے غریب کلام کو بھی لاتا ہے، اس کا مقصود اس قسم کے تعبیرات کے ختم ہونے سے بچانا ہے، جیسے یہ کلمہ "المصاع" جدال اور جھگڑے کے معنی میں آتا ہے اور یہ لفظ "انتقذ" خرید وفروخت کے ذریعہ چیز کو حاصل کیا۔

☆ کاتب یہاں ایک ہی لفظ کو مختلف معانی میں استعمال کرتا ہے، اس میں الفاظ کے تاریخی ترقی اور عروج کا بھی پتہ چلتا ہے، زمانہ جاہلیت سے ہمذانی کے زمانہ تک الفاظ کے استعمال کے حوالے سے ساری چیزیں بیان کی جاتی ہیں، تعبیرات، بیان وبدیع کے اسلوب، تک بندی، صنعت کاری، سجع بندی، کہتا ہے "أن یرزق المساعدة من حلیلته و أن یسعد بظعینته" تو یہاں پر اس کو "حلیلة" اور 'ظعینة" کو اس کو براہ راست معنی میں استعمال کرسکتا تھا، جیسے یہ لفظ زمانہ جاہلیت میں مستعمل تھے، اسی طرح کہتا ہے "تؤذن بالسلامة"، "و تشهد لمعاویة بالإمامة" ان الفاظ کے استعمال کے ذریعے سے اس نے عصر عباسی میں مختلف استعارات اور، اصول بیان اور بدیع کا استعمال ہوتا تھا وہاں کاتب لے جانا چاہتا ہے اور جب

یہ کہتا ہے: ”یا غلام الخوان، فقد طال الزمان، والقصاع، فقد طال المصاع“ اس سے ہمذانی کے زمانہ میں سجع کی مصنوعی اور بتکلف صنعت کا پتہ چلتا ہے، سجع ضرور ہونا چاہیے کہ گرچہ جملے میں معنی مطلوب سے زائد الفاظ آجائیں، یہ چیز بلاغت اور فصاحت کے اصول کے خلاف ہے کہ کلام مقتضی حال کے موافق ہونا چاہیے۔

☆ گرچہ ہمدانی نے ان کے مقابل جنھوں نے اس کی پیروی کی ہے جیسے حریری اور یازجی تکلف اور صنعت میں کم غرابت کو اختیار کیا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی تکلف سے اس کا کلام خالی نہیں، بلکہ وہ اس سلسلے میں مجبور ہے، موضوع، فکر، قصہ کا پہلو، قصے کے اطراف، شخصیات کا کردار اور معاشرتی پہلو یہ اہم نہیں ہوتے، مقصود تو صرف تعلیم ہوتی ہے، جس کی وجہ سے مقامہ پر تکلف، صناعت اور غیر ضروری طول کلام ہوتا ہے۔

☆ مصنوعی صنعت خوب نظر آتی ہے، بیان اور بدیع کے اصناف کو اس میں اس نے خوب برتا ہے، استعارہ، مجاز، مرسل، تشبیہ، جناس، طباق، سجع، مقابلہ، نظیر کی رعایت، حالانکہ ان کی معنوی حیثیت کچھ نہیں ہوتی، معانی اور مطالب الفاظ سے کم ہی ہوا کرتے ہیں، جس کو ہمذانی مختلف تعبیروں میں بیان کرتا ہے۔ جملے اور الفاظ میں اصلا ہم آہنگ نہیں ہوتے، اس میں تصنع زیادہ ہوتا ہے، الفاظ اور اس کی ترکیب کے مقصود ہونے کی وجہ سے وہ اسے لاتا ہے، ان الفاظ سے معانی مقصود نہیں ہوتے۔

جیسے: ”فقدمت إلينامضيرة، تثنى على الحضارة، وتترجج فى الغضارة، وتؤذن بالسلامة، وتشهد لمعاوية رحمه الله بالإمامة“ یہاں پر معاویہ کا تعلق پچھلی عبارت سے کیا ہے سوائے اس کے کہ وہ سجع بندی کے لیے ”سلامہ“ کے وزن پر لفظ چاہتا ہے۔

اسی طرح ”يزل عن حائطة الذر، فلايعلق، ويمشى على أرضه الذباب فيزلق“ یہاں یہ کہنا کافی تھا ”يزل عن حائطه الذر، ويزلق على أرضه الذباب“ لیکن مقابلہ لفظ کے لانے کے لیے ”يزل ويعلق، يمشى ويزلق“ کہتا ہے، یہ مسجع ومقفی کلام ہے، اس کی وجہ سے کلام کی زیادتی ہوئی ہے، اس کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں تھی۔

14.12 اکتسابی نتائج

عیسی بن ہشام یہ حکایت بیان کرتا ہے کہ اس کو اور ابوالفتح الاسکندری کو ایک دفعہ کھانے پر مدعو کیا گیا، ان کے سامنے مضیرہ پیش کیا گیا، جس کی وہ تعریف وتوصیف کرتا ہے، اس کے پیالہ کی ہیئت کو بیان کرتا ہے، لیکن ابوالفتح اپنے آپ کو اور ساتھیوں کو اس کے کھانے کی لذت سے محروم کردیتا ہے، وہ کھانے کو انکار کرتا ہے تو دعوت کے شرکا اس سے مضیرہ کی ناپسندیدگی اور کراہت کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔

ابوالفتح اس کا اور مضیرہ کا واقعہ بیان کرتا ہے، ایک بغدادی تاجر نے اسے مضیرہ کی دعوت دی وہ اس کے ساتھ چلا، تاجر راستے میں اپنی بیوی کے بارے میں بتلانے لگا، اس کی تعریف وتوصیف کرنے لگا، اس کے اخلاق اور جمال کو بتانے لگا، پھر اس نے اپنے محلے اور اس کے باسیوں کی گفتگو کی، اس کی یہ بات جب ختم ہوچکی تو پھر وہ اپنے گھر، اس کی قیمت، اس کی کشادگی اور اس کے خرچ، دروازے اس کی صنعت، اس کی لکڑی، دروازہ کے حلقہ، اس کے عمران الطرائفی سے اس کی خریداری، اس کے نوادرات کی حفاظت کا تذکرہ کیا، پھر گھر، اس کی بناوٹ، اس کی خریداری، گھر کے خریدنے میں اس نے جو حلیہ اور تدبیر کیا تھا اس کو بتلایا، چٹائی اس کے بنانے والے، اس کی مہارت، پھر غلام اور اس کے فروخت کرنے والے،

لوٹے ،طشت،مجلس گاہ، پانی، دسترخوان اس کی مضبوطی اوراس کے وزن کے متعلق تذکرہ کیا،جس کی وجہ سے ابوالفتح بھڑک جاتا ہےاور جانے کے لیے تیار ہوجاتا ہےتوتاجراس سے پوچھتا ہے،کہاں جارہےتووہ کہتا ہےقضائے حاجت کے لیے،توتاجراس کو بیت الخلا اوراس کی تعمیر کی ہیئت وغیرہ بتلانے لگتا ہے،جس کی وجہ سے ابوالفتح بھاگ جاتا ہے،تاجرآواز دیتا ہے،ابوالفتح المضیر یہ،بستی کے بچے مضیر یہ اسے لقب سمجھ کراس کو پکارتے ہیں، اس کا پارہ چڑھ جاتا ہے،تووہ ایک پتھرپھینک کران کو مارتا ہے،ایک شخص کووہ پتھرلگتا ہےتومحلے والے جوتوں، ہاتھوں سے اس کی تواضع کرتے ہیں، اس کوبطورسزاکےایک زمانہ قید میں رکھا جاتا ہے،اس وقت سے وہ قسم کھاتا ہے کہ مضیرہ نہیں کھائے گا۔ابن ہشام کہتا ہے کہ ہم نے اس کے عذرکو قبول کیا،ہم نے بھی اس کی طرح مضیرہ نہ کھانے کی نذرمانی۔

14.13 نمونہ کے امتحانی سوالات

ا۔ درج ذیل عبارت پراعراب لگایئے اوراس کا ترجمہ کیجیے۔

فقدمت إلينا مضيرة، تثني على الحضارة، وتترجرج في الغضارة، وتؤذن بالسلامةِ، وتشهد لـمعاوية رحمه الله بالإمامة، في قصعة يزل عنها الطرف، ويموج فيها الظرف، فلما أخذت من الخوان مكانها، ومن القلوب أوطانها، قام أبو الفتح الإسكندري يلعنها وصاحبها، ويمقتها وآكلها، ويثلبها وطابخها، وظنناه يمزح فإذا الأمر بالضد، وإذا المزاح عين الجد، وتنحى عن الخوان، وترك مساعدة الإخوان، ورفعناها فارتفعت معها القلوب، وسافرت خلفها العيون، وتحلبت لها الأفواه، وتلمظت لها الشفاه، واتقدت لها الأكباد، ومضى في إثرها الفؤاد.

۲۔ درج ذیل عبارت کی بحوالہ متن تشریح وتوضیح کیجیے:

فَقَدْ حَانَ وَقْتُ الظَّهِيرَةِ، يَا غُلَامُ الطَّسْتَ وَالمَاءَ فَقُلْتُ: اللهُ أَكْبَرُ، رُبَّمَا قَرُبَ الفَرَجُ، وَسَهُلَ المَخْرَجُ، وَتقَدَّمَ الغُلَامُ، فَقَالَ: تَرى هذَا الغُلَامَ؟ إِنَّهُ رُومِيُّ الأَصْلِ، عِرَاقِيُّ النَّشْءِ. تَقَدَّمْ يَا غُلَامُ وَاحْسِرْ عَنْ رَأْسِك، وَشَمِّرْ عَنْ سَاقِك، وانْضُ عَنْ ذِرَاعِك، وَافْتَرَّ عَنْ أَسْنَانِك، وَأَقْبِلْ وَأَدْبِرْ. فَفَعَلَ الغُلَامُ ذَلِك، وَقَالَ: التَّاجِرُ: بِاللهِ مَنِ اشْتَرَاهُ؟ اشْتَرَاهُ وَاللهِ أَبُو العَبَّاسِ، مِنَ النَّخَّاسِ، ضَعِ الطَّسْتَ، وَهَاتِ الإِبْرِيقَ، فَوَضَعَهُ الغُلَامُ، وَأَخَذَهُ التَّاجِرُ وَقَلَّبَهُ وَأَدَارَ فِيهِ النَّظَرَ.

۳۔ ان الفاظ کے معانی بتایئے:

الـمُنْتَاب	خُلُق	يتغايرون	القلادة	واسطة القلادة	تقدّر	المأروض	الطاقة	التعريج
الطارق	البركار	تنفس الصعداء	طن المعزية	أعلاق	خلس	عقد		

۴۔ مقامہ کسے کہتے ہیں؟ صاحب مقامہ کے احوال وکوائف بیان کیجیے۔

۵۔ مقامہ مضیر یہ کا خلاصہ لکھیے۔

۶۔ مقامہ مضیریہ کے موضوع کو بیان کیجیے۔

۷۔ مقامہ مضیریہ کے متن کی خصوصیات بیان کیجیے۔

14.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

۱۔ مقامات بديع الزمان الهمذانی، بديع الزمان الهمذاني

۲۔ الرائد فی الأدب العربي، إحسان النص، خليل هنداوی، عمر يحی

۳۔ الرائد فی الأدب العربي، إنعام الجندی

۴۔ تاريخ الأدب العربي، أحمد حسن زيات

۵۔ تاريخ الأدب العربي، العصر العباسی الثاني، شوقی ضيف

اکائی 15 : المقامة الزبيدية: از الحريري

اکائی کے اجزا

15.1 مقصد
15.2 تمہید
15.3 متن سبق
15.4 صاحب سبق کا تعارف
15.4.1 اس کے مقامات
15.5 متن کا ترجمہ
15.6 لغوی تحقیق
15.7 ادبی صنف کا تعارف
15.7.1 صنف کی ہیئت وصورت
15.8 متنِ سبق کا موضوع
15.9 متنِ کی توضیح وتشریح
15.9.1 توضیح وتشریح
15.9.2 الفاظ ومعانی کی توضیح
15.9.3 توضیح وتشریح
15.9.4 الفاظ ومعانی کی توضیح
15.10 متن کی خصوصیات
15.11 اسلوبی خصوصیات
15.12 اکتسابی نتائج
15.13 نمونے کے امتحانی سوالات
15.14 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

15.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ سے مقامے کے معانی ومطالب، الفاظ کی بندش اور تعبیرات کے استعمال سے واقف ہوں گے، صحیح اعراب کے ساتھ متن کی قرأت کرسکیں گے، رموز اوقاف اور زنجیروں کے استعمال سے واقف ہوں گے، انہیں مصنف کے احوال وکوائف سے اور رشحات قلم سے نکلی ہوئی تحریروں اور اس کے اسلوب نگارش سے آشنا ہوں گے، طلبہ میں متنی ترجمہ اور محاوراتی ترجمے کی صلاحیت پیدا ہوگی، الفاظ ومعانی کے ذریعہ ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوگا، مزید برآں ادبی صنف کا تعارف، صنف کی ہیئت وصورت، متنِ سبق کا موضوع اور متن کی خصوصیات سے بہرہ ور ہوں گے، علاوہ ازیں حریری کے منفرد اسلوبی خصوصیات ومترادفات کا استعمال، سجع بندی، علم معانی، بیان اور بدیع کے استعمال سے طلبہ میں عواطف اور ایک خوبصورت خیال پیدا ہوگا، اخیر میں خلاصۂ کلام کے ذریعہ مقامہ میں استعمال ہونے والی فنی محاسن اور ادبی صنعتوں سے مکمل طور پر واقف ہوجائیں گے، اسی طرح دیے گئے نمونہ امتحانی سوالات کو بآسانی حل کرسکیں گے اور مطالعہ میں جن معاون کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اس تک رجعت کرتے ہوئے اپنی ادبی لیاقتوں کو پروان چڑھائیں گے۔

15.2 تمہید

ادب کی ایک خاص صنف مقامہ ہے، عام طور پر یہ لفظ پانچ معانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے:

۱) مقامہ بمعنی مجلس اور اسی معنی میں بکثرت مستعمل ہے۔

۲) جماعت

۳) موضع المقام یعنی وہ جگہ جہاں آدمی کھڑا ہوتا ہے۔

۴) لفظ مقامہ وعظ ونصیحت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

۵) مقامہ یہ ایک خاص ادبی صنف، کہانی یا لطیفہ ہے جس کی عبارت مقفی مسجع ہوتی ہے۔

اور یہاں یہی پانچویں قسم مراد ہے۔

فن مقامہ میں سارا زور الفاظ کی خوبصورتی اور تعبیرات کے حسن وسجع بندی پر ہوتا ہے، مطلب معنی اور کہانی کی طرف توجہ دوسرے درجہ میں ہوتی ہے، اس میں لغت اور الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے، اس کا متن یاد کرنا طلبہ کے لیے آسان ہوتا ہے اور طلبہ بڑے شوق سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

15.3 متن سبق

أخبرَ الحارثُ بنُ همّامٍ قال: لمّا جُبتُ البِيدَ. الى زَبيدَ. صحِبَني غُلامٌ قدْ كنتُ ربّيتُهُ إلى أن بلغَ أشُدّهُ. وثقّفْتُهُ حتى أكمَلَ رُشْدَهُ. وكان قد أنِسَ بأخْلاقي. وخبَرَ مجالِبَ وِفاقي. فلمْ يكُنْ يتخطّى مَرامي. ولا يُخطئ في المَرامي. لا جَرَمَ أنّ قُرْبَهُ التاطَتْ بصَفَري. وأخلَصْتُهُ لحَضَري وسَفَري. فألْوى بهِ الدهرُ المُبيدُ. حينَ ضمّتْنا زَبيدُ.

فلمّا شالَتْ نَعامتُهُ. وسكَنتْ نأمَتُهُ. بقيتُ عاماً. لا أُسيغُ طَعاماً. ولا أُريغُ غُلاماً. حتى ألجأتْني شَوائِبُ الوَحْدَةِ. ومتاعِبُ

القَومَةِ والقَعْدَةِ. الى أنْ أعْتاضَ عنِ الدُرِّ الخرَزَ. وأرْتادَ مَنْ هُوَ سِدادٌ منْ عوَزٍ. فقصَدْتُ منْ يَبيعُ العَبيدَ. بسوقِ زَبيدَ. فقلتُ: أريدُ غُلاماً يُعجِبُ إذا قُلِّبَ. ويُحمَدُ إذا جُرِّبَ. وليَكُنْ ممّنْ خرّجَهُ الأكْياسُ. وأخرَجَهُ الى السّوقِ الإفْلاسُ. فاهتزّ كلٌّ منهُمْ لمَطْلَبي ووثَبَ. وبذَلَ تحصيلَهُ عنْ كثَبٍ ثمّ دارَتِ الأهلّةُ دَوْرَها. وتقلّبَتْ كَوْرَها وحَوْرَها. وما نجَزَ منْ وُعودِهِمْ وعْدٌ. ولا سحّ لها رعْدٌ. فلمّا رأيتُ النّخاسينَ. ناسينَ أو مُتَناسينَ. علِمْتُ أنْ ليسَ كلُّ منْ خلَقَ يَفْري. وأن لنْ يحُكّ جِلدي مثلُ ظُفري. فرفَضْتُ مذْهبَ التفويضِ. وبرَزْتُ الى السّوقِ بالصُفرِ والبِيضِ. فإني لأَستَعرِضُ الغِلْمانَ. وأستَعرِفُ الأَثْمانَ. إذ عارَضَني رجلٌ قدِ اختَطَمَ بلِثامٍ. وقبَضَ على زَنْدِ غُلامٍ. وقال:

من يشتَري مني غُلاماً صنَعا　　في خَلْقِهِ وخُلْقِهِ قد برَعا
بكلِّ ما نُطتَ بهِ مُضْطَلِعاً　　يَشْفيكَ إنْ قال وإنْ قُلتَ وَعى
وإنْ تُصِبْكَ عَثرَةٌ يَقُلْ لَعا　　وإنْ تسُمْهُ السّعْيَ في النارِ سَعى
وإن تُصاحِبهُ ولوْ يوماً رَعى　　وإنْ تُقنّعْهُ بظِلْفٍ قَنِعا
وهْوَ على الكَيْسِ الذي قد جمَعا　　ما فاهَ قطُّ كاذِباً لا ادّعى
ولا أجابَ مَطْمَعاً حينَ دعا　　ولا استَجازَ نَثَّ سِرٍّ أُودِعا
وطالَما أبدَعَ في ما صنَعا　　وفاقَ في النّثْرِ وفي النّظْمِ مَعا
واللهِ لوْلا ضنُكُ عيشٍ صدَعا　　وصِبيَةٌ أضْحَوْا عُراةً جُوّعا
ما بِعْتُهُ بمُلْكِ كِسرَى أجْمَعا

قال: فلمّا تأمّلْتُ خَلقَهُ القَويمَ. وحُسنَهُ الصّميمَ. خِلتُهُ منْ وِلْدانِ جَنّةِ النّعيمِ. وقلتُ: ما هذا بشَراً إنْ هذا إلا ملَكٌ كَريمٌ! ثمّ استَنْطَقْتُهُ عنِ اسْمِهِ. لا لرَغْبَةٍ في عِلمِهِ. بلْ لأنظُرَ أينَ فصاحَتُهُ من صَباحَتِهِ. وكيفَ لَهْجَتُهُ من بهجَتِهِ. فلمْ ينطِقْ بحُلوَةٍ ولا مُرّةٍ. ولا فاهَ فَوْهَةَ ابنِ أمَةٍ ولا حُرّةٍ. فضرَبْتُ عنهُ صَفْحاً. وقلْتُ له: قُبحاً لعِيِّكَ وشُقْحاً! فغارَ في الضّحِكِ وأنْجَدَ. ثمّ أنْغَضَ رأسَهُ إليّ وأنشَدَ:

يا مَنْ تلَهّبَ غيظُهُ إذْ لمْ أبُحْ　　باسْمي لهُ ما هَكَذا مَنْ يُنصِفُ
إنْ كان لا يُرضيكَ إلا كشْفُهُ　　فأصِخْ لهُ أنا يُوسُفٌ أنا يوسُفُ
ولقد كشَفْتُ لَكَ الغِطاءَ فإن تكنْ　　فطِناً عرَفتَ وما إخالُكَ تَعرِفُ

قال: فسَرّى عَتْبي بشِعْرِهِ. واستَبى لُبّي بسِحْرِهِ. حتى شُدِهتُ عنِ التّحقيقِ. وأُنسيتُ قِصّةَ يوسُفَ الصّدّيقِ. ولمْ يكُنْ لي همٌّ إلا مُساوَمةُ مَوْلاهُ فيهِ. واستِطْلاعُ طِلعِ الثّمَنِ لأُوفيهِ. وكنتُ أحسَبُ أنهُ سينظُرُ شَزْراً إليّ. ويُغْلي السّيمَةَ عليّ. بلْ قال: إنّ الغُلامَ إذا نَزُرَ ثمَنُهُ. وخفّتْ مؤنُهُ. تبرّكَ بهِ مؤلاهُ. والتَحفَ عليهِ هواهُ. وإني لأُوثِرُ تحبيبَ هذا الغُلامِ إليكَ. بأنْ أخَفِّفَ ثمنَهُ عليكَ. فزِنْ مائتَيْ دِرْهَمٍ إن شِيتَ. واشْكرْ لي ما حَييتَ! فنقَدْتُهُ المبلغَ في الحالِ. كما يُنقَدُ في الرّخيصِ الحَلالُ. ولمْ يخطُرْ لي ببالٍ. أنّ كُلّ مُرخَصٍ غالٍ. فلمّا تحقّقَتِ الصّفْقَةُ. وحقّتِ الفُرقَةُ. همَلَتْ عيْنا الغُلامِ. ولا هُمولَ دمْعِ الغَمامِ. ثمّ أقبلَ على صاحِبِهِ وقال:

لَحَاكَ اللهُ هلْ مِثلي يُباعُ — لكَيما تشبَعَ الكَرِشُ الجِياعُ
وهلْ في شِرْعَةِ الإنْصافِ أني — أكلَّفُ خُطّةً لا تُستَطاعُ
وأنْ أُبْلى برَوْعٍ بعدَ روعٍ — ومثلي حينَ يُبْلى لا يُراعُ
أمَا جرّبْتَني فخَبَرْتَ مني — نصائحَ لمْ يُمازِجْها خِداعُ
وكمْ أرْصَدْتَني شرَكاً لصَيْدٍ — فعُدْتُ وفي حَبائِليَ السّباعُ
ونُطْتَ بيَ المصاعِبَ فاسْتَقادَتْ — مُطاوِعَةً وكانَ بها امتِناعُ
وأيَّ كريهَةٍ لم أُبْلِ فيها — وغُنْمٍ لمْ يكُنْ لي فيهِ باعُ
وما أبدَتْ لي الأيامُ جُرْماً — فيُكشَفَ في مُصارَمَتي القِناعُ
ولم تعثُرْ بحمدِ اللهِ مني — على عيْبٍ يكتَّمُ أو يُذاعُ
فأنّى ساغَ عندَك نبذُ عهدي — كما نَبَذَتْ بُرايَتَها الصَّناعُ
ولِمْ سمَحَتْ قَرونُك بامْتِهاني — وأنْ أُشْرى كما يُشْرى المتاعُ
وهلاّ صُنتَ عِرضي عنهُ صوْني — حَديثَك جَدّ بنا الوداعُ
وقلتَ لمنْ يُساوِمُ فيّ هذا — سَكابِ فما يُعارُ ولا يُباعُ
فما أنا دونَ ذاكَ الطِّرْفِ لكِنْ — طِباعُكَ فوقَها تلْك الطّباعُ
على أني سأُنشِدُ عندَ بيْعي — أضاعوني وأيَّ فتًى أضاعوا

قال: فلما وعى الشيخُ أبياتَهُ. وعقَلَ مُناغاتَهُ. تنفّسَ الصُعَداءَ. وبكى حتى أبْكى البُعَداءَ. ثمّ قال لي: إني أُحِلّ هذا الغُلامَ محَلّ ولَدي. ولا أميّزُهُ عنْ أفْلاذِ كبِدي. ولوْلا خُلوُّ مُراحي. وخُبوُّ مِصْباحي. لما درَجَ عنْ عُشّي. الى أنْ يُشَيّعَ نعْشي. وقد رأيتَ ما نزَلَ به من لوْعَةِ البينِ. والمؤمِنُ هَينٌ ليّنٌ. فهلْ لَكَ في تسليَةِ قلبِهِ. وتسْريَةِ كَربِهِ. بأنْ تُعاهِدَني على الإقالَةِ فيهِ متى استَقلْتُ. وأنْ لا تستَثْقِلَني إذا ثقّلْتُ؟ ففي الآثارِ المُنتَقاةِ. المَرويّةِ عنِ الثِّقاتِ: مَنْ أقالَ نادِماً بيعَتَهُ. أقالَهُ اللهُ عَثرَتَهُ. قال الحارثُ بنُ همّامٍ: فوعَدْتُهُ وعْداً أبرَزَهُ الحَياءُ. وفي القلْبِ أشياءُ. فاسْتَدْنى حينَئِذٍ الغُلامَ إليْهِ. وقبّلَ ما بيْنَ عينَيهِ. وأنشدَ والدّمْعُ يرْفَضُّ من جَفْنَيهِ:

خفِّضْ فدَتْك النّفسُ ما تُلاقي — منْ بُرَحاءِ الوجْدِ والإشْفاقِ
فما تطولُ مُدّةُ الفِراقِ — ولا تَني ركائِبُ التّلاقي
بحُسنِ عوْنِ القادِرِ الخَلاّقِ

ثم قال لهُ: أستودِعُكَ منْ هوَ نعْمَ المؤلى. وشمّرَ ذيلَهُ وولّى. فلبِثَ الغُلامُ في زَفيرٍ وعَويلٍ. ريثَما يقطَعُ مدى مِيلٍ. فلما استَفاقَ. وكفْكَفَ دمعَهُ المُهْراقَ. قال: أتدري لِمَ أعوَلْتُ. وعَلامَ عوّلْتُ؟ فقلتُ: أظنّ فِراقَ مؤلاكَ. هو الذي أبْكاكَ! فقال: إنّكَ لَفي وادٍ وأنا في وادٍ. ولكَمْ بينَ مُريدٍ ومُرادٍ. ثمّ أنشدَ:

لمْ أبْكِ واللهِ على إلْفٍ نزَحْ ولا على فوْتِ نَعيمٍ وفرَحْ
وإنّما مَدمَعُ أجْفاني سفَحْ على غَبيّ لحْظُهُ حينَ طمَحْ
ورّطَهُ حتى نعَتى وافتَضَحْ وضيّعَ المنقوشَةَ البيضَ الوَضَحْ
ويْك أمَا ناجَتْك هاتِيك المُلَحْ بأنّني حُرٌّ وبَيْعي لمْ يُبَحْ
إذ كان في يوسُفَ معنًى قد وضَحْ

قال: فتمثّلْتُ مَقالَهُ في مِرْآةِ المُداعِبِ. ومَعرِضِ المُلاعِبِ.فتصلّب تصلُّب المُحِق. وتبرّأ منْ طينَةِ الرّق. فجُلْنا في مُخاصَمَةٍ. اتّصَلَتْ بمُلاكَمةٍ. وأفْضَتْ الى مُحاكمَةٍ. فلمّا أوضَحْنا للقاضي الصورَةَ. وتلَوْنا علَيْهِ السّورَةَ. قال: ألا إنّ منْ أنذرَ فقدْ أعْذرَ. ومنْ حذّرَ كمَنْ بشّرَ. ومَنْ بصّرَ فما قصّرَ. وإنّ فيما شرَحتُماهُ لَدَليلاً على أنّ هذا الغُلامَ قد نبّهَكَ فما ارْعَوَيْتَ. ونصَحَ لكَ فما وعَيْتَ. فاستُرْ داءَ بلَهِكَ واكْتُمْهُ. ولُمْ نفْسَكَ ولا تلُمْهُ. وحَذارِ منِ اعتِلاقِهِ. والطّمَعِ في استِرْقاقِهِ. فإنهُ حُرُّ الأديمِ. غيرُ معَرّضٍ للتّقْويم. وقدْ كانَ أبوهُ أحْضَرَهُ أمْسِ. قُبَيْلَ أُفولِ الشّمسِ. واعْترَفَ بأنّهُ فرْعُهُ الذي أنْشاهُ. وأنْ لا وارِثَ لهُ سِواهُ. فقلْتُ للقاضي: أوَتَعْرِفُ أباهُ. أخزاهُ اللهُ؟ فقال: وهلْ يُجهَلُ أبو زيْدٍ الذي جُرْحُهُ جُبارٌ. وعِندَ كلّ قاضٍ لهُ أخبارٌ وإخْبارٌ؟ فتحرّقْتُ حينَئِذٍ وحوْلَقْتُ. وأفَقْتُ ولكِنْ حينَ فاتَ الوقتُ! وأيقَنْتُ أنّ لِثامَهُ كان شرَكَ مَكيدَتِهِ. وبيتَ قَصيدَتِهِ. فنَكّسَ طَرْفي ما لَقيتُ. وآلَيْتُ أنْ لا أُعامِلَ مُلَثّماً ما بَقيتُ. ولمْ أزَلْ أتأوّهُ لخُسْرِ صَفْقَتي. وافتِضاحي بينَ رُفْقَتي. فقال ليَ القاضي. حينَ رأى امتِعاضي. وتبيّنَ حَرَّ ارتِماضي: يا هذا ما ذهَبَ منْ مالِكَ ما وعظَكَ. ولا أجْرَمَ إليْكَ مَنْ أيقَظَكَ. فاتّعِظْ بِما نابَكَ. وكاتِمْ أصْحابَكَ ما أصابَكَ. وتذكّرْ أبداً ما دهِمَكَ. لتَقيَ الذّكْرى دراهِمَكَ. وتخلّقْ بخُلُقِ منِ ابتُليَ فصبَرَ. وتجلّتْ لهُ العِبَرُ فاعْتبَرَ.

قال الحارثُ بنُ همّامٍ: فودّعْتُهُ لابِساً ثوْبَ الخجَلِ والحَزَنِ. ساحِباً ذيْلَي الغَبْنِ والغَبَنِ. ونوَيْتُ مُكاشفَةَ أبي زيدٍ بالهَجْرِ. ومُصارَمَتَهُ يدَ الدّهْرِ. فجعَلْتُ أتنكّبُ عن ذَراهُ. وأتجنّبُ أنْ أراهُ. الى أن غشِيَني في طَريقٍ ضيّقٍ. فحيّاني تحيّةَ شَيّقٍ. فما زِدْتُ على أن عبسْتُ. وما نبسْتُ. فقال: ما بالُكَ سمَخْتَ بأنفِكَ. على إلْفِكَ؟ فقُلْتُ: أنَسيتَ أنّكَ احتلْتَ وختَلْتَ. وفعَلْتَ فَعْلَتَكَ التي فعَلْتَ؟ فأضْرَطَ بي مُتَهازِياً. ثمّ أنشَدَ مُتَلافِياً:

يا مَنْ بَدا منهُ صُدو دٌ موحِشٌ وتجهُّمُ
وغَدا يَريشُ مَلاوِماً منْ دونِهِنّ الأسْهُمُ
ويقولُ هلْ حُرٌّ يُبا عُ كما يُباعُ الأدْهَمُ
أقْصِرْ فما أنا فيهِ بِدْ عاً مثلَما تتوَهّمُ
قد باعَتِ الأسْباطُ قبْ لي يوسُفاً وهُمُ هُمُ
هذا وأُقسِمُ بالتي يَسْري إلَيْها المُتْهِمُ
والطّائِفينَ بها وهُمْ شُعْثُ النّواصي سُهّمُ

ما قُمْتُ ذَاكَ المؤقِفَ ال مُخْزي وعِنْدي دِرْهَمُ

فاعْذِرْ أخاكَ وكُفّ عنْ هُ مَلامَ مَنْ لا يَفْهَمُ

ثمّ قال: أمّا معْذِرَتي فقدْ لاحَتْ. وأمّا دراهِمُكَ فقَدْ طاحَتْ. فإنْ كانَ اقْشِعْرارُكَ مني. وازْوِرارُكَ عني. لفَرْطِ شفَقَتِكَ. على غُبّرِ نفقَتِكَ. فلسْتُ ممّنْ يلْسَعُ مرّتَينِ. ويوطئُ على جمرَتَينِ. وإنْ كُنتَ طوَيْتَ كشْحَكَ. وأطَعْتَ شُحّكَ. لتَستَنْقِذَ ما علِقَ بأشْراكي. فلْتَبْكِ على عقلِكَ البَواكي. قال الحارثُ بنُ همّامٍ: فاضْطرّني بلَفْظِهِ الخالِبِ. وسِحْرِهِ الغالِبِ. الى أنْ عُدْتُ لهُ صَفِيّاً. وبهِ حَفِيّاً. ونَبذْتُ فَعْلَتَهُ ظِهْرِيّاً. وإنْ كانت شيئاً فَرِيّاً.

15.4 صاحب متن کا تعارف

حریری کی کنیت ابومحمد ہے اور نام قاسم، والد کا نام علی، دادا کا نام محمد، پردادا کا نام عثمان ہے، خلیفہ مسترشد باللہ کے عہد خلافت میں شہر بصرہ کے قریب قصبہ مشان میں اس کی ولادت سنہ 446ھ میں ہوئی (ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ بصرہ میں پیدا ہوا) اور بصرہ کے محلہ بنی حرام میں سکونت اختیار کی، حریری نہایت ذکی، ہوشیار، نازک خیال، فصاحت وبلاغت میں یکتا اور ماہرین فن میں یگانہ روزگار، انشا پرداز اور ادیب تھا، علم لغت، امثال، نحو، معانی، بیان، بدیع پر یدطولی اور علمیت وقابلیت، وسعت معلومات، زور انشا اور فی البدیہہ شعر گوئی میں اس کا کوئی ہمسر نہ تھا، عربی نثر ونظم دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ ''حریر'' عربی میں ریشم کو کہتے ہیں، چونکہ اس کا ریشم کا کاروبار تھا، اس لیے اسے حریری کہا جاتا ہے۔

معجم میں لکھا ہے کہ حریری ظریف الطبع، انتہائی ذکی، فطین اور ہوشیار، فصیح وبلیغ تھا، لیکن وہ خدوخال اور شکل وصورت کے اعتبار سے زیادہ حسین نہ تھا، اللہ عزوجل نے اسے شکل وصورت میں حسن سے نہیں نوازا تھا، لطیفے، چٹکلے، خوش مذاقی، بذلہ سنجی، عدل وانصاف اور فراخ دلی جیسے باطنی اوصاف سے متصف تھا۔

اس کی تصانیف میں سب سے زیادہ اہم، قابل فخر کتاب ''مقامات'' ہے، جس میں اس نے عربی زبان کے لافانی خزانہ کے قیمتی موتیوں کو بڑی خوبی کے ساتھ پرویا ہے، اس کو دنیائے علم ادب میں بے پناہ شہرت وقبولیت اور تمام ادبی کتابوں پر اپنے اسلوب بیان اور جدت موضوع کے لحاظ سے طرہ امتیاز حاصل ہے۔

اس کے علاوہ اس کی تصانیف میں قابل ذکر: (۱) **درالغواص فی أوهام الخواص**، اس کتاب میں اہل علم کی ان لغوی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، جو عموماً ان سے سرزد ہوتی رہتی ہیں، یہ کتاب مطبوعہ ہے، (۲) **ملح الإعراب**، یہ مبتدی طلبا کے لیے مسائل نحو کے بیان میں ہے (۳) اس کے رسالوں میں دو رسالے بڑے شہرت کے حامل ہیں، ایک رسالہ بنام ''**سينية**'' یعنی اس کے ہر کلمہ میں سین ہے اور دوسرا رسالہ ''**شينية**'' ہے، جس کے ہر کلمہ میں شین ہے، جن کے متعلق شیخ سنوبرونی نے کہا ان دونوں رسالوں کو علم ادب میں وہی مقام حاصل ہے جو انسان کے لیے آنکھ کی پتلی کو ہے یہ دونوں رسالے بھی مطبوعہ ہیں، (۴) **صدور زمان القبور وقبور زمان الصدور**، یہ فن تاریخ میں ہے (۵) **دیوان حریری** (۶) **توشیح البیان** وغیرہ۔

اس کی وفات رجب میں بصرہ کے محلہ بنی حرام میں ہوئی، اس نے کل زندگی کی ۶۵ بہاریں دیکھیں۔

15.4.1 اس کے مقامات

مقامہ ایک خاص ادبی صنف ہے، کہانی یا لطیفہ بھی اسے کہہ سکتے ہیں، جس کی عبارت مقفی اور مسجع ہوتی ہے، مقامہ نہایت مختصر اور دل پسند اور خوش اسلوب ہوتا ہے، مقامہ سے مقصود نہ جمال حکایت ہوتی ہے نہ حسن وعظ ؛ بلکہ وہ ایک فنی، ادبی تحریر کا ایک ایسا فن پارہ ہے، جس میں خوشنما سجع کے طرز پر غریب الفاظ، نادر ترکیب اس طرح جمع کیے جاتے ہیں، وہ اثر آفرینی سے زیادہ طبیعت کو مسرور کرتے ہیں اور فائدہ پہنچانے سے زیادہ لذت بخش ہوتے ہیں، اس لیے مقامات لکھنے والوں نے اپنی ساری توجہ تحسین الفاظ پر مبذول کی ہے، مقامہ کے اس خاص ادبی صنف کو سب سے پہلے پانچویں صدی کے مشہور ادیب علامہ بدیع الزمان ہمذانی نے متعارف کرایا اور اس نے چار سو مقامے لکھے، جن میں مقامات ہم تک پہنچے اور شائع ہوگئے ہیں، پھر حریری نے پچاس مقامہ لکھے اور حقیقت یہ ہے کہ حریری ہی کے پچاس مقاموں نے اس صنف ادب کو دوام بخشا اور اس کا قلم فن مقامہ کی آبرو بنا، اس کے بعد کئی دوسرے لوگوں نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے، جن میں زمخشری، علامہ ابن جوزی، علامہ احمد بن ابی بکر رازی اور ابن الوری جیسے اساطین علم نے بھی مقامے لکھے، لیکن معیار اور مقبولیت کی اس بلندی کو نہیں پہنچ سکے، حریری نے مقامات میں دو آدمیوں کو مستقل رکھا ہے، ایک قصہ کا راوی اور حکایت کرنے والا اور دوسرا قصہ کا ہیرو جس کا مرکزی کردار ہے، قصہ کے راوی کا نام حارث بن ہمام ہے ، دوسرا قصہ کا ہیرو اور مرکزی کردار کا نام ابوزید سروجی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں: یہ ایک فرضی نام ہے، حارث اور ابوزید دونوں میں شناسائی ہوتی ہے، ابوزید ایک انتہائی چالاک، شاطر، فصیح وبلیغ اور حاضر جواب شخص ہے اور حارث کی کبھی ادبی مجلس میں، کبھی عدالت میں، کبھی سفر میں اور کبھی بادشاہوں کے دربار میں ان سے ملاقات ہوتی ہے اور ہر جگہ ابوزید کوئی ادبی کارنامہ دکھاجاتا ہے اور اپنی علمی وادبی فراست کے ذریعہ لوگوں سے اپنے مدعا کے حصول کے بعد رفوچکر ہوجاتا ہے، اس میں کچھ مقامات زہدیہ ہیں، کچھ مقامات ادبیہ اور کچھ ہزلیہ ہیں۔

15.5 متن کا ترجمہ

حارث بن ہمام نے خبر دی اور کہا: جب میں بید یعنی جنگل وبیابان کو طے کرتے ہوئے زبید جانے لگا تو ایک لڑکا میرے ساتھ ہوگیا جس کی پرورش میں نے اس کے طاقت ور اور جوان ہونے تک کی، میں نے اس کی صلاحیت کے پروان چڑھنے تک تعلیم وتربیت کی، وہ میرے اخلاق وعادات سے مانوس ہوچکا تھا، میری رفاقت کی وجوہات واسباب اسے معلوم تھے، وہ میرے مقاصد سے آگے نہیں بڑھتا اور نہ میرے نشانے سے چوکتا، ناچار (لامحالہ) اس کو میں نے اپنے دل سے چسپاں کرلیا (دل میں بٹھالیا)، اس کو میں نے حضر وسفر میں خالص رفیق بنالیا، جب ہم دونوں زبید پہنچ چکے تو مہلک زمانہ نے اُسے (لڑکے کو) ہلاک کردیا۔

جب اس کے تلوے اٹھ گئے، اس کی حرکت بند ہوگئی، تو ایک سال میں ایسے ہی رہا، میں کھانا نہیں کھا سکتا تھا، نہ کوئی لڑکا ڈھونڈ سکتا تھا، تنہائی کی آمیزش اور نشست وبرخاست کی تھکان نے مجھے مجبور کردیا کہ میں موتی کے بدلے ٹھکرے خریدلوں، اس چیز کو تلاش کروں جو کھوئی ہوئی چیز کا عوض بن سکے، میں غلاموں کے تاجر کے پاس زبید کے بازار گیا، میں نے کہا: مجھے ایسا غلام چاہیے جس کی کھوج کی جائے تو اچھا لگے اور آزمایا جائے تو قابل تعریف ہو، وہ ایسا ہونا چاہیے جسے عقل مندوں نے تعلیم دی ہو، غریبی نے اسے بازار لایا ہو، تو ان تاجروں میں سے ہر ایک میرے مقصود سے حرکت میں آیا اور اچھل پڑا اور اس کے جلد حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گیا، پھر مہینے گذر گئے ان کا کم وبیش پلٹ چکا (ایک مدت گذر گئی)، ان

میں سے کسی نے اپنے وعدے کو پورا نہیں کیا اور نہ اس کے لیے بجلی نے برسایا (وعدہ پورا نہیں کیا) میں نے ان بردہ فروشوں کو بھولتے ہوئے یا تجاہل کرتے ہوئے دیکھا، مجھے معلوم ہوا کہ ہر پیدا کرنے والا بھونتا ہے (ہر وعدہ کرنے والا وفا نہیں کرتا) میرے ناخن کی طرح میرے جلد کو کوئی کھجا نہیں سکتا (لوگوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے) تو میں نے دوسروں پر بھروسہ کرنے کے طریقہ کار کو چھوڑ دیا، میں زرد و سفید (دنانیر ودرہم) لے کر بازار پہنچ گیا، میں غلاموں کو پیش کروا کر ان کے دام جاننے لگا، یکا یک میرا سامنا ایک ایسے شخص سے ہوا جو ناک پر پردہ لگایا ہوا تھا اور ایک غلام کی کلائی پکڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

کون مجھ سے ایک فنکار غلام خریدے گا جو اپنی پیدائش اور عادات واخلاق میں باکمال ہے۔

جو چیز بھی اس کے حوالے کی جائے اسے اٹھا لیتا ہے۔

اگر اس سے بات کریں تو شفا اور کہیں تو یاد کر لے۔

اگر تم ٹھوکر کھاؤ تو تم سے کہے تم سلامت رہو اور اگر اس کو آگ میں دوڑاؤ تو دوڑ جائے۔

ایک دن بھی تمہارے ساتھ رہے تو تمہاری رعایت کرے اور ایک کُھر پر قناعت کراؤ تو قناعت کرے۔

وہ اپنی ذاتی دانائی پر باقی وبرقرار رہتا ہے، منہ کبھی جھوٹ بولنے اور دعوی کرنے کے لیے نہیں کھولتا۔

کسی لالچی شخص نے اسے بلایا تو جواب نہیں دیا اور نہ کسی امانت کے راز کو ظاہر کرنے کو جائز سمجھا۔

جو بھی بنایا انوکھا بنایا، اس کو نثر ونظم میں یکساں قدرت حاصل ہے اگر معیشت کی تنگی نہ ہوتی اور اگر بچے بھوکے اور برہنہ نہ ہوتے۔

تو کسری کے پورے ملک کے بدلہ میں اسے نہ بیچتا۔

اس نے کہا: جب مجھے اس کی درست تخلیق اور پائیدار حسن کو دیکھا تو میں نے اسے جنت النعیم (آرام کی جنت) کا لڑکا سمجھا، میں نے کہا: یہ انسان نہیں یہ تو شریف فرشتہ ہے، پھر میں اس سے اس کا نام بلوایا اس کے علم میں دلچسپی کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ میں اس کے ظاہری حسن کے مقابلہ اس کی فصاحت کو دیکھ رہا تھا، اس کی رونق کے مقابلہ اس کے لب ولہجہ کو جان رہا تھا کہ وہ کیسا ہے؟ اس نے نہ میٹھے بول بولے نہ کڑوے، اس کا منہ تو لونڈی کے بیٹے کے منہ کی طرح اور نہ آزاد کے بیٹے کے منہ کی طرح، میں نے اس سے اعراض کر لیا اور اس سے کہا: تمہاری بولنے کی کمزوری کا برا ہو، تو وہ ہنسی میں ڈوب گیا اور زور سے ہنس پڑا، پھر میری طرف اپنا سر ہلایا اور یہ شعر پڑھا۔

اے وہ شخص جس کا غصہ اس لیے بڑھ گیا کہ میں نے اپنا نام اس کے سامنے ظاہر نہیں۔

اگر تمہیں نام کا ظاہر کرنا ہی پسند ہے تو غور سے سن میں یوسف ہوں یوسف!

تمہارے لیے میں نے پردہ اٹھایا اگر تم نے ذہانت سے نہیں سمجھا تو میں نہیں سمجھتا کہ تم شناسا ہو۔

اس نے کہا: اس کے شعر کی وجہ سے میرا غصہ جاتا رہا، اس کی سحر بیانی سے میرا دل ودماغ اس کا اسیر ہو گیا، میں اس کی کھوج سے حیرت زدہ ہو گیا اور یوسف صدیق کا قصہ بھول گیا اور میرا مقصد مالک سے بھاؤ تاؤ کرنا اور قیمت کا پتہ لگا کر ادا کرنا رہ گیا، میں سمجھ رہا تھا کہ مجھے وہ کنکھیوں سے دیکھے گا اور مجھ پر قیمت بڑھائے گا، اس نے مجھ پر اتنی نظر نہیں دوڑائی جتنی میں نے اس پر دوڑائی تھی اور نہ وہ اس چیز پر اپنی توجہ مبذول نہیں کی جس کی جانب میں نے کی ؛ بلکہ کہا: جب غلام کی قیمت کم ہو اور اس کا بوجھ ہلکا ہو تو اس کا آقا اس سے برکت حاصل کرتا ہے اور اس پر اس کی حاجت شامل ہوتی ہے، میں اس غلام کو

تمہارا محبوب بنانا چاہتا ہوں، میں اس کی قیمت تمہارے لیے کم کرتا ہوں اگر تم چاہو تو دو سو درہم وزن کرو اور جب تک زندہ رہو تو میرا شکر ادا کرو، میں نے اسے اتنی قیمت نقد دے دی، جیسے سستی اور حلال شی کے لیے نقد دیا جاتا ہے، میرے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ ہر سستی چیز مہنگی ہوتی ہے، جب معاملہ مکمل ہو چکا، جدائیگی کا وقت ہوا، تو غلام کی دونوں آنکھیں اشکبار ہو گئیں، آنکھ کے آنسو بادل کے آنسو کے مانند نہیں ہوتے، پھر وہ اپنے مالک کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا:

اللہ تمہارا برا کرے مجھ جیسا شخص بیچا جاتا ہے؛ تاکہ اس کے ذریعہ بھوکی آنتوں (اولاد) کو آسودہ کیا جا سکے۔

اور انصاف کا قانون یہ ہے کہ میں ایسے کام کا ذمہ دار بنایا جاوں جو میرے بس میں نہیں۔

میں خوف کے بعد خوف میں مبتلا کیا جاوں، مجھ جیسا جب آزمایا جائے تو ڈرایا نہیں جاتا۔

کیا تم نے مجھے آزمایا نہیں تو تم نے مجھ سے پند و نصائح حاصل نہیں کیے جس میں کسی دھوکہ کی آمیزش نہیں تھی۔

اور بہت دفعہ تم نے مجھے کسی شکار کا جال بنایا اور تم واپس ہوئے تو میرے رسیوں میں درندے تھے۔

اور تو نے مجھے دشواریوں کے سپرد کیا تو وہ میری فرماں بردار ہو گئیں حالانکہ ان کے ساتھ رکنا تھا۔

کسی لڑائی میں مجھے آزمایا نہیں گیا کہ جس میں مجھے غنیمت کا حصہ نہ ملا ہو۔

زمانے نے میرا کوئی گناہ ظاہر نہیں کیا، تو میرے مقابلے میں پردے کھولے جاتے رہے ہیں۔

الحمد للہ تم میرے کسی عیب سے واقف نہیں ہوئے جسے چھپایا یا ظاہر کیا جائے۔

تو تمہارے لیے میرے وعدے کو توڑنا کیسے جائز ہوگا جیسے صنعت کار کے تراشے کو پھینک دیا جاتا ہے۔

اور تمہاری طبیعت نے مجھے کیسے ذلیل کرنے کی اجازت دی اور یہ کہ میں سامان کے مانند بیچا جاوں۔

اور تم نے میری عزت کی حفاظت نہیں کی جسے میں نے جدائی کے دن تیری بات کی حفاظت کی۔

تم نے میرا بھاو کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ سکاب (ایک قسم کا عمدہ گھوڑا) جو بیچا اور عاریت میں نہیں دیا جاتا۔

میں اس عمدہ گھوڑے سے کم نہیں ہوں، لیکن تمہاری طبیعت اس کے مالک کی طبیعت سے بڑھ کر ہے۔

میرے لیے ضروری ہے کہ اپنے بیچے جانے کے وقت یہ شعر پڑھوں، اضاعوني واي فتى اضاعو (انھوں نے مجھے کھو دیا اور کس نوجوان کو کھو دیا)۔

اس نے کہا: جب بوڑھے نے اس کے اشعار سنے اور اس کے ترنم کو سمجھا تو آہ بھری اور رونے لگا، یہاں تک کہ دور کے لوگوں کو رلا دیا، پھر اس نے کہا: میں اس غلام کو اپنے بیٹے کی جگہ رکھوں گا اور اسے اپنے جگر پاروں سے علاحدہ نہ سمجھوں گا اور اگر میرے مکان کا خالی ہونا اور میرے چراغ کا بجھنا نہ ہوتا تو تو میرے کاشانہ سے نہیں نکلتا اور میری لاش کے پیچھے نہ چلتا اور تم نے نازل شدہ جدائی کی تپش دیکھ لیا اور مومن نرم و آسان ہوتا ہے، میں تمہارے لیے اپنے دل کی تسلی اور اپنے غم کے ازالے کے لیے یہی (صورت) نظر آئی کہ تم مجھ سے اس کے بارے میں اقالہ پر معاہدہ کرو، جب میں اقالہ کرنا چاہوں اور مجھ پر بوجھ نہ ڈالو جب میں خود بوجھ ہوں؛ کیوں کہ ثقات کے منتخب آثار میں ہے کہ جو شرمندہ شخص کے سودا اور خرید و فروخت کو واپس کر دے، اللہ عزوجل اس کے لغزشوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

حارث بن ہمام نے کہا: تو میں نے اس سے ایسا وعدہ کیا جس کو حیا نے ظاہر کر دیا اور دل میں بہت سی چیزیں تھیں، اس وقت اس نے غلام کو اپنے قریب کیا، اس کے آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور یہ شعر پڑھے اور اس کے پلکوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

تم پر جانیں فدا ہوں جس غم اور خوف کی شدت سے مل رہے اسے آسان کرلو

اس لیے کہ جدائی کی مدت دراز نہیں ہوگی، ملاقات کی رکابیں کمزور نہیں ہوتیں

خالق اور قادر کی حسن مدد سے

پھر اس نے کہا: میں تمہیں اس کی امانت میں دیتا ہوں جو بہتر سرپرست ہے اور اپنا دامن سمیٹ لیا اور پشت پھیر لیا اور غلام آہ و بکا کرتا رہا اور وہ حد نگاہ طے کرتا رہا، جب اسے افاقہ ہوا، اس کے برستے ہوئے آنسو تھمے، تو اس نے کہا: تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں رویا اور کس چیز پر بھروسہ کیا، میں نے کہا: میں سمجھتا ہوں کہ اپنے آقا کی جدائیگی ہی نے تم کو رولایا ہے، اس نے کہا: تم ایک وادی میں ہو اور میں دوسری وادی میں، ارادہ کرنے والے اور ارادہ کیے ہوئے ہیں، پھر اس نے یہ شعر پڑھے:

واللہ میں کسی دوست کے دور ہونے پر نہیں رویا اور نہ کسی نعمت وراحت کے کھونے پر رویا

لیکن میری پلکوں کا آنسو ایک بیوقوف پر بہا، جب اس نے اسے بلند نظر سے دیکھا

میں نے اسے بھنور میں ڈال دیا، یہاں تک تھک گیا اور رسوا ہو گیا اور اس نے سفید خالص درہم برباد کر دیے۔

تم پر افسوس کہ اس کی خوش کلامی بات نے تمہیں اشارہ نہیں دیا کہ میں آزاد ہوں میرا بیچنا جائز نہیں۔

جب کہ یوسف میں اس کا معنی ظاہر تھا۔

اس نے کہا: میں اس کی بات کو مذاق کے آئینے اور کھلاڑی کے نمائش گاہ میں سمجھا اور میں راست گو کی طرح کھڑا ہو گیا غلامی کے خمیر سے اپنے کو بری کر لیا اور ہم آپس میں لڑ پڑے اور ہمارے درمیان ہاتھا پائی ہو گئی، معاملہ عدالت میں پہنچا، جب ہم نے قاضی کو صورتحال بتائی اور اس کے سامنے قصہ بیان کیا، تو اس نے کہا: سنو، سنو جس نے ڈرایا وہ معذور ہو گیا، ہوشیار کرنے والا خوشخبری دینے والے کی طرح ہوا، جس نے بصیرت سے کام لیا اس نے کوتاہی نہیں کی اور تم دونوں نے جو بیان کیا اس میں یہ دلیل ہے کہ اس غلام نے تمہیں ہوشیار کیا تم باز نہیں آئے، تم کو نصیحت کی تم نے دھیان نہیں دیا، اس لیے اپنی اپنی بیوقوفی کی بیماری کو چھپاؤ اس پر پردہ ڈالو اور خود پر ملامت کرو، اس پر ملامت مت کرو، تم اس سے چمٹے رہنے سے بچو اور اس کے غلام بنانے کی ہوس چھوڑ دو، کیوں کہ مکمل آزاد شخص ہے، قیمت کے لیے اس کو پیش نہیں کیا جا سکتا، اس کے والد کل سورج غروب نے سے پہلے آئے تھے اور اقرار کیا تھا کہ یہ اس کی اولاد ہے، جس کو اس نے پیدا کیا ہے، اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ تو میں نے قاضی سے کہا: کیا آپ اس کے والد کو جانتے ہیں، اللہ اس کو رسوا کرے، اس نے کہا: ہاں، کیا تم ابوزید سے واقف ہو، جس کا زخم معاف ہے اور قاضی کے پاس اس کی خبر اور خبر رسانی ہے، اس وقت میں غصہ ہو گیا اور لاحول پڑھا اور ہوش میں آیا؛ لیکن جب وقت نکل گیا تو مجھے یقین ہو گیا اس کا نقاب اس کے کہر کا جال تھا، اس کے قصیدے کا شعر اور میری نظر کو جس کا میں نے سامنا کیا جھکا دیا، میں نے قسم کھایا کہ جب تک زندہ رہوں گا کسی نقاب پوش سے معاملہ نہیں کروں گا اور میں اپنے سودے کے زیاں اور اپنے ساتھیوں کے درمیان اپنی رسوائی پر ہمیشہ شرمندہ رہوں گا اور قاضی نے مجھ سے کہا: جس وقت اس نے میرے غصہ کو دیکھا اور میری جلن کی تپش ظاہر ہوئی، اے شخص! تمہارا جو مال برباد ہوا اس نے تمہیں نصیحت کی اور تمہیں ہوشیار کیا

اسے ملزم نہیں بناوں گا،تم اپنی مصیبت سے نصیحت حاصل کرواور تمہارے ساتھ جو کچھ پیش آیا اسے اپنے ساتھیوں سے چھپاواو جو حادثہ تمہارے ساتھ پیش آیا اسے یادرکھو، تاکہ نصیحت تمہارے دراہم کو بچا سکے، ایسی عادت اپناوجس کی مدد سے آزمائش میں مبتلا شخص صبر کرے اس کے عبرت خیز مواقع سے عبرت حاصل ہو سکے۔

حارث بن ہمام نے کہا: تو میں نے شرم وغم کا لباس پہن کر اور فرقت میں ابوزید کو ڈھونڈنے اور ہمیشہ کے لیے اس سے جدا رہنے کا ارادہ کیا اوراس کے مکان سے دور رہنے لگا اوراسے دیکھنے سے بھی پرہیز کرنے لگا، پھر وہ مجھے ایک تنگ راہ میں ملا اور مجھ سے پیار بھرا اسلام کیا، تو میں اپنا منہ بسور لیا اوراس سے بات چیت نہیں کی، اس نے کہا: تمہاری طبیعت کیسی ہے تم نے اپنے دوست پر ناک چڑھالیا؟ میں نے کہا: کیا تم بھول گئے کہ تم نے مکر کیا اور دھوکا دیا اور جو کچھ کیا کیا، تواس نے میرا مذاق اڑایا اور یہ شعر مکافات کے طور پڑھا:

اے شخص جس سے وحشتناک امراض اور منہ بسورنا ظاہر ہوا
ملامت کے تیر درست کرنے لگا، جس سے تیریں کوتاہ ہیں
اور کہتے ہو کہ کیا آزاد بیچا جاتا ہے جیسے گھوڑا بیچا جاتا ہے
رکو، جس میں میں ہوں وہ نئی چیز نہیں جیسا کہ تم سوچتے ہو
مجھ سے پہلے اولاد یعقوب نے یوسف کو بیچا جو مجھ سے بڑے تھے
اسے یادرکھو! اور میں اس کے مکان کی قسم کھاتا ہوں جس کے یہاں مجرم لایا جاتا ہے
اس کا طواف کرنے والے کے پیشانیوں کے بال الجھے ہوئے اور ہونٹ سوکھے رہتے ہیں
میں اس رسوا کن کام کے لیے ایسی حاجت میں آمادہ نہیں ہوا جب کہ میرے پاس ایک بھی درہم ہو
تو اپنے بھائی کو معذور سمجھو اور ناشناسا شخص کی طرح ملامت کرنے سے رُک جاؤ

پھر اس نے کہا: میری معذرت تو ظاہر ہے اور تمہارے درہم برباد ہیں اور تمہارا خوف مجھ سے تمہارا اعراض مجھ سے اگر تمہارے باقی سال پر رحم وکرم اور فرط محبت کی وجہ سے ہے تو میں ان لوگوں سے نہیں ہوں جو دوبارہ ڈستا ہو اور دوانگاروں پر پیر رکھتا ہو اور اگر تم نے اپنی پہلوتہی کر لی اوراپنی کنجوسی کے فرماں بردار ہو گئے تاکہ تم جو میری رسیوں میں لگ گیا اسے نکالو تو رونے والیاں تمہاری عقل پر روئیں۔

حارث بن ہمام نے کہا: اس نے اپنے پُرفریب الفاظ اور زبردست سحر بیانی سے مجھے مجبور کر دیا اور میں اس کا دوست اوراس کا مہربان ہو گیا، اس کے کام کو پس پشت ڈال دیا گرچہ کہ وہ بڑی چیز تھا۔

15.6 لغوی تحقیق

جُبتُ	:	طے کرنا پار کرنا
البید جمع البیداء	:	جنگل، بیاباں
زبید	:	یمن کا ایک شہر

اشد		اشد کہتے ہیں جو پندرہ سے چالیس سال کی عمر کے درمیان ہو، یہ شباب اور جوانی کی انتہا اور تجربے اور مہارت کا مبلغ ہوتا ہے
اکمل رشدہ	:	صلاحیتوں کا مکمل ہونا
مرامی(و) مرمی	:	مقاصد، اغراض
ثقفتہ(تفعیل)	:	مہارت پیدا کرنا، تعلیم دینا
خبر (تفعیل)	:	جاننا معلوم کرنا
وفاقی	:	موافقت، مطابقت
یتخطط (تفعل)	:	تجاوز کرنا، آگے بڑھناد
لا جرم	:	لامحالہ
التاطت	:	چمٹنا۔
صفری	:	میرا دل، یہ پیٹ میں ایک کیڑا ہوتا ہے، جب انسان کو بھوک لگتی ہے، اس کے آنتوں کو کاٹنا شروع کردیتا ہے۔
اخلص (افعال)	:	خالص کرنا، ساتھی بنالینا
الوی بہ(افعال)	:	لے جانا، ہلاک کرنا
المبید	:	ہلاکت خیز
شالت نعامتہ	:	اس کی نعش اٹھ گئی۔
اسیغ طعاما (افعال)	:	کھانا اچھا نہ لگنا
اریغ غلاما (افعال)	:	غلام کی تلاش کرنا
السداد	:	درستگی
عوز (ن)	:	ٹیڑھاپن
سح (ض)	:	برسانا
قلب (تفعیل)	:	پلٹنا، تفتیش اور کھوج کرنا
الاکیاس	:	عقل مند، واحد کیس
دارت الاھل دورھا	:	مہینے گذر گئے
کورھا وحورھا	:	کسی چیز کا مکمل ہونا اور کم ہونا
لاسح لھا رعد	:	اس سے مراد وہ ہے جو وعدہ وفائی نہ کرے

سح (ض)	:	برسانا
الفری	:	کاٹنا، یعنی ہر وعدہ کرنے والا اس کو پورا نہیں کرتا
لن یحك مثل ظفری	:	یہ ضرب المثل ہے کہ لوگوں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، میری کھال کو میرے ناخن کے جیسا کوئی کھجا نہیں سکتا
التفویض	:	سپرد کرنا
الصفر و البیض	:	دینار و درہم
استعراض	:	پیش کرنے کو طلب کرنا
لثام	:	نقاب جمع لثم
اختطم	:	ناک کے اوپر ڈالنا
صنعا	:	حاذق ماہر
قطت به	:	اس سے چپک گیا،
لعا (ن)	:	نجات پانا، صحیح سالم ہونا
تسمه (ن)	:	تکلف کرنا
بظلف قنعا	:	کھر پر راضی ہو گیا، یعنی تھوڑے پر راضی ہو گیا۔
الکیس	:	مہارت اور عقل مندی
دعا (ن)	:	پکارنا، آواز دینا
نث (ن)	:	پھیلانا
صدع	:	دل کا پھاڑنا اور توڑنا
الصمیم	:	خالص
صباح	:	خوبصورتی
اللهج	:	لب ولہجہ
ضربت عنه صفحا	:	میں نے اس سے رُخ موڑ لیا
انا یوسف، انا یوسف	:	میں آزاد ہوں، میرا بیچنا درست نہیں
سری عتبی	:	میرا غصہ چلا گیا
استبی (استفعال)	:	میرا دل اس کا اسیر ہو گیا
سحر	:	حسن کلام، جادو بیانی

شدهت (ف)	:	حیرت میں پڑنا
طلع الثمن (تفعیل)	:	قیمت کا اندازہ کرنا
السیم	:	قیمت
ماحلق (تفعیل)	:	گھومنا، طواف
هوا	:	محبت
الصفق	:	بیع، خرید وفروخت
الكرش	:	یہاں مراد آدمی کے اہل وعیال ہیں، اوجھ
الشرع	:	پانی کی جگہ آنا، قانون
یروع (ن)	:	گھبرانا
ارصدنی (افعال)	:	تیار کرنا
حبائل (و) حبل	:	رسیاں
كريه	:	جنگ
ابلی فی الحرب	:	یعنی جنگ میں قوت کا مظاہر کرنا
باع	:	طاقت، سعادت
مصارم	:	مقاطعہ، بائیکاٹ
ساغ (ن)	:	جائز، آسان، لذیذ ہونا
البرای	:	برادہ
الصناع	:	صنعت اور کاریگری میں ماہر عورت
لم سمحت قرونك	:	کسی چیز کے لیے تم نے راضی کیا
سكاب	:	بنی تمیم کے ایک شخص کا گھوڑا
الطرف	:	شریف گھوڑا
مناغات	:	کلام
الافلاذ جمع فلذ	:	ٹکڑا، اس سے مراد اولاد ہے
مراحی	:	گھر
خبو مصباحی (ن)	:	چراغ کا بجھنا
درج عن عشی (ن)	:	گھر سے نکلنا

الی أن یشیع نعشی (ض)	:	مرنے تک جنازہ لے جانے تک
لوع البین	:	فرقت جدائیگی کی آگ
استقلت (استفعال)	:	اقالہ اور بیع کو ختم کرنے کا مطالبہ کرنا
ثقلت	:	میں نے اس سلسلے میں بکثرت کلام کیا
الآثار	:	خبریں
استدناہ (استفعال)	:	اپنے سے قریب کرنا
یرفض	:	چھڑکنا، بھکیرنا
الملاکم	:	الکم سے ہے جس کے معنی مٹھی بنا کر مارنے کے ہیں
افضت (افعال)	:	پہنچنا
محاکم	:	حاکم کے پاس جانا
الصور	:	حقیقت، صورت حال
تلونا (ن)	:	قرآن کی تلاوت کرنا
السورۃ	:	یہاں قصہ مراد ہے
من انذر فقد اعذر	:	یعنی جو شخص تم پر آنے والی مصیبت سے آگاہ کرے تو وہ معذور ہے
بصر (تفعیل)	:	حقیقت حاصل کو واضح کرنا
فما ارعویت (افعال)	:	رکنا
وعیت (ض)	:	جانا، نصیحت پر توجہ دینا
التقویم	:	قیمت دار بنانا
جرحہ جبار	:	حدیث میں ہے جرح العجما جبار یعنی جانوروں کا زخم معاف ہے
تحرقت	:	غصہ سے دانت پیس لینا
حولقت	:	لاحول ولاقو الا باللہ پڑھنا
بیت القصید	:	یہ نادر اور قیمتی چیز کے لیے مثال دی جاتی ہے
نکس طرفی	:	میری آنکھیں جھکا دی
خسر صفقتی	:	میرا معاملہ خسارہ میں آ گیا
الامتعاض	:	بے چینی، تکلیف، جلن
حزّ ارتماضی	:	درد کی جلن

كاتم اصحابك	:	اپنے ساتھیوں سے چھپاو
دهمك (ف)	:	اچانک آجانا
الغبن	:	زائد قیمت پر بیچنا، یہاں مراد، عقلی کمزوری
مكاشفة ابى زيد	:	اس کی دشمنی کا اظہار کرنا
أتنكب عن ذراه انتكاب (افتعال)	:	رخ پھیرنا، منہ موڑ لینا
ختلت (ف)	:	دھوکہ دینا
اضرط بى (افعال)	:	مذاق کرنا
الضرط	:	تلافی کرنا، مافات پر تدارک کرنا
طويت كشحك	:	اعراض کرنا
لتستنقذ (استفعال)	:	بچنا، بچاؤ کرنا
الخالب	:	دھوکہ دینے والا
الغالب	:	قوی، طاقتور
العطوف	:	حد سے زیادہ مہربان
شيئا فريا	:	بڑی بات

15.7 ادبی صنف کا تعارف

مقامہ بمعنی مجلس، جماعت، موضع المقام (وہ جگہ جہاں آدمی کھڑا ہوتا ہے)، وعظ ونصیحت اور ادبی صنف میں لکھی گئی کہانی یا لطیفہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کی عبارت مقفی ومسجع ہوتی ہے، یہاں آخر الذکر ہی مراد ہے، اس صنف کو بدیع الزمان ہمدانی نے متعارف کروایا، اس نے 400 مقامات رقم کیے، حالات کے ستم ظریفیوں کی وجہ صرف 53 مقامات ہم تک پہنچے، بعد از حریری نے 50 مقامات لکھے، ان 50 مقاموں ہی کی وجہ سے اس صنف کو دوام حاصل ہوا اور حریری ہی کا قلم فن مقامہ کی آبرو بنا رہا، اس کے بعد کئی اساطین علم نے اس صنف میں طبع آزمائی کی جن میں قابل ذکر زمخشری، ابن الجوزی، سیوطی، احمد بن بکر، رازی اور ابن الوردی ہیں؛ لیکن انہیں وہ مقام ومرتبہ حاصل نہیں ہوا جس پر حریر فائز ہوا۔

15.7.1 صنف کی ہیئت وصورت

فن مقامہ میں سارا زور الفاظ اور تعبیرات کے حسن وسجع بندی پر ہوتا ہے، مطلب، معنی اور کہانی کی طرف توجہ ثانوی درجہ میں ہوتی ہے، ہر ایک خالص لفاظی کا ایک ادبی اور لغوی نمونہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مقامات کی زبان کا طرز اور سجع بندی کا پُر تکلف کلام عام گفتگو اور روزمرہ کے محاورے میں استعمال نہیں کی جاسکتیں؛ اس لیے یہ زبان دانی کے لیے مفید نہیں ہے، اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس فن کے ذریعہ طلبہ کے لیے آسان ہوجاتا ہے کہ وہ بہ آسانی لغت اور الفاظ کے بڑے ذخیرہ کو یاد کرسکتے ہیں۔ لغت اور ذخیرۂ الفاظ کے حوالہ سے اس صنف ادب کی بڑی اہمیت ہے۔

15.8 متنِ سبق کا موضوع

مقامہ کا موضوع یہی ہے کہ لفظوں اور مختلف تعبیرات کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار ہے اور زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے، یہ ایک ایسا فن پارہ ہے جس کو حریری نے بحسن خوبی ادا کیا ہے، اس مقامہ کے متن کو پڑھنے سے نادر اسلوب اور مترادف الفاظ کا استعمال معلوم ہوتا ہے اور شعر سے رغبت پیدا ہوتی ہے، زبان وبیان کے زیر وبم سے واقف ہوتا ہے، لغوی نکات، نحوی دقائق، لطائف وطرائف کو برموقع لانے کا علم ہوتا ہے، سجع میں تکلف اور غیر مانوس الفاظ کا استعمال کی بھر مار ہے، جس سے تحریر کوزود بخش بنانے میں مدد ملتی ہے، متن کو حارث بن ہمام کے ذریعہ روایت کروایا گیا ہے اور متن کی خوبصورتی ابوزید سروجی کے مکالمات اور کردار سے ہے، ابوزید سروجی نہایت چالاک، ہوشیار، مکار اور فصیح الکلام ہے، یہی اپنی فصاحت وبلاغت اور قوت گویائی سے ہر شخص کو اپنا گرویدہ کر لیتا ہے، یہی متن کا موضوع اور مقصود ہے۔

15.9 متن کی توضیح وتشریح

ا) فلمّا شالتْ نَعامتُهُ. وسكَنتْ نأمَتُهُ. بقيتُ عاماً. لا أُسيغُ طَعاماً. ولا أُريغُ غُلاماً. حتى ألجأتْني شَوائِبُ الوَحْدَةِ. ومتاعِبُ القَومَةِ والقَعْدَةِ. الى أنْ أعْتاضَ عنِ الدُرّ الخرَزَ. وأرْتادَ مَنْ هُوَ سِدادٌ منْ عوَزٍ. فقصَدْتُ منْ يَبيعُ العَبيدَ. بسوقِ زَبيدَ. فقلتُ: أريدُ غُلاماً يُعجِبُ إذا قُلّبَ. ويُحمَدُ إذا جُرّبَ. وليَكُنْ ممّنْ خرّجَهُ الأكْياسُ. وأخرَجَهُ الى السّوقِ الإفْلاسُ. فاهتزّ كلٌ منهُمْ لمَطْلَبي ووثَبَ. وبذَلَ تحصيلَهُ عنْ كثَبٍ ثمّ دارَتِ الأهلّةُ دوْرَها. وتقلّبتْ كَوْرَها وحَوْرَها. وما نجزَ منْ وُعودِهِمْ وعْدٌ. ولا سحّ لها رعْدٌ.

15.9.1 توضیح وتشریح

مذکوہ بالا عبارت اپنے اندر ذخیرۂ الفاظ اور اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے نت نئی تعبیرات اور مختلف اسالیب لیے ہوئے ہے، مقامہ کا راوی حارث بن ہمام کو اپنے ہمراہ خادم خاص سے اس قدر الفت ومحبت اور انسیت ہے کہ راوی کو اس کی جدائیگی برداشت نہیں ہوتی؛ اس لیے کہ خادم اپنے آقا کی طبیعت اور اس کی چاہت سے واقف ہے وہ اپنے آقا کی ہر ضرورت کو اس کی خواہش کے مطابق پورا کرتا ہے، دوران سفر خادم خاص اس دارفانی سے کوچ کر جاتا ہے، جس کا اثر اس متن کے ذریعہ قاری کو معلوم ہوتا ہے کہ آقا اپنے خادم سے کس قدر محبت کرتا تھا؟، ملاحظہ فرمائے:

جب اس کے تلوے اٹھ گئے (یعنی وہ ہلاک ہوگیا، مرگیا) اس کی حرکت بند ہوگئی (یعنی اس کی دماغ رگ کے مفلوج ہونے کی وجہ اس کی حرکت نفس بند ہوگئی) تو ایک سال میں ایسے ہی رہا جب میرا غلام مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوگیا تو، میری کھانے سے رغبت ختم ہوگئی، یعنی غلام کے انتقال کی وجہ سے کھانا بھی مجھ سے کھایا نہیں جا رہا تھا، غم وحزن اور ملال کی وجہ سے نئے غلام کی تلاش بھی مجھ پر گراں تھی، نہ کوئی لڑکا ڈھونڈ سکتا تھا، تنہائی کی آمیزشات اور نشست وبرخاست کی تھکان نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں موتی کے بدلے ٹھکرے خریدلوں، (اس کی جدائی نے مجھ میں گھٹن پیدا کر دی تو میں نے اس بات کا تہیہ کر لیا کہ اُس جیسا غلام نہ سہی اُس سے کمتر غلام ہی تلاش کر لوں)، اس چیز کی تلاش کو جو کھوئی ہوئی چیز کا عوض بن سکے، میں غلاموں کے تاجر کے پاس زبید کے بازار گیا، میں نے کہا: مجھے ایسا غلام چاہیے جس کی کھوج کی جائے تو اچھا لگے اور آزمایا جائے تو قابل تعریف ہو، ایسا ہونا چاہیے جسے عقل مندوں نے تعلیم دی ہو، غریبی نے اسے بازار لایا ہو، (یعنی وہ ان صفات کا حامل غلام چاہتا ہے) تو ان تاجروں میں سے ہر ایک میرے مقصود سے جھوم اٹھا اور اچھل پڑا اور اس کو جلد حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گیا، پھر کئی ایک مہینے گذر گئے، ان کا کم بیش پلٹا،

ان میں سے کسی نے اپنے وعدے کو پورا نہیں کیا اور نہ اس کے لیے کڑک کر برسایا (وعدہ پورا نہیں کیا)، (تاجروں کو ان صفات کا حامل غلام بتایا تو انھوں نے ان صفات کا حامل غلام لانے کا وعدہ کیا لیکن کئی مہینوں کے گذرنے کے بعد بھی وہ وعدہ وفائی نہ کرسکے)۔

۲) قال: فسَرّیٰ عَتْبي بشِعْرِهِ. واسْتَبی لُبّي بسِحْرِهِ. حتی شُدِهْتُ عنِ التّحقیقِ. وأُنسیتُ قِصّةَ یوسُفَ الصّدّیقِ. ولمْ یکُنْ لي همٌّ إلا مُساوَمةُ مؤلاهُ فیهِ. واستِطْلاعُ طِلعِ الثّمَنِ لأوفیهِ. وکنتُ أحسَبُ أنهُ سینظُرُ شَزْراً إليّ. ویُغْلي السّیمَةَ عليّ. بلْ قال: إنّ الغُلامَ إذا نَزُرَ ثمَنُهُ. وخفّتْ مؤنَتُهُ.تبرّكَ بهِ مؤلاهُ. والتَحفَ علیهِ هواهُ. وإني لأوثِرُ تحْبیبَ هذا الغُلامِ إلیْكَ. بأنْ أخَفِّفَ ثمنَهُ علیْكَ. فزِنْ مائتَيْ دِرْهَمٍ إن شِیتَ. واشْكرْ لي ما حَییتَ! فنقَدْتُهُ المبلغَ في الحالِ. کما یُنقَدُ في الرّخیصِ الحَلالُ. ولمْ یخطُرْ لي ببالٍ. أنّ کُلّ مُرخَصٍ غالٍ.

15.9.3 توضیح وتشریح

حارث بن ہمام غلام خریدنے کے لیے زبید بازار تو وہاں اس کو ایک نقاب پوش شخص کے پاس ایک غلام نظر آیا، اس کی قوت گویائی، فصاحت وبلاغت اور شعر گوئی سے متأثر ہوکر اس کے خریدنے پر آمادہ ہوگیا تو راوی نے کہا: اس کے شعر کی وجہ سے میرا غصہ جاتا رہا (یعنی اس کے ادبی لب ولہجہ اور علم سے متاثر ہوکر میرا غصہ جاتا رہا)، اس کی سحر بیانی سے میرا دل ودماغ اس کا اسیر ہوگیا، میں اس کی کھوج سے حیرت زدہ ہوگیا اور یوسف صدیق کا قصہ بھول گیا (یعنی وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں اس کی لفاظی اور سحر بیانی کی وجہ سے اس قدر متاثر ہوا اس نے یوسف علیہ السلام کا ذکر کر کے اپنی آزادی کا جو اشارہ دیا اس کو سمجھ نہ پایا) اور میرا مقصد مالک سے بھاؤ تاؤ کرنا اور قیمت کا پتہ لگانا تھا تا کہ اسے ادا کرسکوں، میں سمجھ رہا تھا کہ مجھے وہ کنکھیوں سے دیکھے گا اور مجھ پر قیمت بڑھائے گا، (یعنی اس قدر خوش بیان، صاحب علم غلام کو دیکھ کر میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اس کی قیمت بڑھائے گا، لیکن ایسا نہ ہوا، میں تو اس کو کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا، لیکن اس نے مجھے اس ترچھی نظر سے نہ دیکھا) اس نے مجھ پر اتنی نظر نہیں دوڑائی جتنی میں نے اس پر دوڑائی تھی اور نہ وہ اس چیز سے لٹکا جس میں لٹکا، بلکہ کہا: جب غلام کی قیمت کم ہو اور اس کا بوجھ ہلکا ہو تو اس اس کا آقا برکت حاصل کرتا ہے اور اس پر اس کی حاجت شامل ہوتی ہے، میں اس غلام کو تمہارا محبوب بنانا چاہتا ہوں، میں اس کی قیمت تمہارے لیے کم کرتا ہوں اگر تم چاہو تو دوسو درہم وزن کرو اور جب تک زندہ رہو تو میرا شکر ادا کرو، میں نے اسے اتنی قیمت نقد دے دی، جیسے سستی اور حلال شی کے لیے نقد دیا جاتا ہے، (بہر حال اس نے میٹھی اور چکنی چپڑی باتوں کے ذریعے میرا دل موہ لے کر غلام کی قیمت لے کر چلتا بنا) میرے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ ہر سستی چیز مہنگی ہوتی ہے، جب معاملہ مکمل ہو چکا، جدائیگی کا وقت ہوا، تو غلام کی دونوں آنکھیں اشکبار ہوگئیں، مگر بادل کے آنسو کے مانند نہیں، پھر وہ اپنے مالک کی جانب متوجہ ہوا۔ (یعنی جب غلام بیچنے والا قیمت لے کر چلا تو غلام رو پڑا، وہ اپنے مالک کی جانب متوجہ ہوکر اشعار کی شکل میں اپنے آزاد ہونے کا اظہار کیا)۔

15.10 متن کی خصوصیات

۱۔ مقامہ دراصل اس میں قصہ گوئی، لطیفہ یا حکایت مقصود نہیں ہوا کرتی، اس سے مقصود طلبہ کو لغوی سبق دینا ہوتا ہے، جس میں الفاظ اور تعبیرات کا ایک بڑا ذخیرہ قاری کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

۲۔ حریری غلام اور اس کے آقا کی گفتگو کو مختلف پیرائے اور تعبیرات اور اشعار کی شکل میں پیش کرتا ہے، جس کے ذریعے وہ قاری کو تعبیرات اور الفاظ کا ذخیرہ دینا اور شعری اور نثری صلاحیت ان میں اجاگر کرنا چاہتا ہے۔

۳۔ اس زمانے کے معاشرے کی بھی ایک جھلک اس میں پیش کی گئی ہے، وہ علم دوست زمانا تھا، جب غلام بھی خریدا جاتا تو اس کے فصاحت وبلاغت اوراس کے صاحب علم ہونے کو ترجیح دیتے تھے، وہ صاحب علم کا معاون اور ممد بنے اور وہ ان کو عزت واحترام سے رکھتے اور اس کو پدرانہ شفقت سے نوازتے۔

۴۔ غلام کی تجارت ہوتی تھی،مختلف جگہ سے غلام لائے جاتے، منڈیوں میں مختلف خوبیوں کے حامل غلاموں کو پیش کیا جاتا، ان کے اوصاف بیان کیے جاتے،علم وادب اور آقا کی فرماں برداری، اس کی چھوٹے بڑے ہر حکم کی بجا آوری، اس کی سہولیات کا سامان بہم پہچائے ان صفات کے حامل غلاموں کو خریدا جاتا تھا۔

۵۔ لیکن لوگوں نے آزادلوگوں کو منڈی میں لاکران کو غلام کی حیثیت پیش کر کے لوگوں کو ان کے علمی رعب ودبدبہ اوران کی قوت گویائی اورادبی صلاحیتوں کا اسیر بنا کران کو بیچ دیتے،خریدنے کے بعد میں پتہ چلتا ہے یہ تو غلام نہیں یہ تو آزاد شخص ہےاورآزادکی خریدوفروخت جائزنہیں۔

۶۔ یہ دور جوکہ عصرعباسی کا آخری دور ہے،اس زمانے کے معاشرے کی منظرکشی بھی ہوتی ہے،لوگ سامان کی خریدوفروخت میں دھوکہ دہی سے بھی کام لیتے تھے،جس کے وہ اپنے شیریں اورمیٹھی باتوں اوراپنے غربت اوراپنی افلاس کا سہارا لےکرلوگوں کواپنے جال میں پھنسا کران کواپنا اسیر بنا کران کواپنے دھوکہ کا نشانہ بناتے۔

۷۔ اس دور کی علمی ترقی کے معیار کا بھی پتہ چلتا ہے،غلام بھی نہایت اعلی اوراونچے درجے کا ادیب ہوا کرتے تھے،خصوصاعجم ملکوں سے جنگوں اورفساد کے موقع سے یہ گرفتار کیے جانے والے غلام ادیبانہ شاعرانہ خوبیوں کے حامل ہوتے تھے،اس وقت کے آزادلوگوں کی علمی خوبیوں کا انداز کیسے لگایا جاتا ہے۔

۸۔ اس واقعہ کا یہ پہلو بھی حریری اجاگر کرتا ہے کہ تاجروں کا یہ معمول تھا کہ وہ کسی چیز کی خریداری کا وعدہ کر کے اس کا لحاظ نہیں کرتے تھے، مہینے گذرنے کے بعد جو مطالبہ اور جن صفات کی حامل چیزوں کی خریدنے کی بات ہوئی ہے وہ اس کو پورا نہیں کرتے، سالوں گذرجاتے لیکن وعدہ وفائی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

15.11 اسلوبی خصوصیات

☆ اس مقامہ کی اسلوبی خصوصیت یہ ہے کہ حریری نے اس میں الفاظ کی انفرادی اوراجتماعی ترکیب پرزوردیا ہے، اس کے انفرادی حالت میں کچھ معنی ہوتے ہیں، ترکیب کے اعتبار سے وہ جملے ذومعنی ذوجہت ہوجاتے ہیں، پہلے جملے کے الفاظ کو اس کے اصلی معنی میں کیا جاتا ہے پھراس کے بکثرت مترادفات کولے آتا ہے؛ تاکہ قاری کو ان مترادفات کا طریقہ استعمال معلوم ہوجائے جیسے یہ جملہ ہے: قد كنت ربيته لى ان بلغ اشده، وثقفته حتى اكمل رشده یهاں بلغ اشده، واكمل رشده یہ دونوں جملے یہاں بطور مترادف کے استعمال ہوئے ہیں، اسی طرح ربيته اور ثقفه یہ بھی تقریبا مترادف دونوں میں ہر لفظ ایک دوسری جگہ استعمال ہوسکتا ہے، اسی طرح آگے چل کر دار الاهل دورها، وتقلبت كورها وحورها اوراسی طرح ومانجز من وعودهم وعد، ولا سحّ لها رعد یہ تعبیرات (اس کے لیے بجلی نے نہیں برسایا) دونوں وعدہ پورا کرنے، کے معنی میں آتے ہیں، ایک لفظ میں اورایک تعبیر کی شکل میں ایک ہی معنی کی تکمیل کررہے ہیں۔

☆ ایسے ہی حریری بدیع کی طرح غریب اورغیر مانوس الفاظ استعمال کرتا ہے، جیسے:"بالصفر و البیض "زرداور سفید سے مراد سونے اور چاندی مراد ہیں، اسی طرح تشبع الکرش الجیاع کرش یہ اصل پیٹ کے اوجھ کے معنی میں آتا ہے یہاں اولاد مراد ہیں۔اسی طرح وان تقنعه بظلف قنعا اس سے مراد کم پر قناعت کرنا ہے،لیکن ظلف کے اصل معنی کھر کے آتے ہیں۔

☆ اسی طرح حریری قریب المعنی اور بعید المعنی الفاظ استعمال کرتا ہے اوران کے مترادف ہونے کو بتاتا ہے۔ شوائب الوحدة اسی وحدت اور تنہائی کوایک تعبیر میں ایسے استعمال کرتا ہے و متاعب القوم و القعداس کے معنی بھی وہی وحدت یعنی نشست وبرخواست کوختم کرنے کے آتے ہیں۔

☆ اسی طرح حریری مختلف مواقع سے الفاظ کوایک معنی میں استعمال کرتے ہوئے قرآنی تعبیرات کی طرف بھی چلا جاتا ہے،جس سے طالب علم قرآن کی ادبی خصوصی تعبیرات اور مواقع سے بھی واقف ہوجاتا ہے مثلا: فلما تاملت خلقه القویم، وحسنه الصمیم، خلته من ولدان جن النعیم، وقلت: ماهذا بشرن هذا لا ملک کریم اسی طرح ایک دوسری جگہ بھی قرآنی واقعہ کی جانب اپنی شعرلفظ سے اشارہ کیا ہے، فاصغ له انا یوسف انا یوسف یہاں غلام کوا پنا نام حقیقت میں یوسف بتانا نہیں ہے؛ بلکہ یوسف علیہ السلام جس طرح آزاد تھااور قافلہ والوں نے ان کو دھوکہ سے بیچ دیا تھا میں بھی اسی طرح بیچا جارہا ہوں ،تعبیرات کے استعمال، بیان وبدیع کے اسلوب کے اپنانے ،تک بندی وصنعت کاری بھی حریری کے پاس خوب پائی جاتی ہے۔

☆ اتدری لم اعولت، وعلام عولت؟ فقلت: اظن فراق مولاك، هو الذی ابكاك، فقال: انك لفی واد وانا فی واد، ولكم بين مريد ومراد یہاں انا فی واد وانت فی واد میں جہاں سجع بندی،قوافی کا استعمال ہے، یہ بھی درحقیقت اپنے اصلی معنی میں استعمال نہیں ؛ بلکہ اس سے مراد مقاصد کا اختلاف ہے اوراس کے بعد کی تعبیر ولكم بين مريد ومراد میں بھی سجع کے ساتھ ساتھ ایک لفظ سے قاصد اور مقصود کے معنی کو بھی بتانا مقصود ہے۔

☆ اسی طرح قریب الوزن الفاظ کے استعمال کے ذریعہ اس زمانہ میں مقبول عربی صنف ادب مقامہ کی اہمیت کی جانب اشارہ بھی مقصود ہے، جیسے یہاں دولفظ ہم وزن ہونے کی وجہ سے ان میں صوتی ہم آہنگی تو ہوتی ہے؛لیکن اس میں معنی مختلف ہوتے ہیں وعند کل قاص اخبار وخبار، فتحرقت حینئذ وحوقلت، وافقت ولکن حین فات الوقت اس میں اخبار وخبار،اسی طرح تحرقت، حوقلت وافقت، فات الوقت میں صنعت کاری سجع بندی، بیان وبدیع کا استعمال موجود ہے۔اس سے حریری کے زمانہ میں سجع کی مصنوعی اور بتکلف صنعت کا پتہ چلتا ہے،سجع ضرور ہونا چاہیے کہ گرچہ جملے میں معنی مطلوب سے زائد الفاظ آجائیں، یہ چیز بلاغت اورفصاحت کے اصول کے خلاف ہے کہ کلام مقتضی حال کے موافق نہیں ہوتا ہے۔

☆ استعارہ،مجاز مرسل،تشبیہ، جناس،طباق وسجع،مقابلہ نظیر کی رعایت وغیرہ اسلوب بلاغت کی خوب رعایت کی جاتی ہے،اصل معانی ومطالب اورقصہ گوئی مقصود نہیں ہوتی۔جیسے یہ عبارت ہے یا هذا ما ذهب من مالک ما وعظک، و لا جرم لیکن من ایقظک، فاتعظ بما نابک، و کاتم اصحابک مع اصابک ان میں آخری الفاظ میں مختلف ہم وزن کو استعمال کرتے ہوئے اس کواس کے ہم معنی میں استعمال کرتے ہیں اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ مسجع ومقفی کلام،اسی وجہ سے ایک مختصر قصہ کو بہت زیادہ طول دے گیا۔

15.12 اکتسابی نتائج

یہ سبق نثر اور نظم دونوں پر مشتمل ہے، اس واقعہ کا راوی حارث بن ہمام ہے، حارث بن ہمام کہتا ہے کہ اس کا ایک غلام تھا، جو نہایت تعلیم یافتہ عقل مند، اس کی ضروریات وحاجات سمجھنے والا تھا، حارث اس سے بہت مانوس تھا، اس کا انتقال ہوگیا، وہ بہت زیادہ مغموم ہوا، اس نے تنہائی کی بور کو ختم کرنے کے لیے اس نے ایک غلام خریدنے کا ارادہ کیا جس کے لیے زبید بازار گیا، وہ چاہتا تھا کہ اچھا، قابل تعریف عقل مند، تعلیم یافتہ غلام ملے جس کو غریبی نے بازار میں لایا، چنانچہ اس نے غلام فروشوں سے ان صفات کے غلام کی چاہت کا اظہار کیا، انھوں نے وقت گذرنے پر بھی اس کی وعدہ وفائی نہیں کی تو اس نے بذات خود بنفس نفیس بازار جانے کی ٹھانی، وہاں اس پر مختلف غلام پیش کیے گئے وہاں اس نے ایک نقاب پوش شخص کو دیکھا وہ اپنے غلام کی کلائی پکڑا ہوا ہے، اس کی مختلف خوبیاں بیان کررہا تھا، یہ غلام نہایت محنت گذار، آقا سے محبت کرنے والا، جلد کاموں کو نمٹانے والا، وہ کسی کی باتوں پر دھیان نہیں دیتا، وہ اپنے آقا کی مکمل تابعداری کرتا ہے، وہ غلام فروش یہ بھی کہتا کہ میرے اہل وعیال بھوکے اور برہنہ ہیں جس کی وجہ سے میں یہ غلام فروخت کررہا ہوں؛ چنانچہ حارث اس غلام سے بات کرکے اس کی فصاحت وبلاغت اس کی علمی لیاقت کی جانکاری حاصل کرنا چاہتا ہے، جب غلام خاموشی اختیار کرتا ہے، تو یہ اس کی خاموشی پر طنز کرتا ہے اور اشعار کی شکل میں اپنے آزاد ہونے کا اظہار اپنے نام کے ذریعے کرتا ہے اگر تمہیں میرے نام کا پتہ کرنا ہے تو میرا نام یوسف ہے، اس کی شعر گوئی اور اس کی بلاغت وفصاحت سے متاثر ہو کر یہ غلام خریدنے کے لیے بھاؤ تاؤ کرتا ہے، لیکن معاملہ کے بعد جب غلام کی جدائیگی کا وقت ہوا اس کی آنکھوں میں اشک امڈ آئے، پھر اس نے چند اشعار میں اپنے خصوصیات اور خوبیوں اور اپنے انمول ہونے کا اظہار کرتا ہے کہ مجھ جیسا شخص جس نے ہر تلخی تجربہ کو سہا اور ہر موقع پر تمہارا ساتھ دیا، ہر موقع کامیاب وکامراں نکلا اس نے نہایت عمدہ گھوڑے ''سکاب'' کے ساتھ تشبیہ دے کر کہا مجھ جیسا شخص نہ خریدا جاسکتا ہے اور نہ عاریت میں دیا جاسکتا ہے، پھر اس غلام فروش نے رونے، دھونے کا ناٹک کیا کہ اس جیسا غلام میں نہیں بیچتا اگر میری غربت نے مجھے مجبور نہ کیا ہوتا، بہر حال وہ شخص غلام کو حوالے کرکے چل دیا، اس نے اپنے بیچنے والے کو حد نگاہ تک دیکھتا رہا، پھر غلام نے اس کے سامنے اپنی آزادی کی بات کہی کہ میں آزاد ہوں، میرا بیچنا جائز نہیں، اسطرح وہ دونوں آپس میں لڑ پڑے اور سارا معاملہ قاضی کے سامنے سنایا تو قاضی نے کہا کہ تم کو اس نے اشارۃ اپنے آزاد ہونے کو بتلایا تھا، سمجھدار کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے، اس طرح سے تم دوبارہ دھوکہ نہ کھانا، یہ آزاد ہے اس کا باپ ابوزید سروجی ہے، جب حارث کو یہ پتہ چلا کہ اس کا باپ ابوزید سروجی ہے تو اس نے اپنے مال کے ضائع ہونے پر کف افسوس ملا، پھر ابوزید سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ اپنے منہ بسورنا کیا فائدہ ، ناک بھاؤ مت چڑھاؤ، میں تم سے معذرت کرتا ہوں، میری معذرت قابل قبول ہے اور تمہارے درہم تو برباد ہوگئے، حارث نے کہا: تمہاری سحر بیانی نے مجھے دھوکہ دیا۔

15.13 نمونے کے امتحانی سوالات

ا۔ مذکورہ ذیل عبارت پر اعراب لگایے اور اس کا ترجمہ کیجیے؟

فلما وعي الشيخ أبياته، وعقل مناغاته، تنفس الصعداء، وبكى حتى أبكي البعداء، ثم قال لي: إني أحل هذا الغلام محل ولدي، ولا أميزه عن أفلاذ كبدي، ولو لا خلو مراحي، وخبو مصباحي، لما درج عن عشي، إلى

أن يشيع نعشي، وقد رأيت ما نزل به من لوعة البين، والمؤمن هين لين، فهل لك في تسلية قلبه، وتسرية كربه، بأن عاهدني على الإقالة فيه متى استقلت، وأن لا تستثقلني إذا ثقلت؟ ففي الأثار المنتقاة المروية عن الثقات: من أقال نادمًا بيعته، وأقاله الله عثرته، قال الحارث بن همام: فوعدته وعدا أبرزه الحياء، وفي القلب أشياء، فاستدني حينئذ الغلام إليه، وقبل ما بين عينيه، وأنشدو المدمع يرفض من جفنيه.

۲۔ درج ذیل عبارت کی بحوالہ متن تشریح وتوضیح کیجیے:

فلمّا شالتْ نَعامتُهُ. وسكَنتْ نأمَتُهُ. بقيتُ عاماً. لا أُسيغُ طَعاماً. ولا أُريغُ غُلاماً. حتى ألجأتْني شَوائِبُ الوَحْدَةِ. ومتاعِبُ القَومَةِ والقَعْدَةِ. الى أنْ أعْتاضَ عنِ الدُرِّ الخرَزَ. وأرْتادَ مَنْ هُوَ سِدادٌ منْ عوَزٍ. فقصَدْتُ منْ يَبيعُ العَبيدَ. بسوقِ زَبيدَ. فقلتُ: أريدُ غُلاماً يُعجِبُ إذا قُلّبَ. ويُحمَدُ إذا جُرّبَ. وليَكُنْ ممّنْ خرّجَهُ الأكْياسُ. وأخرَجَهُ الى السّوقِ الإفْلاسُ. فاهتزّ كلٌّ منهُمْ لمَطْلَبي ووثَبَ. وبذَلَ تحصيلَهُ عنْ كثَبٍ ثمّ دارَتِ الأهلّةُ دَوْرَها. وتقلّبَتْ كَوْرَها وحَوْرَها. ومانجَزَ منْ وُعودِهِمْ وعْدٌ. ولاسحّ لهارَعْدٌ.

۳۔ ان الفاظ کے معانی بتایئے:

سكاب　　مراحى　　الصور　　الامتعاض　　العطوف　　لاجرم　　عوز

۴۔ مقامة الزبيدية کا خلاصہ لکھیے۔

۵۔ حریری کے احوال وکوائف اور اس کی علمی نگارشات کو بیان کیجیے۔

۶۔ مقامہ الزبیدیۃ کے موضوع کو بیان کیجیے۔

۷۔ مقامہ الزبیدیۃ کے متن کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے اس کے اسلوبی امتیاز تحریر کیجیے۔

15.14　مطالعے کے لیے معاون کتابیں

۱۔ مقامات حريري، للحريري

۲۔ شرح مقامات الحريري

۳۔ تاريخ الأدب العربي، أحمد حسن زيات

۴۔ تاريخ الأدب العربي، العصر العباسي الثاني، شوقي ضيف

اکائی 16: اقتباس

أ) ضرب الامثال (کہاوتیں)

ب) خلافة الأمين

اکائی کے اجزا

16.1 مقصد

16.2 تمہید

16.3 "الأمثال"

16.3.1 متن سبق

16.3.2 صاحب سبق کا تعارف

16.3.2.1 مبرد : شخصیت اور کارنامے

16.3.2.2 الکامل: ایک تعارف

16.3.3 متن کا ترجمہ

16.3.4 لغوی تحقیق

16.3.5 ادبی صنف کا تعارف

16.3.5.1 ضرب الامثال یا کہاوتیں

16.3.5.2 محاورہ اور کہاوت میں فرق

16.3.6 متن کا موضوع

16.3.7 متن کی توضیح وتشریح

16.3.8 متن کی خصوصیات

16.4 خلافة الأمين

16.4.1 متن سبق

16.4.2 صاحب سبق کا تعارف

16.4.2.1 امام ابن جریر طبری: حیات اور کارنامے

16.4.2.2 تاریخ طبری: ایک تعارف

16.4.2.3 تاریخ طبری کی خصوصیات

16.4.2.4 تاریخ طبری کے موضوعات اور اسلوب

16.4.2.5 تاریخ طبری کا ترجمہ

16.4.2.6 تاریخ طبری کا اردو ترجمہ

16.4.2.7 تاریخ طبری کی طباعت واشاعت

16.4.3 متن سبق کا ترجمہ

16.4.4 لغوی تحقیق

16.4.5 ادبی صنف کا تعارف

16.4.6 متن سبق کی توضیح وتشریح

16.4.7 متن کی خصوصیات

16.4.8 سبق کا موضوع

16.5 اکتسابی نتائج

16.6 نمونے کے امتحانی سوالات

16.7 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

16.1 مقصد

☆ طلبہ عربی ادب کے دیگر اصناف کی طرح عربی کہاوتوں سے واقف ہوں گے۔ ان کے معانی ومفہوم کو سمجھیں گے۔ ان کے تاریخی اور تہذیبی اہمیت سے روشناس ہوں گے اور اپنے ذخیرۂ علم میں اس اہم صنف کا اضافہ کریں گے۔

☆ طلبہ کو اس سے ادبا وخطبا کی تحریروں اور تقریروں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ان سے ناواقفیت کی صورت میں طلبہ ایسی گفتگو اور تحریر سمجھنے سے قاصر رہیں گے جن میں کہاوتوں کا استعمال کیا گیا ہو، ساتھ ہی ساتھ وہ لذتِ زبان وبیان سے محروم رہ جائیں گے۔

☆ طلبہ اس صنف سے روشناس ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے محلِ استعمال سے بھی واقف ہوں گے اور بوقت ضرورت انہیں اپنی تقریروں اور تحریروں میں استعمال کر سکیں گے۔

☆ تاریخی معلومات کے ساتھ ساتھ انہیں اس زمانے کے طرز تحریر سے بھی واقفیت ہوگی۔

☆ اس سے طلبہ کے اندر قدیم عربی نصوص کو پڑھنے اور سمجھنے کا ملکہ پیدا ہوگا۔ پھر وہ اس طرح کے دیگر نصوص کو بھی بآسانی حل کر سکیں گے۔

16.2 تمہید

کسی بھی زبان میں کہاوتیں ادبی شہ پارے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہیں انگریزی میں Proverbs اور عربی میں ضرب الامثال کہا جاتا ہے۔ یہ نثری ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ یہ اپنے دامن میں سامان تفریح، ادبی نقطے، واقعہ/تاریخ کی یاد، شخصی ذکر، قومی تہذیبی وتمدنی کہانیاں وغیرہ سے پر ہوتی ہیں۔ مختصر ہونے کی وجہ سے زبان زد عام وخاص ہوجاتی ہیں۔ اس موضوع پر عربی زبان میں متعدد کتابیں موجود ہیں جن میں عربی کہاوتوں کو جمع کر کے ان کی توضیح وتشریح کی گئی ہیں۔ یہ ادبی کتابوں کے ساتھ ساتھ دیگر کتب، خاص کر کتب تاریخ میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کے نمونے تاریخ طبری میں بھی موجود ہیں۔ اس اکائی میں اس کے دو نثری نمونے کو پیش کیا جا رہا ہے اول مبرد کی کتاب "الکامل" سے "الأمثال" اور ثانی طبری کی کتاب تاریخ الأمم والملوک سے "خلافۃ الأمین"۔

16.3 "الأمثال" (من كتاب الكامل للمبرد)

16.3.1 متن سبق

قال أبو العباس من أمثال العرب: "لم يذهب من مالك ما وعظك" يقول: إذا ذهب من مالك شيءٌ فحذَّرك أن يحلّ بك مثله فتاديبه إياك عوض من ذهابه. ومن أمثالهم: "رب عجلة تهب ريثا" وتأويله أن الرجل يعمل العمل فلا يحكمه للاستعجال به، فيحتاج إلى أن يعود فينقضه، ثم يستأنف. والريث: الإبطاء، وراث عليه أمره: إذا تأخر. ومن أمثال العرب: "عشّ ولا تغتر" وأصل ذلك أن يمر صاحب الإبل بالأرض المكلئة فيقول: أدع أن أعشي إبلي منها حتى أرد على أخرى، ولا يدري ما الذي يرد عليه. وقريب منه قولهم: "أن ترد الماء بماء أكيس" وتاويله أن يمر الرجل بالماء فلا يحمل منه اتكالا على ماء آخر يصير إليه، فيقال له: أن تحمل معك ماء أحزم لك، فإن أصبت ماءً آخر لم يضرك، فإن لم تحمل فخففت من الماء عطبت. ومن أمثالهم: "قد أحزم لو أعزم" يقول: أعرف وجه الحزم فإن عزمت فامضيت الرأي فأنا حازم، وإن تركت الصواب وأنا أراه وضيعت العزم لم ينفعني

حزمي. ومثله قول النابغة الجعدي:

أبى لي البلاء وأني امرؤ　　　إذا ما تبينت لم أرتب

وقال أعرابي يمدح سوّار بن عبدالله:

وأوقف عند الأمر مالم يضح له　　　وأمضي إذا ما شك من كان ماضيا

فالذي يحمد إمضاء ما تبين رشده، فأما الإقدام على الغرر، وركوب الأمر على الخطر، فليس بمحمود عند ذوي الألباب.

16.3.2 صاحب سبق کا تعارف

16.3.2.1 مبرد : شخصیت اور کارنامے

مبرد کا پورا نام ابوالعباس محمد بن یزید بن عبدالاکبر ہے۔ اپنی خوبصورتی یا باریک بینی اور برجستگی کی وجہ سے مبرّد کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کا شمار علم بلاغت، نحو اور نقد کے بلند پایہ علما میں ہوتا ہے۔ 10 ذی الحجہ 210ھ بمطابق 825ء کو بصرہ میں آنکھیں کھولی۔ اپنے زمانہ کے عظیم المرتبت علما لغت و نحو سے علم حاصل کیا۔ اس کے بعض اساتذہ کے نام یہ ہیں:

ابوعمر صالح بن اسحاق الجرمی (ایک بہت بڑے فقیہ اور نحو و لغت کے عالم تھے۔) ابوعثمان بن محمد بن عثمان المازنی (ان کے بارے میں خود مبرد کا قول ہے کہ وہ سیبویہ کے بعد علم نحو کے سب سے بڑے عالم تھے۔) اسی طرح اس نے جاحظ سے بھی کسبِ فیض کیا، سنا اور روایت کی یہاں تک کہ جاحظ کا شمار اس کے شیوخ میں ہونے لگا۔ اس کے علاوہ ابوحاتم السجستانی سے بھی استفادہ کیا جو اپنے دور کے شعر، نحو اور لغت کے بہت بڑے عالم تھے۔ اسی طرح ابومحمد عبداللہ بن محمد (التوزی) سے بھی مستفید ہوا جو شعر کے بہت بڑے عالم تھے۔ مبرد کی شخصیت کی تعمیر میں صرف مذکورہ شیوخ ہی کا کردار نہیں ہے جن سے اس نے براہ راست علم حاصل کیا بلکہ علمی مصادر کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ کتابوں کا بڑا شوقین تھا چناں چہ اس نے اپنے اسلاف کی ہر اس کتاب کو پڑھا جو اسے دستیاب ہوئیں۔

مازنی کے بعد مبرد کو متفقہ طور پر نحویوں کا اور اپنے استاذ کے بعد ادب و لغت کا امام مان لیا گیا۔ چناں چہ اس کے پاس شاگردوں کا تانتا بندھ گیا اور اس کا گھر علم و معرفت کے متلاشیوں کا کعبہ و قبلہ ہو گیا۔ بہت سے سردارانِ قوم اور قومی سربراہوں نے اسے اپنے بچوں کو ادب سکھانے پر مامور کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ تقریباً نو عباسی خلفا کا ہم عصر رہا ہے لیکن ان میں سے صرف متوکل سے ہی ملاقات ہو سکی۔

مبرد سے استفادہ کرنے والے شاگردوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے جن کا شمار اپنے وقت کے بڑے ادبا اور نامور علما میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے مختلف علوم و فنون میں طبع آزمائی کی اور بہت سی عمدہ اور مشہور کتابوں کی تصنیف کی۔ ان میں سب سے مشہور زجاج ہیں جنھوں نے ان سے بہت زیادہ روایت کی اور انھیں بغداد میں مبرد کا شاگرد اول ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ان کے شاگردوں میں صولی، نفطویہ نحوی، ابن سراج، اخفش الاصغر، ابوطیب الوشاء، ابن المعتز العباسی، ابوالحسین بن جزار اور ابوجعفر النحاس شامل ہیں۔

مبرد کے علمی و ادبی منزلت کے باوجود اس کی چند ہی تصانیف ہم تک پہنچ سکی ہیں۔

ا۔ الکامل: اس کا شمار ادب کی اُمہات الکتب میں ہوتا ہے۔ متعدد بار زیورطبع سے آراستہ ہوئی۔ سید بن علی المرصفی نے اس کی شرح 'رغبة

الأمل في شرح الكامل' کے نام سے آٹھ جلدوں میں لکھی ہے۔

۲۔ الفاضل: یہ ایک مختصر کتاب ہے جس کا اسلوب اختیاری ہے۔ طرائف اور حسن اختیار پر انحصار کیا گیا ہے۔

۳۔ المقتضب: تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ نحو وصرف کے تمام موضوعات کو واضح اسلوب میں بھرپور دلائل وشواہد کی روشنی میں لکھا ہے۔

۴۔ شرح لامية العرب، ۵۔ ما اتفق لفظه واختلف معناه من القرآن المجيد، ۶۔ المذكر و المؤنث، ۷۔ نسب عدنان و قحطان۔

اس کے علاوہ چند مخطوطات کو بھی اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مثلاً: ۱۔ التعازی و المراثی، ۲۔ الروضه۔

ان کے علاوہ قدیم عربی مصادر ومراجع میں اس کی چند دوسری کتابوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ لیکن وہ دستیاب نہیں ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ الاختیار: اس کا تذکرہ مبرد نے الکامل میں کیا ہے۔

۲۔ الاشتقاق: ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ الشافی: شرح الکافیہ میں مذکور ہے۔

۴۔ الفتن و المحن: صولی نے أخبار أبي تمام میں ذکر کیا ہے۔

۵۔ الاعتناب: بغدادی نے خزانة الأدب میں ذکر کیا ہے۔

۶۔ شرح ما اَغفَلَه سيبويه: ابن ولاد نے الانتصار میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وفات: مبرد کی وفات ۲۸ ذی الحجہ ۲۸۶ھ بمطابق ۵ جنوری ۹۰۰ء کو بغداد میں ہوئی۔

16.3.2.2 الکامل: ایک تعارف

کتاب کا مکمل نام الكامل في اللغة والأدب ہے۔ یہ مبرد کی سب سے عمدہ اور مشہور کتاب ہے اس کا شمار ادب کی اساسی کتابوں میں ہوتا ہے۔ علمی وادبی حلقوں میں اسے قبول عام حاصل ہے چناں چہ کچھ لوگوں نے اس کی شرحیں لکھیں اور کچھ نے حواشی لکھنے پر اکتفا کیا اور اس کی غلطیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اس کتاب کو مبرد نے اپنے آخری دنوں میں لکھا ہے اور یہ اس کی ایک اہم ترین کتاب مانی جاتی ہے۔

ابن خلدون اس کتاب کے متعلق اپنی کتاب۔ "المقدمه" میں لکھتا ہے "ہم نے تعلیم کی مجلسوں میں اپنے شیوخ سے سنا ہے کہ اس فن (ادب) کی اساس وارکان پر چار کتابیں ہیں اور وہ ابن قتیبہ کی أدب الکاتب، مبرد کی الكامل، جاحظ کی البیان و التبيين اور ابوعلی القالی البغدادی کی کتاب النوادر ہے اور ان کے علاوہ کی حیثیت فروعی ہے۔

قاضی الفاضل کا کہنا ہے کہ میں نے اس کتاب کو ستر مرتبہ پڑھا اور ہر بار کچھ نئے فائدے ملے۔

اسی طرح ابوالفرج المعافی بن زکریا نے اپنی کتاب "الجليس الصالح الكافي والأنيس الناصح الشافي" میں کتاب کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابوالعباس محمد یزید نحوی نے اپنی کتاب الکامل کے اندر بہت سارے قصص وواقعات ذکر کیے ہیں جن کی کوئی سند نہیں ہے۔ اس کتاب کے اندر لغت کے مشتقات، ان کی تشریحات، اس کے رموز واسرار اور نحو واعراب کے پیچیدہ اور غیر پیچیدہ مسائل کو بیان کیا ہے جن کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنا ایک مشکل امر ہے اور اس جیسی دیگر چیزیں بھی بیان کی ہیں جو ان کی وسعت علم، قوت فہم اور لطافت فکر کی غماز ہیں۔

کتاب کا آغاز ایک مختصر مقدمہ سے ہوتا ہے جس میں صاحب کتاب نے کتاب کے مقصد اور منہج سے بحث کی ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ یہ کتاب جو ہم نے تالیف کی ہے وہ اُدب کی تمام اقسام چاہے شعر ہو یا نثر کہاوتیں ہوں یا نصیحتیں، رسائل ہوں یا خطبے، تمام کو شامل ہے اور اس کا مقصد اس کے اندر آئے ہوئے تمام غریب کلام یا غیر واضح مفہوم کی تشریح ہے نیز اسمیں اعراب کی ایسی مناسب وضاحت کی گئی ہے کہ یہ کتاب خود اس سلسلے میں کافی ہوجائے اور دوسروں کی طرف مراجعت کرنے سے بے نیاز کردے۔

پھر کتاب کو ابواب کی صورت میں تقسیم کیا ہے جن کی تعداد 59 کو پہنچتی ہے پہلا باب "**من كلام العرب: الاختصار المفهم و الاطناب المفحم**" ہے جب کہ آخری باب "**منتخب طريف الشعر و ذكر آيات من القرآن، رُبّما غلط فى مجازها النحويون**" ہے۔

اس کتاب کی مختلف شرحیں لکھی گئیں جن میں ایک شرح محمد بن یوسف المازنی السرقسطی (المتوفی 538ھ) کی ہے۔ جس کا ذکر حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب "**كشف الظنون**" میں کیا ہے۔ دوسری شرح شیخ سید علی المرصفی نے آٹھ جلدوں میں لکھی ہے اور اس کا نام **رغبة الامل من كتاب الكامل** رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی شرحیں ہیں جن کا تذکرہ کتاب کے محقق الدکتور محمد الدالی نے کیا ہے۔

اسی طرح کتاب کی قدیم وجدید مختلف طبعات بھی منظر عام پر آچکی ہیں جن میں سے بیشتر غیر تحقیق شدہ ہیں۔ ان میں سے سب سے بہترین اور خوشنما طباعت مؤسسۃ الرسالہ بیروت کی ہے جس کی تحقیق دکتور محمد احمد الدالی نے کی ہے جو تین جلدوں میں ہے اور صفحات کی مجموعی تعداد 1504 ہے جب کہ چوتھا حصہ علمی وفنی فہارس کے لیے خاص ہے ان فہارس کی کل تعداد 31 ہے اس کے علاوہ امام ابن السید البطلیوسی اور ابوالولید الوقشی کی کتاب "**القرط على الكامل**" سے نقل کردہ علمی فوائد کا مجموعہ بھی اس میں شامل ہے۔

خوارج سے متعلق معلومات پر یہ کتاب اہم مصدر کا درجہ رکھتی ہے جیسا کہ اس میں انھوں نے بہت سارے واقعات ذکر کیے ہیں اور اس میں ان کے اشعار، ان کے خطبے، جماعتیں اور قائدین کو ایک مستقل باب میں ذکر کیا ہے۔ کتاب میں بلاغت کے اہم اشارات بھی شامل ہیں چناں چہ انھوں نے کنایہ، مجاز، استعارہ اور ان کے انواع والتفات، تجرید اور تشبیہ ایجاز واطناب پر ایک طویل بحث کی ہے یہاں تک کہ اس کے لیے ایک باب خاص کردیا ہے۔

اس کتاب میں عربوں کی بہت ساری کہاوتیں اور ان کی تشریحات بھی شامل ہیں ساتھ ہی ساتھ ان کہاوتوں کی اصل اور ان مواقع کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن میں وہ بولی جاتی ہیں۔ جن کی تعداد تقریبا 75 کو پہنچتی ہے۔

کتاب کی خاصیت یہ بھی ہے کہ اس میں لغت کے بہت سے مسائل اور متن کی تشریح بہت باریکی اور گہرائی سے کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں متن کی شرح اور لغوی مسائل کے بیان کے بعد بہت سارے نحوی مسائل کا بھی ذکر کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ کتاب عربی کی مفید ترین کتابوں میں سے ایک ہے جو کہ نفس کو مثقف اور روح کو مہذب بناتی ہے، عقل کو جلا بخشتی ہے، فکری آفاق کو وسیع کرتی ہے اور انسان کے اندر علم ومعرفت سے محبت کی قوت میں اضافہ کرتی ہے۔

16.3.3 متن کا ترجمہ

ابوالعباس المبرّد نے عربوں کی ایک کہاوت بیان کی ہے کہ "**لم يذهب من مالك ما وعظك**" تمہارا ہر ضائع ہونے والا مال تمہیں نصیحت کرجاتا ہے"۔ وہ کہتا ہے کہ جب کبھی تمہارے مال میں سے کچھ ضائع ہوتا ہے تو وہ تمہیں متنبہ کرتا ہے کہ پھر تمہارے ساتھ ایسا معاملہ پیش نہ

آ ئے تو یہی یاددہانی تمہارے لیے اس ضیاع کا متبادل بن جاتی ہے۔عربوں کی کہاوت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ''رب عجلة تھب ریثاً'' کبھی جلد بازی تاخیر کا باعث بن جاتی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ آدمی کوئی کام کرتا ہے اور جلد بازی میں اسے اچھے طریقے سے نہیں کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ کرتا ہے تو اسے اور خراب کر دیتا ہے۔نتیجتاً اس کو نئے سرے سے کرنا پڑتا ہے اور رَیث کے معنی سستی اور تاخیر کے ہیں اور راثَ علیه أمرُہ کا مطلب کسی کام میں تاخیر ہو جانے کے ہیں۔اسی سے ملتی جلتی ایک کہاوت اردو میں ''جلدی کا کام شیطان کا'' ہے۔عربی کہاوتوں میں سے ایک یہ بھی ہے 'عش ولا تغتر'' چرالو دھوکہ میں نہ رہو۔اس کی اصل یہ ہے کہ شتربان سرسبز زمین سے گزرے تو یہ سوچ کر آگے بڑھ جائے کہ چھوڑو اسے! اونٹ کو آگے کہیں دوسری جگہ چرالوں گا جب کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ آگے کیا ہے اور اسی سے قریب قریب ایک اور کہاوت ہے ''أن ترد الماء بماء أكيس'' کہ سمجھداری یہ ہے کہ تم چشمہ پر اترو، تو بھی تمہارے ساتھ پانی ہو' اس کی تاویل یہ ہے کہ آدمی چشمہ پر اترے اور وہاں سے اس امید پر پانی نہ لے کہ آگے اسے مل جائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تم اگر اپنے ساتھ پانی لیتے ہو تو وہ تمہارے لیے عقلمندی کی بات ہوگی کیوں کہ اگر تم نے دوسرے چشمہ کو پالیا تو تمہارا کوئی نقصان نہیں اور اگر تم نے پانی نہیں لیا تو پانی کے بوجھ سے تو بچ گئے لیکن خود کو ہلاک کر دو گے۔

عربوں کی ایک اور کہاوت ہے: ''قد احزم لو أعزم'' میں اگر کسی چیز کا عزم کرتا ہوں تو حکمت سے کام لیتا ہوں۔کہنا یہ چاہتا ہے کہ میں ہوشیاری و دانائی کے پہلو کو سمجھتا ہوں۔پس اگر کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیتا ہوں تو اسے عملی جامہ پہنا دیتا ہوں، تو میں اس صورت میں عقل مند ہوا اور اگر میں نے صحیح کو صحیح سمجھتے ہوئے بھی چھوڑ دیا اور حوصلے سے کام نہیں لیا تو میری عقل مندی میرے کسی کام کی نہیں۔

اسی سے ملتا جلتا نابغہ الجعدی کا بھی قول ہے:

أبى لي البلاء وأني امرؤ إذا ما تبينت لم أرتب

آزمائشیں میرے قریب نہیں آتی ہیں کیوں کہ میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ جب انہیں بھانپ لیتا ہوں تو کھسک لیتا ہوں (ٹھہرتا نہیں)۔

ایک بدو سوار بن عبداللہ کی مدح سرائی میں کہتا ہے:

وأوقف عند الأمر ما لم يضح له وأمضى إذا ما شك من كان ماضيا

وہ ہر معاملے میں کافی غور و فکر کرتا ہے جب تک کہ وہ بالکل واضح نہ ہو جائے اور صواب کا پہلو واضح ہو جانے کے بعد ذرا بھی توقف نہیں کرتا بلکہ سب سے بڑھ کر انجام دینے والا ہوتا ہے۔

وہ کام قابل تعریف سمجھا جاتا ہے جس میں درستگئ رائے واضح ہو جائے۔رہا ہلاکت کی طرف قدم بڑھانا اور خطرات کو مول لینا تو وہ اہل دانش کے نزدیک قابل تعریف عمل نہیں ہے۔

16.3.4 لغوی تحقیق

مَثَل ج اَمثَال (مادہ : م،ث،ل): بات، کہاوت، عبرت، دلیل۔

حذَّرَ تَحذِیرٌ مصدر بروزن تفعیل حَذَّرَہ': خوف دلانا، متنبہ کرنا، چوکنا کرنا۔

أدَّبَ یؤدب تأدِیبٌ مصدر بروزن تفعیل: مہذب بنانا، شائستہ بنانا، ادب سکھلانا، جرم پر سزا دینا۔

رُبَّ حرف جر ہے حسب سیاق کلام تکثیر و تقلیل کا فائدہ دیتا ہے اور نکرہ پر داخل ہوتا ہے اور زائد کے حکم میں ہوتا ہے اور نکرہ کے لیے شرط ہے

کہ موصوف ہو اور جب اس کے آخر میں ''ما'' لاحق ہوتا ہے تو عمل نہیں کرتا اور اس صورت میں فعل اور معرفہ پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے: رُبَّمَا الخلیل مقبلاو ر رُبَّماأقبلَ الخلیلُ اور کبھی اس صورت میں بھی عمل کرتا ہے جیسے: رُبَّماضربةٍ بسیف صقیلٍ۔

وَهَبَ يَهَبُ وَهْباًوَ هِبَةً المالَ فلاناًو لِفلانٍ: ہبہ کرنا، دینا، (مادہ :وہ ب) مثال واوی، باب فتح یفتح کے وزن پر آتا ہے۔

الرَّيْث: سستی اور تاخیر۔

أَحْكَمَ الشيئَ: باب افعال بروزن إسلام، إقرار، إبلاغ (مادہ: ح ک م): مضبوطی سے کرنا۔

استعجل، یستعجل استعجال مصدر بروزن استفعال، (مادہ: ع ج ل): برانگیختہ کرنا، جلدی کرنے کا حکم دینا، سبقت کرنا، آگے بڑھ جانا۔

نَقَضَ نَقْضاً البناءَ: عمارت ڈھانا، العهدَ أوالامر: عہد شکنی کرنا، (مادہ :ن ق ض بروزن باب نصر ینصر)-

اِسْتَانَفَ اِسْتِئْنافاً الشَّيئَ: از سر نو کرنا، کوئی کام دوبارہ شروع کرنا (مادہ: ان ف، بروزن استفعال)۔

عَشَّى تَعشِيَةً الرجلَ: شام کا کھانا کھلانا/الابل: اونٹ کو رات میں چرانا۔ (مادہ: ع ش ی، باب تفعیل، ناقص یائی، بروزن زَكَّى يُزَكِّي تزکیۃ۔

اِغْتَرَّ و اسْتَغَرَّ بكذا: دھوکا کھانا، (مادہ: غ رر، بروزن باب افتعال)۔

كَلَأَ و كَلِئَ (س) كَلأً المكانَ: سبزہ زار ہونا، المُكْلِئة ج مُكْلِئَات: سرسبز، (اسم مفعول، واحد مؤنث، مادہ: ک ل ء)۔

وَرَدَ يَرِدُ وُرُوْداً الماءَ: پانی پر آنا، مثال واوی (مادہ ورد، باب ضرب یضرب)۔

ک ي س، كَاسَ يَكِيْسُ كَيْساً و كِيَاسَةً الغلامُ (مادہ: ک ی س): زیرک ہونا، ذہین ہونا/ فلاناً: دانائی میں غالب آنا، أَكْيَسُ اسم تفضیل مؤنث كَيْسىٰ و كُوسىٰ ج كِيْس۔

حَزُمَ يحزم حَزْماً و حَزَامَة (مادہ: ح زم، باب کرم): ہشیاری اور دور اندیشی سے کام لینا۔ أَحْزَمَ اسم تفضیل ہے حَزُمَ سے۔

خَفَّ يخف (ض) خَفّاً و خِفَّةً و خَفَّةً (مادہ خ ف ف، باب ضرب): ہلکا ہونا۔

عَطِبَ يعطب (س) عَطَباً (مادہ ع ط ب، باب سمع): ہلاک ہونا۔

أَمْضَى إمْضَاءً الأمرَ (مادہ م ض ی، باب اِفعال بروزن اِلقاء، ناقص یائی ہے): انجام کو پہنچانا۔

أَبىٰ يأبى (ف ض) اِبَاءً و إبَائَةً الشيئ (مادہ ء ب ی، باب فتح اور ضرب): ناپسند کرنا، انکار کرنا۔

تَبَيَّنَ الشيئُ (مادہ ب ی ن، باب تفعل بروزن تحدث): واضح ہونا۔ الشئ: واضح کرنا، غور و تامل کرنا۔ لازم متعدی دونوں استعمال ہے۔

وَقَفَ يَقِفُ وَقْفاً و وُقُوْفاً (مادہ وق ف، باب ضرب): ٹھہرنا، چپ چاپ کھڑا ہونا۔/ وفی المسألة: شک کرنا، أوقف اسم تفضیل من وقف۔

الرُشد: ہدایت، راہِ راست پر ہونا (مصدر مادہ رش د)۔

رَشَدَ يرشد رُشْداً و رَشَاداً و رَشِدَ يرشد رَشَداً: ہدایت پانا۔

ألغَرَرُ ہلاکت کے درپے۔ کہا جاتا ہے أَنَا غَرَرٌ منک : میں تم سے دھوکے میں ہوں۔ غَرَّہَ (مادہ غ رر، باب نصر) غَرّاً و غُرُوْراً دھوکا دینا۔

اللُّبُ : ہر چیز کا خالص، خالص عقل۔ وہ چیز جو وہم وغیرہ کی آمیزش سے پاک ہو۔ لُبّ ج أَلْبَاب. ذو الالباب ج ذوي الالباب یعنی صاحب فہم وفراست، صاحب عقل وذکا۔

16.3.5 ادبی صنف کا تعارف

16.3.5.1 ضرب الامثال یا کہاوتیں

ضرب الامثال دو لفظوں ضرب اور امثال کا مرکب ہے۔ ضرب کے لفظی معنی مارنا۔ ضرب في الأرض کے معنی زمین میں سیر کرنا، چلنا پھرنا، گھومنا۔ مثل جمع امثال کے متعدد معانی لغت میں ملتے ہیں۔ عبرت، نصیحت، نشانی۔ قرآن میں آیا ہے (فجعلناهم سلفاً و مثلاً للآخرين) سورہ الزخرف، آیت: ۵۶)۔ ۲۔ نظیر، مثال: قرآن میں ہے (مثلهم كمثل الذي استوقد ناراً) (البقرہ، آیت: ۱۷) ۳ جانوروں کی زبانی قصہ وکہانی، جیسے امثال کلیلہ ودمنہ (کلیلہ ودمنہ کی کہانیاں و قصے)۔ ۴۔ حجت اور دلیل: مثال کے طور پر کہتے ہیں أقام له مثلاً یعنی اس نے ایک دلیل دی، اس نے ایک حجت قائم کی۔ ۵۔ اعلی درجے کی مثال، نمونہ، کہتے ہیں "وهو مثل في الأخلاق العالية۔" یعنی وہ اعلی اخلاق کا ایک نمونہ ہے۔ اسی سے المثل السائر کا لفظ آیا ہے یعنی وہ قول جو لوگوں میں چل پڑے۔ اسی کو کہاوت کہتے ہیں۔ یہ ایک یا دو جملوں پر مشتمل اس کلام کو کہتے ہیں جس سے کسی خاص واقعہ سے عبرت ونصیحت ہو اور وہ اسی طرح کے دیگر مواقع پر بار بار استعمال کیا جاتا ہے۔

ابو ہلال العسکری اپنی کتاب جمهرة الأمثال میں لکھتے ہیں کہ مَثَل کی اصل کلام میں دو چیزوں کے درمیان یکسانیت اور تشابہ کے ہیں جیسے کہتے ہیں کما تدين تدان یعنی جیسے کرو گے ویسے بھرو گے۔ اسی سے ضرب المثل نکلا ہے، کہتے ہیں ضرب فی الأرض یعنی زمین میں چلا پھرا اور کہتے ہیں ضرب الامثال رکہاوتیں اسی طرح نقل کی جاتی ہیں جس طرح عربوں سے سنی گئی ہیں، اس کے صیغوں میں تبدیلی نہیں کی جاتی۔ مثال کے طور پر ایک ضرب المثل (کہاوت) ہے الصيفَ ضيعتِ اللبنَ یہاں پر ضیعتِ کے تِ کو کسرہ دیتے ہیں کیوں کہ اس کی اصل ایک حکایت ہے اور پہلی مرتبہ اسی طرح بولی گئی پھر وہ اسی طرح عام ہوگئی۔

ابراہیم نظام نے ضرب المثل کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں چار چیزیں پائی جاتی ہیں جو کسی اور کلام میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ مختصر الفاظ، صحیح معنی، بہترین تشبیہ اور حسین کنایہ اور یہ بلاغت کا درجۂ کمال ہے۔

کہاوت کی ایک تعریف یہ کی گئی ہے:

"کسی واقعے یا قصے وغیرہ کا نتیجہ جو لگے بندھے الفاظ میں بطور مثال بیان کیا جائے، کہاوت یا ضرب المثل کہلاتا ہے"۔

ایک اور تعریف یہ ہے کہ:

"ہر وہ فقرہ یا مصرع کہاوت بن جاتا ہے جو بطور نظیر زبان زد عام اور مشہور ہو جائے۔ جیسے سانپ بھی مرجائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"۔ کچھ اور کہاوتیں ملاحظہ فرمائیں: آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا، آم کے آم گٹھلیوں کے دام، اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، انگور کھٹے ہیں، اونچی دکان پھیکا پکوان، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا، نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔ اونٹ کے منہ میں زیرہ، اندھے کے ہاتھ بٹیر، دھوبی کا

کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا، آ بیل مجھے مار۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ضرب المثل یا کہاوت اس مختصر قول کو کہتے ہیں جو لوگوں میں مشہور ہو جائے اور کسی حکمت یا تجربہ یا روایت یا تشبیہ اور اسی طرح کسی کہانی، قصہ جو کہ لوگوں کی نصیحت کے لیے بیان کی جاتی ہے، پر دلالت کرتی ہے۔

16.3.5.2 محاورہ اور کہاوت میں فرق

کہاوت ایک مکمل جملہ ہوتا ہے، جسے تبدیل کیے بغیر لکھا اور کہا جاتا ہے، جب کہ محاورہ مصدر کی شکل میں ہوتا ہے جسے مختلف افعال میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ مثلاً اندھوں میں کانا راجا، ایک کہاوت ہے۔ اس میں ''اندھوں'' کو ''بہروں'' سے یا ''کانا'' کو ''سیانا'' سے تبدیل نہیں کر سکتے۔ جب کہ ڈینگیں مارنا جو کہ محاورہ ہے اسے فاعل یا فعل کے لحاظ سے تبدیل کر سکتے ہیں۔ جیسے وہ ڈینگیں مارتا ہے، تم ڈینگیں مارتے ہو، ڈینگیں مت مارو، ہم سب نے ڈینگیں ماری۔ اس کی کچھ اور مثالیں: آنکھ چرانا، منہ کی کھانا، آٹے میں نمک ہونا، آسمان کے تارے توڑنا، الو بنانا۔

ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی نے اپنی کتاب ''عربی ادب کی تاریخ'' (ج ۱/ ۱۰۱۔ ۱۰۳) پر اس موضوع پر بحث کی ہے۔ ضروری حذف و اضافہ کے ساتھ اس کو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

عربی زبان کی کہاوتوں کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ بخلاف شعرا انہیں صرف پڑھے لکھے اور مہذب لوگوں ہی نے نہیں کہے بلکہ عوام نے بھی حکیمانہ کہاوتیں کہی ہیں۔ اسی لیے بعض کہاوتوں میں لفظ و معنی کا وہ حسین امتزاج نہیں ہے جو عام طور سے ان کہاوتوں کی امتیازی خصوصیت ہے۔ یعنی ان میں وہ خوبصورت اور دقیق معنی نہیں جو پڑھے لکھے اور مہذب طبقہ کے افراد کی کہاوتوں میں ملتے ہیں۔ جیسے ''أول ما اطلع ضب ذنبه''۔ اسی لیے بعض کہاوتوں کے معنی الفاظ سے نہیں بلکہ سن کر معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے ''بعين ما ارينک'' ابو ہلال العسکری نے اپنی کتاب جمهرة الامثال میں اس کے معنی جلدی کرو کے بتائے ہیں۔ جو الفاظ سے نہیں ملتے محض سن کر یہ معنی معلوم ہوئے۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ عربی زبان میں کہاوتیں دو طرح کی پائی جاتی ہیں۔ حقیقی یعنی جنہیں انسانوں نے کہی ہیں اور فرضی جو جانوروں کے منہ سے ادا کی گئی ہیں۔ جانوروں کے منہ سے کہاوتیں کہلانے کا رواج اس وقت پڑا جب معاشرہ میں حکمراں طبقہ اور سر برآوردہ لوگوں کی ظلم و زیادتی بڑھ گئی اور مفکرین و مصلحین کو اس کا خطرہ پیدا ہوا کہ اگر انھوں نے اپنی زبان سے اس قسم کے جملے کہے جن کی چوٹ حکمراں طبقے یا سربراہِ مملکت پر پڑے گی تو وہ ان پر ظلم و زیادتی کریں گے۔

ذیل میں زمانہ جاہلی کی چند منتخب کہاوتیں دی جاتی ہیں۔ ان سے اندازہ ہوگا کہ عربوں نے زندگی اور تجربات سے ایسی جامع و مانع اور مؤثر کہاوتیں وضع کی ہیں جو آج تک اپنی معنویت اور جامعیت میں نمونہ اور عربی ادب کی جان ہیں اور آج بھی ان کے استعمال سے کلام میں حسن اور معنی میں گہرائی اور اعجاز پیدا کیا جاتا ہے۔

''ان البغاث بأرضنا تستنسر۔'': کمزور چڑیاں بھی ہماری زمین میں گدھ جیسی طاقتور بن جاتی ہیں۔ یہ مثل ایسے موقع پر کہی جاتی ہے جب کمزور آدمی طاقت اور قوت کا مظاہرہ کرنے لگے، گھٹیا آدمی بڑا بن جائے جیسے اردو میں کہتے ہیں ''بلی بھی اپنے دروازے پر شیر ہوتی ہے''۔

''ربّ رمية من غير رام'' کبھی تیر اندازی نہ جاننے والے کا تیر بھی ٹھیک نشانہ پر لگ جاتا ہے۔ یہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب کوئی شخص

ایسا کام کر جائے جس سے یہ توقع نہ کی جاتی ہو کہ وہ بھی یہ کر سکتا ہے۔ یا کوئی شخص کسی چیز کی مہارت نہ رکھتا ہو لیکن اتفاقیہ طور سے وہ کام اچھا کر گیا۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں اندھے کے ہاتھ بٹیر۔

"سبق السیف العذل": تلوار ملامت سے سبقت لے گئی۔ اسے ضبعہ بن ادبن طانجہ نے کہا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت گزرنے کے بعد تلافی ممکن نہیں۔ جیسے اردو میں "تیر کمان سے نکل گیا" یا اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

"ان کنت ریحا فقد لاقیت اعصاراً" اگر تم گرد بادیعنی بگولے سے تمہارا سابقہ پڑ گیا یہ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک اور ہوشیار سمجھتا ہو لیکن اس کا پالا اس سے بھی زیادہ چالاک اور ہوشیار آدمی سے پڑ جائے۔ جیسے سیر کو سوا سیر۔

"انک لا تجنی من الشوک العنب" تم کانٹوں سے انگور نہیں توڑ سکتے یعنی کسی برے آدمی سے بھلائی کی امید نہیں کی جاسکتی۔ یا ہندی میں ایک کہاوت ہے بویا پیڑ ببول کا آم کہاں سے کھائے"۔

"ذکرنی فوک حماری اهلی" تیرے منہ نے میرے گھر کے دونوں گدھے یاد دلا دیے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب امید و توقع کے خلاف کوئی بات ہو جائے۔ اس کہاوت کو ایک آدمی نے کہا تھا اس کے دو گدھے کھو گئے تھے۔ وہ ان دونوں کو ڈھونڈنے نکلا۔ راستے میں ایک عورت دکھائی دی اور اسے بھا گئی۔ چناں چہ وہ اپنے گدھوں کو بھول کر اس کے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد راستے میں جب اس نے اپنا منہ کھولا اور اس آدمی نے اس کا بدصورت چہرہ دیکھا تو یہ مثل کہی۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں ڈھول میں پول۔

"أوسعتهم سبا و أو ردوا بالابل" میں نے ان کو جی بھر کے گالیاں دیں اور وہ اونٹ لے بھاگے۔ اس کہاوت کے پیچھے بھی ایک واقعہ ہے، ایک آدمی اپنے اونٹ چرا رہا تھا اچانک کچھ چور اچکوں نے اس پر حملہ کر دیا اور اونٹ لے بھاگے۔ یہ بیچارہ کمزور تھا، اپنے اونٹ نہ چھڑا سکا۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو ایک ٹیلہ پر چڑھ گیا اور چلّا چلّا کر خوب گالیاں دیں اور منہ لٹکائے اپنے قبیلے میں آیا۔ لوگوں نے پوچھا منہ کیوں لٹکائے ہوئے ہو اور اونٹ کیا ہوئے۔ تو یہ مثل کہی" جیسے اردو میں کہتے ہیں کھسیانی بلی کھمبا نوچے"۔

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عربی زبان میں نہ صرف یہ کہ یہ صنف پائی جاتی ہے بلکہ اس میں اس کا بہت ہی قیمتی ادبی و علمی ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ یہ کہاوتیں اپنے اندر ایک شاندار تاریخی و تہذیبی ورثہ سمیٹے ہوئے ہیں جو کہ زبان و بیان کا لازوال حصہ بن چکی ہیں اور عربی ادب کا کوئی طالب علم اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے۔

16.3.6 متن کا موضوع

اس سبق کا موضوع عربی کہاوتوں کا تعارف ہے۔ اس میں عربی کی کچھ کہاوتیں بطور مثال پیش کی گئی ہیں۔ یہ بہت مختصر اور آسان ہیں لیکن اپنے اندر حکمت و دانش کا بیش بہا لعل و گہر چھپا رکھی ہیں۔ جو زبان و بیان کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

16.3.7 متن کی توضیح وتشریح

یہ سبق مبرد کی کتاب "الکامل" سے ماخوذ ہے۔ اس میں مصنف نے عربی کہاوتوں کو بطور نمونہ بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ حالانکہ عربی کا دامن بہت وسیع ہے اور عربی أمثال پر مشتمل متعدد کتابیں علما نے تیار کی ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ ان میں احمد بن محمد النیسا پوری المیدانی کی "مجمع

الامثال''اورابوہلال العسکری کی''جمہرۃ الامثال''بہت مقبول ومعروف ہیں۔

پہلی کہاوت ''لم یذھب من مالک ما وعظلک'' اگر کسی انسان کا کوئی مال بھول چوک، لاپرواہی یا کسی شخص کے دھوکے میں آکر ضائع ہوگیا جس پر وہ بہت افسردہ اور رنجیدہ خاطر ہوتا ہے۔لیکن یہ کہاوت اس کے علاوہ ہمیں حکمت سکھاتی ہے کہ اس ضیاع کو ضیاع نہ سمجھو وہ تو تمہیں یہ سبق دے گیا کہ کس طرح پیش بندی کرنی چاہیے۔کونسی احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہیے۔معاملات میں کس قدر چاق و چوبند رہنا چاہیے۔اگر تم نے اس نقصان/خسارے سے زندگی میں کچھ سبق لے لیا تو پھر یہی سیکھنا اس خسارے کا متبادل بن جائے گیا۔اس لیے تمہیں اس پر افسوس نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ جو تم نے گنوایا ہے اس سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

آگے ایک اور کہاوت لکھتا ہے ''رب عجلة تھب ریثاً'' کبھی کبھی جلد بازی تاخیر کا سبب بن جاتی ہے۔دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ ایک آدمی کوئی کام جلدی جلدی کرتا ہے اور پھر ایسی غلطیاں کر بیٹھتا ہے کہ پھر اسی کام کو اسے دوبارہ کرنا پڑتا ہے نتیجۃً دوگنا محنت لگتی ہے۔دوگنا وقت صرف ہوتا ہے اور کام میں بھی تاخیر ہوچکی ہوتی ہے۔اسی لیے کہا گیا ہے کہ جلدی کا کام شیطان کا۔

ایک اور کہاوت نقل کرتا ہے ''عش ولا تغتر'' جہاں چارہ پانی ملے اس کو لے لینا چاہیے۔شتربان کو اس فریب یا خیال سے اس کو چھوڑ کر آگے نہ بڑھ جانا چاہیے کہ چلو آگے دیکھ لیں گے۔اگلے سبزہ زار میں اپنے مویشیوں کو چرالیں گے۔یہ دانشمندی نہیں ہے بلکہ خود فریبی یا حماقت ہے کہ جو چیز ہاتھ میں ہے اس کو آدمی چھوڑ دے اور اس امید میں چل پڑے کہ آگے چل کر میں یہ حاصل کرلوں گا۔ایک اور کہاوت عربی میں اسی سے ملتی جلتی ہے ''عصفور واحد فی الید خیر من ألف عصفور علی الشجرۃ'' ہاتھ میں ایک گوریا رچڑیا درخت پر بیٹھی ہزار چڑیوں سے بہتر ہے۔یا اردو میں کہتے ہیں نہ نو نقد نہ تیرہ ادھار۔

اسی کہاوت سے ملتی جلتی ایک اور کہاوت مصنف نے نقل کی ہے جس سے بات اور واضح ہوجاتی ہے۔''أن ترد الماء بماء أکیس'' آدمی کو چاہیے کہ زادسفر لے لے۔یاد رہے کہ پہلے زمانے میں سفر گھنٹوں اور دنوں کا نہیں ہوتا تھا بل کہ ہفتوں اور مہینوں کا ہوتا تھا اور عرب کی سرزمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنا آسان نہیں ہوتا تھا پھر جانوروں کی پشت پر سوار ہوکر آدمی سفر کرتا تھا۔نیز یہ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ ان کے لیے غذا بھی فراہم کرتا تھا۔ایسی صورت میں اس کہاوت کی بڑی اہمیت ہے کہ آدمی کی عقل مندی اس میں ہے کہ جب وہ کسی چشمے پر وارد ہو تو وہاں سے پانی لے لے۔اسے اس کو ڈھونے کی مشقت تو برداشت کرنی پڑے گی لیکن زندگی کا خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔لیکن اگر اس خیال سے کہ چلو آگے کسی چشمے سے پانی لے لیں گے اور پھر پانی نہ مل سکا تو اندیشہ ہے کہ وہ ہلاک ہوجائے، جان اس کی چلی جائے۔اس لیے حکمت اور دانائی کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ جس چشمے پر وارد ہو وہاں سے پانی لے کر آگے بڑھے۔ورنہ وہ خود اپنی ہلاکت کا سبب ہوگا۔

مصنف ایک اور کہاوت کا ذکر کرتا ہے ''قد أحزم لو أعزم'' میں جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو پہلے خوب غور وفکر کرتا ہوں۔اس کے بعد اگر مجھے یہ اطمینان ہوجاتا ہے کہ اس معاملے میں یہ رائے بہتر ہے، ایسا کرنا درست ہوگا تو پھر اس کو کرڈالتا ہوں۔ہچکچاتا اور تردد سے کام نہیں لیتا بلکہ پوری دل جمعی سے اس کام کو اس کے آخری انجام تک پے اکر دم لیتا ہوں اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ میں دانا و بینا ہوں۔اس ضمن میں نابغہ الجعدی کا ایک شعر نقل کرتا ہے کہ مجھے بلائیں، پریشانیاں اور مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے بلکہ وہ میرے پاس نہیں آتی ہیں کیوں کہ میں ایسا آدمی ہوں کہ کسی مشکل و پریشانی کو پہلے ہی بھانپ لیتا ہوں اور اس سے بچ نکلنے کی تدبیر اختیار کرلیتا ہوں۔

مصنف نے اسی سیاق میں ایک عرب بدو کا ایک شعر جو اس نے سوّار بن عبداللہ کی تعریف میں کہا،
نقل کیا ہے، جب کوئی معاملہ اس کے سامنے آتا ہے تو وہ اس میں توقف کرتا ہے یعنی جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں لیتا۔ خوب غور وخوض کرتا ہے یہاں تک کہ جب حق بات اس پر واضح ہوجاتی ہے اور صحیح بات اس پر کھل جاتی ہے تو پھر اس پر فوراً عمل کرتا ہے اور بلا تردد اسے انجام دے دیتا ہے۔

آخر میں مصنف نے یہ کہہ کر درس ختم کیا ہے کہ قابل ستائش بات یہ ہے کہ کسی چیز کے حق وصواب واضح ہونے کے بعد اس پر عمل کیا جائے، اس کو نافذ کیا جائے۔ جہاں تک خطرات مول لینے یا اندھیرے میں تیر چلانے اور بے سمجھے بوجھے خطرات میں اپنے آپ کو جھونک دینے کی بات ہے تو اہل دانش وبینش اس کو قابل تعریف نہیں سمجھتے۔ یہاں یہ مقصد نہیں ہے کہ انسان کو خطرات مول لے کر کوئی کام نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ سچ اور حقیقت جب تک انسان پر عیاں نہ ہوجائے اس وقت تک غور وفکر اور توقف سے کام لینا چاہیے لیکن جب حق اور صواب کا پہلو واضح ہوجائے تو پھر جھجکنا، تردد کرنا، ڈرنا، خوف کھانا یہ مذموم عمل ہوگا۔ اس وقت خطرات مول لینا عین صواب اور قابل تعریف ہوگا۔

16.3.8 متن کی خصوصیات

مبرد نے اس سبق میں کچھ منتخب عربی کہاوتیں پیش کی ہیں جو عربی زبان میں رائج امثال وحکم کی عمدہ مثالیں ہیں۔ ہمارا یہ ادیب عباسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی زبان الجھاؤ، پیچیدگی اور ابہام سے خالی ہے۔ عبارتیں بہت سبک اور رواں تو نہیں ہیں لیکن انتخاب عمدہ ہے۔ یہ کہاوتیں حکمت ودانائی کا خزانہ معلوم پڑتی ہیں انسان کو زندگی گذارنے اور برتنے کا سلیقہ سکھاتی ہیں بلکہ زندگی کے سفر میں یہ زادراہ کے مانند ہیں۔ کوئی شخص اگر ان کو اپنا حرز جان بنائے گا، تو قدم قدم پر اس کو کامیابی ملے گی اور وہ زندگی کی ہر راہ سے خوش وخرم، کامیاب وکامران گذرے گا۔

متن کی ایک دوسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف خود ہی ان کے معنی ومفہوم نہایت جچے تلے الفاظ میں بیان کرتا ہے، بعض الفاظ کے لغوی معنی بھی بتاتا ہے۔ اس سے قاری معمولی سی توجہ سے ان کو بآسانی سمجھ جائے گا۔

متن ربط کلام کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ مبرد ایک کہاوت کے بعد دوسری کا اس طرح ذکر کرتا ہے جیسے سیاق کلام اس سے خود اس کا مطالبہ کر رہا ہو اور اس کا ذکر ایک ناگزیر ضرورت بن گیا ہے اس طرح پوری عبارت انتہائی مربوط اور منطقی انداز میں فطری روانی کے ساتھ آگے بڑھتی ہے کہیں پیوند کاری محسوس نہیں ہوتی ہے۔

آخر میں مبرد نے کچھ کہاوتوں کی تائید میں اشعار بھی پیش کیا ہے۔ شعر سے لفظ ومعنی کی تائید کلام کو نہایت بلیغ وموٴثر بنادیتی ہے اور قاری کے اندر رغبت ودلچسپی پیدا کردیتی ہے۔ یہ کسی متن کی عمدگی کی دلیل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ متن عربی کہاوتوں کا ایک حسین انتخاب ہے۔ ربط کلام اور بات میں تسلسل وروانی اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ علم وحکمت کا خزانہ اور زبان وبیان کی عمدہ مثالیں ہیں۔

16.4 خلافة الأمين

16.4.1 متن سبق

وفي هذه السنة (193هـ) بويع لمحمد بن الأمين بن هارون الرشيد بالخلافة في عسكر الرشيد، وعبدالله بن هارون

الرشيد المأمون يومئذ بمرو، وكان فيما ذكر قد كتب خمويه مولى المهدي صاحب البريد بطوس إلى أبي مسلم سلام مولاه وخليفته ببغداد على البريد والأخبار يعلمه وفاة الرشيد. فدخل على محمد فعزاه وهنأه بالخلافة. وكان أول الناس فعل ذلك. ثم قدم عليه رجاء الخادم يوم الأربعاء لأربع عشرة ليلة خلت من جمادي الآخرة: كان صالح بن الرشيد أرسله إليه بالخبر بذلك، وقيل ليلة الخميس للنصف من جمادي الآخرة، فأظهره يوم الجمعة وستر خبره بقية يومه وليلته، وخاض الناس في أمره، ولما قدم كتاب صالح على محمد الأمين مع رجاء الخادم بوفاة الرشيد. وكان نازلا في قصره بالخلد، تحول إلى قصر أبي جعفر بالمدينة، وأمر الناس بالحضور ليوم الجمعة فحضروا وصلى بهم فلما قضى صلاته صعد المنبر فحمد الله وأثنى عليه ونعى الرشيد إلى الناس وعزى نفسه والناس، ووعدهم خيرا وبسط الآمال، وأمّن الأسود والأبيض، وبايعه جلة أهل بيته وخاصته ومواليه وقواده، ثم دخل ووكل ببيعته على من بقي منهم عم أبيه سليمان بن أبي جعفر فبايعهم وأمر السندي بمبايعة جميع الناس من القواد وسائر الجند، وأمر للجند ممن بمدينة السلام برزق أربعة وعشرين شهرا، وبخواص من كانت له خاصة لهذه الشهور.

16.4.2 صاحبِ سبق کا تعارف

16.4.2.1 امام ابن جریر طبری: حیات اور کارنامے

ابوجعفر محمد بن جریر طبری ایک مشہور مورخ، مفسر، محدث، فقیہ، مجتہد اور قاری ہیں۔ وہ طبرستان میں 224ھ میں پیدا ہوئے اور اس کی نسبت سے طبری کہلائے۔ جب انھوں نے آنکھیں کھولیں تو ہر طرف علم وفن کا چرچا تھا، چناں چہ وہ بھی تحصیل علم کی جانب ابتدا عمر سے ہی متوجہ ہو گئے اور سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور آٹھویں سال میں امامت کے فرائض بھی انجام دینے لگے۔ نو سال کی عمر میں حدیث لکھنے لگے۔

کسب علم کے لیے انھوں نے دور دراز کا سفر کیا اور وقت کے مشہور علما وفضلا کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ انھوں نے عراق میں ابو مقاتل سے فقہ پڑھی، سلمہ بن فضل سے 'مغازی' محمد بن اسحاق کا درس لیا اور اس پر اپنی تاریخ کی بنیاد رکھی۔ احمد بن حماد الدولاری سے کتاب المبتدا پڑھی پھر امام احمد بن حنبل سے استفادہ کے لیے بغداد کا سفر کیا لیکن بغداد پہنچنے سے پہلے ہی امام احمد کا انتقال ہو گیا۔

انھوں نے بغداد کے دیگر شیوخ مثلاً ابوبکر محمد بن بشار، محمد بن عبد الاعلی الصنعانی اور بشر بن معاذ وغیرہ سے حدیث کا درس لیا۔ پھر کوفہ کا سفر کیا اور اسماعیل بن موسی الفرازی، ہناد بن سری دارمی اور ابو کریب محمد بن العلاء الھمذانی سے استفادہ کیا۔ امام طبری احمد بن یوسف تغلبی کی صحبت میں رہے۔ بیروت میں عباس بن ولید بیروتی سے شامیوں کی روایت میں قراءت وتلاوت سیکھی۔ پھر فقہ شافعی کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے۔

اس طرح آپ نے تاریخ، فقہ، حدیث، تفسیر، قراءت، شعر وشاعری اور جملہ متداول علوم وفنون میں مہارت حاصل کر لی اور بغداد میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے۔ مختلف سرکاری مناصب ان کو پیش کیے گئے لیکن انھوں نے کبھی قبول نہیں کیا، جس کے لیے وہ معتوب بھی ہوئے۔

امام طبری نے مختلف موضوعات پر 26 کے قریب کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں تفسیر طبری اور تاریخ طبری بہت مشہور ہیں۔ ان کی چند کتابیں درج ذیل ہیں:

۱۔ آداب المناسک، ۲۔ آداب النفوس، ۳۔اختلاف علماء الامصار، ۴۔ التبصیر فی علوم الدین، ۵۔تھذیب الآثارو تفصیل الثابت من الاخبار، ۶۔تاریخ الامم والملوک، ۷۔ الجامع فی القراءات، ۸۔ کتاب العدد والتنزیل، ۹۔لطیف القول فی احکام شرائع الاسلام، ۱۰۔جامع البیان عن تاویل آئ القرآن

امام طبری کی وفات 28 شوال/310ھ کو ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے جنازہ میں لوگوں کا اس قدر ازدحام تھا کہ صحیح تعداد اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا، کئی مہینوں تک دن رات ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاتی رہی۔

16.4.2.2 تاریخ طبری: ایک تعارف

حافظ ابوبکر خطیب فرماتے ہیں:

''ابن جریر وہ امام ہیں جن کے علم وفضل کے پیش نظر ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور ان کے قول کے مطابق حکم دیا جاتا ہے۔ انھوں نے اس قدر علوم وفنون حاصل کیے کہ ان کے زمانہ میں کوئی ان کے مقابل نہیں تھا۔ کتاب اللہ کے حافظ، معانی کے عالم، احکام قرآن کے شناسا ، حدیث اور اس کی اسانید، صحیح وضعیف اور ناسخ ومنسوخ کی معرفت رکھنے والے، صحابہ وتابعین کے کارناموں سے آگاہ اور جنگی وتاریخی حالات سے باخبر تھے۔ قرآن کی تفسیر کے علاوہ انھوں نے تاریخ 'الامم والملوک' کے نام سے ایک مشہور کتاب لکھی۔(۱)

ذہبی کہتے ہیں:

''وہ حافظ وصادق اور ثقہ تھے، تفسیر میں بلند مقام پر فائز تھے۔ فقہ کے امام تھے، تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی اور قراءت وزبان سے اچھی طرح واقف تھے''۔ (۲)

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

''تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع ومفصل کتاب امام طبری کی ''تاریخ کبیر'' ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل وکمال، وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے''۔ (۳)

16.4.2.3 تاریخ طبری کی خصوصیات

تاریخ طبری اسلامی تاریخ کے مستند مصادر میں سے ایک ہے، بالخصوص قرون ثلاثہ کے بارے میں اس میں اہم معلومات درج ہیں۔ یہ ایک مکمل اور جامع تاریخ ہے۔ ان سے پہلے کئی مصنفین نے تاریخ کے موضوع پر قلم اٹھایا مثلاً یعقوبی، بلاذری، واقدی اور ابن سعد وغیرہ لیکن ابن جریر طبری کو ان پر سبقت حاصل ہے اور تاریخ طبری ان کی تصانیف کے مقابلہ میں زیادہ مکمل اور جامع ہے۔ ان کے بعد کے مورخین مثلاً مسعودی، ابن مسکویہ، ابن اثیر اور ابن خلدون وغیرہ نے اس کتاب سے بھرپور استفادہ کیا بل کہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ بعد کی تمام تاریخی کتب میں اس کتاب کا عکس ضرور نظر آتا ہے۔

امام طبری کی تاریخ کو بہت سارے امور میں دوسری کتابوں پر سبقت حاصل ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

☆ امام طبری کا زمانہ ان واقعات سے قریب ترین ہے۔

☆ امام طبری سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

☆ تاریخی کتابیں زیادہ تر امام طبری سے منقول ہیں۔

☆ امام طبری کی جلالت شان اور علمی مقام۔

16.4.2.4 تاریخ طبری کے موضوعات اور اسلوب

یہ کتاب مشرق ومغرب کے سلاطین اور قوموں کی جامع تاریخ ہے۔اس میں ابتدائے آفرینش سے لے کر مصنف کے زمانہ تک کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔کائنات کی ابتدا، گزشتہ بادشاہوں کی تاریخ، انبیا ورسل کے ادوار، ان کی عمریں، ان کے خلفا کے حالات، ان کی ولایت کی حدود اور ان کے زمانہ میں ہونے والے واقعات وحادثات وغیرہ کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ نبی آخرالزماں، ان کے اصحاب اور تابعین وتبع تابعین کا 302ھ تک بیان ملتا ہے۔

امام طبری اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''میں اپنی اس کتاب میں تین مختلف گروہوں کے انداز میں یہ واقعات لکھوں گا:

پہلا گروہ: وہ لوگ جنھوں نے اللہ تعالی کے انعامات کی قدر کی اور شکر گزار ہوئے اور انبیا اور ان کے سچے پیروکاروں کے نقش قدم پر چلے جس کے نتیجے میں دنیامیں اللہ تعالی کی طرف سے فضل وانعام میں اضافہ ہوااور آخرت میں بھی ان کے لیے جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں موجود ہیں۔

دوسرا گروہ: وہ لوگ جنھوں نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی، اس کی نعمتوں کی ناقدری کی اور اس کے ناشکرے ہوئے، انبیا کی نافرمانی کی اور ان کا مقابلہ کیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالی کی طرف سے ان پر دردناک عذاب نازل ہوا۔

تیسرا گروہ: وہ لوگ جن کی ناشکری اور نافرمانی کے نتیجہ میں ان پر اس دنیا میں عذاب خداوندی نازل نہ ہوا بل کہ انہیں خوب ڈھیل اور مہلت دی گئی تا کہ وہ آخرت میں پوری طرح عذاب کے مستحق ہو جائیں''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ طبری اسلامی تاریخ کا ایک مستند ماخذ ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کتاب میں جھوٹی اور من گھڑت روایات بھی در آئی ہیں۔جنھوں نے بعد میں فتنوں کا دروازہ کھول دیا اور خاص طور سے مستشرقین کو کھل کر کھیلنے کا موقع فراہم کیا۔تاریخ طبری میں مروی روایات پر تحقیق بتاتی ہے کہ اس میں بڑے بڑے دروغ گو، کذاب اور متہم بالکذب راویوں کی روایت جگہ جگہ موجود ہے، جن میں مشہور دروغ گوراوی محمد بن سائب کلبی کی بارہ روایات، ھشام بن محمد کلبی کی پچپن روایات اور ابومخنف لوط بن یحیی کی چھ سو بارہ روایات شامل ہیں۔

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں امام طبری نے ان روایات کو نقل کیا ہے تو اس کا جواب انھوں نے خود اپنے مقدمہ میں دے دیا ہے کہ انھوں نے اس کو میزان عقل ونقل پر نہیں تولا ہے بل کہ جس طرح روایتیں ان تک پہنچی ہیں ان کو اسی طرح بیان کر دیا ہے۔وہ کہتے ہیں:

''میں نے اس کتاب میں جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا ماخذ میری اپنی اطلاعات اور راویوں کا بیان ہے نہ کہ عقلی دلائل اور فکری استنباط، ان کا حصہ ہے بھی تو تھوڑا۔اگر کسی قاری کو میری جمع کردہ خبروں اور روایتوں میں کوئی چیز اس وجہ سے ناقابل فہم اور ناقابل قبول نظر آئے کہ وہ اس روایت کو درست نہیں سمجھتا تو اسے جان لینا چاہیے کہ ہم نے یہ سب اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے۔بل کہ اگلوں سے جو بات ہمیں جس طرح پہنچی ہے ہم نے اس کو اسی طرح نقل کر دیا ہے''۔

16.4.2.5 تاریخ طبری کا ترجمہ

اس کا ترجمہ سب سے پہلے فارسی میں ہوا جس کو محمد بن عبید اللہ البلعمی (329ھ/940ء) نے انجام دیا۔ اسی فارسی ترجمہ کو رواج حاصل ہوا اور عہد عثمانی میں فارسی سے ترکی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا اور اسکندریہ سے 1260ھ/1844ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ مستشرق ''لوی دیبو'' نے 1836ء میں اس فارسی ترجمہ کے ایک حصہ کو فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔ ایک اور مستشرق زوتن برغ (Zotenberg) نے فارسی سے اس کو عربی زبان کے قالب میں ڈھالا اور یہ پیرس میں 1291ھ/1874ء چھپ کر شائع ہوا۔ ابوالقاسم بانیدہ نے 1973ء میں فارسی میں ایک نیا ترجمہ کیا جو ایران سے چھپ کر شائع ہوا۔

16.4.2.6 تاریخ طبری کا اردو ترجمہ

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر جہاں اس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا وہیں اردو میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا۔ میرے سامنے تاریخ طبری کا جو اردو ترجمہ ہے اس کو ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی نے کیا ہے اور نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی نے اس کو اپریل/ 2004 میں شائع کیا ہے۔ اس کی پی ڈی ایف فائل میرے پیش نظر ہے۔ اس کے علاوہ عربی کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے وہ بھی پی ڈی ایف میں ہے لیکن اس میں طباعت وغیرہ کے سلسلہ میں کوئی تفصیل درج نہیں ہے۔

تاریخ طبری کا اردو ترجمہ اصل متن کے اعتبار سے شروع ہوا ہے، یعنی ترجمہ نگار یا پبلشر نے اس پر کسی طرح کا کوئی مقدمہ تحریر نہیں کیا ہے جس سے اس ترجمہ کے محرکات اور مشاکل وغیرہ پر روشنی پڑے۔

اردو کتابوں کے اصول کے مطابق فہرست موضوعات کو کتاب کے آغاز میں ہی درج کر دیا ہے۔ حالاں کہ عربی میں عام طور سے یہ اخیر میں آتا ہے۔ فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں تصرف سے کام لیا گیا ہے اور مترجم نے خود ہی بہت سارے ایسے عناوین کا اضافہ کیا ہے جو اصل فہرست میں موجود نہیں ہیں، جس کی وجہ سے یہ فہرست طویل ہو کر دس صفحات پر پھیل گئی ہے۔ طوالت سے قطع نظر اس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اس سے موضوعات کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور کم وقت میں کسی خاص موضوع کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔

قرآن کی آیتوں کا عام طور سے سلیس ترجمہ پیش کیا ہے۔ ان آیتوں کو کبھی وہ بین السطور ذکر کرتے ہیں اور کبھی حذف کر کے صرف ترجمہ لکھ دیتے ہیں البتہ ان تمام آیتوں کا حوالہ ضرور بیان کر دیا ہے جو کہ اصل عبارت میں نہیں ہے۔

احادیث کے ترجمہ میں اسناد کو حذف کر دیا ہے کیوں کہ اس کے ذکر سے عبارت بوجھل ہو جاتی ہے اور پڑھنے والا اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔ مترجم حدیث وقرآن کے ترجمہ میں اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے کہ ان کی اصل عبارت کے ترجمہ میں کسی طرح کا حذف واضافہ نہ ہونے پائے۔ اس کی وجہ سے اردو عبارت کے اسٹرکچر میں کبھی کبھی تھوڑی بہت کجی نظر آنے لگتی ہے۔

قرآن وحدیث کے علاوہ دیگر متن کے ترجمہ میں یہ چیز نہیں پائی جاتی، بل کہ ہم جانتے ہیں کہ ترجمہ کرتے وقت دقیق الفاظ ومعانی کی وضاحت کے کسی دوسرے لفظ یا جملہ کا اضافہ کر دینا معیوب نہیں سمجھا جاتا بل کہ کبھی کبھی وہ مستحسن اور واجب کے زمرے میں آجاتا ہے۔ مترجم نے اپنے ترجمہ میں اس چیز کو برتا ہے اور ان الفاظ وجملوں کا اضافہ کیا ہے جو کہ اصل عبارت میں موجود نہیں ہیں۔ مثلاً درج ذیل عبارت اور اس کا ترجمہ

ملاحظہ فرمائیے:

فأما ما قال ابن اسحاق فی ذلک، فانه انما استدل۔ بزعمه۔ علی أن ذلک کذلک، لأن اللہ فرغ من خلق جمیع خلقه یوم الجمعة، و ذلک الیوم السابع، و فیه استوی علی العرش و جعل ذلک الیوم عیداً للمسلین۔

مترجم اس عبارت کا ترجمہ اس طرح کرتا ہے:

اور ابن اسحاق کا قول کہ ابتدائے خلق ہفتہ کو ہوئی اس کی بنیاد اصل میں یہ ہے کہ روایات کے موافق اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات سے جمعہ کے دن فارغ ہوئے اور یہ بالاتفاق ساتواں دن ہے۔ اس دن حق تعالیٰ شانہٗ عرش پر رونق افروز ہوئے اور اسی دن کو مسلمانوں کے لیے عید کا دن قرار دیا۔ جب آخری دن یہ یعنی یوم سابع ہے جو کہ فراغت کا دن ہے تو پہلا یقیناً ہفتہ ہوگا جو کہ ابتدائے مصروفیت کا دن ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کئی چیزیں اصل عبارت میں مذکور نہیں ہیں بل کہ وہ چھپی ہوئی ہیں۔ مترجم نے اضافہ کر کے اس کو کھول دیا ہے اگر ایسا نہ کیا جاتا تو مفہوم غیر واضح ہوتا اور اردو عبارت غموض کا شکار ہو جاتی۔

لیکن یہ اضافہ کبھی کبھی بہت مہنگا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس میں کافی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ حتی الامکان اس سے گریز کرنا چاہیے۔ کیوں کہ بہر حال اس کو تصرف سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔ مترجم سے بھی اس سلسلہ میں کبھی کبھی غلطی سرزد ہوئی ہے اور عبارت کو اچھی طرح سمجھے بغیر سیاق و سباق کو نظر انداز کرتے ہوئے ترجمہ کر دیا ہے مثلاً اس نے ایک جملہ کا ترجمہ کیا ہے: **إنّما ینکرہ قوم من غیر أهل التوحید،** البتہ ایک قوم (دہریہ) نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہاں مترجم نے قوم کے بعد بریکٹ کے اندر لفظ دہریہ کا اضافہ کیا ہے تاکہ قوم کی وضاحت ہو جائے۔ حالاں کہ یہاں قوم سے مراد مشرک قوم ہے نہ کہ دہریہ۔ لفظ قوم کی وضاحت اسی پیراگراف میں آگے چل کر موجود ہے کہ **قوم من عبدة الأوثان،** جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس سے مراد بتوں کی پوجا کرنے والے مشرکین ہیں۔ لیکن مترجم نے سیاق و سباق کو نظر انداز کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ غلطی سرزد ہوئی ہے۔

16.4.2.7 تاریخ طبری کی طباعت واشاعت

تاریخ طبری کی پہلی طباعت لیڈن میں 1876ء اور 1901ء کے درمیان دی جومہ اور مستشرقین کی ایک جماعت کی نگرانی میں ہوئی۔ یہ طباعت 13 رجلدوں پر مشتمل تھی جن میں سے دو جلدیں فہرست اور تعلیقات پر مشتمل تھیں، پھر اس تاریخ کی طباعت قاہرہ میں 1906ء میں ہوئی جو کہ 13 رجلدوں پر مشتمل تھی اور اس کو دارالمعارف نے 1960ء میں محمد ابوالفضل ابراہیم اور دیگر حضرات کی تحقیق کے ساتھ 11 رجلدوں میں شائع کیا۔ اس تاریخ کا ترجمہ متعدد زبانوں بشمول انگریزی، فارسی، فرانسیسی وغیرہ میں ہوا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا محمد اصغر مغل اور مولانا اعجاز احمد صمدانی نے خلیل اشرف عثمانی، دارالاشاعت کراچی کے زیر اہتمام کیا۔ جس کی اشاعت سنہ ۲۰۰۳ء میں 7رجلدوں میں ہوئی۔

16.4.3 متن سبق کا ترجمہ

امین کی خلافت

(طبری کی تاریخ الامم والملوک سے ماخوذ)

193 ہجری میں رشید کے لشکر میں محمد اُمین بن ہارون کی خلافت کی بیعت کی گئی اور اس وقت عبداللہ بن ہارون المامون مرو میں تھا۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ طوس میں مہدی کا مولی اور پیغام رساں 'خمویہٗ' نے بغداد میں اس کے پیغام رساں، مولی اور نائب (سکریٹری) ابومسلم سلام نے ایک خط لکھ کر اس کو رشید کی وفات کے بارے میں بتایا، تو وہ محمد کے پاس آیا اور ان کو تسلی دیتے ہوئے خلافت کی مبارک بادی پیش کی۔ ایسا کرنے والا وہ پہلا شخص تھا۔ جمادی الآخر کے ختم ہونے میں چودہ دن باقی تھے کہ بروز بدھ غلام رجاء آیا جسے صالح بن رشید نے اس کی خبر دینے کے لیے بھیجا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نصف جمادی الآخر میں جمعرات کی رات آیا اور اس نے جمعہ کے دن یہ بات ظاہر کی اور خبر کو بقیہ دن اور رات تک چھپا کر رکھا جس کی وجہ سے لوگ اس بارے میں چہ می گوئیاں کرنے لگے۔ جب رشید کی موت کے تعلق سے صالح کا پیغام خادم رجاء کے ذریعہ محمد اُمین کو پہنچا اس وقت وہ اپنے ''خلد'' نامی محل میں مقیم تھا۔ خبر ملتے ہی وہ شہر میں ابوجعفر کے محل میں چلا گیا اور لوگوں کو جمعہ کے دن اکٹھا ہونے کے لئے کہا، لوگ جب جمع ہو گئے تو اس نے ان کی امامت کی۔ نماز کے بعد وہ منبر پر چڑھا، اللہ کی تعریف کے بعد لوگوں کو رشید کے موت کی اطلاع دی۔ خود اپنے آپ کو اور لوگوں کو تسلی دی اور ان سے خیر کا وعدہ کیا اور زیادہ سے زیادہ امید دلائی۔ عام و خاص، سب کو امن و سلامتی کا یقین دلایا اور دوست و دشمن سب کو معاف کر دیا۔ سب سے پہلے اس کے خاندان کے اعلی مراتب، اس کے خواص، غلاموں اور سپہ سالاروں نے بیعت کی۔ پھر اپنے باپ کے چچا سلیمان بن ابوجعفر کو بقیہ لوگوں سے بیعت لینے کا کام سونپ دیا اور 'السندی' کو حکم دیا کہ وہ فوج کے سپہ سالاروں اور سارے فوجیوں سے بیعت لے۔ مدینۃ السلام (بغداد) میں جو بھی فوج میں تھے ان کو دو سال کا نان ونفقہ دینے کا حکم دیا اور 'حواص' میں جو اس کے خاص لوگ تھے ان کے لیے بھی اسی مدت کے لیے یہی حکم دیا۔

16.4.4 لغوی تحقیق

عسکر: عسکر کے بہت سارے معنی ہیں: **عسکر القوم:** جمع ہونا، **عسکر اللیل:** تاریکی زیادہ ہونا، **عسکر الشيءُ:** جمع کرنا۔ **عسکر (ج) عساکر** بمعنی لشکر۔

خلافه: یہ مصدر ہے خلف (ن) خِلافه بمعنی جانشین ہونا/ خَلافةً و خلوفةً الغلام: بیوقوف ہونا۔

بُویع: یہ فعل مجہول ہے۔ **بایع** مبالغہ باہم عقد بیع کرنا۔ **بایع الخلافه:** خلافت کی بیعت کرنا۔

یعلمه: **اعلمه الامر و بالامر:** اطلاع دینا، خبر دینا۔

عزاه: **عزّی تعزیۃ الرجل:** تسلی دینا۔

هنّاه: **هنأه، تهنیأ و تهنیةً بکذا:** مبارک باد دینا۔

قدم: **قدم (س) قدوماً و مقدماً علیه:** قصد کرنا، آنا۔

خاض: **خاض (ن) خوضاً في الحدیث:** گفت وشنید کرنا، مفاوضہ کرنا۔

نازلا: مصدر من نزل (ض) نزولاً المکان و بالمکان و في المکان: کسی جگہ میں اترنا۔

تَحوّل: **تحول یتحول تحولا الی مکان:** ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔

صعِد: **صعد (س) صُعوداً** چڑھنا، **المنبر:** منبر پر تشریف لے جانا۔

المنبر: منبر/منابر: مسجد کا وہ اونچا حصہ جہاں سے امام خطبہ دیتا ہے۔

نعی: نعی ینعیٰ نعیاً و نعیاً و نُعیاناً الیه فلانا و له فلانا: کسی کو کسی کی موت کی خبر/اطلاع دینا۔

بسط الامل: خوب امید دلانا۔(أمل/آمال: امیدیں)

أمّن یو من تامین: امان دینا، کسی کو امن کا یقین دلانا۔

الاسود و الابیض: کالا اور سفید یعنی دشمن اور دوست۔

جِلّة: جلیل جمع اجلاء و جِلّة: بڑے مرتبہ والے لوگ۔

القواد: جمع قائد، رہنما، سرپرست، لیڈر۔

16.4.5 ادبی صنف کا تعارف

تاریخ نویسی ایک اہم فن ہے جس طرح دیگر علوم وفنون نے بتدریج ترقی کرتے ہوئے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی اسی طرح ابتدا میں تاریخ نویسی کا بھی حال تھا۔ پہلے تو اہم واقعات کو ''ایام'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ پھر جب مختلف علوم وفنون کو مدون کیا جانے لگا تو تاریخ اسلام خاص طور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے اہم واقعات قلمبند کیے جانے لگے۔اس طرح کتاب المغازی وغیرہ تدوین ہوئیں۔ وقت، حالات اور ضروریات نے اہل علم کو تاریخ نویسی کی ضرورت کا احساس دلایا چنانچہ تاریخ اسلام پر امام جریر طبری نے سب سے پہلے قلم اٹھایا اور ایک مبسوط کتاب تحریر فرمادی، اس زمانے میں سند بیان کرنے کا رواج تھا چنانچہ امام صاحب نے بھی وہی طریقہ اپنایا کیونکہ اس کے بغیر اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ گویا کہ مستند بات لکھنے کا یہی طریقہ تھا۔ اسی وجہ سے اس کتاب کو اعتبار ملا اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے یہ ایک اہم تاریخی مصدر بن گئ۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی تاریخ پر یہ پہلی مستند کتاب ہے جس سے اب تک استفادہ جاری ہے۔

16.4.6 متن سبق کی توضیح وتشریح

یہ سبق امام طبری کی کتاب 'تاریخ الامم والملوک' سے ماخوذ ہے اس میں ہارون رشید کے بیٹے اُمین کی خلافت کا تذکرہ ہے کہ وہ خلیفہ کب بنا؟ اور لوگوں نے اس سے بیعت کس طرح کی۔ چنانچہ مؤرخ لکھتا ہے کہ سنہ 193 ہجری میں امین خلیفہ بنا اور لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ہارون رشید کی وفات خلافت عباسیہ کے لیے بہت بڑا حادثہ تھا کیوں کہ اس کی وفات خلافت کی راجدھانی سے دور ہوئی تھی اور وہاں پر ولی عہد اُمین اور مامون دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا اور امین اپنے لیے خلافت کی بیعت کی تیاری کر رہا تھا کیوں کہ ہارون رشید کی طبیعت بہت ہی زیادہ خراب ہوگئی تھی اُمین وصیت وغیرہ کی تیاری کر رہا تھا تاکہ خلافت میں کوئی پریشانی نہ آنے پائے اور جب علالت کی وجہ سے طوس میں ہارون رشید کی وفات ہوگئی تو طوس کے پیغام رساں نے بغداد کے پیغام رساں کو موت کی اطلاع دی اور یہ پیغام رساں محمد اُمین کے پاس آیا اور ان کو دلاسہ دلایا اور غم جوئی کی اور ساتھ ساتھ خلافت کی مبارک بادی بھی پیش کی۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے دلاسہ دیا اور مبارک بادی بھی دی پھر ان کے پاس رجاء نامی خادم بدھ کے دن موت کا پیغام لے کر آیا اور یہ پیغام ہارون رشید کے بیٹے صالح نے بھجوایا تھا کیوں کہ وہ اپنے والد کے ساتھ طوس ہی میں تھا اور یہ

بھی کہا جاتا ہے یہ خادم بدھ کے روز نہیں بلکہ جمعرات کی رات میں پیغام لے کر آیا لیکن محمد اٗمین نے لوگوں کو اس بات کی خبر نہیں دی۔ جب رجاء نامی غلام پیغام لے کر آیا اس وقت محمد اپنے محل میں تھا خبر سننے کے بعد وہ ابوجعفر کے پاس گیا اور لوگوں کو جمعہ کے دن حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو محمد اٗمین نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد منبر پر کھڑا ہوا اور اللہ تعالی کی تحمید و تعریف کی اس کے بعد لوگوں کو ہارون رشید کی وفات کی اطلاع دی اور اپنی بھی غم گساری کی اور لوگوں کی بھی۔ ان سے خیر کا وعدہ کیا، تمام لوگوں کو امن و امان بنائے رکھنے کی تلقین کی، پھر لوگوں نے اٗمین کے ہاتھ پر بیعت کرنا شروع کیا، پہلے اعلی مرتبہ والے لوگوں نے بیعت کی پھر سپہ سالاروں اور غلاموں وغیرہ نے بیعت کی۔ لیکن پھر بھی سب لوگ بیعت نہ کر سکے تو اپنے چچا کے بھائی سلیمان بن ابوجعفر کے پاس آیا اور ان کو بیعت کرنے کا وکیل مقرر کر دیا یعنی اگر لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے تو گویا کہ انھوں نے اٗمین کے ہاتھ پر بیعت کر لی، چنانچہ لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور السندی کو حکم دیا کہ وہ تمام سرداروں اور سپاہیوں سے بیعت لے اور جو فوجی مدینۃ السلام یعنی بغداد میں تھے ان کے لیے دو سال کے نان ونفقہ دینے کا حکم دیا۔

16.4.7 متن کی خصوصیات

یہ سبق قدیم طرز تحریر کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اسلوب روایتی ہے۔

☆ جملے اور عبارتیں بیش بہا معلومات سے پر ہیں۔

☆ طرز تحریر تاریخ نویسی کے اس طرز سے مشابہ ہے جس میں سند کے ساتھ کوئی بات کہی جاتی ہے۔ یہ بالکل وہی طریقہ ہے جس پر حدیث رسول ﷺ کی جمع وتدوین کی گئی ہے۔

☆ الفاظ آسان، عام فہم اور عبارت رواں ہے۔ کسی طرح کا ابہام یا غموض نہیں پایا جاتا ہے۔

☆ بعض مقامات پر اشاروں سے کام لیا گیا ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ طالب علم عہد عباسی کے بعض خلفا کے بارے میں بھی کچھ معلومات رکھتا ہو ورنہ اسے عبارت کو سمجھنے میں دشواری ہوگی۔

☆ بعض عربی محاروں کا بڑی خوش اسلوبی سے استعمال کیا گیا ہے جس سے عبارت میں ادبی رنگ آ گیا ہے اور ایک مؤرخ اور ادیب کی یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ حقیقی واقعات کو بے کم وکاست ادبی زبان میں بیان یا تحریر کرے۔ تاکہ پڑھنے والوں کو تاریخ کا علم بھی ہو اور ادب کا لطف بھی ملتا رہے۔

16.4.8 سبق کا موضوع

اس سبق کا موضوع خلیفہ ہارون رشید کا انتقال اور امین کی خلافت سنبھالنے کی سرگزشت ہے۔

16.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں دو اسباق ہیں: اول "الأمثال" ہے۔ یہ مبرد کی کتاب "الکامل" سے ماخوذ ہے جو عربی ادب کی اساسی کتابوں میں سے ہے۔ مبرد نے اس سبق میں عربی کی چند خوبصورت کہاوتیں پیش کی ہیں۔ سب سے پہلے اس نے یہ کہاوت نقل کی کہ وہ مال یا عمل ضائع ورائیگاں نہیں گیا جو تم کو کچھ سبق سکھا گیا۔ پھر اس نے لکھا کہ کبھی کبھی جلد بازی تاخیر کا سبب بن جاتی ہے۔ حقیقت ہے کہ جلدی کی وجہ سے اگر کام غلط یا خراب

ہو گیا تو وہ مزید تاخیر کا سبب بنے گا۔اسی لیے کہا گیا ہے جلدی کا کام شیطان کا۔ پھر اس کی ایک اور عمدہ کہاوت عربی زندگی وصحرائی زندگی کی آئینہ دار ہے، بیان کیا کہ جہاں کہیں راستے میں چارہ پانی ملے اسے لے لو آگے کے بھروسہ پر اسے چھوڑ مت دو کیوں کہ پتہ نہیں آگے ملے نہ ملے۔اسی بات کو ایک اور کہاوت مزید مؤثر کرتی ہے کہ اگر کسی پانی کے چشمے رگھاٹ پر پہنچو تو پانی لے لو، اس کو یہ سوچ کر آگے مت بڑھ جاؤ کہ اگلے چشمے پر لے لوں گا اگر اگلا چشمہ ملا تو صرف پانی ڈھونے کی مشقت برداشت کرنی پڑے گی اور اگر آگے پانی نہ ملا تو پھر ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔اس لیے دانش مندی اسی میں ہے کہ جہاں کہیں پانی ملے آدمی لے کر چلے۔ پھر ایک شعر نقل کرتا ہے وہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے اور حکمت سے پر ہے۔ کہتا ہے کہ جب میرے سامنے کوئی معاملہ آتا ہے تو میں اس میں خوب غور وفکر کرتا ہوں تا کہ حقیقت واضح ہو جائے اور حق وصواب کا پہلو واضح ہو جائے اور پھر صحیح رائے تک پہنچنے کے بعد اس کو انجام دینے میں تردد نہیں کرتا بلکہ پورے عزم وجزم کے ساتھ اس کو کر ڈالتا ہوں۔

دوم "خلافة الأمين" ہے۔ یہ ابن جریر طبری کی کتاب تاریخ الأمم والملوک سے ماخوذ ہے جس کا شمار تاریخ کی اساسی کتب میں ہوتا ہے۔ابن جریر نے اس میں خلیفہ ہارون رشید کی وفات کا ذکر کیا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کی وفات کی خبر محمد امین کو جمعرات کے دن پہنچی۔اس کو اس نے چھپائے رکھا۔ جمعہ کے دن اعلان کرایا کہ لوگ نماز کے لیے جمع ہوں، بعد نماز منبر پر چڑھ کر اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور خلیفہ ہارون کے وفات کی خبر لوگوں کو سنائی۔خود کو اور لوگوں کو تسلی دی۔سب کے ساتھ حسن سلوک کا وعدہ کیا اور لوگوں کو خیر کی امید دلائی۔عام معافی کا اعلان کیا۔سب سے پہلے خلیفہ کے گھر والوں نے، پھر خواص اور سپہ سالاروں نے اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔ پھر اس کی طرف سے سلیمان بن ابی جعفر نے بقیہ لوگوں سے بیعت لی۔دار الخلافہ میں موجود فوجیوں کے لیے ۲۴ رمہینوں کا نان ونفقہ جاری کرنے کا حکم دیا اور خواص میں جو اس کے خواص تھے ان کے لیے بھی یہی حکم دیا۔

16.6 نمونے کے امتحانی سوالات

۱۔ ضرب الامثال یا کہاوتوں کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالیے۔

۲۔ مبرد کی زندگی اور علمی وادبی کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

۳۔ الکامل کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔

۴۔ درج ذیل عبارت کی تشریح کیجیے :"قد أحزم لو أعزم"۔

۵۔ سبق "ضرب الأمثال یا کہاوتیں" کا خلاصہ اپنی زبان میں تحریر کیجیے۔

۶۔ تاریخ طبری کا تعارف اور اس کی خصوصیات بیان کریں۔

۷۔ محمد امین کی خلافت کی بیعت کس طرح ہوئی؟

۸۔ سبق "خلافة الأمين" کس کتاب سے ماخوذ ہے؟ اس میں استعمال کسی ایک محاورہ کو بیان کیجیے۔

16.7 مطالعے کے لیے معاون کتابیں

۱۔ مجمع الأمثال — أحمد بن محمد النيسابوري الميداني

٢۔	جمهرة الأمثال	أبو هلال العسكري
٣۔	الكامل في اللغة والأدب	أبو العباس محمد بن يزيد المبرد
۴۔	تاريخ الإسلام السياسي والديني والثقافي والاجتماعي	الدكتور حسن إبراهيم حسن
۵۔	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی
٦۔	تاریخ اسلام	غلام رسول مہر
۷۔	تاریخ اسلام	اکبر شاہ نجیب آبادی